تذکرہ حضرت محدث دکن

رہبر شریعت رہنمائے طریقت عارف باللہ تعالیٰ
حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی حیدرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ

سوانح - عقائد - اعمال

جلد اوّل جلد دوم

تالیف

ڈاکٹر ابوالخیرات محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری
ایم اے ۔ پی ایچ ڈی
سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن (انڈیا)

ممتاز پبلی کیشنز لاہور

تذکرہ حضرت محدث دکن

رہبر شریعت رہنمائے طریقت عارف باللہ تعالےٰ
حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی حیدرآبادی رحمہ اللہ تعالےٰ

سوانح - عقائد - اعمال

جلد اوّل



تالیف

ڈاکٹر ابوالخیرات محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری

ایم اے - پی ایچ ڈی

سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن (انڈیا)

الممتاز پبلی کیشنز لاہور

نام کتاب ------ تذکرہ حضرت محدث دکن (جلد اول) (جلد دوم)

مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ نقشبندی قادری رحمتہ اللہ علیہ

تقدیم ------ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

تالیف ------ پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیرات محمد عبدالستار خاں داوودزی، نقشبندی قادری

باہتمام ------ محمد عبدالغنی بن محمد عبدالرحمن بصراوی بی ایس سی، بی ای (عثمانیہ) انجینئر امریکہ، مقیم نیویارک

طباعت بار اول ------ ماہ محرم ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء

مجموعی صفحات ------ ۶۶۰

تعداد ------ ۱۱۰۰

مطبع ------ الممتاز پبلی کیشنز، لاہور

قیمت ------ ۳۰۰/۰۰

ناشر ------ ڈاکٹر (حافظ) محمد غوث ندوی

دارالعلوم الاسلامیہ کیلیفورنیا (امریکہ)

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور پاکستان

☆ مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ لاہور پاکستان

☆ مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

☆ مکتبہ وقار الملت: این پی-۴، ۳، ۲، ۱، نزد ککری گراؤنڈ، نواب مہابت خانجی روڈ کراچی

☆ مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

☆ ادارہ منہاج القرآن، پوسٹ بکس نمبر (۶۴۱)، PARAMUS، N-J-07652

PHONE:201-262-2321

DR. MUHAMMAD ABDUSSATTAR (P.H.D)

6066. NORTH. PAULINA. CHICAGO

ILLINOIS. 60660 USA

773 - 465 - 0916

773 - 465 - 9115

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان ولیی اللہ الذی نزّل الکتاب وھو یتولی الصالحین

(الاعراف آیۃ ۱۹۶)

(میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی)

تذکرۂ حضرت محدّث دکن علیہ الرحمۃ والرضوان

عارف باللہ ، رہبر شریعت ، رہنمائے طریقت

مولانا ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ حیدر آبادی نقشبندی و قادری

خلفِ حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہما

" زند گانی تھی تیری ، مہتاب سے تابندہ تر

خوب تر تھا ، صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر "

(سوانح ، عقائد اور اعمال)

جلد اول

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر ابو الخیرات محمد عبدالستار خان داودزی نقشبندی و قادری

(ایم اے ، پی ایچ ڈی)

سابق صدر شعبہ عربی جامعۂ عثمانیہ ، حیدر آباد دکن (انڈیا)

باہتمام

محمّد عبدالغنی بن محمّد عبدالرحمن بصراوی

بی الیس سی ، بی ای (عثمانیہ) انجینیئر امریکہ ، مقیم نیو یارک ،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

از حافظ قاری مولانا ڈاکٹر محمد غوث ندوی، بانی و صدر دارالعلوم الاسلامیہ بامریکا (کیلیفورنیا)

آشفتگاں شوق کی منزل ہے یہ مقام
سر چشمۂ حجاز کا جاری ہے فیضِ عام

الحمد للہ وکفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد اس بندۂ عاجز پر اللہ تعالی کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی زندگی میں جن مقبول بندوں کو پایا، دیکھا اور استفادہ کیا اور بغیر استحقاق کے ان کی عنایت اور دل میں ان کی محبت جاگزیں ہوئی ان میں حضرت محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہ کی ذات بابرکات ہے جن کا تذکرہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تذکرہ نہ صرف حیدرآباد، ہندوستان بلکہ عالم اسلامی کے ایک نامور عالم، فقیہ، محدث اور شیخِ طریقت کا تذکرہ ہے۔ آپ کی دینی خدمات کا ہر ایک معترف ہے۔ سارے اہلِ وطن کے دلوں میں آپ کا ایک خاص مقام ہے۔ امت مسلمہ آپ کی قومی اور دینی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی یہ تذکرہ تاریخی بھی ہے اور موجودہ زمانہ کے لئے سبق بھی۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ معاصرین میں عالمِ عرب اور پاکستان کے نامور علماء اور مؤلفِ تذکرہ کے اساتذہ کے بھی حالات موجود ہیں اس طرح یہ تذکرہ چودھویں صدی ہجری کی علمی اور دینی تاریخ ہے تذکرہ کے مؤلف (اللہ تعالی ان کے دارین میں عافیت سے رکھے) پروفیسر محمد عبدالستار خان نقشبندی و قادری صاحب تذکرہ کے خلیفہ ہیں جنہوں نے حضرت محدث دکن قدس سرہ کی نامور عربی تصنیف زجاجۃالمصابیح کی طباعت میں حضرت کے ساتھ کام کیا ہے۔

مؤلف نے اس تالیف سے ایک ارادتمند کی حیثیت سے اپنا ایک فرض ہی ادا نہیں

کیا بلکہ مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ میں ایک فصلِ تازہ کا بھی اضافہ کیا ہے جو مؤلف کی ایک مستقل علمی یادگار ہے اور اس شعر کے مصداق ہے:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت برقرار

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت مجھے سب سے پہلے ۴۷ سال قبل ۱۹۵۱ء میں ہوئی جبکہ میں جامعہ نظامیہ کے شعبۂ حفظ میں زیر تعلیم تھا اور دس سال کی عمر تھی۔ اور اسی وقت سے حضرت کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوگئی۔ جامعہ نظامیہ میں قیام کے دوران اکثر خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتا۔ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں مدراس، لکھنو میں تقریبا آٹھ سال گذارے اور جب ۱۹۶۳ء میں حیدرآباد واپس ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرتا رہا۔ وہ دن مجھے خوب یاد ہیں جب کہ حضرت تین مختلف موقعوں پر میرے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں تھیں۔ ایک حفظ کلام اللہ کی تکمیل جو میرے والد ماجد علیہ الرحمہ کی درخواست پر فرمائی جو حضرت کے مرید بھی تھے۔ دوسری دعاء عالمِ دین بننے کی اور تیسری دعاء شادی کے سلسلہ میں نیک رشتہ کی الحمد للہ یہ سب دعائیں بارگاہ الہی میں مقبول ہوئیں۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی سیرت کے مطالعہ کا مجھے ایک عرصہ سے شوق تھا اور مجھے اس بات کا بھی علم تھا کہ فضیلۃ الاستاذ پروفیسر مولانا محمد عبدالستار خان صاحب حضرت کا تذکرہ لکھ رہے ہیں۔ عندالملاقات میں اس بارے میں حضرت سے دریافت کرتا رہتا۔ آخری مرتبہ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۷ء کو میں نے جب دارالعلوم الاسلامیہ بامریکا کے شعبۂ حفظ کے طلباء کی دستار بندی کے جلسہ میں شرکت کے لئے دراخوست کیا تو حضرت محدث دکن قدس سرہ کے تذکرہ کے بارے میں دریافت کیا تو جواب ملا کہ الحمد للہ کام تو تیار ہے مگر نشر و اشاعت کے مصارف کی عدم موجودگی کی وجہ سے کام رکا ہوا ہے۔ میں نے یہ سنا تو فورا اس ذمہ داری کو قبول کرلیا اورا لحمد للہ اس سعادت عظمی پر رب العالمین کا شکر گزار ہوں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں آخر میں مؤلف تذکرہ فضیلۃ الاستاذ پروفیسر مولانا عبدالستار خان مدظلہ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ موصوف نے صاحبِ دعوت و عزیمت حضرت محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور سیرت پیش کرکے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ تذکرہ اپنے جلو میں بلند و بالا بصیرتوں اور حکمتوں کا سامان لئے ہوئے ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب قدر و عظمت کے ہاتھوں سے لی جائے گی اور عقیدت و محبت کی آنکھوں سے پڑھی جائے گی۔

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسراو

یکشنبہ — راقم ناشر
۲۲ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ — محمد غوث ندوی
۲۳ نومبر ۱۹۹۷ء — دارالعلوم الاسلامیہ
بامریکا۔ کیلیفورنیا

وللہ الحمد

انتساب

اپنے والد مرحوم الحاج محمد اسماعیل خان داودزی
اور
والدۂ مرحومہ رقیہ بیگم نور اللہ مرقدھما
کے نام

اگرچہ میری والدۂ محترمہ نے میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے وفات پائی، مگر مجھ میں اپنی والدۂ مرحومہ سے ذوق علمی کی باتیں سن کر حصول علم کا شعور بیدار ہوا۔ اور والد ماجد کی تربیت اور صحیح رہبری نے مجھے علم کی لگن سے نوازا۔

تربیت سے تیری، میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ابوالخیرات محمد عبدالستار خان داودزئی)

قطعۂ تاریخ تذکرۂ محدّث دکن

از ڈاکٹر خواجہ یعقوب عمر پروفیسر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ

چلتا نہیں علم میں غرور نسبی — ہر فتح و ظفر ، ہوئی نہ ہوگی کسبی
یہ ذکر ہے ذکر حضرت عبداللہ شاہ — مشہور جہاں ہے جنکی عالی نسبی
تالیف ہے جن کی وہ ہیں عبدالستار — مرشد کے لکھے جنھوں نے حالات سبھی
تاریخ جو پوچھی میں نے ، ہاتف نے کہا
جا تذکرۂ محدّث دکن ہے وہبی

۱۹۹۳ء

قطعۂ تاریخ (فارسی)

درفنِ حدیث با کمال و یکتا — اهلِ دل و اهلِ حال و اهلِ عقبیٰ
بود اسم گرامی حضرت عبداللہ شاہ — درویش و ز نقشبندیاں وابستہ
در ذات و صفاتِ وی چگویم اے دل — گفتند کہ بود بی مثال و ھمتا
استادِ عربیؔ مبین عبدالستار — دانشور و عالم و حکیم و دانا
بر مرشدِ باکمال کردہ تحریر — مبسوط کتاب خاص برجستہ
واللہ چہ کتاب کہ بعالم مثلش — ہر گز نشود بہ جستجو ھم پیدا
این " تذکرۂ محدث دکن " ای همدم — لاریب صحیفۂ بزرگ و اعلیٰ
آمد ز دلم صدا بگو تاریخش
"تالیفِ زرنگ و بے مثال و زیبا"

۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

الحمد للہ ربّ العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

میرے معبود تیری پردہ نشینی ہے عجیب — ذرے ذرے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب — دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال
چشم اعمیٰ میں خورشید دیجور ہے
دیدۂ صاحبِ دید میں نور ہے
آنکھ والوں سے اے بے بصر پوچھ لے
میرا سرکار نور علی نور ہے

بندۂ عاجز ابوالخیرات محمد عبدالستار خان حنفی نقشبندی قادری عرض کرتا ہے کہ ایک عرصہ سے عاجز کی خواہش تھی کہ اپنے معلّم روحانی، مہر طریقت، ماہ شریعت حضرت محدّث دکن مولانا ابوالحسنات سید شاہ عبداللہ نقشبندی و قادری کے مبارک احوال کو کتابی شکل میں جمع کروں۔ یہ عاجز اپنے فرزند دلبند محمد امان اللہ خان امجد سلمہ کے اصرار پر امریکہ پہونچا اور یہاں کافی فارغ اوقات ملے اور مواد بھی خوب ہی میسر ہوا تو الحمد للہ یہ کام شروع ہوا اور ثم الحمد للہ تکمیل کو پہونچا۔

اس مبارک تذکرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس عاجز نے معاصرین میں عالم عرب اور پاکستان کے نامور علماء کے مبارک احوال بھی جمع کردیئے حیدر آباد کے معاصرین میں صرف اپنے اساتذہ کرام کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ عاجز شریعت اور طریقت کے غلاموں میں ایک ادنی غلام ہے جس کی حیثیت اس تذکرہ میں اردو دان طبقہ کے لئے ایک ذریعہ ابلاغ کے سوا کچھ نہیں:

ان ہی کی باتیں سنا رہا ہوں   زبان میری ہے بات ان کی

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس عاجز کے خون میں اپنے آباء و اجداد کی نیکیوں کا پرتو ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کے خاندان کے ایک بھائی نے ام المؤمنین بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا جو حضرت ہارون علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کے سلسلۂ عالیہ کی دختر نیک اختر تھیں، ام المؤمنین نے فرمایا، "بیٹا" اور وہ بھائی صاحب "اماں" کہہ کر ام المؤمنین سے لپٹ گئے۔ "واللہ اعلم بالصواب" اس نسبت سے اکابر کے تذکرے اور بزرگوں کے حالات سے اس عاجز کی روح خود میں بالیدگی محسوس کرتی ہے۔

حیدرآباد کی مردم خیز سرزمین نے تمام شعبۂ حیات میں بڑے بڑے نابغۂ روزگار پیدا کئے ہیں۔ حضرت محدث دکن قدس سرّہ ایسے صاحب کمال تھے جو اپنے عہد کی پہچان اور روحِ عصر کے ترجمان تھے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں:

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمعِ محفل کی طرح، سب سے جدا، سب کا رفیق
مثلِ خورشیدِ سحر، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد۔ معانی میں دقیق
اس کے احوال سے محروم نہیں پیرانِ طریق

یہ عاجز اور وہ سارے احباب جن کا تعلق سرزمین حیدرآباد سے ہے، ہم سب کو جو کچھ ملا یہیں سے ملا۔ تو ہمارے حضرت کے تذکرہ کے ضمن میں شہر اور شہر والوں کا بھی ضرور تذکرہ آرہا ہے جس سے وطن کی بھی ایک خدمت مقصود ہے:

فطرت نے سکھائی تھی ہم کو
افتاد یہاں ، پرواز یہاں
گائے تھے وفا کے گیت یہاں
چھیڑا تھا جنوں کا ساز یہاں

یہ صفحات اس ناکارہ کے قلم سے لکھوا دیئے گئے اور یہ بات دکھلادی گئی کہ:

ان المقادیر اذا ساعدت
الحقت العاجز بالقادر

(یعنی جب تقدیر الٰہی مددگار ہوتی ہے تو بندۂ عاجز اور قاصر کو ربّ قادر اور قدیر سے وابستہ کردیتی ہے) اس عاجز کا علم و عمل تو برائے نام تھا ہی اور ضعف و پیری نے رہا سہا بھی رخصت کردیا۔ ان حالات میں اللہ تعالی کے ایک ولیّ کامل، جلیل القدر محدّث، عالم ربانی، فقیہِ زمانہ ، مربیّ دوراں کی سوانح کا لکھنا ایک بڑی جسارت تھی، البتہ اطمینان اس بات پر تھا کہ اپنی کوئی چیز نہیں، واقعات اور حالات کو بیان کردینا ساری محنت کا حاصل تھا۔ اور اس امید پر کہ ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کے وابستگان اور اہل ذوق حضرت کو نفع پہونچے اور اس احقر کے لئے زاد آخرت بن جائے۔ مؤرخینِ باکمال، سوانح نگار اور محققین علماء اپنی علمی تحقیقات کے کمالات دکھاتے ہیں اور اس عاجز، قاصر، ناکارہ نے اپنی علمی بے بضاعتی اور کم مائگی کو اس پردہ میں چھپایا ہے۔ اللہ تعالی اس حقیر سے اپنی کرم گستری اور ستاری سے اپنا شایانِ شان معاملہ فرمائیں۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اور اس ناکارہ کی اس خدمت کو قبول فرماویں جس میں علمی کمال کا تو کوئی شائبہ نہیں البتہ اپنے کو تھکانا ضرور ہے۔ اور یہ بھی ربّ العزت کی توفیق رفیق سے میسر ہوا۔ ورنہ ایک قدم چلنے کی بھی کیا مجال تھی: اللہ تعالی اس عاجز کے تھکنے پر نظر فرمائیں اور اس

عاجز کی کوتاہیوں کو جو اس مبارک تذکرہ کے حقوق ادا کرنے میں ہوئی ہیں معاف فرماکر شرف قبولیت عطا فرمائیں۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقشِ بستہ مشوّشم
نفسے بیاد تومی زنم چہ عبارت وچہ معانیم

الٰہی تابہ ابد آستانِ یار رہے
یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار ہے

پنجشنبہ

۲۹۔ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

۲۳ نومبر ۱۹۹۵ء

ابوالخیرات محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری
پروفیسرو سابق صدر شعبہ عربی
جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

(از حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی علیہ الرحمۃ)

تذکرۂ حضرت محدّث دکن (قدّس سرّہ)

تالیف مولانا عبدالستار خان

ابو الخیرات مولانا محمد عبدالستار خان فرزند جناب محمد اسماعیل خان، ساکنِ شکر گنج، حیدر آباد صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی نے یہ مبارک کتاب اپنے پیرو مرشد مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ فرزند حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین کے مبارک احوال میں لکھی ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نے تقریباً دس کتابیں اردو میں لکھی ہیں اور ایک کتاب عربی میں تحریر فرمائی ہے۔ اس کا نام زجاجۃ المصابیح ہے۔ یہ کتاب آپ نے مشکات المصابیح کے طرز پر حنفی مذہب کے استدلال کے واسطے لکھی ہے۔ اس میں قطعاً اختلاف نہیں ہے کہ ایسی کتاب ایک ہزار سال سے علماء احناف نہیں لکھ سکے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے لکھا ہے کہ ایک ہزار برس سے حنفیوں کے کندھوں پر جو قرض تھا، اس کو اس حیدر آبادی فاضل نے اتارا ہے۔ اس کتاب کے درس کو مولانا ابو الوفاء قندھاری نے جاری فرمایا ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں چھپی ہے اور مقبول خلائق ہوئی ہے۔

ف: واضح باد کہ یہ ابتدائیہ حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عاجز کی آخری ملاقات جو ۱۰ مئی سے ۱۳ مئی ۱۹۹۳ کے قیام خانقاہ شریف حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی قدس سرہ میں ہوئی ارقام فرمایا۔ حضرت مولانا زید علیہ الرحمہ نے پنجشنبہ صبح ساڑھے نو بجے ۱۶ جمادی الآخرۃ ۱۴۱۴ھ م ۲ دسمبر ۱۹۹۳ خانقاہ شریف میں داعی اجل کو لبیک فرمایا اور بعد نماز مغرب اندرون خانقاہ شریف تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت کی حیات میں اس مبارک کتاب کا اردو میں ترجمہ شروع ہوا۔ اور آپ نے چار مستند اہلِ علم کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کریں ان چار افراد کے نام یہ ہیں:

۱)۔ مولانا محمد منیر الدین صاحب، شیخ الادب جامعۂ نظامیہ

۲)۔ مولانا محمد عبدالستار خان صاحب، استاذ عربی جامعۂ عثمانیہ

۳)۔ جناب سید غلام جیلانی صاحب، سررشتہ دار عدالت عالیہ، حیدر آباد

۴)۔ صاحبزادہ میر لطف علی خان صاحب

ان چار حضرات کی کوششوں سے حضرت مؤلف کی حیات اور سرپرستی میں چار جلدیں ترجمہ کی شائع ہوئی ہیں جو کہ بنامِ نور المصابیح چھپی ہیں، اور حضرت مؤلف کے بعد مزید پانچ حصوں کا ترجمہ ہوا ہے بظاہر آٹھ حصے ترجمہ کے چھپ چکے ہیں اور نویں حصے کا مسودہ تیار ہے، بظاہر ان نو حصوں سے عربی کی آدھی کتاب کا ترجمہ ہوا ہے، اور ترجمہ کرنے والوں میں سے تین افراد رحلت فرما چکے ہیں اور اب مولانا عبدالستار خان صاحب کی مدد دو افراد کر رہے ہیں:

= مولانا نے دلی میں تحصیل علوم کے بعد جامعِ ازھر مصر میں داخل ہو کر فراغت حاصل فرمائی۔ آپ ایک پہلو دار شخصیت کے حامل تھے۔ شریعت اور طریقت کے سرتاج، دین اور مذہب کے ماہر، محدّث، فقیہ، سخن شناس اور عظیم سخنور تھے، آپ کی چھوٹی اور بڑی تالیفات کی جملہ تعداد (۲۴) ہے، آپ کا کتب خانہ مطبوعات کے علاوہ نایاب مخطوطات کا نادر خزینہ ہے اور تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور طلبہ آپ کے ان نوادر سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس عاجز کے پیر و مرشد کی وفات کے بعد، حضرت کی اس عاجز پر سرپرستی بڑی برکات کا باعث رہی ہے۔ ابوالخیرات عفرلہ ۱۲۔

۱) مولوی سید احمد علی، فاضل جامعۂ نظامیہ

۲) پروفیسر غلام محمد، صدر شعبہ عربی جامعۂ عثمانیہ (۱)

اس کتاب کے متعلق جو واقعہ عاجز سے ظاہر ہوا ہے اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

تقریباً دو یا تین سال ہوتے ہیں کہ عاجز نے افغانستان کی علماء اعلام کو اس کتاب سے آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ اس زجاجۃ المصابیح نے علماء حنفیہ کو مشکاۃ المصابیح سے بے نیاز کر دیا ہے، اگر تم اس کتاب کو چھپوالو اور یہ کتاب علماء کرام کے مطالعہ میں آجائے تو بہت بہتر ہوگا۔ عاجز یہ بات کہہ کر دہلی آگیا اور دوسرے سال جب کوئٹہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ علماء کرام نے یہ کتاب چھپوالی ہے اور افغانستان میں وہ مقبول خلائق ہوئی ہے۔

عاجز کی دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائے اور علماء احناف اپنے مسلک پر قائم رہیں و فقنا اللہ سبحانہ و تعالی لرضائہ والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

شنبہ ۱۸ ذی القعدۃ الحرام ۱۴۱۳ھ۔ ۱۱ مئی ۱۹۹۳ء

زید ابو الحسن فاروقی

(۱) ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے بعد فراغت حج اور زیارت ۲۲/جون ۱۹۹۴ء کو حیدر آباد میں انتقال فرمایا اور نقشبندی چمن واقع مصری گنج احاطہ حضرت محدّث دکن قدّس سرّہ میں دفن ہوئے۔ احیاء المعارف النعمانیہ (حیدر آباد) جس کو حضرۃ الاستاذ فقیہ عصر مولانا ابو الوفا افغانی قدّس سرّہ نے قائم فرمایا تھا کے رکن رکین تھے۔ رحمہ اللہ و غفرلہ ۱۲ ابو الخیرات عفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

کائنات کا تمام نظام مشیت ایزدی کے تابع ہے، جو شخص بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی اس کے شامل حال ہوتی ہے، اس نے کسی کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا، کسی کو تفسیر کی خدمت کی توفیق بخشی، کسی کو فقہ کی تدوین و اشاعت کا اعزاز بخشا، ہمارے ائمۂ احناف کی توجہ زیادہ تر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے مسائل فقہ کے استنباط اور استخراج کی طرف رہی اور یہ بدیہی بات ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے بغیر دینی مسائل کا استنباط نہیں ہوسکتا، علم فقہ ادلۂ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) سے حاصل کئے جانے والے مسائل کے مرتب مجموعے کا ہی نام ہے۔

تاہم امام اعظم ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ جامع المسانید کے نام سے دستیاب ہے، امام محمد بن حسن شیبانی (۱۸۹ھ) کی تصانیف مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار معروف و مشہور ہیں، امام طحاوی کی شرح معانی الآثار بڑی اہمیت کی حامل ہے، امام علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ بدر الدین عینی نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری اور دیگر تصانیف میں، حضرت ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں، امام احمد رضا بریلوی نے فتاوی رضویہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں فقہ حنفی کی بھرپور تائید و توثیق کی ہے، علامہ زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں

حدیث کی مشہور کتابوں سے احناف کے دلائل جمع کر دیئے ہیں، ماضی قریب میں امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ اور شاگرد ملک العلماء مولانا علامہ محمد ظفر الدین بہاری نے چھ جلدوں میں صحیح البہاری کے نام سے عظیم الشان کتاب لکھی جس میں تقریباً پچاس ہزار احادیث جمع کر دی گئی ہیں، مسلک اہل سنت و جماعت اور مذہب حنفی کے دلائل کا شاندار مجموعہ ہے، لیکن افسوس کہ اس کی صرف ایک جلد چھپ سکی ہے جو کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔

دینی مدارس میں عرصۂ دراز سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھائی جارہی ہے، جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے بڑی اہم کتاب ہے، چونکہ مشکوٰۃ اور مصابیح کے مصنف شافعی ہیں، اس لئے اختلافی مقامات پر وہی احادیث لائے ہیں جن سے حضرات شافعیہ استدلال کرتے ہیں، یہ ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ طلباء کو پڑھانے کے لئے مشکوٰۃ شریف کے انداز پر ایک کتاب لکھی جائے جس میں وہ احادیث جمع کر دی جائیں جن سے فقہائے احناف استدلال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت محدث دکن، حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ کو عطا فرمائی، انہوں نے زجاجۃ المصابیح کے نام سے تقریباً اڑھائی ہزار صفحات پر مشتمل پانچ جلدوں میں کتاب تصنیف فرمائی جسے حنفی مشکوٰۃ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے خوشی کی بات یہ ہے کہ فرید بک سٹال لاہور کی طرف سے یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے، اس کتاب کی اشاعت سے اہلِ علم قارئین کو پتہ چلے گا کہ فقہ حنفی کس قدر مضبوط دلائل کی بنیاد پر استوار ہے۔

علامہ عبدالفتاح ابو غدہ، ملک شام کے شہر حلب کے رہنے والے اور علامہ زاہد الکوثری کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے حج کے موقع پر زجاجہ کی پہلی جلد دیکھی تو حضرت مصنف کو مکتوب ارسال کیا، جس میں انہوں نے لکھا:

مجھے یہاں حضرت والا کی تصنیف منیف زجاجۃ المصابیح کی جلد اول دستیاب ہوئی، جس کی وجہ سے میری بصر اور بصیرت دونوں روشن ہوگئے، اللہ تعالی نے آپ کو اس بیش بہا نعمت سے جو نوازا ہے اس پر میں نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا، اللہ تعالی آپ کو اس کار خیر پر اسلام اور حضرات احناف کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔

الفقیر الی اللہ۔ عبدالفتاح ابو غدہ

۱۴۔ محرم ۱۳۷۷ھ

فقیہ ہرات مولانا ابو نصر محمد اعظم برنابادی، زجاجہ کی دو جلدوں کا مطالعہ کر چکے تھے تیسری جلد کی وصول ہونے پر انہوں نے اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھا:

زجاجۃ کی دو جلدوں کی تدریس نے میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی اور اب تیسری جلد کی وصولی میرے دل کی کشادگی اور شرح صدر کا سبب بن رہی ہے، یہ کتاب درحقیقت صحیح ترین احادیث کا ذخیرہ ہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے ایسا بحرِ ذخار حاصل ہوگیا ہے جو میرے لئے بالکل کافی ہے، احناف کے لئے واضح حجت ہے، جہالت اور تنقید کی بیماریوں کے لئے قانون ہے اور مذہب حنفی کی توثیق میں جواب قاطع ہے... اللہ مؤلف اور اس کتاب کی طباعت اور اشاعت میں مدد کرنے والوں کو جزاء خیر مرحمت فرمائے۔ (آمین)

مولانا ابو الحسن زید فاروقی (دہلوی) نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا:

"مصابیح ہو یا مشکاۃ ان کے مؤلف شافعی ہیں اور جن کتابوں سے مصابیح اور مشکاۃ کی تالیف ہوئی ہے وہ شوافع ہیں لہذا ان میں حضرت امام عالی مقام امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کا بھی ذکر نہیں۔ ہمارے علماءِ احناف نے ان کتابوں کی شرح یا حاشیہ لکھ کر حنفی مذہب کے استدلالات لکھے ہیں۔ ۷۰۳ھ سے ۱۳۶۸ھ تک احناف کس مپرسی کی حالت میں رہے، مرقات، لمعات اور اشعۃ اللمعات کو ہر شخص خرید نہیں سکتا۔ وہابیت اور غیر مقلدی کے اسباب پوری طرح اثر انداز ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے لطف و کرم سے محدث دکن کو توفیق دی کہ وہ حنفی مذہب کے استدلالات

احادیث شریفہ کی مستند کتابوں سے جمع کریں... تقریباً بیس سال سے یہ کتاب عاجز کے پاس ہے اور جب بھی اس کتاب کو دیکھتا ہے محدّثِ دکن کے لئے دعائے خیر کرتا ہے قدس اللہ سرہ نوّر ضریحہ۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

سات سو سال سے جس شئ کی تمنا احناف کو تھی اللہ تعالی کے لطف و کرم سے اب وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت محدّث دکن نے وہ کام کیا جو سات سو سال سے کوئی حنفی نہیں کر سکا۔ اس کتاب کی اشاعت سے غیر مقلدی اور وہابیت کے اثرات پھیلنے سے انشاء اللہ بند ہو جائیں گے... عاجز نے مختصر طور پر چند سطریں لکھ دی ہیں۔ علماء کرام اس کتاب کو دیکھیں اور مدارسِ عربیہ میں اس کو داخلِ نصاب کریں۔ وفقنی اللہ وایاہم لما یحبّہ ویرضاہ۔ چہار شنبہ ۲۲ صفر ۱۴۱۱ھ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء۔

حضرت محدّث دکن

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری کی ولادت باسعادت دس ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۶ء بروز جمعہ حیدر آباد دکن میں ہوئی، اسی سال حیدر آباد کے مشہور جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب چوالیس واسطوں سے امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جدّ اعلی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حجاز سے مقدس بیجاپور، ہندوستان تشریف لائے، عادل شاہی دور میں شاہی فرمان کے مطابق تعلقہ نلدرگ، ضلع عثمان آباد، مہاراشٹرا

میں قیام پذیر رہے، آپ کے والد ماجد مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی (۱) حیدر آباد دکن میں منتقل ہوگئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

یوں تو اُس وقت حیدر آباد دکن اسلامی علوم و معارف کا مرکز تھا، ہر شہر اور گاؤں میں اولیاء کرام علماء، فقہاء اور شعراء موجود تھے، حضرت علامہ کا خانوادہ بھی علمی، دینی اور روحانی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا، آپ کے والد ماجد نہ صرف عالم و فاضل تھے بلکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۴ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت شہزادہ قادری المعروف ہونٹ کٹے شاہ کی صاحبزادی اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت علامہ سید عبداللہ شاہ کی تعلیم و تربیت کا آغاز بڑے اہتمام سے ہوا، عالم ربانی محبّ رسول مقبول حضرت عاقبت شاہ رحمہ اللہ تعالی نے بسم اللہ شریف پڑھائی، حیدر آباد کے مشہور فضلاء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، آپ کے چند اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام، فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں فاروقی، بانی جامعۂ نظامیہ، حیدر آباد دکن

۲۔ مولانا منصور علی خاں

۳۔ مولانا حبیب الرحمن بیدل سہارنپوری

۴۔ مولانا محمد لیسین

۵۔ مولانا حکیم عبدالرحمن سہارنپوری

---

(۱) مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی (۔۔۔ ۱۳۵۳ھ) عالم، محدّث، فقیہ صوفی، تحصیل علوم کے بعد دفتر معتمدی، حکومت آصفیہ میں ملازمت اختیار فرمائی۔ حیدر آباد کی ایک مجذوبہ کی تصرف سے منصب بھی جاری ہوئی جو ہمارے حضرت محدّث دکن پر بھی جاری رہی۔ آپ طریقت میں حیدر آباد کے معروف شیخ حضرت مسکین شاہ قدّس اللہ سرّہ کے مجاز تھے۔ شاہ راجو قتال حسینی نبیسرۂ حضرت خواجہ بندہ نواز قدّس سرّہ کے احاطہ واقع بیرون فتح دروازہ جانب شمال اپنے چند اقرباء کے ساتھ آرام فرماہیں۔ نوّر اللہ مضاجعہم۔ ابوالخیرات غفرلہ ۱۲

آخر الذکر بزرگ کے واسطے سے آپ کی سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی تک پہنچتی ہے۔ حضرت سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالی حضرت پیر سید محمد بادشاہ بخاری کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور شرف خلافت سے مشرف ہوئے، آپ کے مرشد گرامی حضرت شاہ سعد اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا سعد اللہ تم دکن جاؤ، شاہ سعد اللہ، حضرت شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی کے مرید اور شاہ ابو سعید مجددی کے خلیفہ تھے۔ رحمہم اللہ تعالی۔ شریعت و طریقت کی منزلیں طے کرنے کے بعد حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نے تمام زندگی مسجد علی آقا حسینی علم، حیدر آباد میں مخلوق خدا کی راہنمائی اور علوم دینیہ کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت علامہ سید عبداللہ شاہ، صحیح معنوں میں یاد گار اسلاف تھے، اتباع سنت میں راسخ قدم تھے، پانچوں وقت نماز کی خود امامت فرماتے، نماز فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ حلقہ ذکر قائم کرتے، اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے، حزب اعظم کی دعاؤں کا ورد کرتے، نماز اشراق ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے، ناشتہ کے بعد ظہر تک خواتین کو تلقین کرتے، بعض خواتین حلقہ ارادت میں داخل ہوتیں، نماز ظہر کے لئے مسجد میں آتے تو رات بارہ بجے کے بعد واپس گھر تشریف لے جاتے، اس دوران عقیدت مند حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔ رمضان المبارک میں خاص اہتمام فرماتے، پیرانہ سالی کے باوجود باقاعدہ روزہ رکھتے، تراویح ادا کرتے، نماز تہجد میں ختم قرآن پاک کا اہتمام کرتے اور آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے۔

اللہ تعالی نے عبادت و ریاضت کے ذوق کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا، عربی، فارسی اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے، تحریر اتنی سلیس اور شگفتہ تھی کہ معمولی پڑھا ہوا آدمی بھی ان کے بیان کردہ مطالب کو سمجھ لیتا ہے، ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ زجاجۃ المصابیح (عربی) پانچ جلدوں میں ہندوستان اور پاکستان سے چھپ چکی ہے۔ اس کا مختصر تعارف اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے، اس کے اردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں، ابھی نصف کتاب کا ترجمہ ہونے والا ہے۔

۲۔ سلوک مجددیہ۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے سلوک پر اہم کتاب

۳۔ یوسف نامہ۔ (گلدستہ طریقت) تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام۔

۴۔ گلزار اولیا۔ تذکرۂ اولیاء نقشبندیہ

۵۔ فضائل نماز

۶۔ علاج السالکین

۷۔ کتاب المحبۃ

۸۔ میلاد نامہ

۹۔ معراج نامہ

۱۰۔ شہادت نامہ

۱۱۔ مواعظ حسنہ

اللہ تعالی نے آپ کو چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا فرمائیں، بڑے صاحبزادے مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالی، حضرت کے جانشین تھے ۱۹۹۲ء کے آخر میں وصال فرماگئے، ان کے جنازہ میں تقریباً دو لاکھ افراد نے شرکت کی، دوسرے صاحبزادے میاں سید احمد صاحب مہاراشٹر (انڈیا) میں مقیم ہیں، تیسرے صاحبزادے میاں سید حبیب اللہ قادری رحمہ اللہ تھے، چوتھے صاحبزادے میاں سید شاہ رحمت اللہ قادری ایم۔اے عثمانیہ، حیدر آباد دکن میں مقیم ہیں۔

شیخ طریقت محدث دکن نے درج ذیل حضرات کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا:

۱۔ مولانا ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالی (فرزند اکبر)

۲۔ مولانا سید رحمت اللہ شاہ (فرزند اصغر)

۳۔ مولانا سید عبدالرؤف رحمہ اللہ (خواہر زادہ اور داماد)

۴۔ حضرت سید غلام جیلانی رحمہ اللہ تعالی (مدفون اورنگ آباد، احاطہ حضرت شاہ سراج رحمۃ اللہ علیہ)۔

۵۔ حضرت حافظ صدیق حسین رحمہ اللہ تعالی

۶۔ جناب صاحبزادہ میر لطف علی خان رحمہ اللہ تعالی

۷۔ جناب عبدالرزاق امام و خطیب مسجد شہامت جنگ، موسی باؤلی حیدر آباد۔

۸۔ پروفیسر (ڈاکٹر) محمد عبدالستار خاں، سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن۔

محدّث دکن حضرت علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالی کا وصال ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ، ۲۷/ اگست ۱۹۶۴ء بروز جمعرات بوقت اشراق ہوا، آخری آرامگاہ مصری گنج، حیدر آباد دکن نقشبندی چمن میں ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری

درج ذیل سطور میں ڈاکٹر صاحب کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ محدث دکن کی قابل قدر تصنیف زجاجۃ المصابیح کی طباعت و اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے، عربی ایڈیشن کی طباعت کے وقت انہوں نے دو مرتبہ پوری کتاب اپنے مرشد گرامی کو سنائی، تیسری بار اپنے استاذ محترم مولانا ابوالوفاء افغانی کو سنائی۔ پانچویں جلد کے باب مناقب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچے تھے کہ علامہ افغانی علیل ہوگئے اور ۱۳ رجب ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء میں ان کا وصال ہوگیا، ڈاکٹر

صاحب نے حیدر آباد شہر کی ایک مسجد میں ہر اتوار کو اس کتاب کا درس دینا شروع کیا اور اس طرح تیسرا دور بھی مکمل ہوگیا۔

پھر مولانا منیر الدین شیخ الادب جامعہ نظامیہ، حیدر آباد دکن نے ترجمہ کی پہلی دو جلدیں نور المصابیح کے نام سے تکمیل کیں تو اس پر نظر ثانی کا کام بھی ڈاکٹر صاحب اور چند دیگر حضرات نے انجام دیا۔ اب تک اردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں ان میں بھی ڈاکٹر صاحب کا حصہ ہے، جناب سید خلیل اللہ صاحب مقیم شکاگو نور المصابیح کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں کی تحریک پر ہی فرید بک سٹال، لاہور کی طرف سے زجاجۃ المصابیح اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے، ہمارے فاضل دوست مولانا حافظ سید اقبال عربی اور اس کے سامنے اردو ترجمہ کی ترتیب اور بعض مقامات پر ضروری حواشی کا کام انجام دے رہے ہیں، اس سلسلے میں جناب سید جنید ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، امید واثق ہے کہ ارباب علم، جناب سید اعجاز احمد، مالک فرید بک سٹال، لاہور کے اس کارنامے کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس مختصر تفصیل سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے مرشد گرامی اور ان کی تصنیف زجاجہ کے ساتھ کس قدر والہانہ لگاؤ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرید صادق کو اپنے مرشد کامل متبع شریعت کے ساتھ ایسی ہی عقیدت ہونی چاہیئے کہ وہ فنافی الشیخ کے مقام پر پہنچ جائے۔ تب ہی اللہ تعالی کی طرف سے انوار کے دروازے کھلتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خان کی اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت اور محبت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد کا تفصیلی تذکرہ مرتب کیا ہے، جو واقعی انہیں ہی لکھنا چاہیے تھا، اس تذکرہ میں انہوں نے محدّث دکن حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالی کا خاندانی پس منظر، سوانح حیات، تحصیل علم، بیعت و سلوک، اجازت و خلافت، شب و روز کے معمولات، سوز و گداز، اللہ تعالی اور اس کے حبیبِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت، مسلک اہل سنت اور فقہ حنفی کی خدمات جلیلہ، تبلیغِ دین اور رشد و ہدایت، اولاد امجاد اور خلفاء و مریدین کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور اس طرح بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے شیخ طریقت، محدث دکن کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا ذریعہ فراہم کر دیا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مختصر تذکرہ بھی ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔

ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء (۱۳۴۳ھ) کو حیدر آباد دکن سے اٹھارہ میل دور ایک گاؤں یسرم میں پیدا ہوئے، ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں بن محمد اسماعیل خان ابن محمد بسم اللہ خان ابن ابراہیم خان ابن بڑے خان۔

ان کے جدّ اعلی بڑے خان، قندھار، افغانستان سے سلطنت آصفیہ کے قیام کے کچھ عرصہ بعد حیدر آباد دکن، آکر یسرم گاؤں میں قیام پذیر ہوئے، یہیں ڈاکٹر صاحب کی ولادت ہوئی، بچپن میں گھریلو ماحول اسلامی آداب اور مشرقی تہذیب و تربیت کے رنگ میں رنگا ہوا ملا، اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد جامعۂ عثمانیہ کے استاذ مقرر ہوئے یہاں تک کہ شعبۂ عربی کے صدر رہے۔ لیکن دیکھنے سے وہ کسی طرح کالج یا یونیورسٹی کے پروفیسر دکھائی نہیں دیتے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق داڑھی، سر پر عمامہ، پابند صوم و صلوۃ، بزرگان دین کے ساتھ عقیدت، مزاج میں سادگی اور دھیما پن، حسنِ اخلاق سے آراستہ، تبلیغِ دین کے جذبے سے سرشار، مرشد گرامی کے انتہائی عقیدت مند، حنفیت کے دلدادہ، زجاجۃ المصابیح کی اشاعت اور اس کے اردو اور انگریزی ترجمہ کے لئے دن رات فکر مند، گزشتہ سال (۱۹۹۱ء) حج و زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد لاہور تشریف لائے تو خاص طور پر داتا گنج بخش اور حضرت میاں میر قدس سرہ کے مزارات پر

اہتمام سے حاضری دی۔

ان کی شخصیت کی تعمیر میں پہلے تو گھر کے دینی ماحول کا دخل ہے ، پھر انہیں ایسے اساتذہ اور مشائخ ملے جن کی تعلیم و تربیت کا ان پر گہرا اثر ہے ، حکومتی تعلیم کے دور میں ہی حضرت قاری حافظ مولانا عبدالرحمن حمومی شیخ القرآءت والتجوید جامعہ نظامیہ اور حافظ قاری ولی اللہ شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ سے قراءاتِ عشر کی تعلیم حاصل کی ، ابھی میٹرک تک تعلیم مکمل نہیں کی تھی کہ ۱۹۴۰ء میں محدث دکن مولانا سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور ان سے ذکر الٰہی کی دولت حاصل کی ، ان کے علاوہ علامہ ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۹۷۵ء) سے علمی استفادہ کیا ، سلسلۂ چشتیہ کے ایک بزرگ مولانا جمیل الدین احمد کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے اور حضرت سید قدرت اللہ شاہ قادری سے بھی روحانی استفادہ کرتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ سید مقصود علی خیر آبادی (شاگرد علامہ عبدالحق خیر آبادی)

۲۔ پروفیسر سید مناظر احسن گیلانی

۳۔ مولانا محمد عبدالباری ندوی

۴۔ مولانا سید ابراہیم ادیب حیدر آبادی

۵۔ پروفیسر محمد عبدالحق صدر شعبۂ عربی جامعۂ عثمانیہ

۶۔ مولانا سید نبی ، مؤلف منہاج العربیہ

۷۔ مولانا سید عثمان جعفری الہ آبادی

۸۔ پروفیسر محمد عبدالمعید خاں صدر شعبۂ عربی جامعۂ عثمانیہ

۹۔ مولانا سید فرید پاشا قادری

۱۰۔ جناب مولوی سعادت اللہ خان مندوزی

۱۱۔ جناب عبدالستار سجانی پرنسپل فوقانیہ ، دار العلوم ، حیدر آباد

۱۲۔ مولانا محمد حسام الدین فاضل

۱۳۔ مولوی غوث الدین

وغیرہم

ڈاکٹر صاحب کی اہل اللہ سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ جہاں سے انہیں روحانی فیض ملا حاصل کیا ، مرشد گرامی کے وصال کے بعد دہلی کے مجددی سلسلہ کے بزرگ مولانا ابو الحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۹۳ء) سے وابستہ رہے اور اکتسابِ فیض کیا۔

آج کل ڈاکٹر صاحب اپنے صاحبزادے امان اللہ خاں امجد کے پاس شکاگو ، امریکہ میں مقیم ہیں اور شکاگو میں دینی سرگرمیاں جاری رکھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور دینِ متین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے ، آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ ، لاہور
(پاکستان)

۶ شعبان ۱۴۱۳ھ
۲۹ جنوری ۱۹۹۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

پروفیسر نثار احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی دہلی

قدیم داستان کا ہیرو حاتم طائی جن سات سوالوں کا جواب لینے کے لئے ہفت خواں طے کرتا ہے ان میں سے ایک رمز یہ تھا کہ " ایک بار دیکھا ہے دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے" ۔ میرے لئے اس پہیلی کا جواب حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی، محدّث دکن قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس اور بابرکت شخصیت ہے ۔ میں نے حضرت کو غالباً جون ۱۹۵۹ء میں پہلی اور آخری بار دیکھا تھا ۔ محترم پروفیسر عبدالستار خان مدظلہ العالی حضرت کو لے کر آئے تھے ۔ میرے ماموں زبدۃ الحکماء حکیم شبیہ احمد چشتی صابری ہادوی رحمۃ اللہ علیہ (مددگار ناظم محکمہ طبابت یونانی) مرض الموت میں مبتلا تھے ۔ انھیں بھی حضرت محدّث دکن سے دلی محبت اور عقیدت تھی انھوں نے حضرت کی خدمت میں درخواست بھیجی تھی کہ تشریف لائیں اور دعا فرمائیں ۔ حضرت محدث دکن کوٹلہ عالی جاہ ، کوچہ شادی لال میں تشریف لائے تھے ۔ مولانا عبدالستار خان صاحب شروانی میں ملبوس ، کندھے پر رومال پڑا ہوا ، نہایت مستعدی کے ساتھ حضرت کی خدمت فرما رہے تھے ۔ اس کو آج ۳۷ سال ہوگئے ہیں مگر حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کا فرشتوں جیسا نورانی چہرہ آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے ۔ انھیں دیکھ کر واقعی اللہ یاد آتا تھا ، اور بے ساختہ ان کی قدمبوسی کو دل چاہتا تھا ۔ حضرت کچھ دیر تک میرے ماموں صاحب مرحوم کے پاس رہے ، دعائیں پڑھیں ، نصیحت کی ، فاتحہ خوانی کی اور تشریف لے گئے ۔ اس دن کے بعد سے برابر یہ تمنا رہی کہ حضرت کی قدم بوسی کا شرف دوبارہ حاصل ہو مگر یہ سعادت پھر نصیب نہ ہوسکی تا آں کہ ۱۹۶۴ء میں حضرت کا وصال ہوگیا۔

حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی علیہ الرحمۃ کی مبارک ذات حیدر آباد کے لئے ہی نہیں تمام ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے لئے آیۂ رحمت تھی ۔ انہوں نے اپنی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد میں ، اپنے رب کی عبادت اور ذکر و فکر میں ، اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اور احادیث نبوی کی خدمت و اشاعت میں صرف کیا ۔ ایسے نفوسِ قدسیہ کسی علاقے اور کسی زمانے میں اللہ کی خاص عنایت اور بندوں پر اس کی رحمت کا مظہر ہوا کرتے ہیں ۔ حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ علیہ الرحمہ فقیہ صوفی تھے اور حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ الرحمہ نے جوامع الکلم میں فرمایا ہے کہ " فقیہ صوفی " کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے یعنی بہت کمیاب ہوتا ہے وہ اپنے عہد کے ممتاز محدث بھی تھے انہوں نے زجاجۃ المصابیح جیسی اہم کتاب پانچ جلدوں میں مرتب فرماکر علم حدیث نبوی کے ذخیرے میں نہایت قابل قدر اضافہ کیا ہے خصوصاً مسلکِ حنفی کے ماننے والوں کے لئے یہ کتاب دلیلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔

حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ نقشبندی سلسلے کے نہایت ممتاز بزرگ بھی تھے انہوں نے ہزاروں بندگان خدا کی روحانی تربیت کی اور ان کے نفوس کا تزکیہ و تجلیہ فرمایا ۔ سلوک و تصوف کے اہم موضوعات پر انہوں نے نہایت قابل قدر کتابیں بھی لکھیں جو ایک صوفی باصفا کے مطالعہ اور مشاہدے پر مبنی ہیں اور جن کی روشنی میں سلوک نقشبندیہ کے اسرار و رموز تک ہماری رہنمائی ہوسکتی ہے ۔

مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب زید مجدہ و متع اللہ المسلمین بطول حیاتہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں اساتذہ بھی نہایت جلیل القدر ملے اور انہوں نے حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی قدس سرہ جیسا مرشد کامل بھی پایا اور ان کے فیوض باطنی سے بہرہ ور ہوئے ، انہیں یہ سعادت بھی ملی کہ حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کا تذکرہ مرتب فرمائیں ان کے سوا یہ کام ایسے سلیقے اور ذوق و شوق سے

دوسرا کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ شاید اللہ تعالی نے انہیں اسی خدمت کے لئے امریکہ بھیجا تھا کہ یہاں دین کی تعلیم دیں، نقشبندی سلسلے کی اشاعت کریں اور اپنے پیرومرشد علیہ الرحمہ کا تذکرہ لکھیں۔ الحمد للہ کہ یہ سب کام بہ حسن و خوبی ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ جب مولانا عبدالستار خان صاحب مدظلہ امریکہ آرہے تھے تو دہلی میں راقم الحروف سے ملے تھے، میں نے اسی وقت یہ عرض کیا تھا کہ آپ امریکہ جاکر خانقاہ قائم کریں اور اپنے سلسلے کی اشاعت کریں کیونکہ نہایت مکار اور بدکار لوگوں نے روحانیت کے نام پر وہاں شیطانیت پھیلا رکھی ہے اور اسے فروغ اسی لئے ہو رہا ہے کہ صحیح راستہ دکھانے والے میدان میں نہیں آتے۔ اللہ نے ایسی صورت پیدا کر دی ہے کہ یہاں نقشبندیہ فاؤنڈیشن قائم ہوگئی، اس کی جانب سے کئی شہروں میں خانقاہیں بن گئیں جہاں حلقہ ذکر و فکر ہو رہا ہے اور روحانی پیاس بجھانے کا سروسامان اللہ نے پیدا کر دیا ہے پھر حضرت مولانا ناظم عادل الحقانی نقشبندی اور حضرت مولانا محمد ہشام الکبانی نقشبندی مدظلہما جیسے بزرگوں سے ان کا رابطہ قائم ہوا ہے جنہوں نے تعلیمات اسلامی کو عام کرنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، دوسری اقوام اور ملتوں کے لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور یہ تحریک اپنا عالمی کردار بنا چکی ہے۔

مولانا عبدالستار خان مدظلہ سے میں نے یہ بھی عرض کیا ہے کہ ہندوستان میں نقشبندی اور چشتی بزرگوں کے ملفوظات پر مشتمل بہت سی نہایت ہی قابل قدر کتابیں ہیں اسی طرح تصوف کے علمی مسائل اور قواعد پر مشتمل کتابیں بھی مستند اور باعمل بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں، ان میں سے کچھ منتخب کتابوں کا انگریزی ترجمہ حواشی اور تصریحات کے ساتھ پیش کیا جائے تو اس سے بہت نفع ہوگا اور یہ کتابیں بھی اس طرح محفوظ ہو جائیں گی۔ حضرت مولانا عبدالستار خان صاحب مدظلہ اس خصوص میں بھی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی کامیابی عطا فرمائے۔

اس تذکرے کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت محدث دکن کے معاصر علماء کا حال بھی قلمبند کر دیا گیا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مخصوص دور میں اللہ کے نیک بندے اور علماء کہاں کہاں کیسی خدمت دین کر رہے تھے۔

یقین ہے کہ حضرت محدث دکن کے عقیدت مندوں میں ہی نہیں بلکہ عام طور پر اس صدی میں علوم دین اور سلوک و احسان کے مطالعہ سے دل چسپی رکھنے والے اس کتاب سے رہنمائی حاصل کریں گے اور اسے قدر دانی کے ہاتھوں لے لیں گے، مصنف کے لئے دعائے خیر فرمائیں گے۔ والسلام

سان فرانسسکو (امریکہ)　　نثار احمد فاروقی

۱۴ اگست ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صلّ علی سیدنا محمد و علی آله و صحبه افضل صلواتک عدد معلوماتک وبارک وسلم ۔ اللھم انّی آمنت بانک موجود ، وحبیبک سیدنا محمد صلی اللہ علیه وآله وسلم محمود ، و من اتبعه مسعود ، و آمنت بانک مشھود ، ودونک مفقود ، ومن خالف نبیک فھو مردود ، یا سبوح یا قدوس یا بدوح یا ودود صلّ وسلم علی احمد محمود و افضل مولود سیدنا و مولانا محمد ظلّ الوجود و علی آله الاطھار و اصحابه الاخیار المنفذین الحقوق والحدود۔

ترجمہ ۔ الٰہی ! میرا ایمان اور یقین ہے کہ آپ موجود ہیں اور آپ کے حبیب ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمود ہیں اور جس نے آپ کی پیروی کی وہ مبارک ہے اور مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ آپ حاضر ہیں اور آپ کے سوا سب معدوم ہیں اور جو آپ کے نبی کی مخالفت کرے وہ مردود ہے ۔ اے سبوح ! اے قدوس ! اے بدوح ! اے ودود ! صلاۃ وسلام اور برکت نازل فرمایئے احمد محمود اور افضل مولود ہمارے سردار ، ہمارے آقا محمد پر جو ظلّ وجود (ذات واجب الوجود) کے سایہ ہیں اور آپ کی آلِ اطہار پر اور اصحاب اخیار پر جنہوں نے حقوق اور حدود کو نافذ اور جاری فرمایا۔

حمد

ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے — میرے معبود تیری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال — اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

نعت

شہنشاہِ ارض و سما بلغ العلیٰ بکمالہ — وصفِ رخ او والضحیٰ کشف الدجیٰ بجمالہ
قرآن با خلاقش گواہ ، حسنت جمیع خصالہ — صدقنا یقیناً وامنا ، صلوا علیہ وآلہ

حمد باری تعالیٰ

(از کتاب سبع سنابل تالیف شیخ عبدالواحد بلگرامی)

تمام تعریف اس اللہ رب العزت کے لئے ہے جس نے دلوں کی زمین کو فضل و کرم کی بارش سے زندہ فرمایا اور اس سے رشد و ہدایت کا غلّہ پیدا فرمایا ، اس کو گلستانِ معرفت اور بوستان محبت سے آراستہ فرمایا ، اس میں حکمت کے چشمے بہائے ، اور مشاہدات وحدت کے پھلوں سے بہرہ ور کیا ۔ چنانچہ ارشاد ربی ہے : " وآیة لھم الارض المیتة احییناھا و اخرجنا منھا حبا فمنه یاکلون ۔ و جعلنا فیھا جنت من نخیل و اعناب و فجرنا فیھا من العیون لیاکلوا من ثمره وما عملته ایدیھم افلا یشکرون ۔ (سورہ یسین)

(ترجمہ) اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے ، ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا تو یہ اسی میں سے کھاتے ہیں ۔ اور ہم نے اس میں باغ بنائے کھجور اور انگور کے اور ہم نے اس میں چند چشمے بہائے کہ اس کے میووں میں سے کھائیں ، اور یہ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا ۔ پھر کیوں شکر نہیں کرتے ۔

باغہا و میوہ ہا اندر دلست — عکس لطف آں بریں آب و گل است

(بہت سارے باغ اور میوے دل کے اندر ہیں اور اس کے لطف کا عکس اس پانی اور مٹی پر ہے)

درود و سلام بحضور خواجہ انام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور نامی درود اور گرامی سلام اس رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو گلزار عنایت ربانی کی بہار اور عالی مرتبہ باغیچہ ہدایت ہیں ، اور ایسے برکت والے عربی

درخت ہیں کہ نہ پورب ہی کے ہیں نہ پچھم ہی کے (بلکہ ان کی ہدایت ہر سو ہے) اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلامتی نازل فرمائے اور ان کے تمام اصحابِ ابرار اور اہلِ بیت اطہار اور جملہ امت مرحومہ پر کہ یہ سب انہی کی رسالت کے صاف، شفاف اور شیریں پانی کے پروردہ ہیں اور اسی دریائے ہدایت سے سیراب ہیں۔ (سورۂ رعد، آیۃ ۴) "یسقی بماء واحد و نفضل بعضها علی بعض فی الاکل"
(سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں) رضوان اللہ علیہم ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رضائیں اور خوشنودیاں ہیں۔

اس کے بعد حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۷ھ) نے اولیاء کرام کی سوانح کے مطالعہ کی ترغیب بڑے دلکش انداز سے دی ہے جو فارسی ابیات میں ہے۔

سوانح اولیاء کرام کے مطالعہ کی ترغیب

اے دل ز اخلاقِ مرداں بہرہ مندار نیستی — بارے اخلاق بزرگان را ، زجاں تکرار کن
عند ذکر الصالحین ، زحق نزول رحمت است — ہر زماں ذکرِ جوانمردان دیں ، بسیار کن
گاہ از خوبی احوالِ شاں ، مشتاق باش — گہ زچشم ، از پاکی اخلاق آں اشک ایثار کن

(ترجمہ)

۱۔ اے دل! تو اگر مردانِ خدا کے اخلاق سے حصہ پانے والا نہیں تو (یاد رکھ) بزرگوں کی عادتوں کا دل لگاکر بار بار مطالعہ کر۔

۲۔ چوں کہ اولیاء اللہ کے مبارک ذکر کے وقت رحمت خداوندی کا اترنا ثابت ہے، اس لئے تو ہر وقت دین کے جوانمردوں کا ذکر کثرت سے کیا کر۔

۳۔ کبھی تو ان کے مبارک احوال کا مشتاق بن، اور کبھی ان کی پاکیزہ سیرت اور کردار پر اپنی آنکھوں سے آنسو نچھاور کر، اس کے بعد اولیا اللہ کا واسطہ دے کر

مناجات فرما رہے ہیں اور اپنی مغفرت کا سامان کر رہے ہیں:

یا خدا در معصیت دارم ، باہلِ اللہ صفا — آں صفا را چارہ ، عفوِ من بدکار کن
در کتاب آید کہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون — بندۂ مملوک ، آزاد از عذابِ نار کن
اے خدا ایں از منِ نااہل تلبیس است اگر — ہم تو بر مستہزئ موسیٰ پیمبر، کار کن

(ترجمہ):

۴۔ خداوندا! میں گنہ گار ہوتے ہوئے، اللہ والوں سے محبت رکھتا ہوں، تو اس محبت کو مجھ بدکار کی بخشش کا سہارا بنادے (آمین یارب العالمین)

۵۔ تیری کتاب میں وارد ہے کہ ان مبارک ہستیوں کو نہ تو (دنیا میں) کسی کا ڈر ہے اور نہ (آخرت میں) یہ غم کھاویں گے (بہرحال) اس غلام کو عذابِ دوزخ سے آزاد فرما۔

۶۔ مجھ نااہل کا لباس اگر ازراہ فریب ہے تو تو اس سے وہی معاملہ فرما جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والے کیساتھ کیا ہے (یعنی چوں کہ وہ تیرے محبوب کی ہیئت میں ہونے سے بخش دیئے گئے، مجھے بھی ویسا ہی بخش دے) سبع سنابل کی عبارتیں یہاں ختم ہوئیں۔ (والحمد للہ علی ذلک)

قرآن میں انبیاء کرام کے واقعات

سورۂ مریم پ ۱۶ آیت ۵۱ تا ۵۳ میں ارشاد ربّ العزت ہے "واذکر فی الکتب موسی انہ کان مخلصا و کان رسولا نبیا (اور کتاب میں حضرت موسیٰ کو یاد کرو، بیشک وہ منتخب تھے اور رسول نبی تھے)۔

ونادینٰہ من جانب الطور الایمن و قربنٰہ نجیًا (اور ہم نے کوہ طور (جو مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے) اس کی داہنی جانب سے ندا فرمائی اور اپنا راز ان کو بتانے کیلئے ان کو قریب کیا) ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھرون نبیا (اور ہم نے ان کے لئے اپنی مہربانی سے ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبی بنایا۔

اسی سورۂ مریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذکر کے بعد حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کا مبارک ذکر اس طرح ہے:

" واذکر فی الکتب اسمعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا و کان یامر اھلہ بالصلوۃ والزکوۃ وکان عند ربہ مرضیا (اور کتاب میں حضرت اسماعیل کو بھی یاد کرو، بیشک وہ (بات کے پکے اور) وعدہ کے سچے اور رسول نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کو بڑے پسند تھے)

اس کے بعد حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کا مبارک ذکر اس طرح ہے

" واذکر فی الکتب ادریس انہ کان صدیقا نبیا و رفعنہ مکانا علیا (اور کتاب میں حضرت ادریس کو بھی یاد کرو، بے شک وہ بڑے سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مکان پر اٹھالیا یعنی دنیا میں مراتب عالیہ دیئے اور پھر ان کو آسمان پر اٹھالیا) چنانچہ اس وقت وہ جنت میں ہیں۔

ان انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مبارک ذکر کے بعد ربّ العزت کا ارشاد ہے یہ وہ (تقدس ماب) ہستیاں ہیں جن کے اوپر اللہ تعالی نے احسانات فرمائے ہیں۔

تذکیر بایام اللہ قرآنِ پاک کے علوم پنجگانہ میں شامل ہے۔

واضح باد کہ پچھلی قوموں کے واقعات اور قصص قرآن پاک کے اہم موضوعات میں ہیں اس لئے کہ ان میں ہمارے لئے بڑی عبرتیں، حکمتیں اور اسباق ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ تو مسلسل ہے اور اللہ تعالی نے اس کو احسن القصص فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم اور ماضی کے تجربات میں انسان کی آئندہ زندگی کے لئے بڑے سبق ہوتے ہیں جن کی قدرتی تاثیر انسان کے دل اور دماغ پر عام تعلیمات سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے بلکہ دانشمند انسان اخبار اور واقعات کو سننے اور دیکھنے سے اپنے حال اور عمل کی اصلاح بہ آسانی کرسکتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالی جب کسی پر فضل فرماتا ہے تو دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی اس کو روک نہیں سکتیں، نہ بھائیوں کا حسد، نہ دشمنوں کی دشمنی، نہ زلیخا کے ناپاک ارادے اور نہ زندان کی کال کوٹھری، بہر حال فضل الٰہی حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ سبق ملتا ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالی پر بھروسہ رکھے اور اس کی عبادت سے غافل نہ ہو۔

اسلاف کے کردار میں ہماری ہدایت کا سامان ہے

ہر قوم اپنی تاریخ رکھتی ہے لیکن۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ ہم مسلمانوں سے زیادہ مستند تاریخ کسی قوم کے پاس نہیں، پھر ہمیں اس لحاظ سے بھی تمام اقوام عالم میں امتیاز حاصل ہے کہ اسلام سیرت و کردار کا جو سانچہ اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، تاریخ کے ہر دور میں اس سانچہ میں ڈھلی ہوئیں بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں، دوسرا کوئی دین اور قوم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان عظیم اور مقدس شخصیتوں نے اپنے اعلی کردار کے چراغ روشن کیے ہیں۔ یہ حضرت بلا شبہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی مبارک زبان میں زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں، جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی ہے بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ہم ان کے بلند کردار کی شعاعوں سے اپنی زندگیاں منور کرسکتے ہیں۔ ایسے ہی مردانِ حق کے بارے میں شاعر قرآن علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولی صفات ۔۔ ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل ۔۔ اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو ۔۔ رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب ۔۔ عہدِ کہن کو دیا، اس نے پیامِ رحیل

ساقی اربابِ ذوق ، فارسِ میدانِ شوق   بادہ ہے اس کا رحیق ، تیغ ہے اس کی اصیل

سورۃ الحج پ ۱۷، نمبر ۵، میں ربّ العزت کا ارشاد ہے ۔ اللّٰہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس (اللّٰہ تعالیٰ انتخاب فرماتے ہیں فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہونچانے والوں کو) حضرت شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ اس آیت پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ " ساری مخلوق میں بہتر وہ لوگ ہیں جو پیغام پہونچانے والے ہوں " اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ پیغام پہونچانے والے جن کو ہم داعی کہتے ہیں ان کی تقریر اور تحریر کا جوہر دل پذیری اور یقین افروزی ہوا کرتا ہے اور ان کے کارنامے وقتی اور عارضی نہیں ہوتے بلکہ ان میں ابدیت ہوتی ہے اور وہ زبان اور مکان کی قید سے بلند و بالا ہوتے ہیں ۔

اولیاء کرام کی حکایات خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے

حضرت سید الطائفۃ جنید بغدادی قدّس سرہ سے کئی اصحاب نے صالحین اور اولیاء کی حکایات کے بارے میں دریافت کیا: ان کا بیان کرنا اور سننا کیسا ہے ، حضرت نے جواب دیا اس کی مثال خدا کے لشکر کی سی ہے ، جس سے مریدوں کی حالت درست ہوتی ہے ، عارفوں کے اسرار زندہ رہتے ہیں ، عاشقوں کے دلوں میں ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے، مشتاقوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں ، دلیل پوچھنے پر فرمایا (سورہ ہود کی آیت ۱۲۰) پڑھ لو " وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک (اور ہم آپ سے ان سب رسولوں کے احوال بیان کرتے ہیں ، جن سے آپ کے دل کو تقویت پہونچائیں) اور ارشاد نبوی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھی ہے : نیکوں کا ذکر کیا کرو تم پر برکت نازل ہوگی اور نیکوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے ۔

اسی پس منظر میں یہ عاجز اپنے شیخ مکرّم ، پیرو مرشد ، محدّث دکن ، عارف باللّٰہ ، الجامع بین المنقول و المعقول کی مبارک زندگی کے تذکرہ کو بیان کر رہا ہے :

ان کا سایہ اک تجلّی ، ان کا نقشِ پا چراغ   وہ جدھر گذرے ، ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

حضرت شاہ ولی اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ علیہ اپنی کتاب " انفاس العارفین " کے مقدمہ میں جو خود ان کے ، ان کے والد اور عم اکبر یعنی تایا ۔ شاہ عبدالرحیم اور شیخ ابو الرضا محمد اور ان کے مشائخ و اجداد کرام کے سوانح حیات پر مشتمل ہے ، لکھتے ہیں : اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ مشائخ کی حکایات اللّٰہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے ، اور مشائخ صوفیہ کے اقوال و احوال کہ وہ ان کی کرامت اور استقامت پر مشتمل اور علوم ظاہر و باطن پر جامع ہیں ، مبتدی سالکین کو ترغیب دیتے اور شوق دلاتے ہیں اور منتہی سالکین کے لئے دستور اور میزان ہوتے ہیں ، خاص طور سے اولاد و احفاد کو اپنے آباد و اجداد کے کارنامے سننے سے فائدہ پہونچنے کی توقع ہوتی ہے ۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ کارنامے استعداد رکھنے والے میں غیرت پیدا کرتے ہیں اور یہ غیرت اس کو ایک مقام پر پہنچادیتی ہے یا انھیں سن کر ایک منصف مزاج کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے اور اس سے ایک دانا کے سامنے در توبہ کھل جاتا ہے :

خوش دلکش است قصۂ خوبانِ روز گار   تو یوسفی و قصۂ تو احسن القصص

سبب تالیف تذکرۂ پیرو مرشد (قدّس سرّہ)

پیرو مرشد قدس سرہ کے اس عاجز پر جو احسانات ہیں ان کے بیان کا احاطہ امکان سے باہر ہے اور کسی حیثیت سے یہ بندۂ کمترین اس کام کا اہل نہیں، کہاں نائب شفیع یوم النشور اور کہاں یہ بندہ سرتا پا خطا و قصور؛ اس نا اہلی کے باوجود اللّٰہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کر کے جس نے یہ جذبہ اور تحریک اس عاجز کے دل میں پیدا کی قلم ہاتھ میں لیا ہے:

از سرِ شوق می کنم سخنے   ورنہ مدحش چہ حد ہم چو منے
ہمچو اوئے سزد معرّف او   در جہاں لیک ہمچو اوئے کو
قرنہا دور آسماں گردد   تا چو او اخترے عیاں گردد

عمر ہا ابر مکرمت بارد تا چو او گوہرے پدید آرد

ترجمہ

۱۔ اپنے شوق اور محبت میں کچھ باتیں کر رہا ہوں، ورنہ مجھ جیسا شخص آپ کی تعریف کیا کر سکتا ہے۔

۲۔ آپ کی تعریف کے لئے بھی آپ جیسا شخص ہی ہونا چاہئیے۔ لیکن دنیا میں اس جیسا ہے کون؟

۳۔ آسمان صدہا سال گردش کرے تو اس جیسا ستارہ عیاں ہو

۴۔ ابر کرم مدتہائے دراز تک عزت و شرف کا پانی برسائے تو اس جیسا موتی پیدا ہو۔

اللہ تعالی بہ طفیل حضرت پیر و مرشدا پنے فضل و کرم سے اس تذکرہ کو قبول فرمائے تو زہے سعادت! "وماذلک علی اللہ بعزیز"

باز خوانم قصۂ پیر بو الحسنات خود تا درِ و دیوار را آرم بوجد

اس حقیر نے جو واقعات، اخبار اور احوال دیکھے اور سنے ان کو بیان کرے گا اور اس سلسلہ میں حضرت ممدوح کے کچھ ارشادات بھی مسلمانوں کے کانوں تک پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہاتھ آگیا عجب نہیں کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے کسی سعادت مند کا کام بن جائے اس وجہ سے کہ حضرت ممدوح کے ارشادات میں تعلق مع اللہ اور نسبت ربانیہ اس طرح جلوہ گر ہے جیسے گلاب کی خوشبو اس کے پھول کی ہر ہر پتی میں:

در سخن پنہاں شدم، مانند بو در برگِ گل ہر کہ دارد آرز ویم، در سخن بیند مرا

(ترجمہ) میں اپنے کلام میں اسطرح پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو اس کی ہر پتی میں، جو شخص مجھے دیکھنے کی آرزو رکھتا ہو وہ مجھے میرے کلام میں دیکھے۔

نام و نسب

نام مبارک آپ کا سید عبداللہ اور کنیت ابوالحسنات، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید مظفر حسین، نسب شریف آپ کا پینتالیس واسطوں سے امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، آپ نجیب الطرفین سادات حسینی ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت یوم جمعہ دس ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ پانچ ساعت صبح شہر حیدرآباد میں ہوئی، آپ کی ولادت کا دن وہی مبارک دن ہے جس دن حجاج کرام عرفات میں حاضری دے کر، منی میں قربانیاں ادا کر کے کعبۃ اللہ میں طواف میں مشغول رہتے ہیں، یقیناً جو ذاتِ عالی مرتبت عرفات کا پیامِ صدق و صفا لے کر طلوع ہوگی وہ معرفت کا آفتاب اور ولایت کا مہتاب ہوگی۔

صبح طالع ہوئی، خورشید ولایت چمکا ذرے ضوء ریز ہوئے، مہرِ حقیقت چمکا
شاد ہیں اہل جہاں، اخترِ قسمت چمکا خوش ہیں عشّاق، مہِ عشق و محبت چمکا

یادگار منانا فطری بات ہے

ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ حضرت پیر و مرشد قدس سرہ فرمایا کرتے کہ میں اس دن پیدا ہوا جس دن دکن کے عالم ربانی حضرت مولانا زماں خان شہید شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی مسجد واقع شاہ علی بنڈہ میں شہید کیا گیا۔ حضرت ممدوح کی زبان درفشان سے یہ سن کر رب العزت کا یہ ارشاد یاد آجاتا ہے: (سورہ بقرہ آیت ۱۰۶) **ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر** (جو موقوف کرتے ہیں ہم، کوئی نشانی یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر نشانی لاتے ہیں یا اس کے برابر، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہیں) چوں کہ علماء ربانیین اللہ تعالی کی نشانیاں ہیں کہ اللہ تعالی اپنی ایک نشانی کو لیجاتے ہیں تو اس کی جگہ دوسری نشانی قائم فرمادیتے ہیں۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل

اس موقع پر ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ بزرگوں کی یاد منانے کو اس دہریت اور مادیت کے دور میں قدامت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قوم نے اپنے محسنوں کو بھلا دیا تو آنے والی نسلوں نے اپنی قومیت ہی کو بھلا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یادگار منانا ایک فطری جذبہ ہے، اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے چنانچہ ربّ العزت کاارشاد ہے (سورہ ابراہیم پ ۱۶ آیت نمبر ۵) وذکرھم بایام اللّٰہ (اور ان کو اللّٰہ تعالی کے دنوں کی یاد دلاتے رہو) یوں تو سب دن اللّٰہ تعالی کے ہیں مگر ان سارے دنوں میں قدرت کا انتخاب یومِ پیدائش، یومِ وصال اور یومِ حشر ہے۔ قرآن حکیم میں مقبولانِ درگاہ بر حق کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے (سورہ مریم پ ۱۶ آیت نمبر ۱۵) وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا (ان پر اللّٰہ تعالی کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدان حشر میں اٹھائے جائیں گے) یہ ارشاد حضرت یحیٰ علیہ السلام کی شان میں ہے اور اسی سورہ میں (آیت نمبر ۳۳) اللّٰہ تعالی کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے:

"والسلام علیّ یوم ولدت و یوم اموت ویوم ابعث حیا (مجھ پر اللّٰہ تعالی کا سلام ہے، میری پیدائش کے دن، اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں اٹھایا جاؤں گا)۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہوگیا کہ خاصانِ خدا کے تین وقتوں کا تعین فرمایا گیا یومِ میلاد، جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں، دوسرے یومِ وصال جیسا کہ ہم مسلمان بزرگانِ دین کا عرس کرتے ہیں اور تیسرا دن یومِ حشر ہے جبکہ مقبولانِ بارگاہ الٰہی کے شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اس دن کی یادگار منانا ہمارے

بس کی بات نہیں، اس دن باذن الٰہی وہ خود ہم پر کرم فرمائیں گے۔ یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ یوم میلاد اور یوم وصال کی یادگار منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں وہ کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں یا ایسا اقرار کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے، وہ انبیاء عظام اور اولیاء کرام سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے (سورۂ ممتحنہ پ ۲۸ آیت نمبر ۱۳) **قد یئسوا من الآخرۃ کما یئس الکفار من اصحٰب القبور** (وہ آخرت سے اس طرح آس توڑ چکے ہیں جیسے کفار قبر والوں سے آس توڑ چکے ہیں)۔

محدّثِ دکن کا وطن اور آباء و اجداد کرام

وطنِ قدیم آپ کے آباءِ کرام کا بعد مکہ مکرمہ قصبۂ نلدرگ ضلع عثمان آباد (مہاراشٹرا، انڈیا) تھا۔ آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت سید علی رحمۃ اللّٰہ علیہ باتثال امر نبوی سیاحت فرماتے ہوئے عادل شاہی دور میں شہر بیجاپور تشریف لائے، علی عادل شاہ نے آپ کی سیادت، علم اور فضیلت کے پیش نظر شاہی جامع مسجد اندرون قلعہ نلدرگ کی تولیت اور امامت پیش کر کے فکر معاش سے بے نیاز رہنے کے لئے ایک وسیع اور زرخیز رقبۂ اراضی بطور انعام نسلاً بعد نسل عطا فرمایا جس کو آپ نے دینی خدمات کے شوق میں قبول فرماکر مفوضہ فرائض کے علاوہ خلق اللّٰہ کی رشد و ہدایت میں اپنی زندگی گزار دی۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ عہدِ طفولیت میں بغرضِ حصول علم نلدرگ سے بلدہ حیدرآباد تشریف لائے اور علوم متداولہ کے علاوہ علوم دینیہ تفسیر، حدیث اور فقہ میں بھی مہارت حاصل فرمائی اور طریقت میں نقشبندی طریقہ میں حیدرآباد کے معروف صوفی اور ولی کامل حضرت مسکین شاہ نقشبندی قدس سرہ سے سلوک طے فرماکر خلافت حاصل فرمائی۔

تسمیہ خوانی

آپ اس عالم ہست و بود میں جس حیثیت سے جلوہ فرما ہوئے اس کے پیش نظر حقیقت تو یہ ہے کہ عالم الغیب نے آپ کا مبارک سینہ علوم و معارف کا گنجینہ بنادیا اور ذہن و دماغ، قلب اور روح کو ایمان و یقین کے مقدس فکر و شعور اور پاکیزہ احساس و تخیل سے لبریز فرمادیا تھا۔ لیکن چوں کہ ہر انسان کا عالم اسباب سے بھی کسی نہ کسی نہج سے رابطہ استوار ہوتا ہے اس لئے بظاہر حضرت محدث دکن کو بھی، عالم اسباب کی راہوں پر چلنا پڑا۔ آپ کی رسم تسمیہ خوانی اس دور کے ایک صاحب دل ولایتی عالم عاشقِ سرور کونین حضرت سید عاقبت شاہ افغانی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے انجام پائی۔ حضرت عاقبت شاہ کے مرتبۂ بلند کا اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب آپ اپنی مبارک عمر کی آخری منزلوں میں تھے سردار دو جہاں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رؤیا میں جلوہ فرمایا اور ارشاد ہوا "عاقبت شاہ تم مدینہ آجاؤ" بس اس ارشاد پر لبیک فرمایا اور مدینہ منورہ پہونچے اور وہیں جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہوئے۔

تحصیلِ علم

مملکت آصفیہ کا وہ زمانہ جو حضرت محدّث دکن کے تحصیل علم کا دور تھا حکومت آصفیہ کا خیر القرون تھا۔ ہر عالمِ دین اپنی جگہ ایک مدرسہ تھا اور ہر شیخ کامل اپنی جگہ ایک خانقاہ! دینی مدارس اور خانقاہیں علم و معرفت، رموز و حکمت، احسان و سلوک کا سرچشمہ تھیں ۱۷۲۴ء میں نظام الملک آصف جاہ اول نے شہر اورنگ آباد میں نوکھنڈے کی تاریخی عمارت میں صوبہ داری کی. بجائے علاقہ دکن پر اپنی حکومت کا آزادانہ اعلان فرمایا تو یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گذر رہے تھے۔ سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا۔ معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھارہا تھا۔ زندگی سکر دوام میں تبدیل ہو رہی تھی، ہر شخص ایک گونہ

بے خودی کے عالم میں مست و خراب تھا۔ نظام الملک آصفجاہ اول مغلیہ سلطنت کے اہم وزیر تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سلطنت مغلیہ کو بچانا اور سنبھالنا مشکل ہے تو کم از کم صوبہ دکن ہی کو سنبھال لو، اس علاقہ پر مسلم حکمرانی کا تسلط حقیقت میں جنوبی ہند میں بڑی حد تک احیاء ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کی کوششیں تھیں چنانچہ آصفی دور اسلامی ہند کی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

حضرت محدّث دکن کا دور

حضرت نظام الدین چشتی اورنگ آبادی کی خدمت میں نظام الملک آصف جاہ اول کی حاضری

اس موقعہ پر ایک تاریخی روایت جس کی توثیق حضرۃ الاستاذ مولانا ابو الوفا علیہ الرحمہ نے بھی فرمائی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نواب نظام الملک آصف جاہ اول نے جب یہ فیصلہ کر لیا کہ علاقۂ دکن کی صوبیداری پر اب ان کو آزادانہ خود مختاری اور اپنی بادشاہت کا اعلان کرنا ہے تو حضرت نظام الدین اورنگ آبادی خلیفۂ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی رحمۃ اللہ علیہما (دہلوی) (م ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا ارادہ عرض کیا، صبح کا وقت تھا، حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی اور فرمایا کہ بادشاہ حاضر ہے کچھ کھانے کو لاؤ تو خادم نے بہت ساری روٹیاں حاضر کیں، حضرت نظام الملک آصف جاہ اول نے سات روٹیاں کھائیں، حضرت نے فرمایا اور کھاؤ جواب دیا۔ حضرت اس سے زیادہ نہیں کھاسکتا فرمایا تمہارے خاندان میں سات بادشاہ ہوں گے، تاریخ شاہد ہے کہ دو سو برس کی آصفی سلطنت نواب میر عثمان علی خان شاہ ہفتم پر اختتام کو پہونچی اور حکومت ہند نے ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کر کے مسلمانوں کی اس یادگار سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

سلطان اورنگ زیب کے دکن پر حملہ کا ایک پس منظر

یہاں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ ہمارے اسلاف شاہ و گدا، امیر و فقیر، حاکم و محکوم کس طرح اولیاء کرام کی سرپرستی اور ان کی خدمت میں حاضری کو ضروری سمجھتے تھے۔

جنوبی ہند دکن میں بہمنی سلطنت کو جب زوال نے آدبوچا تو یہ عظیم سلطنت پانچ حصوں میں بٹ گئی جس میں ایک گولکنڈہ کی سلطنت تھی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس اس سلطنت کو ختم کرنے تشریف فرما تھے۔ اس عاجز نے اپنے

استاد مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمہ استاذ عربی جامعہ عثمانیہ، سے یہ واقعہ سنا کہ اکنا مادنا اس سلطنت کے آخری تاجدار سلطان ابو الحسن تانا شاہ کا وزیر تھا اس کا مستقر قریہ مہیشورم (قدیم یسرم تھا) جو حیدر آباد شہر سے (۱۸) میل پر جانب جنوب واقع ہے، پہاڑی شریف حضرت بابا شرف الدین سہروردی خلیفۂ بابا شہاب الدین سہروردی بغدادی علیہما الرحمۃ سے بارہ میل پر ہے۔ اس قریہ میں ایک بزرگ جن کا نام نامی کمال شاہ ولی ہے تشریف فرما ہوئے اور اس وزیر کی باؤلی پر جس کا نام شیوگنگا ہے۔ وضو فرمایا، وزیر کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایک مسلمان فقیر نے ان کی اس باولی کو ہاتھ پیر ڈبو کر گندہ کر دیا ہے اس کی کیا سزا دی جائے؟ اس نے حکم دیا کہ اس فقیر کی ایک چھنگلی کاٹ دی جائے اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ حضرت اپنی اس انگلی کو لے کر اپنے پیر حضرت شاہ جھاڑو مستان رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار شاہ علی بنڈہ اسری دواخانہ کے قریب ہے) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا تم اپنی آنکھیں بند کرو، میں تمہیں ایک دھکا دوں گا اور تم دلی میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے پاس پہنچ جاؤ گے جن کی سواری برآمد ہورہی ہے، بس یہ اپنی انگلی لیکر سلطان کی خدمت میں پہونچے اور کہا کہ دکن کا یہ حال ہے ابو الحسن تانا شاہ کے وزیر کی باؤلی میں وضو کرنے کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔ بس سلطان اورنگ زیب نے دکن کا رخ کیا اور جو واقعات ہوئے تاریخ کے اوراق میں سب محفوظ ہیں۔

اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے یہ عاجز اولیاء کرام کے تصرفات کے چند واقعات ہندوستان کی تاریخ سے سنانا چاہتا ہے تاکہ اس مادیت کے دور میں قارئین کرام روحانیت سے لگاؤ پیدا کریں اور بزرگان دین سے اپنے رشتہ کو مضبوط کریں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب للکارا ہے:

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا   کہ تیرے زمین و مکان اور بھی ہیں

حضرت سلیم چشتی کی دعاؤں کے طفیل بابر نے رانا سانگا کو شکست دی

پانی پت کے تاریخی میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر بابر ہندوستان کی قسمت کا مالک ہوچکا ہے۔ ابھی اس نے پوری طرح سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ ہندوستان کی کئی دوسری طاقتیں بابر کے خلاف متحد ہوگئیں۔ ان میں ہندو مسلمان کی کوئی قید نہ تھی۔ اس متحدہ محاذ نے میواڑ کے سورج بنسی راجا رانا سانگا کو اپنا سپہ سالار اعظم مان لیا۔ سیکری (آگرہ سے چند میل دور) کے جنوب میں پانچ میل دور خانوا (کنواہہ) نامی گاؤں کے میدان میں رانا سانگا دو لاکھ فوج کے ساتھ خیمہ زن ہوگیا۔ بابر بھی اپنی بیس ہزار فوج لے کر نکلا اور سیکری میں خیمہ زن ہوگیا۔ یہیں کی ایک مسجد میں بابر نے شراب نوشی سے توبہ کی اور جام دسبو، ساغر و مینا توڑ کر ریزہ ریزہ کردیئے۔ اس کے ساتھی ہمت ہار رہے تھے اور ان کو اپنی کامیابی پر یقین نہیں تھا۔ یہ معرکہ معرکۂ بابر و رانا سانگا نہیں تھا بلکہ معرکۂ کفر و اسلام تھا۔ کیونکہ رانا سانگا نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہوگیا تو شمالی ہند اور بعد میں پورے ہندوستان سے مسلمانوں کو نکال باہر کرے گا۔

غضب کا رن پڑا اور شام ہوتے ہوتے زخمی رانا سانگا نے راہ فرار اختیار کی حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں بابر کے حق میں تھیں اور کم نفری کے باوجود بابر نے اپنی بے پناہ شجاعت، عسکری فراست اور حضرت سلیم چشتی کی دعاؤں کے طفیل رانا سانگا کو عبرتناک شکست دی۔

پہلے یہ جگہ سیکری تھی۔ بابر نے فتح مندی کے بعد اس کا نام شکری رکھ دیا۔ اور شکری سے خانوا تک شہیدوں کی ایک بستی قائم ہوگئی جو گنج شہیداں کہلاتی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہاتھوں تاتاریوں کے ظلم و استبداد کا خاتمہ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے عالم اسلامی کو زیر و زبر کیا۔ شہروں کے شہر تباہ و برباد کردیئے، قتل و خون سے ندیاں بہادیں، استاذ محترم حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ جو علوم اسلامیہ کے علامہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم تاریخ دان بھی تھے فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے اولیاء اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی اس کو ملتان پہونچائے تو وہاں اس کا خاتمہ ہوگا۔ تاتاریوں کی اس ہزیمت کا ماجرا بھی سن لیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ اپنے پیر و مرشد خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ سے ملاقات کے لئے اجمیر شریف کے ارادہ سے نکلے ہیں راستہ میں ملتان واقع تھا یہاں حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ سے ملاقات فرمائی، دونوں مل کر بیحد خوش ہوئے۔

آپ کو ملتان میں قیام فرما ہوئے چند ہی دن گذرے تھے کہ تاتاریوں نے ملتان کا محاصرہ کر لیا، پورا شہر خوف و ہراس میں مبتلا ہوگیا، حاکم شہر بیحد خوف زدہ تھا، فوج محدود اور کسی طرف سے کمک ملنے کی امید نہ تھی، مقابلہ کی ہمت نہ پاکر شہر کے حاکم نے تلوار اپنے گلے میں لٹکائی اور مجرموں کی طرح حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ وہیں حضرت بختیار کاکی بھی تشریف فرما تھے، حاکم شہر کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں حضرت خواجہ بہاؤ الدین سے عرض کیا: حضرت! وحشی تاتاریوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا ہے، سخت اندیشہ ہے کہ وہ فاتحانہ شہر میں داخل ہوجائیں گے اور شہریوں کی دولت اور ناموس پر وحشیانہ ہاتھ صاف کرنے لگیں گے خدا کے لئے کچھ کیجئے! حضرت بہاؤ الدین نے معزز مہمان کو معنی خیز نظروں سے دیکھا، گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ کی موجودگی میں ہم کیا اقدام کریں۔

حضرت خواجہ قطب الدین نے حاکم شہر سے دریافت کیا: وہ تاتاری کہاں ہیں؟ وہاں ہمیں لے چلو، حاکمِ شہر نے آپ کو قلعہ کی صدر پھاٹک کی برجی میں لے جاکر کھڑا کر دیا، آپ نے دیکھا۔ حدِ نظر تک سیاہ، نیلے اور سرخ خیموں کا ایک جنگل سا پھیلا ہوا تھا۔ اور خیموں کے سامنے میدان میں بڑے بڑے بالوں اور چوڑے اور ابھرے ہوئے جبڑوں اور کھلی رنگت کے مسلّح اور خوں خوار تاتاری دمدموں اور منجنیقوں کے آس پاس چل پھر رہے تھے، حضرت قطب الدین نے برجی میں متعین ایک سپاہی کے ترکش میں سے ایک تیر نکال لیا اور حاکم شہر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اسے چلّے میں رکھ کر پوری قوت سے دشمنوں کی طرف چھوڑ دو" حاکم شہر نے گلے کی تلوار اتار کر ایک طرف رکھ دی اور سپاہی سے کمان لے کر چلّے پر تیر چڑھایا اور پوری قوت سے کھینچ کر چھوڑ دیا، تیر ہوا میں لہراتا ہوا ایک منجنیق پر پہاڑی چٹان کی طرح جاگرا، منجنیق چکنا چور ہوگئی، اس کے آس پاس موجود وحشی خوف زدہ ہوکر ادھر ادھر دبک گئے، یہ بات ان کی سمجھ سے باہر تھی کہ یہ کیا ہوا؟ ابھی یہ معمہ حل نہ ہوا تھا کہ مغرب سے گرد و ہوا کا طوفان اٹھا اس نے تاتاریوں کو محاصرے میں لے لیا، دمدمے اڑ گئے، منجنیقیں کہاں سے کہاں پہونچیں، خیمے ہوا میں غباروں کی طرح اڑنے لگے، تاتاری بے قابو ہوکر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے، یہ طوفان ابھی کم نہ ہوا تھا کہ موسلادھار بارش نے آلیا اور تاریکی میں یہ فرعونی لشکر ڈوب گیا۔ اس طرح ظلم کی راجدھانی کا خاتمہ ایک اللہ کے ولی کے ہاتھوں ملتان کی سرزمین پر ہوا۔

عنایت را کہن دامانِ درویش ز سدِّ صد سکندر قوتش بیش

(اللہ تعالی کی مہربانی کے لئے اللہ والے کا پرانا دامن یعنی اس کی سرپرستی سکندر ذوالقرنین کی سو دیواروں سے بڑھ کر طاقت رکھتی ہے)۔ (ملاحظہ ہو سیر الاولیاء از امیر خورد کرمانی قدّس سرّہ ص ۱۳۵)

امام ناصر الدین شہید اور چتوڑ کے قلعہ کی فتح

اولیاء اللہ بعد وفات بھی تصرف فرماتے ہیں جس طرح نبی کی نبوت بعد وفات ختم نہیں ہوتی اسی طرح ولی کی ولایت بعد وفات بھی باقی رہتی ہے۔ ذیل کا یہ واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف انفاس العارفین سے ماخوذ ہے:

"یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بیان کرتا ہے کہ شیخ عبدالغنی جلال الدین اکبر مغل شہنشاہ کے دور کے ایک بڑے عالم اور صاحب تقوی بزرگ تھے۔ اکبر بادشاہ بھی آپ کی تعظیم کیا کرتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ نے بے دینی اور گمراہی اختیار کرلی تو تعلق ختم ہوگیا ایک مدت کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی۔ لگاتار فوجیں بھیجی جاتی تھیں اور فتح حاصل نہیں ہوتی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک رات کو امام ناصر الدین شہید بن محمد باقر کے مزار (درگاہ) میں بعض اعتکاف کرنے والوں نے بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک سردار اور اس کی جماعت آلات جنگ کے ساتھ آئی ہے اور ان کے پاس ایک مشعل تھی وہ مزار کے قبہ میں داخل ہوگئے۔ کسی (معتکف) نے خیال کیا کہ مسافر ہیں جو زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ رئیس (جماعت) قبر میں داخل ہوگیا۔

کسی نے اس سے سوال کیا کہ یہ رئیس کون ہے اور یہ جماعت کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت امام ناصر الدین ہیں، شہیدوں کی جماعت کے ساتھ ہیں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ کہاں گئے تھے اور کیا کیا؟ اس نے کہا چتوڑ کو فتح کرنے کے لئے گئے تھے اور اس کو اسی وقت اس برج کی طرف سے فتح کرلیا۔ شیخ عبدالغنی کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے فتح کی بشارت اور صورت واقعہ اسی طرح بادشاہ (اکبر) سے عرض کردی۔ کچھ دنوں بعد چتوڑ کی فتح بے کم و کاست اسی طریقے سے عمل میں آئی"۔

اس موضوع پر ایک اور تاریخی روایت سناکر یہ عاجز حضرت پیر و مرشد قدس سرہ کی سوانح حیات کے سلسلہ کو جاری رکھے گا۔

حضرت یوسفین شریفین رحمۃ اللہ علیہما قلعۂ گولکنڈہ کی فتح کا سبب ہیں

حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، فتح کی کوئی صورت نہیں! ایک رات عالمگیری فوج کے کیمپ کو باد و باراں کے طوفان نے آلیا۔ خیمے اکھڑ گئے، پورا کیمپ خوف و ہراس کا شکار ہو چکا ہے۔ بادشاہ بنفسِ نفیس معائنہ کے لئے نکلے، کیا دیکھتے ہیں کہ صرف ایک خیمہ ہے جس میں حضرات یوسفین شریفین تلاوت میں مشغول ہیں، محفوظ ہے، عالمگیر وہیں رک گئے اور اجازت لے کر خیمہ میں داخل ہوئے، عرض کیا آپ جیسے حضرات یہاں موجود ہوں اور فتح کی کوئی صورت نہ نکلے! آپ حضرات کچھ کریں۔ حضرت نے فرمایا ایک ٹھیکری لاؤ، حاضر کی گئی، اس پر آپ نے کچھ لکھا اور فرمایا فوراً اس کو اسی وقت لے جاؤ اور قلعہ کے دروازہ کے پاس موچی کے بھیس میں ٹاٹ کے ایک چھوٹے سے خیمہ کے اندر ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ان کو پہونچا دو۔ حکم کی تعمیل ہوئی، ان حضرت نے پھر کچھ لکھا اس کو ان حضرت کے پاس لایا گیا اور جوب الجواب کو پھر ان حضرت کے پاس پہونچایا گیا۔ انہوں نے اس کو دیکھ کر اپنا خیمہ برخاست کیا اور چلتے بنے اور اسی دن قلعہ گولکنڈہ فتح ہوا۔

اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے تصرفات کے چند واقعات کو بیان کرنے کے بعد یہاں یہ عاجز آصفی دور سے پہلے قطب شاہی دور میں مدارس کی بہتات کی بجائے شیعی حکومت نے تعلیم کی طرف جو سرد مہری برتی تھی اس کو اپنے بے مثال پیشوا حضرت محدّثِ دکن کے الفاظ میں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ فرمایا کہ قطب شاہی دور نے مسلمانوں کو علم الیستادگی اور خود حضرت قبلہ کے الفاظ میں "دُولَہ علی" میں لگائے رکھا تھا۔

آصفی حکومت کی علمی سرپرستی کا ایک جائزہ

سلطنت آصفیہ جب وجود میں آئی تو حکومت نے مدارس قائم کئے علماء، ادباء، شعراء کی سرپرستی کی، قدیم دارالعلوم جس کی ترقی یافتہ شکل عثمانیہ یونی ورسٹی ہوئی، جامعۂ نظامیہ اور مدرسہ محبوبیہ واقع شاہ علی بنڈہ حیدرآباد جیسی عظیم درسگاہیں تھیں جہاں سینکڑوں تشنگان علم اقطاع عالم سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے۔ جامعۂ نظامیہ جس سے ایک دارالاقامہ بھی ملحق ہے۔ بخارا، سری لنکا، یمن اور ملیشیا کے طلباء بھی یہاں موجود رہے ہیں۔ پھر ۱۹۱۸ء میں جامعۂ عثمانیہ کے دوش بدوش دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا تو ہندوستان میں پہلی مرتبہ ہندوستانی زبان اردو کو یونیورسٹی تدریس کا ذریعۂ تعلیم قرار دے کر کامیاب تجربہ کیا گیا اور سارے قدیم اور جدید علوم و فنون اردو زبان میں پڑھائے جانے لگے جو درحقیقت دورِ عثمانی کا ایک محیرّ العقول علمی کارنامہ ہے، اور آج ہندوستان کو آزادی حاصل کئے ہوئے اُنچاس سال ہو چکے لیکن کسی ہندوستانی زبان کو ایسی معراج نصیب نہیں ہوئی کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعۂ تدریس بن سکے۔

آصفی دور کے بادشاہوں، امراء اور وزراء کی علمی سرپرستی کی بدولت ممالک محروسہ، ہر شہر بلکہ اضلاع و تعلقہ جات حتّٰی کہ بعض دیہات بھی علماء اور اہل اللہ کی فرودگاہیں اور مسکن بن چکے تھے۔ مشرقی تہذیب اور تمدن نے آداب اور اخلاق کے سانچوں میں راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم، اکابر اور اصاغر سب کو ڈھال لیا تھا اور پوری ریاست امن و امان سکون اور اطمینان کا گہوارہ بن چکی تھی۔

اگر میں تفصیلات میں جاؤں تو مقصود سے بہت دور جا پڑوں گا صرف ایک عالم ربانی کا واقعہ جس کو میں نے اپنے استاذ اور مربی حضرت فقیہ العصر مولانا سید ابو الوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے بیان کر کے حضرت محدّث دکن کے مبارک تذکرہ کو جاری رکھوں گا:

بعد از وفات تربت ما برزمیں مجوئے   درسینہ ہائے مردمِ دانا مزارِ ما

حکومت آصفیہ کے وزیر اعلی مختار الملک سالار جنگ اول نواب تراب علی خان بہادر نے اعلان دیا کہ حکومت کو قاضی القضاۃ (Chief justice) کی ضرورت ہے علماء جو خود کو اس عہدہ کے اہل سمجھتے ہوں درخواستیں دیں اور انتخاب حاضرین علماء میں باہمی مناظرہ سے ہوگا۔ کئی علماء نے درخواستیں دیں لیکن جب علم ہوا کہ مولانا عبدالصمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ بھی درخواست گذار ہیں تو کسی عالم کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ سے مناظرہ کرسکے۔ پس سالار جنگ اول نے حضرت کو طلب فرمایا اور عرض کیا کہ حضرت آپ اپنا عہدہ سنبھال لیں۔

مولانا عبدالصمد قندھاری کا زہد و قناعت

حضرت نے فرمایا اس جلیل القدر عہدہ پر کام کرنے کے لئے میری چند شرائط ہیں:

۱۔ میں پیدل آیا جایا کروں گا

۲۔ فرش پر بیٹھ کر کام کروں گا

۳۔ میرا کوئی دربان یا حاجب نہیں ہوگا اور بھی کئی شرائط بیان فرمائے۔

سالار جنگ اول نے کہا حضرت قاضی القضاۃ کو شاہی آداب بجالانا ہوگا اور حکومت جن شرائط کی پابندی لازمی قرار دے ان سب کی انجام دہی لازمی ہوگی یہ سن کر مولانا ممدوح نے فرمایا کہ ایسی صورت میں مجھے اس عہدہ کی ضرورت نہیں! اس پر سالار جنگ بہادر نے عرض کیا حضرت: خیر اس عہدہ پر میں کسی اور کا انتخاب کرلوں گا مگر میری درخواست ہے کہ آپ مدۃ العمر ہماری اس ریاست اور ہمارے اس شہر میں رہ جائیں اور آپ کو ماہانہ چار سو روپیہ بطور منصب ملا کریں گے، حضرت نے جواب دیا چار سو بہت ہیں میرے لئے دو سو کافی ہیں۔ چنانچہ حضرت نے یہیں قیام فرمایا اور انتقال کیا اور حضرت کی جمعرات بازار میں تدفین عمل میں آئی لیکن اب اس جگہ

بازار ہے، آہ واحسرتاہ! ایسے اللہ والوں کو اہلِ دکن نے ایسا گم کیا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رکھا "اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالوہاب کا عشقِ نبوی

مولانا عبدالصمد قندھاری علیہ الرحمہ کی روحانی بلندی کا ایک واقعہ سناتا چلوں آئندہ کسے معلوم کہ ایسا سنانے والا کوئی اور ہو کہ نہ ہو! یہ واقعہ بھی حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ کا بیان کردہ ہے اس سے پہلے، راوی معتبر کا بھی تعارف کروادوں۔ حضرت مولانا ابوالوفا کے ایک استاذ حضرت مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمۃ تھے، شیخ الاسلام بانی جامعۂ نظامیہ حضرت مولانا انوار اللہ خان علیہ الرحمۃ نے حضرت مولانا عبدالوھاب صاحب کے لئے کچھ نذرانہ مقرر فرمایا اس پابندی کے ساتھ کہ آپ جامعہ نظامیہ کی مسجد میں صبح کے اوقات میں تشریف رکھا کریں اور جو طالب علم چاہے آپ کو حدیث کی کوئی کتاب سنادیا کرے۔ مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے مؤطا امام محمد علیہ الرحمۃ سنانا شروع کیا، جب حدیث شریف کی روایت کو شروع کرتا اور سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر پہونچتا تو حضرت مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمۃ پر گریہ طاری ہوجاتا اور کئی منٹ یہ حالت رہتی جس کی وجہ سے مجھے اتنی دیر توقف کرنا پڑتا، مجھے ناگوار ہوتا کہ حضرت کی اس حالت سے کتاب کے تکمیل کرنے میں دیر ہوجائے گی، مگر مجبور تھا کہ حضرت سے اس بارے میں کچھ عرض کروں۔ لیکن چند دنوں کے بعد حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو سن کر اب رونے والے دو ہوگئے یعنی حضرت کی رقت نے مجھے بھی اس کیف و رقت میں اپنا شریک بنالیا اور یہ رقت دونوں پر طاری ہونے لگی سبحان اللہ کیسے اساتذہ تھے اور کیسا عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اللہ تعالی اس دولت سے ہر امتی کو سرفراز فرمائے آمین۔

حضرت مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمہ شاگرد اور معتقد تھے حضرت مولانا عبدالصمد

قندھاری علیہ الرحمۃ کے، وہ بعد وصالِ آن ممدوح آپ کی زیارت کو، جمعرات بازار تشریف لے جاتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نماز میں مشغول ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا ہمارے پاس بے وضو آیا کرتے ہو؟ میں بڑا شرمندہ ہوا دوسری مرتبہ باوضو حاضری دی، ارشاد فرمایا ہاں اس طرح آیا کرو۔

خدا نیک توفیق دے موجودہ زمانہ کے بد عقیدہ انسانوں کو وہ ایسی باتوں کا سراسر انکار کردیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ زندگی کی حقیقت کا پتہ ہے اور نہ موت کا اور نہ زندگی بعد الموت کا؛ ع:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے   کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

یہ لوگ توحید ابلیسی کی مستی میں وہ ساری قرآنی آیات جو کفار اور مشرکین سے متعلق ہیں ان کو اولیاء سے منسوب کر کے اپنے دل و دماغ کو سیاہ کرتے ہیں۔

مولانا نظر محمد نقشبندی کابلی گلبرگوی

سطورِ بالا میں اس عاجز نے آصفی بادشاہوں اور امراء کی سرپرستی کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اپنے اس دعوی پر چند دلیلیں بھی پیش کروں۔

نہ صرف شہر حیدر آباد بلکہ صوبہ جات کے مستقر علماء اور اہل اللہ کے وجود سے بڑی برکتوں سے مالا مال تھے، ان مقامات میں دینی مدارس قائم تھے جہاں متبحّر علماء اور اہل اللہ اپنے علم اور دینی تربیت کی مسندیں بچھائے ہوئے تھے۔ گلبرگہ شریف کے مدرسہ روضتین میں مولانا نظر محمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک متبحر عالم جو حضرت قدرت اللہ شاہ نقشبندی کاشغری رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز اور خلیفہ تھے ان کے وجود سے پورا علاقہ ذکر الٰہی کی برکتوں اور آپ کی توجہات سے مالا مال تھا۔

حضرت مچھلی والے شاہ صاحب اور مولانا سید برکات احمد ٹونکی

خلد آباد شریف میں حضرت شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خان علیہ الرحمۃ نے حضرت شاہ زین الدین داؤد حسینی معروف بہ بائیس خواجہ کی خانقاہ میں ایک عظیم دینی مدرسہ جس کا الحاق جامعۂ نظامیہ سے تھا قائم فرمایا۔ شہر حیدر آباد میں ایسی باکمال ہستیاں تھیں کہ جن کے معارف کی شہرت سنکر اصحابِ فضل دور دور سے آکر اپنی روحانی تشنگی بجھاتے تھے، مسجد الٰہی چمن، چادر گھاٹ میں ایک باکمال صاحبدل چشتی سلسلہ کے بزرگ حضرت کمال اللہ شاہ معروف بہ مچھلی والے شاہ رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھا، آپ سے ٹونک کے معروف عالم اور محدّث مولانا سید برکات احمد ٹونکی نے حیدر آباد آکر چشتی نسبت حاصل کی تھی۔

حضرت ناظم ونپرتی اور جامعۂ عثمانیہ کے اساتذہ

حضرت مچھلی والے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلفاء میں حضرت محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ ناظم ونپرتی تھے جن کی خدمت میں عثمانیہ یونیورسٹی کے معروف اساتذہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا الیاس برنی، ڈاکٹر میرولی الدین اور اس عاجز کے استاذ مولانا جمیل الدین احمد نے طریقت میں زانوئے ادب طے کیا۔ پروفیسر مولانا عبدالباری ندوی جو تفسیر میں اس عاجز کے استاذ ہیں فرمایا کرتے کہ حضرت ناظم صاحب ونپرتی کی مجلس میں بیٹھنے اور ان کے ارشادات کو سننے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالی پکڑ میں آتے ہیں، علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی زبان میں:

یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

حضرت سید محمد جیلانی معروف بہ منجھلے بغدادی (قدّس سرّہ)

بادشاہوں، امراء اور حکام کی سرپرستی کی وجہ سے بڑے بڑے اہل اللہ نے بھی اس ریاست کو اپنی روحانیت کا مرکز بنایا تھا کہ ان کے روحانی دبدبہ سے بادشاہِ وقت بھی

مرعوب رہتا تھا۔ حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت سید محمد بغدادی مدنی قدس سرہ جو حضرت منجھلے بغدادی صاحب کے لقب سے معروف تھے، حضرت کے زہد کا یہ عالم تھا کہ اپنی جیب میں کسی وقت سکّہ یا رقم نہیں رکھتے تھے ! حضرت کا خرچہ حضرت کے ایک خادم انجام دیا کرتے ۔ بطور آزمائش حضرت کے بڑے بھائی حضرت بڑے بغدادی صاحب نے ان کے ایک خاص مرید سے کہا جب یہ سو رہے ہوں خاموشی سے ان کے جیب میں کچھ رقم ڈال دو ، یہ کام ہوا، بس کچھ دیر نہیں گذری کہ وہ گھبرائے ہوئے نیند سے چونک پڑے جب جیبوں کو ٹٹولا تو یہ رقم نکلی اسی وقت خادم کو بلایا اور یہ رقم ان کے حوالہ کردی۔ پھر یہ واقعہ صبح کو ان کے بڑے بھائی حضرت کو سنایا گیا۔ ایک مرتبہ حضرت بابا شریف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرکے واپس ہو رہے تھے اور شاہ وقت نواب میر عثمان علی خان بھی ہمراہ تھے کسی بات پر بادشاہ اور حضرت منجھلے بغدادی صاحب قدس سرہ میں کچھ تکرار کی نوبت آگئی تو بادشاہ نے کہا: حضرت آپ ہمیشہ مجھے بعض باتوں میں برا بھلا فرماتے ہیں تو جواب دیا: عثمان علی! بادشاہ لغزش کھاتا ہے تو فقیر ہی اس کو سنبھالا دیتا ہے بادشاہ یہ سن کر دم بخود اور لاجواب ہوگیا۔

حضرت منجھلے بغدادی علیہ الرحمہ کا ایک اور واقعہ

اظہر جنگ شاہِ وقت کی پیشی کا معتمد تھا۔ خطّہ صالحین میں جہاں ذی وجاہت اور اصحاب علم و فضل شاہی فرمان سے دفن ہوا کرتے تھے کسی رئیس کی تدفین عمل میں آئی جس میں شاہِ وقت بھی موجود تھے اظہر جنگ نے بطور تفریح طبع حضرت منجھلے بغدادی صاحب سے کہا: حضرت آپ جگہ بتادیں تو میں ابھی سے انتظام کر دیتا ہوں ! فوراً حضرت نے فرمایا میں تو مدینہ منورہ میں مروں گا اور تو یہاں دفن ہوگا اور تیری قبر پر جو تختی ہوگی اس پر کتبہ ہوگا " وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید " (سورۂ کہف) حضرت کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ لگایا جائے کہ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی وہیں انتقال ہوا اور

اپنے نانا جان کے اہل بیت کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت منجھلے بغدادی قدس سرہ شاہ فصیح اللہ حسینی صاحب کے والد بزرگوار استاذ مکرم مولانا سید فرید پاشاہ صاحب کے خسر اور عزیز گرامی قدر سید نذیر الدین حسینی (ام۔اے) مقیم ظہران (سعودی عربیہ) کے جد امجد تھے، حضرۃ مولانا ابو الوفا افغانی علیہ الرحمۃ نے حضرت ممدوح سے استفادہ فرمایا ہے۔

ان علماء کے مبارک احوال کو پڑھ کر ایک شاعر ربانی کے اشعار یاد آرہے ہیں:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے — نبوت کے یہی وارث، یہی ہیں ظلّ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر — انھیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے — انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں — پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے — اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

حیدرآباد کے نامور مدارس اور ادارے

ان نامور علماء اور اہل اللہ کے علاوہ جامعۂ نظامیہ، قدیم دارالعلوم، مدرسۂ محبوبیہ اور علمی تحقیقی اداروں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ، مکتبہ آصفیہ، کتب خانہ سعیدیہ، کتب خانہ سالار جنگ، کتب خانہ روضۃ الحدیث (رین بازار) نہ صرف مطبوعات بلکہ نادر مخطوطات سے بھرپور تھے جس کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے محققین اور ریسرچ اسکالران اداروں کے علمی خزانوں سے استفادہ کرنے کے لئے حیدرآباد کی آمد کو اپنے پروگراموں میں شامل کرتے تھے اور اس زمانہ میں بھی ان حضرات کی آمد جاری ہے ، دائرۃ المعارف نے آٹھ سو صدی ہجری سے قبل کے جن اہم مخطوطات کو اعلی تصحیح کے ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں شائع کیا ہے اس سے حیدرآباد مشہور بین الاقوامی شہرت کا حامل ہوگیا۔ اس ادارہ میں علماء محققین کی ایک جماعت تحقیقی کام کرتی تھی۔ حضرۃ الاستاذ مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ فن حدیث کی

معروف کتاب کنز العمال جو سولہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس پر علماء دائرۃ المعارف نے پہلی مرتبہ احادیث شریفہ پر نمبر شماری شروع کی پھر اس طریقہ کو مصر نے اپنایا اس طرح اس کا موجد حیدر آباد کا یہ دائرۃ المعارف ہے۔

دار الترجمہ کا قیام

اسی طرح دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ میں قدیم علوم کے تراجم کا کام محققین علماء کے سپرد تھا جن میں نامور مرزا ہادی رسوا ، مولانا عبداللہ عمادی، علی حیدر طباطبائی ، مولانا ابوالخیر مودودی وغیرہم تھے ۔ ان حضرات نے سارے علوم مشرقیہ کی اہم کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔

اس عاجز راقم کو عربی زبان اور ادب میں تحقیق کا جو تجربہ حاصل ہوا وہ دائرۃ المعارف کے علماء کے ساتھ کام کرنے کا صلہ ہے ۔ اس ادارہ کے عرب فاضل مولانا جبیب عبداللہ المدیح علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری دانست میں دائرۃ المعارف نے عربی مخطوطات کو شائع کرنے کا جو اہتمام کیا اور جس کی وجہ سے بیسیوں امہات کتب جو تحقیقاتی کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہیں اور جن کا نام صرف زبانوں اور کتابوں میں تھا اس ادارہ نے شائع کیں، عرب اور عجم میں کسی ادارہ کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی۔

پروفیسر سالم کرنکو کی خدمات

حکومت آصفیہ کی قدر دانی کا ایک اور واقعہ بھی قارئین سن لیں: انگلستان کے ایک معروف نو مسلم محقق استاذ سالم کرنکو کو ماہانہ پانچ سو روپیہ وظیفہ ان کی خدمت میں بھیجا جاتا تھا اور وہ اپنے ہاتھ سے عربی امہات کتب کے ہزاروں صفحات مخطوطات سے نقل کر کے اعلی معیاری تصحیح کے ساتھ دائرۃ المعارف کو روانہ کرتے اور یہاں نظرِ ثانی کے بعد اس کی طباعت اور اشاعت عمل میں آتی ۔ فنّ رجال کی مشہور کتاب "کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی" ذیل مرآۃ الزمان للعلامۃ الیونینی، ابو ریحان بیرونی کی القانون المسعودی وغیرہم ان ہی کی جدو جہد کا نتیجہ ہے۔

مولانا ظفر علی خاں ظفر لاہوری جنھوں نے ایک سال دار الترجمہ میں کام کیا اور انگریزی حکومت کے اشارے سے سبکدوش کردیئے گئے فرماتے ہیں:

رعایا شاد ، ملک آباد اور آزاد ملت
ادا حق کر دیا شاہِ دکن نے حکمرانی کا

یہ تھا مرحوم حیدر آباد اور اس کی علمی اور دینی سرپرستی کا ایک جائزہ، سکندر علی وجد اورنگ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

بہت خوش نما شہر دیکھے ہیں میں نے
مگر تیرا جادو کہیں بھی نہیں ہے

علامہ اقبال اور حیدر آباد

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ بھی جب حیدر آباد تشریف لائے تو ان کو بھی حیدر آباد کو "بوستانِ غیرت فردوس" کہے بغیر چارۂ کار نہ ہوا ۔ ان کے چاروں ابیات کو سن لیں ، پھر کون آپ کو سنائے:

کیا کہوں اس بوستانِ غیرت فردوس کو
جس کے پھولوں میں ہوا، اے ہم نوا تیرا گذار
خطۂ جنت فضا جس کی ہے دامن گیر دل
عظمت دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار

ریاست آصفی دور میں اہل علم اور اہل فضل سے بھرپور تھی

یہ ریاست حیدر آباد کا وہ مبارک دور تھا جس میں حضرت محدّث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور تحصیلِ علم کے لئے کمر ہمت باندھی ۔ پورا شہر اہل علم اور اہل فضل سے بھرپور تھا۔ یہاں یہ عاجز اپنے استاذِ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۰ء) مصنف منہاج العربیہ کا ایک قول سنانا چاہتا ہے ۔ فرمایا کہ علماء کی ایک محفل میں حیدر آباد کے ایک بڑے عالم کا ذکر ہوا جو ایک ادارہ کے صدر کی حیثیت سے باحسن الوجوہ اپنی مفوضہ خدمات انجام دے کر وظیفہ پر سبکدوش ہوئے تو سامعین نے کہا کہ اس زمانہ میں ان عالم کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ ان کا شمار تو حشرات الارض میں ہوتا تھا۔ اس قول سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اہل علم اور اصحاب فضیلت اس کثیر تعداد میں اس شہر فرخندہ بنیاد میں موجود تھے:

ہڈیاں اپنے بزرگوں کی تری خاک میں ہیں　　ذرے الماس کے تیرے خس و خاشاک میں ہیں

حیدر آباد دکن کے ایک جواں سال شاعر مقیم شکاگو عزیزم احمد عبدالحکیم صاحب (ام، اس سی، علیگ، ام، اس، یونیورسٹی آف الِلی نائی، شکاگو، کیمسٹ ابوّٹ لیبس، شکاگو) نے اپنے وطن کو اس طرح یاد کیا ہے:

اے ارضِ دکن! شام تری کتنی حسیں ہے　　پھولوں کی طرح تیری، ہر اک صبح ہے رنگیں
تو خلد ہے، فردوس ہے، فردوسِ بریں ہے　　دامن ہے ترا اولیاء اللہ کا مسکن

حضرت محدّث دکن کے اساتذہ کرام

اس دور میں جب کہ اہل علم اور اصحاب فضیلت کی کثیر تعداد موجود تھی اور علماء اپنی جگہ مسندِ علم و فن کو بچھائے ہوئے تھے اور خالصۃً لوجہ اللہ علوم کے دریا بہا رہے تھے، ہم نے سنا کہ حضرت محدّث دکن علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر فن کے کامل ترین استاذ کی خدمت میں اپنے اس نور نظر کو پہونچاتے اور اپنی طرف سے اس عالم کی خدمت میں

نذرانہ بھی پیش کرتے حالانکہ اس زمانہ میں ایسے کام للہ اور فی اللہ انجام دیئے جاتے تھے۔ حضرت قبلہ قدس سرہ کے معروف اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شاہ انوار اللہ خان فاروقی فضیلت جنگ بانی جامعہ نظامیہ، مولانا منصور علی خان والد محترم نواب حکیم مقصود جنگ، مولانا عبدالرحمن سہارنپوری، مولانا حبیب الرحمن سہارنپوری بیدل، حضرت محب اللہ معروف بہ شاہ پیراں (م ۱۹۵۰ء)، مولانا محمد یسین علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے متبحر اساتذہ تھے۔ سہارنپور کے یہ دونوں بھائی مولانا احمد علی سہارنپوری شارح بخاری کے فرزند ہیں اور یہ شاگرد ہیں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) رحمۃ اللہ علیہ کے جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسہ ہیں۔

ابوالحسنات سے ابوالحسنات تک

حضرت محدّث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام شاہ انوار اللہ خان علیہ الرحمۃ کا نام نامی ذکر کیا گیا اور حضرت شیخ الاسلام کے اساتذہ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ تھے چنانچہ حضرت محدّث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے بعد وصال ایک یادگار مکہ مسجد والی مجلس میں حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفا علیہ الرحمہ کی تقریر کا عنوان تھا "ابو الحسنات سے ابوالحسنات تک" یعنی فرنگی محلی (لکھنو) کے علمی گھرانے کا علم و فضل جو ابوالحسنات فرنگی محلی کو ملا تھا وہ شیخ الاسلام حضرت شاہ انوار اللہ خان علیہ الرحمہ کے واسطہ سے دکن کے ابوالحسنات محدّث دکن حضرت عبداللہ شاہ صاحب تک پہونچا ہے جو عربی زبان میں زجاجۃ المصابیح کی پانچ جلدوں کی صورت میں عالم اسلامی کو اور اردو زبان کی دس کتابوں کی صورت میں ہندو پاک اور اردو بولنے والوں کو فیض یاب کر رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک فیضیاب کرتا رہے گا۔

شہر حیدر آباد کے نبی خانے

اہلِ طلب جن کو علمِ دین کی پیاس بجھانی مقصود تھی ان کے لئے تو مدارس اور علماء تھے اور ایسے حضرات جن کو اپنے کاروباری اور معاشی حالات نے باقاعدہ طلب علم کے مواقع بہم نہ پہونچائے ہوں ان کے لئے ہفتہ میں کم از کم ایک بار وعظ اور پندو نصیحت کی مجلسیں تھیں، اس کے لئے حکومت آصفیہ نے قدیم شہر کے بڑے بازار میں دو نبی خانے تعمیر کروائے تھے ایک نبی خانہ مولوی احمد خیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ اور دوسرے نبی خانہ مولوی محمد اکبر علیہ الرحمۃ، ان دونوں نبی خانوں میں باقاعدہ ہفتہ واری مجلسِ وعظ مقرر ہوتی اور بعض اوقات شاہ وقت خود محفل وعظ میں حاضر ہوتا۔ یہ دونوں نبی خانے پتھر گٹھی پر ایک جانب مغرب پٹیل مارکٹ میں اور دوسرا بجانب مشرق کمان منڈی میر عالم کے پاس موجود ہیں۔ ان میں بعض مرتبہ باہر کے علماء بھی جب وہ تشریف لاتے تو وعظ اور تذکیر سے عوام اور حاضرین کو بہرہ ور فرماتے۔ چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ محدّث علی پوری جب حیدر آباد تشریف لاتے تو نبی خانہ مولوی احمد خیر الدین صاحب میں وعظ فرماتے۔

حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد اکبر رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے کہ ان کے وعظ میں اکثر علماء شریک ہوا کرتے، اور حضرت علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید حافظ مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی محمد اکبر علیہ الرحمہ کی محفلِ وعظ میں شریک ہوئے ہیں اور حضرت نے موصوف کے وعظ کا طریقہ بھی بتایا۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب موصوف نے شادی نہ کرنے اور تنہا رہنے کی خوبیاں بتائیں، بڑی تفصیل کے بعد حاضرین سے کہا بھائی کیا کوئی ایسا شخص اس مجلس میں موجود ہے تو ایک صاحب خوش خوش کھڑے ہوئے تو مولوی صاحب نے فرمایا۔ بھائیو اگر کسی نے شیطان کو نہ دیکھا ہو تو اس شخص کو دیکھ لے۔ یہ تھا انداز برائیوں کو سمجھانے کا کہ ان پڑھ آدمی

بھی بات کو اچھی طرح سمجھ لے۔

حیدر آباد کی فضاء میں خوش عقیدگی، سادگی اور اپنائیت کی جو اعلیٰ اقدار پنہاں ہیں وہ اس عظیم شہر کا عظیم ورثہ ہیں۔

میلاد مبارک، گیارہویں شریف اور شہادت امام کی محفلیں

ماہ مبارک ربیع الاول، ربیع الثانی اور محرم میں۔ میلادالنبی، گیارھویں شریف اور ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کی محفلیں گھر گھر ہوتیں، بیرون ریاست سے علماء بھی تشریف لاتے اور ایک رونق ان مہینوں میں پورے شہر پر چھاجاتی۔ بعض حضرات ایسا اہتمام فرماتے کہ میلاد النبی کی محفل صبح صادق سے پہلے یعنی تہجد کے وقت منعقد فرماتے اس لئے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت وہی ہے اور اس وقت میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک مفسرّ صاحب کی تفسیر کا درس بھی تہجد کے وقت ہوتا اور صبح صادق کے وقت ختم ہوجاتا تھا۔ افضل الدولہ آصف جاہ پنجم کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کے پڑوس میں میلاد کی محفل سجی تھی دیوڑھی میں آواز آنے لگی تو وہ رات بھر بیٹھے ہوئے اس محفل کو سنتے رہے اور رات بھر جاگ کر اس محفل میں گویا غائبانہ شریک رہے۔ یہ تھیں برکتیں اور روحانیتیں اور نورانیتیں جو حیدر آباد کو نصیب ہوئی تھیں اب کہاں ہیں ایسی باتیں؟ ایک نام نہاد فرقے کے ہاں تو یہ شرک اور بدعت کی باتیں ہیں! اللہ تعالیٰ ان کی ایسی بد عقیدگی کی نحوست سے امت مرحومہ کی حفاظت فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

علماءِ امت انبیاء کرام کے وارث ہیں

سالارِ انبیاء، منبعِ علم و حکمت، حاملِ علوم الاولین والآخرین کا ارشاد گرامی ہے العلماء ورثۃ الانبیا (علماء انبیاء کرام علیھم السلام کے وارث ہیں) اور یہ بھی ارشاد مبارک ہے کہ علماء ہذہ الامۃ کانبیاء بنی اسرائیل (اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے

نبیوں کے مانند ہیں) اور یہ بھی ارشاد ہے الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہٖ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے، جیسے نبی اپنی امت میں)

ان ارشادات کی روشنی میں اگر ہم اپنی تاریخ کے اوراق الٹیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرن اول سے لے کر آج تک علماء امت نے ہر زمانے میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لا تزال طائفۃ من امتی علی الحق (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم) میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ تاریخ کے ہر دور میں اسلامی سیرت اور کردار کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں۔ ان شخصیتوں نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں۔ یہ حضرات بلاشبہ حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ السلام کی زبانِ دُرفشان میں زمین کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی رہی بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ان کے مثالی کردار کی شعاعوں سے ہم اپنی زندگیاں منور کر سکتے ہیں۔

تحصیلِ طریقت

پیرو مرشد حضرت محدثِ دکن قدس سرہ کے تحصیلِ طریقت کے بیان سے پہلے یہ عاجز شاعر اسلام، شاعر قرآن، شاعرِ مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے چند ابیات کو اس موضوع کے سرنامے کے طور پر سنانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پڑھنے والے کو اندازہ ہو جائے گا علم اور فقر یعنی شریعت اور طریقت مردِ مسلم یعنی طائرِ لاہوتی کے دو پر ہیں جن کے بغیر سالک اور طالب کی پرواز ناممکن ہے ملاحظہ فرمایئے:

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے، عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم — علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر — فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور، فقر کا موجود اور — اشہد ان لا الہ، اشہد ان لا الہ

طریقت اور اسلام

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے اس الہامی قطعہ کو بیان کرنے کے بعد یہ عاجز ضروری سمجھتا ہے کہ ذیل میں تصوف یا طریقت کا ایک تاریخی جائزہ بھی لے لیا جائے اس لئے کہ دورِ حاضر کی مادیت نے حقیقتوں کو چھپا دیا ہے، اور مذہبی اقدار کو ایسا بدل دیا ہے کہ بڑے بڑے ہنر ظاہر بینوں کی نگاہ میں بڑے بڑے عیوب بن گئے ہیں۔ کسی شاعرِ حقیقت آگاہ نے کیا خوب کہا ہے۔

بے خِردے چند، زخود بے خبر — عیب پسندند، بزعمِ ہنر

(ترجمہ۔ چند بے عقل، اپنے آپ سے بے خبر، عیب کو ہنر سمجھ کر اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں)

ان سے تو یورپ کے بعض مستشرقین غنیمت ہیں کہ وہ حقائق کی ترجمانی میں راہِ راست پر ہیں۔ پروفیسر ایچ اے آر گب نے کتنا صحیح لکھا ہے:

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخشش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی (اسلامک کلچر مطبوعہ لندن)

واضح ہو کہ تصوف کی بنیاد اسلام ہے۔ تصوف اسلامی اخلاق اور کردار پر زور دیتا ہے اور اسلام کے اصولوں کو عملی صورت میں پیش کرتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنے ممتاز کردار کے ذریعہ اسلام کی جو تبلیغ کی ہے اور عوام کے کردار کو جو سنوارا ہے

وہ اسلامی تمدن اور تہذیب کا ایک تابناک باب ہے۔ صوفیۂ کرام کے افکار کی بنیاد قرآن پاک اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اور گفتار ہے۔ سید الطائفۃ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ (م ۲۵۳ء) قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو "دو چراغ" قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "انھیں کی روشنی میں راستہ طے کرنا چاہئے تاکہ نہ تو شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے"۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کا ارشاد ہے "اگر تم اہل اللہ کے مراتب کا پتہ لگانا چاہتے ہو تو ان کی اتباعِ سنت اور شریعت پر نظر کرو کہ شریعت معیار ہے۔ اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے"۔

صوفیہ کرام علیہم الرحمۃ گفتار اور کردار کے غازی ہیں

صوفیہ کرام علیہم الرحمہ ہر عہد میں نہ صرف اعلی اخلاق و کردار کے حامل رہے ہیں بلکہ وہ ارباب علم و فضل بھی تھے۔ شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۰ھ) کا قول ہے کہ جاہل پیر مسخّرِ شیطان ہو جاتا ہے آپ کے خلیفۂ اجل حضرت نظام الدین محبوب الٰہی (م ۷۲۵ھ) بے علم لوگوں کو اپنا خلیفہ بنانے سے گریز فرماتے تھے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علم کو پیر کے لئے لازمی قرار دیتے تھے۔ حضرت یحیٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔

ایک غافل عالم

دوسرے مکار فقیر

تیسرے جاہل صوفی

کاملین کی صحبت میں راز کیا ہے؟

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اسلام کے تین اجزاء ہیں (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص، اس تیسرے جزء کے لئے اولیاء

طریقت کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ جوہر حاصل نہیں ہو سکتا اور اس تیسرے جزء اخلاص کے لئے صحبت پیر کی ضرورت ہے:

پیر بن مدعا نہیں ~~ملتا~~   خضر بن راستہ نہیں ملتا

اور یہی وہ صحبت ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ساری قلبی کدورتیں کافور ہو جاتی تھیں اور بڑے سے بڑا ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ علامہ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اسی موضوع کو عارفِ شیرازی حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے کس خوبی سے بیان فرمایا ہے:

سگ اصحاب کہف روزے چند   پئے نیکاں گرفت مردم شد

(ترجمہ۔ اصحاب کہف کا کتا چند روز نیک لوگوں کی صحبت میں رہا آدمی بن گیا)

حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:

ہم نشینی مقبلاں چوں کیمیاست   چوں نظر شاں کیمیائے خود کجا ست

(اللہ تعالی کے مقبول بندوں کی مصاحبت کیمیا ہے کیمیا بھی ان کی نظر کا مقابلہ نہیں کر سکتی)

چشمِ احمد بر ابو بکرے زدہ   او ز یک تصدیق صدّیقے شدہ

(حضور احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک حضرت ابو بکرؓ پر پڑی اور وہ ایک تصدیق سے صدیق ہو گئے)

ایک اور جگہ حضرت مولانائے روم نے یوں فرمایا:

از حدیثِ اولیاء نرم و درشت تن مپوش   زانکہ دینت را راست پشت

(اولیاء کرام کی نرم اور سخت بات سے پہلو تہی نہ کر کیونکہ وہ تیرے دین کی پشت وپناہ ہیں)

آنانکہ بجان و دل او را یاد کنند   جان و دلِ خود بیادِ وے شاد کنند

(ترجمہ۔ وہ لوگ جو جان و دل سے اس کو یاد کرتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنی جان اور اپنے دل کو اس کی یاد سے خوش کرتے ہیں)۔

ذکر الٰہی میں کیا راز پوشیدہ ہے

اسلام اور اسلامی تصوف کا سب سے اہم اور ضروری رکن کلمۂ طیب ہے جس کے پڑھے بغیر نہ انسان مسلمان ہوسکتا ہے اور نہ اس کے ذکر کی کثرت کے بغیر راہ سلوک طے ہوسکتی ہے اس کلمۂ طیب کے ذکر، نفی اثبات لا الہ الا اللہ یا اللہ ھو اللہ کے ذکر میں یہی راز پوشیدہ ہے کہ اس عالم کے سب باطل معبودوں اور تمام عارضی مقصودوں اور جملہ فانی موجودوں کو دل سے نکال کر ان سب کی نفی کر دی جائے اور ایک اور صرف ایک اصلی حقیقی حیّ قیوم، معبودِ برحق کے ذکر اور خیال کو دل میں ثابت اور قائم رکھا جائے۔ یہی اصلِ کار ہے اور اسی پر ساری مذہبیت اور روحانیت کا دارو مدار ہے:

سیاحیِ دل کن کہ دیارے بہ ازیں نیست   دریاد خدا باش کارے بہ ازیں نیست

(دل کی سیاحت کر کہ اس سے بہتر کوئی مقام نہیں ہے، خدا کی یاد میں رہو اس سے بہتر کوئی کام نہیں)

ایک اور رباعی بھی سن لیں:

یاد تو روح پرور وصف تو دل فریب   نام تو غم زدا، و کلامِ تو دل ربا
فرخندہ طالعے کہ کند یاد تو بخیر   برگشتہ دولتے کہ فرامش کند ترا

مثنوی مولانائے روم دفتر اول ص ۲۸۵، ایضاً ص ۲۲۵

(تیری یاد روح پرور ہے اور تیرا وصف دل فریب ہے، تیرا نام غم کو دور کرنے والا اور تیرا کلام دل ربا ہے)۔

(وہ شخص کسی قدر خوش قسمت ہے جو تجھے صدق دل کے ساتھ یاد کرتا ہے، اور وہ

انسان کتنا بد قسمت ہے جو تجھے بھلا دیتا ہے)۔

واضح ہو کہ یادِ الٰہی کو دل میں بسانے سے بندۂ مؤمن کا دل جو بدن کا بادشاہ ہے قابو میں آ جاتا ہے۔ اور جب یہ قابو میں آگیا تو پورا جسم قابو میں آگیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

ان فی جسد ابن آدم لمضغة. اذا صلحت صلح الجسد کلہ. و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب!

(ترجمہ) بے شک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ قلب ہے!

حضرت مولانائے رومی نے اس بات کو اپنے انداز میں کیا خوب فرمایا ہے:

دل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است   دل گذرگاہ جلیل اکبر است

ترجمہ (دل پر قابو حاصل کرو۔ یہی حج اکبر ہے، ہزار کعبہ سے ایک دل بہتر ہے، کعبہ تو حضرت خلیل علیہ السلام کی تعمیر ہے، اور دل ذوالجلال والاکرام کی گذرگاہ ہے)۔

اسی دل اور حال دل کی حفاظت اللہ تعالی نے امت کے اس عظیم طبقہ صوفیاء کرام کے سپرد فرمائی ہے، جس طرح شریعت کے ظاہر کی خدمت اور حفاظت علماء اور فقہاء کے سپرد فرمائی، شریعت دین کا ظاہر ہے تو طریقت دین کا باطن ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اسی حقیقت کو صفی اورنگ آبادی دکنی حیدرآبادی نے کس واضح انداز سے اپنے شعر میں بیان فرمایا ہے:

شریعت سر جھکانا ہے طریقت دل لگانا ہے   انہی الفاظ سے پھر ذہن خفتہ کو جگانا ہے

امام غزالی کا عظیم کارنامہ

اسی موضوع کو مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنی کتاب " تعلیمات غزالی " کے تعارف میں بڑے اچھے انداز سے اس عاجز کے الفاظ میں " سمندر کو کوزہ " میں سمویا ہے:

" فقہ سے اگر تصوف کے لطائف اور حِکَم واسرار کو الگ کر لیا جائے تو یہ ایک بے جان اور بے کیف قوانین کا مجموعہ بن جاتی ہے اسی طرح اگر تصوف فقہ اور تشریع کی پابندیوں سے آزادی حاصل کرلے تو اس کا رخ الحاد اور زندقہ کی طرف ہو جاتا ہے، امام غزالی کی دور رس نگاہ نے اس اشکال کو محسوس کیا اور اپنی بے نظیر تصنیف "احیاء العلوم " کے متعدد ابواب اس کے حل کے لئے وقف کر دیئے جس میں انہوں نے وضاحت کی کہ اسلام اور شریعت نے انسانی زندگی کے لئے جو ایک مربوط لائحہ عمل پیش کیا تھا اس کی تہ میں کیا فلسفہ اور حکمت کارفرما ہے"۔

" تعلیماتِ غزالی " انہی مطالب کی آزاد اور توضیحی تلخیص ہے، شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں فاضل مرتب نے تصوف کے نکات اور رموز پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ ذوق اور وجدان کا یہ لطیفہ تزکیۂ باطن اور تعمیر سیرت کے لحاظ سے کن اہمیتوں کا حامل ہے۔ ارتقاء کے کن کن مراحل سے دو چار ہوا ہے۔ اس کے مشائخ کون ہیں ؟ مصطلحات کیا ہیں اور ان سے وارداتِ قلب کی کن کن کیفیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

آخر میں اسلام کی رو سے اس کے مقام اور موقف کو متعین کرنے کے سلسلہ میں فلسفۂ دین کی اہم اور نازک گتھیوں کو کامیابی اور توازن کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا گیا ہے کہ موجودہ زمانہ میں تصوف کو کن صحت مند سانچوں میں ڈھلنا چاہئیے " (اقتباس ختم ہوا)۔

اب یہاں صرف اختصار کے طور پر چند تاریخی عوامل کو بیان کرنا مقصود ہے جن کی بناء پر یہ مبارک طبقہ صوفیۂ کرام وجود میں آیا:

صوفیاء کرام کے ظہور کا تاریخی پس منظر

تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جب ملوکیت کا دور آگیا، فتوحات تو بہت ہوئیں، اسلام کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرانے لگا لیکن رفتہ رفتہ روحِ جہاد ختم ہونے لگی اور اقتدار کی ہوس بڑھ گئی۔ خدا کے بعض نیک بندوں سے یہ صورت نہ دیکھی گئی۔ ان حضرات نے ملوکیت سے قطع تعلق کرلیا۔ مبصرّین کہتے ہیں کہ ان صلح جو صالح طبیعت بزرگوں کے سامنے تین راستے تھے:

۱۔ بادشاہوں اور حکام کی کھلم کھلا مخالفت کریں۔ یا

۲۔ ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ یا

۳۔ ترک تعلق کر کے خود اپنا نمونہ عوام کے سامنے پیش کریں

اور اس طرح احکام خداوندی اور ارشادات نبوی پر عمل کر کے دوسروں کو عمل کی ترغیب دیں:

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو پیکرِ عمل بن کر مظہرِ خدا بن جا

صوفیہ کرام کا پہلا طبقہ

صوفیہ کرام کے اولین طبقہ نے تیسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ یہ اسلام کی پہلی صدی تھی اگر یہ حضرات مخالفت فرماتے تو اندیشہ تھا کہ ملت پارہ پارہ ہو جائے، مخالف طاقتیں تو عرصہ سے تاک میں تھیں کہ جہاں کمزوری دیکھیں ضرب کاری لگائیں اور دین محمدی کا۔ نعوذ باللہ۔ خاتمہ کردیں، اگر موافقت کرتے تو گویا بادشاہوں اور حاکموں کی تمام پالیسیوں پر صاد کرتے اور ان کے ظلم کے شریک کار ہوجاتے جس کی نہ تو شریعت اجازت دیتی ہے اور نہ انکی طبیعت! لہذا آج کل کی زبان میں انہوں نے ترک موالات اور غیر متابعت کی پالیسی کو اپنالیا۔ دیوڑھیوں اور درباروں سے منہ موڑا، عبادت، توبہ استغفار اور ذکر الہی میں مشغول ہوکر عوام کے لئے نمونہ بن گئے۔ اس مبارک طبقہ کے دور اول کی کہکشاں کے درخشندہ ستارے اہل بیت اطہار

میں امام زین العابدین (م ۹۴ھ) امام محمد باقر (۱۱۷ھ) امام جعفر صادق (م ۱۴۸ھ) ہیں پھر حضرت خواجہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ)، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (م ۱۱۴ھ) پھر حضرت مالک بن دینار (م ۱۳۱ھ) حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی (م ۱۶۲ھ) حضرت داؤد طائی (م ۱۶۵ھ) حضرت فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ) رحمۃ اللہ علیھم اور ان حضرات کے دوسرے ہم عصر تھے۔

حضرت سفیان ثوری کا خلیفہ منصور کو ڈانٹنا

یہ حضرات جاہ و حشم کے خلاف تھے، بادشاہوں سے ملتے جلتے نہ تھے اور اگر کبھی سامنا ہو جاتا تو انھیں سختی سے تنبیہ کرتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۱ھ) نے خلیفۂ منصور کو منیٰ میں پکڑا اور کہا تو بے شمار مال خرچ کرتا ہے جب کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ سے ایک حج میں ۱۶ دینار خرچ ہو گئے تو وہ افسوس کے ساتھ فرماتے تھے کہ گویا سارا بیت المال خرچ ہو گیا۔ یہ طریقہ مردانِ حق کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ) نے خلیفہ منصور کی دین کے معاملہ میں بات نہ مانی تو آپ کے کوڑے لگائے گئے پھر قید کیے گئے۔ ان حضرات نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ان میں ان کے رگ گلو کا خون بھی شامل ہو گیا۔ اور اس طرح ان کو قیدِ حیات اور بندِ غم دونوں سے نجات مل گئی۔

عباسی دور میں صوفیہ نے یونانی فلسفہ کے زور کو توڑا

خلافت عباسی میں یونانی فلسفہ کا دور شروع ہوا۔ فلسفۂ یونان کی کتابیں اونٹوں پر لاد کر دارالخلافہ میں لائی گئیں۔ اس کے اثر سے "عقلیت" (Rationalism) کی گھنگھور گھٹا اس زور و شور سے اٹھی کہ عقائد کی روشنی پر اس کی دھند چھانے لگی، اس دور کا مبارک طبقہ صوفیہ پھر سامنے آیا۔ حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) حضرت بشر حافی (م ۲۲۷ھ) حضرت ذوالنون مصری (۲۴۵ھ) حضرت سریؔ سقطی (م ۲۵۲ھ) حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۳ھ) رحمۃ اللہ علیھم اور آپ کے امثال نے اس آڑے وقت میں کتاب اللہ کی اور سنت رسول اللہ کی حفاظت فرمائی۔ ان بزرگان ملت نے عشق الٰہی پر زور دے کر یقین اور ایمان کی آبیاری کی اور تشکیک پر ضرب کاری لگائی، حضرت معروف کرخی نے استغراق پر زور دیا، حضرت سری سقطی نے توحید خالص کا قرآنی نظریہ پیش کیا۔

برصغیر میں صوفیہ کرام کا ورود مسعود

جب فقہ کی تدوین کا دور آیا تو فکر و عمل کو آہنگ کیا گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں تصوف کی تحریک بہت آگے بڑھی۔ پانچویں صدی میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری (م ۴۷۰ھ) مصنف "کشف المحجوب" اور سلطان ابو سعید ابوالخیر رونق بخش عالم ہوئے۔ اگلے سو سال کے اندر حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) نے شجر اسلام کی آبیاری کی، پانچویں صدی ہجری میں امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم لکھی۔ علامہ شبلی کی رائے میں اس کی گونج حضرت جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ) ابن رشد اور شاہ ولی اللہ کے ہاں سنائی دیتی ہے۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے علمی اعتبار سے ارشاد اور تلقین کا جو کام شروع کیا اس کے باعث ہزاروں غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اجمیر میں پرتھوی راج کے عہد میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

(م ۶۳۲ھ) نے اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ کفرستان ہند میں جہاں چھوت چھات اور برہمنی استحصال کا دور دورہ تھا ایک زبردست سماجی انقلاب رونما ہوا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ حضرت نظام الاولیاء خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی (م ۷۲۵ھ) (جن کا دلی میں لقب "حضرت سلطان جی" ہے) کا سلسلۂ طریقت حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (م ۶۷۰ھ) کے واسطے سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۴ھ) تک پہونچتا ہے۔

حضرت خواجۂ بندہ نواز کا دکن میں فیضان

اس طرح اس برّصغیر میں صوفیہ کرام نوّر اللہ مراقدھم کے تمام سلاسل خوب ہی پھلے پھولے۔ ان سلسلوں میں چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ نے جو مقبولیت حاصل کی وہ محتاج بیان نہیں۔ ان حلقوں کے بزرگوں اور خلفائے عظام نے اپنے سلاسل کی ترویج میں مادی ذریعوں سے نہیں بلکہ روحانی و سائل سے کام لیا۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے قدیم علاقے میں حضرت خواجہ شاہ راجو قتال حسینی رحمۃ اللہ علیہ جو آٹھویں پشت میں حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ کے پوتے ہیں کا شاندار تاریخی گنبد اور روضہ ہے۔ یہ گولکنڈہ کے آخری تاجدار سلطان ابوالحسن تانا شاہ کے پیر عالی قدر تھے۔ حضرت کے پائین میں اس عاجز کے پیر و مرشد حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کے والدین ماجدین اور دیگر اعزاء آرام فرما ہیں۔ ہر سال حضرت علیہ الرحمۃ اپنے والد بزرگوار کی فاتحہ سالانہ کی تقریب منعقد فرماتے۔ قرآن خوانی ہوتی اور قصیدہ بردہ بھی پڑھا جاتا۔ ایک مرتبہ اس موقع پر حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ان حضرات نے "سوکھے ٹکڑے کھاکر، اس کفرستان میں دین کی شمع روشن کی ہے"۔

دکن میں حضرت چراغ دہلوی قدس سرہ (م ۷۵۷ھ) کے خلیفہ نامور حضرت سید محمد

گیسو دراز بندہ نواز قدس سرہ (م ۸۲۵ھ) نے سارے جنوبی ہند سے اپنی عظمتوں کا لوہا منوالیا اور آپ کے انفاس قدسیہ سے چشتی سلسلہ کو دکن میں بڑا فروغ حاصل ہوا اور آج تک اس سلسلہ کے برکتیں جاری و ساری ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہیں گی۔ آپ کی عظمت اور مقبولیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جائے کہ جس مہینہ یعنی ذوالقعدہ میں آپ نے انتقال فرمایا ہے اس مہینہ کو سارے دکن میں "بندہ نواز" کہا جاتا ہے۔

حضرت مجدّدالف ثانی اور شاہ عبدالحق محدّث دہلوی کی عظیم دینی خدمات

بزرگان نقشبند میں سے ایک بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۲۲ھ) نے دلی کو اپنے قدوم پاک سے نوازا، مغلیہ دور کی گمراہیوں کے اندھیرے میں چراغِ معرفت روشن کیا اور اپنی نگاہ حقیقت بیں سے آسمان سرہند کے ایک ستارے کو ایسے چمکایا کہ یہ روشن ستارہ فلکِ معرفت کا خورشید تاباں بن گیا۔ اور پورے عالمِ اسلامی میں مجدّد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) کے لقب سے پہچانا گیا۔ آپ کے انفاسِ قدسیہ نے ایسا اصلاحی کام کیا کہ اکبری دور کے الحاد اور بے دینی کی تیز و تند آندھی سست رفتار پڑ گئی اور شاہجہاں کے دورِ معدلت پرور میں اس شہنشاہ کے پاکیزہ دینی خیالات اور تقوی شعار مزاج نے بے دینی کا قلع قمع کر دیا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مریدِ خاص حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ اور گراں مایہ دینی تصانیف اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے انفاس قدسیہ کی بدولت شریعت اور طریقت کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

حضرت مجدّد کے روضہ پر علامہ اقبال کی حاضری اور اظہارِ نیاز مندی

اس موقع پر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی کو جو خراج عقیدت پیش فرمائی ہے اس کو یہاں بیان کرنا بے محل نہ ہوگا:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے ایک صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمئ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا اس کو خبردار

ہندوستان کی مسلم ریاستوں میں علماء اور مشائخ کا مدارس اور خانقاہوں کو قائم کرنا

جب تقدیرِ الٰہی نے ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے لئے زوال اور اختتام کا فیصلہ فرمایا اور مسلمانوں کی شامت اعمال سے انگریز اس ملک کے فرمانروا بن گئے اور دہلی کی مرکزی سلطنت کی بجائے ہندوستان کے طول و عرض میں انگریزوں کے زیر اقتدار چند مسلمان ریاستیں قائم ہوگئیں تو حکمرانوں نے اپنے مقدور بھر گذری ہوئی سلطنتوں کی آن بان قائم رکھنے اہلِ علم اور اہلِ دین کی قدر دانی اور سرپرستی کرنے کی کوششیں کیں۔ ایسے وقت میں مجدّدی خاندان نے اور دیگر سلسلوں کے مشائخ کرام نے ان ریاستوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، یہاں خانقاہیں تعمیر کیں اور علماء نے مدرسے قائم کئے۔ اس طرح تعلیم، تربیت اور اصلاح کا کام شروع کیا۔ چنانچہ ہم کو اس زمانہ کی تقریباً ہر مسلمان ریاست میں ان عالی خانوادوں کا کوئی نہ کوئی فرد اور ان گرامی سلسلوں کا کوئی نہ کوئی صاحبِ ارشاد شیخ نظر آتا ہے۔

نقشبندی مجدّدی مشائخ کرام کی ہندوستان کے طول و عرض میں اصلاحی سرگرمیاں

حیدرآباد دکن میں حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجدّدی مرید حضرت شاہ علی غلام دہلوی اور خلیفۂ شاہ ابو سعید مجدّدی، رام پور میں شاہ محمد معصوم مجدّدی، ٹونک میں نواب امیر خان مرید حضرت شاہ غلام علی دہلوی، افغانستان میں حضرت حاجی دوست محمد قندھاری خلیفۂ حضرت شاہ احمد سعید مجدّدی، بھوپال میں شاہ رؤف احمد مجددی خلیفۂ حضرت شاہ غلام علی دہلوی، لکھنو میں حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی خلیفۂ حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق دہلوی، پنجاب میں حضرت اکمل الدین محمد بخاری اور

ملک شام میں حضرت خالد رومی کردی نقشبندی مجدّدی (م ۱۲۴۲ھ) خلفاء حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان سارے حضرات کرام نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی حکمت عملی کے مطابق حکمران طبقہ، خواص اور عوام کی تربیت اور اصلاح پر خصوصی توجہات مرکوز کیں۔ اور زندگی بھر سرگرمِ اصلاح اور ارشاد رہے۔ یہ تمام کوششیں اسی طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں جس کو سرہند شریف کے اللہ والے نے متحرک اور متعدی فرمایا تھا اور ایسے اخلاص اور ایسے "نفس گرم" سے حرکت دیا تھا کہ ان شاء اللہ قیامت تک اس میں حرکت رہے گی۔ ع

این سلسلہ از طلائے ناب است — این خانہ تمام آفتاب است

(یعنی یہ زنجیر خالص سونے کی ہے اور یہ تمام تر خاندان آفتاب ہے) یہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے اپنے مرید حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد امجاد کے بارے میں بطور پیشین گوئی ارشاد فرمایا جس کا گواہ زمانہ ہے کہ افغانستان، ہندوستان اور ملک شام حتی کہ روس میں بھی حضرت مجدّدِ الف ثانی کی اولاد امجاد دین کے کاموں میں سرگرم عمل ہے والحمد للہ علی ذلک۔

پچھلے اوراق میں حضرت محدّث دکن علیہ الرحمۃ کے تحصیلِ طریقت کے عنوان پر کئی ضروری باتیں عرض کردی گئیں تاکہ قارئین کو طریقت کی اہمیت اور ضرورت کا یقین ہو جائے۔ حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ نے بچپن میں ابتداءً اپنے والد بزرگوار کے پیر و مرشد حضرت مسکین شاہ قدس سرہ سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت فرمائی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے والد ماجد حضرت مسکین شاہ قدس سرہ کے نقشبندی سلسلہ میں خلیفہ اور مجاز تھے۔ اور حضرت مسکین شاہ خلیفہ اور مجاز تھے حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے۔

حضرت محدّثِ دکن کے پیرو مرشد

حضرت شاہ سعد اللہ کے خلیفہ ہمارے حضرت دادا پیر قدس سرہ حضرت سید محمد بادشاہ بخاری ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ سے ملتا ہے۔

حضرت کے جدّ اعلیٰ بخارا کے رہنے والے تھے مگر چند پشت سے آپ کے اجداد ذی شان شہر کرنول میں رونق افروز رہے۔ آپ کا مولد کرنول ہے۔ اس وقت حیدر آباد فرخندہ بنیاد گہوارۂ علوم و فنون تھا۔ ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کا تسلط پورے ہندوستان پر قائم ہوگیا تو شمالی ہند کے بیشتر علماء، ادباء، شعراء، محدّثین اور فقہاء نے حیدر آباد کا رخ کیا۔ چنانچہ نہ صرف ممالک محروسہ آصفیہ کے بڑے بڑے شہر بلکہ تعلقہ جات تک علماء کی برکتوں سے مالا مال تھے۔ ہر عالم ایک مدرسہ تھا اور ہر صوفی ایک جیتی جاگتی خانقاہ تھی، جہاں عوام اور خواص شریعت اور طریقت کے میدان میں اپنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

حضرت دادا پیر قدّس سرہ ظاہری اور باطنی علوم کے متبحر عالم با عمل تھے اور عدالت میں منصف کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ باوجود اس دنیوی وجاہت اور تموّل کے طبیعت درویشانہ تھی اور زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے، جب تک عدالت کی کرسی پر رونق افروز رہتے دست بہ کار دل بہ یار کا نمونہ بن کر خلق خدا کو زبان حال سے سکھاتے کہ اگر ایسی دنیا کی جائے تو مذموم نہیں بلکہ سراسر محمود ہے۔

حضرت دادا پیر قدّس سرہ کی نسبت قادریہ عالیہ تو خاندانی تھی اور اس کے دوش بدوش طریقۂ عالیہ نقشبندیہ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی قدّس اللہ سرہ سے حاصل فرمایا جن کا مبارک ذکر اوپر ابھی گذرا ہے۔ حضرت دادا پیر قدّس سرہ حضرت شاہ مسکین (م ۱۳۱۷ھ) قدّس سرہ جن کا مزار مبارک مسجد الماس واقع اندرون علی آباد (حیدر آباد) ہے کے خواجہ تاش تھے یعنی یہ دونوں حضرات شاہ سعد اللہ قدس سرہ

حضرت خواجہ باقی باللہ کا اشارۂ غیبی سے ہندوستان تشریف لانا اور نقشبندیت کا آغاز فرمانا

ہندوستان کی سرزمین نسبت نقشبندیت سے محروم تھی اس سلسلۂ عالیہ کے سب سے پہلے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ) ہیں جو کابل سے اشارہ غیبی کی بنا پر دلی تشریف فرما ہوئے۔ آپ کا خود ارشاد ہے:

ایں تخم پاک را از زمین سمرقند و بخارا آوردیم و درزمین برکت آئین ہند کشتیم، الحمد للہ کہ بعنایت الٰہی شجرۂ طیبہ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء ظاہر شد

(ترجمہ) اس پاک بیج کو سمرقند اور بخارا کی زمین سے ہم لائے اور ہندوستان کی برکت والی زمین میں بویا۔ الحمد للہ عنایت الٰہی سے اس کا پاک درخت جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان تک پہونچ چکی ہیں ظاہر ہوچکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت شاہ سعد اللہ کا دکن میں ورود

سلسلۂ نقشبندیہ دکن میں حضرت شاہ سعد اللہ قدس سرہ سے پہونچا۔ حضرت نے مناسک حج سے فراغت کے بعد جب مدینہ منور حاضری دی تو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سعد اللہ تم ہندوستان میں جاؤ، وہاں تم سے بہت لوگ فیضیاب ہونے والے ہیں، اس ارشاد کی تعمیل میں آپ ہند کا ارادہ فرماکر مدراس وکرنول ہوتے ہوئے حیدر آباد دکن تشریف لائے۔ اور پھر مختلف مقامات پر قیام فرماکر باالآخر محلہ اردو شریف میں نواب جان کے باغ کا ایک بڑا حصہ خرید فرمایا پھر یہاں آپ کے لئے ایک مسجد بنائی گئی اور پھر ایک خانقاہ بھی تیار ہوئی جس میں ہر روز ڈیڑھ سو طالبان حق موجود رہتے اور ان کے دو وقت کے کھانے اور لباس کا انتظام آپ ہی فرماتے (گلزار اولیاء از حضرت محدّث دکن)۔

کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت محدّث دکن نے بھی حضرت شاہ مسکین سے بچپن میں بیعت فرمائی تھی۔

حضرت مستان شاہ صاحب مجذوب کا حضرت دادا پیر پر تصرّف

حضرت دادا پیر کا معمول تھا کہ عدالت کے مقررہ وقت میں سرکاری کام سے فراغت کے بعد فاضل وقت حضرت حاجی مستان شاہ صاحب مجذوب کی حضوری میں گذارتے۔ گویا حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ پیرِ طریقت تھے اور حضرت مجذوب صاحب پیرِ صحبت، ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت دادا پیر نے حضرت مجذوب صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت صاحب نے پانی مانگا۔ آپ نے پانی پیش فرمایا، حضرت نے تھوڑا سا پی کر باقی آپ کو پینے کے لئے دیا۔ آپ نے اس کو پی لیا۔ کچھ دیر بعد آپ نے دفتر کے لئے اٹھنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: بیٹھ جا، آپ بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت مجذوب صاحب پر عالم نزع طاری ہوا اور پھر انتقال ہوگیا۔

حضرت مجذوب صاحب علیہ الرحمہ کو درگاہ حضرت اجالے شاہ صاحب واقع سعید آباد کے قریب دفنادیا گیا، حضرت دادا پیر بھی وہیں بیٹھ گئے اور جذب کا علم طاری ہوگیا نہ گھر کی فکر، نہ ملازمت کی پرواہ، نہ کھانے پینے کا ہوش البتہ پانچوں نمازوں کے اوقات میں افاقہ ہو جاتا اور آپ نمازیں ادا فرمالیتے پھر وہیں بیٹھ رہتے کوئی کام نہیں کرسکتے تھے۔ کسی صاحب دل شاعر نے ایسے ہی موقع پر یہ شعر کہا ہے:

جب سے نسبت ہوئی ساقی تیرے میخانے سے — ہر گھڑی آنکھ لگی رہتی ہے پیمانے سے

اور اسی مضمون کو حضرت فخر دہلوی علیہ الرحمہ کس خوبی سے فرمایا ہے:

شہِ اقلیم فقرم، بیخودی تختِ روانِ من — نہ چوں فرہاد مزدورم نہ چوں مجنون زمیں دارم

(ترجمہ) میں اپنی سلطنت فقر کا بادشاہ ہوں۔ بے خودی میرا تختِ رواں ہے نہ تو میں فرہاد کی طرح مزدور ہوں اور نہ مجنون کی طرح زمیندار ہوں۔

دلیؔ کے ایک مجذوب کا حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کو پیرِ کامل کی طرف رہبری فرمانا

اس موقع پر یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ مجذوب حضرات بھی صاحب خدمت اور عالمِ روحانیت کے امور پر فائز رہتے ہیں اور ان حضرات کرام کے ذمہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی رہبری کے کام تفویض فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی دہلوی (م ۱۱۴۲ھ ۔ ۱۷۲۹ء) حضرات یوسفین شریفین اور حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (مہارشٹرا، انڈیا) کے پیرو مرشد ہیں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو بھی ایک مجذوب سے رہبری ملی تھی۔ مقدمہ کشکول کلیمی سے اس واقعہ کو شائقین کے استفادہ کے لئے بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

" تکمیل علوم کے بعد، شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اور وہ یک لخت مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ حافظ محمد جمال ملتانی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ اوائل عمر میں ان کو ایک کھتری لڑکے سے گرویدگی پیدا ہوگئی اور عشق اس درجہ تک پہونچ گیا تھا کہ ایک لمحہ بھی اس کے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دلیؔ میں ایک مجذوب تھے جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اسی شخص کی نذر قبول کرتے ہیں جس کا کام ہونا ہو۔ شاہ صاحب کچھ شیرینی لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یہ نذر قبول کرلی۔ دوسرے دن شاہ صاحب اس لڑکے کے پاس گئے، اس نے نہایت ہی لطف اور توجہ سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ لڑکے کی اس ملاطفت سے شاہ صاحب کی طبیعت بھر گئی، اور ان کی مذہبی احساس نے پکار کر کہا:

ہمتِ عشق نہ ہو حسنِ خط و خال میں بند — صید ہر مور و مگس ہوتے ہیں شہباز کہیں

(قائم چاند پوری)

اب شاہ صاحب کی طبیعت ان مجذوب کی طرف راغب ہوگئی، مجذوب صاحب کی صحبت سے شاہ صاحب میں جذب کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی۔ احترام شرع میں وہ اپنے

حالت چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن جب ضبط نہ ہوسکا اور بالکل مجبور ہوگئے تو مجذوب صاحب سے اپنی حالت بیان کی اور امداد کے طالب ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا:

"اگر آتش ازیں قسم خواہند نزدِ من بسیاراست و آب نزدِ حضرت شیخ یحییٰ مدنی است، آنجاروید"

(اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو میرے پاس بہت ہے لیکن پانی حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے۔ وہاں جاؤ)۔ کشکول کلیمی ۳۲ ص) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ۔ لاہور

اب یہاں سے ہم پھر اپنے موضوع پر واپس ہوتے ہیں۔ جب دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے سارے کام چھوڑدیئے اور آپ پر جذب کی کیفیت نے دائمی ہیئت اختیار کرلی، اس زمانے کے اربابِ اقتدار جیسے نواب تراب علی خان سالار جنگ اول نے بڑی تدبیریں کیں کہ نیستانِ معرفت کا یہ شیر پھر سے دنیا کے تنگ و تاریک پنجرہ میں مقید ہوجائے حضرت پیر و مرشد محدث دکن کی مبارک زبانِ درفشان سے اس کیفیت کو سنیئے اور جذبۂ معرفت خداوندی کو ابھاریئے:

"مگر یہ بیٹھنا کچھ معمولی بیٹھنا نہیں تھا، کسی دل جلے کے بیٹھانے سے بیٹھنا پڑا تھا، اسی لئے اس کوہ ثبات کو کسی دنیادار کی باتوں کے تیز جھونکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے، سچ پوچھیئے تو سُدھ ہی کس میں تھی، ایک دل تھا وہ تو دلدار نے لے لیا، اب دل ہی کہاں سے لائیں جو اوروں کو دیں؟ اس وقت آپ اس شعر کے مصداق بنے ہوئے تھے۔

یکے بین و یکے داں و یکے گوی   یکے خواہ و یکے خواں و یکے جوئے

(دیکھو تو ایک کو دیکھو، جانو تو ایک کو جانو، کہو تو ایک ہی کو کہو، چاہو تو ایک کو چاہو، پڑھو تو ایک ہی کا نام پڑھو، اور ڈھونڈو تو ایک ہی کو ڈھونڈو) (گلزار اولیاء ص ۶۰، تالیف حضرت محدث دکن)

بالآخر حضرت دادا پیر قدس سرہ کی اس حالت کو دیکھ کر نواب تراب علی خاں سالار

جنگ اول نے اس جگہ خانقاہ بنوادی، پھر سالار جنگ دوم نے مسجد تعمیر کروادی اور اب تک یہ چیزیں صدقۂ جاریہ کی صورت میں بانیوں کی یادگار میں قائم اور موجود ہیں۔

حضرت دادا پیر قدس سرہ نے اپنی ساری مبارک عمر اسی مسجد اور حجرہ مبارکہ میں گذاردی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس طرح آپ مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوکر طالبانِ حق کو فیضیاب فرمائیں۔

اس مبارک مسجد بخاری گلشن سعید آباد سے متصل بجانب جنوب جو مبارک حجرہ ہے وہ بڑا ہی متبرک ہے، حضرت دادا پیر قدس سرہ کا یہ معمول تھا کہ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد فوراً بعد متصل دروازہ سے اس میں داخل ہو جاتے اس طرح سے کہ کوئی دوسرا داخل نہ ہو اور پھر اسی وقت اس کو بند کرلیتے۔ حضرت کے اس معمول کو آپ کے عزیز حضرت مُحِبُّ اللہ صاحب عرف شاہ پیراں رحمۃ اللہ (جو حضرت محدث دکن کے اساتذہ کرام میں ہیں) دیکھا کرتے ایک مرتبہ ہمّت کر کے حضرت شاہ پیراں بھی حضرت دادا پیر قدس سرہ کے ساتھ اس دروازہ میں داخل ہوگئے۔ حضرت نے سکوت اختیار فرمایا اور اس وقت آپ کی روضۂ سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضری ہوا کرتی تھی۔ اس طرح حضرت شاہ پیراں رحمۃ اللہ علیہ کو بھی وہ حاضری میسّر آگئی۔ مگر حضرت دادا پیر قدس سرہ نے وعدہ لیا کہ جب تک میں زندہ رہوں اس راز کو فاش نہ کرنا۔ اللھم و بارک علینا معھم انک حمید مجید۔ آمین بحرمۃ المرسلین! (یہ واقعہ اس عاجز کو حضرت حافظ محمد حسین صاحب امام تراویح حضرت پیر و مرشد نے بیان فرمایا اور اس کی توثیق جناب سید نعمت اللہ صاحب قادری مقیم شکاگو نے فرمائی)۔

ہر سال حضرت دادا پیر قدس سرہ کے عرس کے موقع پر حضرت پیر و مرشد اس مبارک حجرہ میں بھی تشریف لیجاتے اور فاتحہ گذرانتے اور حاضرین کو بتاتے کہ حضرت

دادا پیر قدس سرہ مسجد میں یہاں تشریف رکھتے، اور حجرہ میں اس جگہ تشریف رکھتے حجرہ میں اس جگہ حضرت دادا پیر کی چوکی برابر رہا کرتی۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی جائے قیام کا تقدس اور ان سے برکت حاصل کرنا

یہاں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ جس مقام پر کوئی اہل اللہ کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل اللہ تعالی کیطرف کھنچتے ہیں اور وہ جگہ متبرک ہوجاتی ہے۔ تفسیر مظہری (۱/ ۱۲۸) میں آیت شریفہ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ (سورہ بقرہ پ ۱ آیت نمبر ۱۲۵) کے تحت مفصل تفسیر اور تحقیق کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

"یہاں اہل اعتبار نے یہ استنباط کیا کہ جس مقام میں کوئی شخص اہل اللہ میں سے کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے، جس سے قلوب کا انجذاب حق تعالی کی طرف ہوتا ہے اور اس جگہ نیکیاں کرنے سے ان کا اجر مضاعف ہو جاتا ہے اور برائیوں کا گناہ بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے، واللہ اعلم"

ملفوظات محدّث کشمیری جو علامہ انور شاہ کشمیری .... کے گرانقدر ملفوظات پر مشتمل ہے ص ۱۷۹ کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے جس میں اس موضوع پر دلیلیں پائی جاتی ہیں:

"قولہ اتخذہ مصلی الخ علامہ نووی نے فرمایا "اس جملہ سے صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت و استحباب نکلتا ہے، اور جن مواضع میں انہوں نے نماز پڑھی ہے وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت طلب کرنا بھی ثابت ہوا" پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے، اور جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہے ان میں نماز پڑھنے کا التزام کرنا بخاری شریف کے "باب المساجد بین مکۃ والمدینہ" سے بھی ثابت ہے۔

حضور نے سفر معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاءِ ولادت پر نماز پڑھی

"اور ہم بعض احادیث اسراء کے ذیل میں یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سفر اسراء میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو براق سے اتر کر مدینہ منورہ، طور سینا، مداین (مسکن حضرت شعیب علیہ السلام) اور بیت لحم (جائے ولادت حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) میں نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ یہ حدیث نسائی شریف اور دوسری دس کتب حدیث میں ہے" (ملفوظات کی عبارت ختم ہوئی)۔

معرفت خداوندی کیوں کر حاصل ہوتی ہے

پیرِ کامل کی نگرانی اور تربیت میں اپنے مولی کا طالب جب سرگرم عمل ہو جاتا ہے تو اس کو معرفت خداوندی اور نسبت یعنی تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے ۔ معرفتِ خداوندی جب انسان کو حاصل ہوتی ہے تو گویا اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے رب العزت کا ارشاد ہے (سورہ بقرہ پ ۱، آیت ۱۳۰) "ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه" (اور جو کوئی پسند نہ کرے دین ابراہیمی کو تو گویا وہ اپنے آپ سے غافل ہے) اسی کو صوفیہ کرام یوں فرماتے ہیں "ومن عرف نفسه فقد عرف ربه" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) جب یہ عرفان حاصل ہوا تو اللہ تعالی سے نسبت بھی قائم ہوگی۔

سطور بالا میں جہاد اکبر کے سلسلے میں، اس عاجز نے تعلق مع اللہ اور نسبت کا ذکر کیا ہے ۔ نسبت کی ضرورت اور اہمیت پر سطور ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "القول الجمیل" سے اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے تاکہ محدث، مفسر، محقق، صوفی، متکلم، مؤرخ، مفکر، مصنف، جامع بین المنقول و المعقول، صاحب مسند و ارشاد بزرگ عالم ربانی سے زیر نظر موضوع پر قول فیصل سن کر قارئین کرام کماحقہ استفادہ کریں۔

ذکر الٰہی طریقت میں بنیادی شرط ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "القول الجمیل" میں مشائخین کرام کے اشغال بیان کئے ہیں، اپنے مریدین کی باطنی تربیت کی تفصیلات بھی دی ہیں۔ بتایا ہے کہ طریقت میں "ذکر الٰہی" سلوک کی بنیادی شرط ہے خواہ ذکر خفی ہو یا ذکر جہری ۔ اس کے بعد اس باطنی مجاہدہ اور ریاضت کی اصل غرض بیان فرمائی ہے۔

طریقت کا مقصود کیا ہے

تصوف کے سارے طریقوں کا مقصد یہ ہے کہ طالب کے نفس ناطقہ یعنی اندرون میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے جس کو صوفیہ کرام نے "نَسبت" کا نام دیا ہے، یہ نسبت دوسرے معنوں میں اللہ تعالی سے تعلق کا نام ہے، اس کو سکینہ بھی کہتے ہیں ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (سورہ فتح پ ۲۶، آیت ۴) هو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم (وہی ہے جس نے اتارا چین دل میں ایمان والوں کے تاکہ زیادہ ہو جائے ایمان، ان کے اپنے ایمان کے ساتھ) اس تعلق مع اللہ کو "نور" بھی کہتے ہیں ۔ رب العزت کا ارشاد ہے (سورۃ الزمر پ ۲۳ آیت ۲۲) افمن شرح اللہ صدره للاسلام فهو علی نور من ربه (بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر، پس وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے) جب یہ کیفیت نفسِ ناطقہ میں جاگزیں ہوجاتی ہے اور چوں کہ ملائکہ سے مشابہ ہوتی ہے تو صاحبِ نسبت کی نگاہ عالم جبروت کی حقیقتوں پر پڑتی ہے۔

نسبت یا سکینہ کب حاصل ہوتی ہے

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ طالب جب طہارت، پاکیزگی، عبادتوں اور اذکار و اشغال، تلاوت کلام پاک، درود شریف کی کثرت پر برابر پابندی کے ساتھ عامل رہے تو اس کے باطن میں دو باتیں پیدا ہوجاتی ہیں (۱) ملکوتی صفت یعنی فرشتوں سے مشابہت والی صفت (۲) عالم جبروت کی طرف توجہ کی پختہ استعداد ۔ یہ دونوں نسبت یا سکینہ یا نور ربانی کی دو شاخیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک شاخ کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں ایک عشق اور محبت کی نسبت ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (سورہ مائدہ پ ۶ آیت ۵۴) یحبهم ویحبونه (وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو چاہتا ہے اور وہ (بھی) اس کو چاہتے ہیں) اسی کو شاعر قرآن علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

بجھی آتش عشق اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

حیاتِ مستعار کا راز کیا ہے

الغرض جب طالب کے باطن میں نسبت یعنی سکینہ اور نور جاگزیں ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن معنوی کمالات، اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ حسنہ سے نوازا ہے سب اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں موقع نہیں ہے کہ تفصیل میں جاؤں البتہ اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ اٹھارویں پارہ کا ابتدائی رکوع جو "قد افلح المؤمنون" سے شروع ہوتا ہے اور انیسویں پارہ کے سورہ الفرقان کا آخری رکوع جس میں رب العزت جلّ مجدہ نے "و عباد الرحمن" یعنی رحمان کے بندوں کی صفاتِ عالیہ بتائی ہیں اور اسی طرح سے جہاں جہاں قرآن پاک میں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤمنین کے اخلاق بتائے گئے ہیں کم و بیش سب اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور یاد رکھیں اس دو روزہ زندگی اور حیاتِ مستعار کا یہی راز ہے ورنہ کھانا، پینا اور نسل کو بڑھانا، ان چیزوں میں تو جانور اور تمام حیوانات بھی سرگرمِ عمل ہیں تو پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہ گیا؟ اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر و الفسوق و العصیان واجعلنا من الراشدین۔ (الٰہی! محبت ڈال دے ہمارے دل میں ایمان کی، اور اچھا دکھا اس کو ہمارے دلوں میں، اور بُرا بنا دے ہمارے لئے کفر کو، گناہ کو اور نافرمانی کو، اور بنا دے ہم کو نیک چال چلنے والوں میں

ایک شاعرِ ربانی کیا پیاری للکار ہے:

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو ۔۔۔ پیکرِ عمل بن کر مظہرِ خدا ہو جا

آدابِ خود آگاہی کب کھلتے ہیں؟

اس موضوع پر شاعرِ فطرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ سے کچھ سن لیں:

بے آہِ سحرگاہی تقویمِ خودی مشکل ۔۔۔ یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارِ جو

(لالہ پیکانی کہا آنکھوں کو، جیسا کہ گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے، ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے۔ پیکاں سے مراد پلکیں، خوشتر ہے کنارِ جو سے مراد رونا ہے یعنی

آنکھ کا کمال یہ ہے کہ عشقِ الٰہی میں روتی رہے، خودی سے مراد خود آگاہی ہے)۔

یہ بھی شاعرِ فطرت کا قول ہے:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی ۔۔۔ کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یعنی جب اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے زندگی کے اس رازِ بے بہا کو علامہ ہی کی زبان سے ذرا کچھ تفصیل سے سن لیں:

شام جس کی آشنائے نالۂ یارب نہیں ۔۔۔ جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا سازِ دل شکستِ غم سے ہے ناآشنا ۔۔۔ جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے ۔۔۔ زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

اللہ تعالیٰ کے مراقبہ کی تاکید

زندگی کا راز گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کی نسبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سورۃ الحدید پ ۲۸ آیت ۴) وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو) ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے "راقب اللہ تجدہ تجاھک (تو اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا) اور بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضور نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم نے احسان کی تعریف یوں ارشاد فرمائی "الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ، فان لم تکن تراہ فانہ یراک" (احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا ہے وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے) اور نسبت ہی احسان کا دوسرا نام ہے اور اسی کو صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) کہا ہے کہ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (سورہ بقرہ پ ۱ آیت ۱۳۸) "صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ و نحن لہ عٰبدون" (ہم نے لیا رنگ اللہ کا، اور کس کا رنگ ہے اللہ سے بہتر، اور ہم اسی کی بندگی پر ہیں)۔

طریقت کی نسبت وراثۃً چلی آرہی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین ابرار اس نسبتِ سکینہ کو تنہائیوں میں خضوع اور حضور کے ساتھ نمازیں پڑھنے، ذکر اور تسبیح کرنے، طہارت پر برابر قائم رہنے، موت جو دنیاوی لذتوں کو مٹانے والی اس کو ہر دم یاد کرنے، اللہ تعالی کے وعدوں اور وعیدوں پر دھیان کرنے سے حاصل فرماتے تھے۔ اور جب یہ صفت اور ملکہ پیدا ہو جاتا تو زندگی بھر اس کی حفاظت فرماتے۔ اور یہی کیفیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور مشائخ کے ذریعہ وراثۃً چلی آرہی ہے اس کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں البتہ اس کیفیت کے کئی رنگ ہیں اور اس کے حصول کے کئی طریقے ہیں اسی نسبت، سکینہ اور نور کو حاصل کرنے کے لئے مرید اپنے پیر کا دامن تھامتا ہے۔ اسی کو بیعت کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت پیر و مرشد محدّث دکن نے اسی کے لئے اپنے پیر و مرشد حضرت سید محمد بخاری قدّس اللہ سرّہ کا دامن تھاما۔ پیدل حسینی علم کے محلہ سے سعید آباد تک جو ایک گھنٹہ کا راستہ ہے تشریف لیجایا کرتے اور یہ آمد و رفت چودہ برس رہی۔

بالعموم فجر کی نماز با جماعت مسجد بخاری گلشن میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ادا فرماتے اور اگر کبھی دیر ہوجاتی تو مسجد چوک میں نماز فجر ادا ہوتی۔ اس زمانہ میں اس مسجد کے امام اور خطیب حضرت شیخ آدم ترکی علیہ الرحمۃ تھے۔ ان حضرت کا یہ معمول تھا کہ ہر روز نماز فجر کی فرض رکعتوں میں قرآن شریف کی سلسلہ وار تلاوت فرماتے تو جو کوئی فجر کی نماز میں آپ کے ساتھ پابندی سے شریک ہوتا تھا وہ تراویح کی طرح قرآن پاک کے سماعت کی سعادت حاصل کرلیتا، یہ تھیں اس زمانے کی برکتیں! اسی طرح استاذی مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ ایک سال علالت کی وجہ سے تراویح میں قرآن نہیں سنا سکے تو عشاء کے فرض میں قرآن پاک کا پورا دور مکمل فرمالیا۔

پیر کامل، قابل اساتذہ اور اچھے مشیر خدا کی عظیم نعمتوں میں ہیں

اس زمانہ کی برکتوں کا ذکر چھڑ گیا تو اپنے استاذ عالی قدر جناب عبدالستار صاحب سُبحانی علیہ الرحمۃ کی رہبری کا ایک واقعہ جو اس راقم عاجز سے متعلق ہے سناتا چلوں۔ اس عاجز نے ۱۹۴۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی، والد بزرگوار جناب الحاج محمد اسماعیل خان نقشبندی و قادری علیہ الرحمۃ مجھے عالی جناب سُبحانی صاحب کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ آپ کے اس شاگرد نے بی اے کی ڈگری حاصل کرلی ہے میں اس کو دائرہ ملازمت میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ موصوف نے فرمایا: آپ تھوڑا توقف کریں، میں اس سے پوچھ لوں کہ اس کی کیا خواہش ہے؟ اس عاجز نے عرض کیا۔ صاحب! میں ایم اے میں شریک ہوکر اپنے سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھنا چاہتا ہوں! یہ سنکر عالی جناب سبحانی صاحب نے والد بزرگوار سے دریافت فرمایا۔ آپ پر اس کا کیا بوجھ ہے کہ اس کے تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے سے آپ سخت حالات میں گرفتار ہو جائیں گے؟ والد محترم نے جواب دیا۔ اس کا کوئی بوجھ نہیں ہے اس کا کھانا، رہن سہن سب سادہ ہے تو فرمایا سُن لو: پڑھائی کے بس یہی دو سال ہیں پھر زندگی بھر ملازمت ہی کرنی ہے! قارئین کرام سن لیں کہ استاذ محترم نے المستشار مؤتمن (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے) کی روشنی میں کتنا بہترین مشورہ دیا کہ اس عاجز نے الحمد للہ یونیورسٹی کی اعلی ترین ڈگری حاصل کی یونیورسٹی کی اعلی ترین خدمت پروفیسری اور صدارت شعبہ پر فائز رہا۔ حکومت ہند کے اعلی اعزاز صدر جمہوریہ عربی ایوارڈ کا مستحق قرار پایا اور زندگی بھر قابل ترین اساتذہ سے استفادہ کرتا رہا اور اب پیر کامل کی صحبت، خدمت اور برکتوں کی وجہ سے نئی دنیا شکاگو اور اب سان فرانسسکو (امریکہ) میں ان ہی تجربوں کی بدولت اپنی بساط بھر دین کی کچھ نہ کچھ خدمت پر مامور ہے۔ والحمد للہ علی ذلک:

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے بوسہ زن بر آستانِ کاملے

نقشبندیت کیا ہے؟

اوپر نقشبندیت کا ذکر کیا گیا جو درحقیقت اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ایک طریقہ ہے چنانچہ نسبت نقشبندیت نام ہے "دوامِ حضور اور آگاہی" کا جس کے ساتھ غیبت بالکل نہ ہو، اسی حالت کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کانک تراہ (گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ محمد معصوم نقشبندی مجددی فاروقی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ریاض الحکم فی مناقب القدم" جو ابھی مخطوطہ کی شکل میں ہے فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ ھ) پندرہ دن سجدہ ریز رہے صرف نمازوں کے لئے اٹھ جاتے پھر سجدہ میں پڑے رہتے۔ مقصود یہ تھا کہ امت کی صحیح رہبری کے لئے اللہ تعالیٰ کیطرف سے کوئی نکتہ مل جائے تو آپ کو ذکر خفی "اللہ ھو اللہ" دیا گیا چنانچہ ذکر خفی نقشبندی سلسلہ میں طالب اور سالک کی غذا ہے۔ جس پر پیرِ کامل کی رہبری میں مداومت اور پابندی سے دوام حضور حاصل ہوتا ہے۔

خواجۂ خواجگان نقشبند کی اس مذکورہ حالت پر یہ شعر صادق آتا ہے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی   میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے ہوں غازی

اسی نسبت نقشبندیت کے لئے حضرت محدّث دکن رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کی مسجد بخاری گلشن سعید آباد تشریف لیجایا کرتے تھے۔

مفرد ذکر "اللہ" کہنا بدعت نہیں، قرآن اور حدیث سے اس کا ثبوت

بعض حضرات مفرد ذکر اللہ یا اللہ ھو اللہ کے مبارک کلمات سے ذکر کرنے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ مسلم شریف میں صحیح حدیث موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی شخص بھی باقی رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی اس طرح ذکر کرنے والا کیسے بدعتی ہوسکتا ہے۔ اور ترمذی شریف میں بھی یہی حدیث باب اشراط الساعۃ

میں موجود ہے اور علماء کی تحقیق ہے کہ حق تعالیٰ کا مفرد نام بھی ذکر ہے۔ اور یہ بھی علماء کرام کی تحقیق ہے کہ دنیا کی روح لا الہ الا اللہ میں ہے جب روح نہ رہے گی تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ رب العزت کا ارشاد ہے (سورہ انعام پ ۶ آیت ۲۹)

"قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون" (کہہ دو۔ اللہ! پھر چھوڑ دو ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں) طبقات ابن سعد (۲/ ۱۹) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ بدر میں دیکھا کہ آپ سجدہ ریز ہیں اور زبان مبارک پر یا حیّ یا قیوم جاری ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ "احد احد" کا نعرہ لگاتے تھے جبکہ امیہ بن خلف آپ کو زدو کوب کیا کرتا تھا (دیکھو ابن ماجہ) کیا یہ کہنا بدعت تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو توفیقِ خیر سے نوازے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

اپنے پیرو مرشد کی طرف سے حضرت محدّث دکن کو خلافت کی سرفرازی

خرقۂ خلافت کے عطا ہونے کا واقعہ یوں ارشاد فرمایا کہ میں حسب عادت مسجد بخاری گلشن پہونچا۔ حضرت پیر و مرشد بخاری شاہ صاحب قدس سرہ نے سَنَد خلافت اور شایہ تیار رکھا اور فرمایا کہ ہم تم کو خرقۂ خلافت دیتے ہیں، سلسلہ جاری رہنا ہے۔ ہمارے طریقہ میں تشہیر اور شہرہ نہیں کہ رسمِ خلافت کی تکمیل جلسہ منعقد کرکے کی جائے۔ چنانچہ حضرت پیرو مرشد حضرت محدث دکن نے جب ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں اپنے چند منتخب مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو ارشاد ہوا کہ کل نماز فجر کے بعد آپ اصحاب میرے گھر کے دیوان خانہ پر آجائیں تاکہ آپ کو سَنَد خلافت دی جاسکے۔ حسبہ یہ کام انجام پایا۔ اس موقع پر یہ عاجز نقشبندیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

قانون اسلامی کی مشہور کتاب ھدایہ کیوں مقبول ہے؟ اس کا راز!

اللہ تعالیٰ کی شانِ سرفرازی بھی عجیب ہے جس علاقہ کو چاہا اس کو دینِ مبین کا مرکز

بنا دیا ۔ حنفی فقہ کا مرکز یا تو کوفہ تھا پھر بخارا روس کا ایک شہر ہوگیا چنانچہ اسلامی قانون کی مستند ترین کتاب ھدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس میں لکھی اور بارہ برس تک روزہ رکھ کر لکھا اور اس طرح کہ گھر والوں کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ یہ مسلسل روزہ رکھ رہے ہیں ۔ جس مدرسہ اور مسجد میں قیام رہتا دو وقت کا کھانا گھر سے آجاتا، افطار اور سحر کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھ لیتے باقی شاگردوں کو کھلا دیتے تو گھر والے یہ سمجھتے کہ ہم تو دونوں وقت کا کھانا ان کو بھجواتے ہیں ۔ جب ھدایہ کی تصنیف مکمل ہوئی تو یہ عقدہ کھلا ۔ یہی وجہ ہے کہ ھدایہ کا ایک ایک لفظ الہامی ہے اور قانون کا ایک نکتہ ہے ۔ یہ ہیں ہمارے اسلاف کے کارنامے اور ایسی ہیں ان کی برکتیں! جس طرح فن حدیث شریف میں بخاری شریف کی مقبولیت ہے کہ بتادیا جائے کہ یہ حدیث شریف بخاری کی ہے تو سننے والا اپنے سر کو جھکا دیتا ہے اسی طرح کسی قانونی بات کے بارے میں یہ بتادیا جائے کہ یہ ھدایہ کا قول ہے تو سننے والا اپنا سر خم کر دیتا ہے ۔ اللھم بارک علینا معھم انک حمید مجید ۔

حنفی فقہ اور نقشبندیت کا مرکز بخارا ہے

اسی طرح طریقت میں بخارا اور اس کے اطراف و اکناف کے شہر نقشبندیت کا مرکز رہے ہیں، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہ سے لیکر حضرت خواجہ مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ یعنی خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ محمد باقی اللہ کابلی دہلوی کے پیر تک بلکہ خواجہ بہاؤ الدین قدس سرہ کے اوپر کے تمام تر شیوخِ طریقت کا مولد، جائے تربیت اور ان کے تربیت یافتگان کے علاقے اور ان نفوسِ قدسیہ کی محنت کے میدان اسی بخارا کے گرد ہیں ۔ اسی وجہ سے بخارا کے بارے میں قدیم تذکروں میں یہ قول ملتا ہے:

بخارا قوت روئے زمین است (بخارا روئے زمین کی قوت ہے)

نقشبندیت کا تعارف، حضرت جامی کے کلام بلاغت نظام میں

یہاں یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ حضرت جامی علیہ الرحمۃ کے اشعار کو بیان کر دوں جن میں نقشبندیت کے شہر بخارا میں ابتداء اور نشوونما کا ذکر ہے اور ان اشعار میں بلیغ اسلوب میں اپنے پیر و مرشد خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت کا بھی بیان ہے ارشاد فرماتے ہیں:

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند — نوبتِ آخر بنجارا زدند
از حظّ آں سکہ نشد بہرہ مند — جز دلِ بے نقش شہ نقشبند
تاجِ بہا برسرِ دیں او نہاد — قفلِ ہوی از درِ دیں او کشاد
زد بجہاں نوبتِ شہنشاہی — کوکبۂ فقرِ عبید اللہی
آں کہ زحرّیت فقر آگاہ است — خواجۂ احرار عبید اللہ است

(ترجمہ)

۱ ۔ دین کا وہ سکہ جس کو ڈھالنے والوں نے یثرب یعنی مدینہ منورہ اور بطحاء یعنی مکہ معظمہ میں ڈھالا تھا، باآلآخر بخارا کی باری آئی کہ دین کا یہ سکہ یہاں ڈھالا گیا ۔

۲ ۔ اس سکہ سے صرف شہ نقشبند یعنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے مصفا قلب نے فائدہ حاصل کیا ۔

۳ ۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نے دین کے سرپر بلند و بالا تاج رکھا اور آپ ہی نے خواہشات نفس کے قفل کو جو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر لگا ہوا تھا کھولا ۔

۴ ۔ دنیا میں نقشبندیت کی شہنشاہی کا نقارہ، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مقدمۃ الجیش نے بجایا اور عام کیا ۔

۵ ۔ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرّیت سے جو باخبر ہیں وہ تو حضرت خواجہ

عبیداللہ احرار ہیں۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے اپنے پیرومرشد کی منقبت میں ایک شعر اور فرمایا ہے جو زبان زد خاص و عام ہے:

چوں فقر اندر قبائے شاہی آمد   بتدبیرِ عبید اللہ آمد

(فقر یعنی روحانیت اور ربّانیت جب شاہی لباس میں ظاہر ہوئی تو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کی تدبیر سے وجود میں آئی)۔

حضرت مجدّد الف ثانی کا اپنے پیرومرشد کی جناب میں اظہار تشکر

مرید کو جب اپنے پیرومرشد سے یہ دولت سرمدی حاصل ہوتی ہے تو مرید صادق کو اس احسانمندی کی شکر گذاری کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہما کو لکھتے ہیں (مکتوب ۲۱۶ دفتر اول حصہ چہارم)

(مکتوب مذکور کا ترجمہ لکھا جارہا ہے)

"یہ فقیر از سر تا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے، اس راہ میں الف باء کا سبق انہی سے لیا ہے، اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور ابتدا میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی صحبت بابرکت سے حاصل کی ہے اور "سفر در وطن" کی سعادت انہی کی خدمت کی صدقہ میں پائی ہے... جب اس فقیر کو ایسی بلند مرتبہ دولت آپ کے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تو اگر یہ فقیر عمر بھر آپ کے دربار عالی کے خدام کے قدموں میں اپنا سر پامال کرے تب بھی اس نے کوئی حق ادا نہ کیا... (یہ مکتوب بڑا طویل ہے، صاحبزادوں کو شریعت اور طریقت کے بارے میں کئی باتیں تعلیم فرمائی ہیں اور ضمناً علم کلام کے اہم مسائل بھی آگئے ہیں)۔

حضرت محدث دکن کا اپنے پیرومرشد کی جناب میں جذبۂ امتنان

اسی طرح حضرت محدث دکن اپنے پیرومرشد کے لئے یوں گوہر افشاں ہیں (گلزارِ اولیاء ص ۶۹) اپنے پیر مرشد کے سود مند نصائح بیان فرما کر لکھتے ہیں۔

"یہ ناچیز اسی در دولت کا ادنی خادم ہے"

اپنے پیرومرشد کی احسانمندی میں یہ کس کے کلمات نامدار ہیں جو تفقہ کا سورج ہے، علم قرآن و حدیث کا ماہتاب ہے، عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہکشاں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الالباب!

طریقت کی نعمت سنّتِ نبوی کی پیروی سے وابستہ ہے

حضرت محدّث دکن قدس سرہ سے ایک عالم باعمل نے دریافت کیا: حضرت! طریقت کا مقصود اور منتہی کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ان کو ایک عالم نے بتایا تھا کہ طریقت کا منتہی "علم اور عمل کا من اللہ ہوجانا" ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(دفتر اول مکتوب ۸۷) ترجمہ لکھا جارہا ہے۔

"اس نعمت عظمی (یعنی طریقت کی نسبت) کا حاصل ہونا سردار اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہے، سالک جب تک اپنے کو شریعت میں بالکل گم نہ کر دے اور اپنی زندگی کو بالکل شریعت کے مطابق نہ بنالے، اس نعمت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا"۔

حضرت مجدّد قدس سرہ ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں (مکتوب ۱۸۴، دفتر اول)

"اے فرزند جو چیز کل کام آنے والی ہے وہ صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے، باقی احوال و کیفیات، علوم و معارف اور اشارات اگر اس پیروی

کے ساتھ ہوں تو خیر اور خوب، ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں"۔

مکتوب (۱۱۴ جلد اول) میں بھی یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ہر فضیلت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی سے، اور ہر کمال آپ کی شریعت کے اتباع سے وابستہ ہے۔ مثلا سنت نبوی کے اتباع کے طور پر دوپہر کا سونا کروروں رات جاگنے سے بہتر ہے اور افضل ہے جب کہ یہ شب بیداری شریعت کی پیروی کے بغیر ہو"

حضرت مجدّد قدس سرہ کے ان مبارک قطعات کی روشنی میں حضرت محدّث دکن رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے آپ اتباعِ سنت کے مجسم پیکر ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

(سر سے لیکر پیر تک جس جگہ بھی میری نظر پڑتی ہے (اتباع سنت کیوجہ سے) دامن دل کا کرشمہ یوں زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ بس تمہاری نگاہ کا مرکز یہی ہے یعنی بس دیکھتے ہی رہو)۔

اور کسی عاشق صادق نے بھی خوب ہی کہا ہے:

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا کچھ ان کے سوا   اک نظر میں سینکڑوں حُسن نظر پیدا ہوئے

ایک اور شعر بھی سن لیں:

جس کا نصب العین تھا، اعلانِ حق تبلیغِ حق   زندگی جس کی تھی شرع مصطفی کا آئینہ

ایک فارسی شاعر نے بھی خوب گوہر افشانی کی ہے:

آفاقہا گردیدہ ام ، مہرِ بتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

امام ربّانی حضرت شیخ احمد سرھندی کی مجدّدیت

اللہ تعالیٰ کی کیا شان کبریائی ہے کہ اپنے جس بندہ کو چاہا مقبولیت کا تاجدار بنادیا۔

شہنشاہ اکبر کے دور میں اس کے درباریوں نے اکبر کی خوشامد میں اس کو یہ نوید سنائی کہ ہزارۂ اول میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور اب ہزارۂ دوم (الف ثانی) میں تمہاری شخصیت ہے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایک نیا دین "دینِ الٰہی" کے نام سے شروع ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا کہ الف ثانی کے آغاز پر اکبر بادشاہ کی شخصیت منظر عام پر آرہی ہے تو آپ نے فرمایا، لوگ بے خبر ہیں انکو معلوم ہو جانا چاہئے کہ الف ثانی کا خطاب تو حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے شایانِ شان ہے چنانچہ آج چار سو سال سے مجدّد الف ثانی گویا امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی کا علم اور اسم خاص ہو گیاہے۔ کتنے لوگ ہیں جو حضرت کے نام نامی سے تو واقف نہیں مگر مجدد الف ثانی کا خطاب سنتے ہی حضرت شیخ احمد سرھندی ہی مراد لیتے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کابلی دہلوی قدس سرہ کے مرید حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی ہندوستان کے ایک عالم، صوفی اور مجدّد کی حیثیت سے معروف ہیں درحقیقت آپ کی مجددیت اور آپ کے تجدیدی کارناموں سے تقریباً تمام اسلامی ممالک فیضیاب ہوئے ہیں۔ اس امر واقعہ کو استاذ محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن (انڈیا) سے سنیئے:

مکتوبات امام ربانی سے پوری اسلامی دنیا فیض یاب ہے

"سلسلہ مجدّدیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق، شام اور عرب اور مصر خصوصاً ترکی کی ریاستوں میں بیحد مقبول ہوئی آپ کے "مکتوبات" ان علاقوں میں فارسی زبان میں بکثرت پڑھے گئے اور جو اس سے ناواقف ہیں ان تک آپ کی مکتوبات عربی اور اردو زبانوں میں پہونچائے گئے ملا مراد (روس کے رہنے والے) بعد ہجرت مکہ معظمہ میں قیام فرما ہوئے، ان مکتوبات کا عربی میں ترجمہ فرمایا اور یہ

ترجمہ سارے عربی ملکوں میں پھیل گیا۔ اس کے بعد حدیث اور تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں " مکتوبات کے مضامین نقل کئے گئے۔ خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر " روح المعانی " جو سلطان عبدالحمید خان مرحوم خلیفہ ٹرکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں مصنف علیہ الرحمۃ علامہ شہاب محمود آلوسی علیہ الرحمۃ نے جگہ جگہ " قال المجدد الفاروقی " کے نام سے آپ کے نظریات اور جدید تعبیرات بڑے افتخار اور ناز سے پیش کرتے ہیں اور اہم مسائل کے تصفیہ میں بطور سند ذکر کرتے ہیں "۔

حضرت پیرو مرشد اور خطابِ محدّث دکن

حضرت پیرو مرشد مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی وقادری رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب "محدّث دکن" بھی غیب سے حضرت کی تصنیف " زجاجۃ المصابیح " کی وجہ سے زبان زد خاص و عام ہوگیا حالانکہ سر زمین دکن میں کتنے محدثین تشریف فرما ہوئے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک درس کی مسندیں بچھائیں مگر یہ خطاب پیرو مرشد قدس سرہ کے حصہ میں تھا:

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا   ورنہ ہر مدعی کے لئے دار و رسن کہاں

زجاجۃ المصابیح کا دوسرا ایڈیشن معیاری کوئٹہ سے شائع ہوا

حضرت کے وابستگان اس فکر میں تھے کہ زجاجۃ المصابیح کی پہلی دو جلدیں نایاب ہوچکی ہیں، اس کی طبع ثانی کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی قدّس سرہ کی ترغیب پر نقشبندی حنفی بھائیوں نے کوئٹہ سے پانچوں جلدیں زرد اعلی کاغذ پر پہلی طباعت کا عکس لے کر ۱۹۹۱ میں شائع فرمادیا۔

جزاہم اللہ عنا و عن الاحناف و عن الامۃ المسلمۃ خیر الجزاء آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین! وآلہ الطاہرین و اصحابہ الاکرمین!

حضرت سید وحید پاشاہ قادری الموسوی اور زجاجہ کی قدر دانی

حضرت مولانا سید وحید پاشاہ القادری الموسوی علیہ الرحمۃ جو صاحبزادہ عالی قدر میاں سید شاہ رحمت اللہ نقشبندی قادری سلمہ اللہ کے دادا خسر ہیں فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب نے ایسی کتاب لکھی ہے کہ کوئی اس کی شرح لکھے گا، کوئی اس کو مکرر شائع کرے گا، کوئی اس کی ادق لغات کا حل لکھے گا"۔

ہندوستان کے ایک فاضل دین یوں کہا کرتے تھے کہ " اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اس لئے کہ امام مہدی اپنے اجتہاد سے جس مسلک پر چلیں گے وہ حنفی مسلک کے مطابق ہوگا، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال!

زجاجۃ المصابیح کے مقام اور مرتبہ پر مولانا محمد منظور نعمانی کا قول

مولانا محمد منظور احمد نعمانی ... نے اپنے حیدر آباد تشریف آوری کے موقع پر جب حضرت محدث دکن قدس سرہ سے ملاقات فرمائی تو یوں فرمایا: حضرت! حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصرِ عالی شان میں ایک اینٹ کی کمی تھی، الحمد للہ! آپ نے اس کی تکمیل فرمادی"

حضرت پیرو مرشد نے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں " جس وقت حضرت پیرو مرشد کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں، جب رخصت ہوئے تو اس عاجز سے مولانا محترم نے فرمایا: مولوی صاحب! "حضرت کے ساتھ آپ جو کام کررہے ہو اس کو سلوک سمجھو" جب اس کفش بردار نے اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں مولانا محترم کی یہ بات سنائی تو فرمایا: الحمد للہ! اب یہ عاجز ذیل میں حضرت پیرو مرشد قدّس سرّہ کے معمولات روز و شب بیان کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اولیاء اللہ کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے اوقات میں ایسی برکت عطا فرماتا ہے کہ ان کے روزانہ کے مشاغل سن کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ان تمام کاموں کے لئے کس طرح کفایت کرسکتے ہیں، خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا (سورۃ الروم پ ۲۱ آیت ۷) **یعلمون ظاہرا من الحیوۃ الدنیا وہم عن الآخرۃ ہم غفلون۔**

(جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا، اور ان لوگوں کو آخرت کی خبر نہیں)

انہی لوگوں کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہے (سورۃ النجم پ ۲۷، آیت ۳۰) ذلک مبلغھم من العلم (یہیں تک پہونچی ہے ان کی سمجھ) اس طرح یہ لوگ ایسے بیانات کو مبالغہ قرار دیتے ہیں، مولانائے روم نے کیا خوب فرمایا ہے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر در نوشتن ہم چو باشد شیر و شیر

(پاک طینت مردان خدا کے کاموں کا قیاس اپنے اوپر نہ کر، اگر چہ کہ لکھنے میں شیر (درندہ جو جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے) اور شیر (دودھ) دونوں برابر ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا (ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، اپنے نفسوں کی شرارتوں سے)

اوقات میں برکت ایک عظیم کرامت ہے

درحقیقت اوقات میں برکت عظیم الشان خرقِ عادت اور عظیم الشان کرامت ہے، جن لوگوں نے ایسا کوئی مقدس نمونہ دیکھا ہو، ان کو تو کوئی تردد نہیں ہوسکتا اور جنہوں نے نہیں دیکھا ہو انکو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان برگزیدہ ہستیوں کو اپنے اوپر قیاس نہ کریں۔

بارے ارنیست وجدانے ترا معتقد باش و بیار ایمانے

(اگر یہاں تک تیری رسائی نہیں ہے تو تو عقیدت مند ہو جا اور یقین کرلے)

معمولات حضرت محدّث دکن

سورۂ مزمل کی آیت نمبر (۷) ان لک فی النھار سبحاً طویلا (بے شک آپ کے لئے دن میں بہت مشغولی ہے) کی تفسیر میں مفسّرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مشغول پروگرام آج تک دنیا میں کسی کا نہیں ہوا ہے۔ آپ کی مبارک زندگی کا ہر لمحہ طاعت الٰہی اور خدمت خلق ہی کی نذر رہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر گرامی کا ایک سیکنڈ بھی ضائع ہونے نہیں دیا۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اگر ہم اپنے سلف صالحین کی مبارک زندگیوں پر نظر ڈالیں تو تمام اقوام عالم میں الحمد للہ اس امت مرحومہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہر دور میں ہم کو ایسی عظیم شخصیتیں ملتی ہیں جنہوں نے اپنے گفتار اور کردار سے اپنے زمانہ کو روشن کیا اپنے علمی اور تحقیقاتی کارناموں سے آنے والی نسلوں کے لئے ہدایت اور رہبری کا سامان فراہم کیا۔ کسی شاعر نے کیا پیاری مناجات کی ہے:

یہ ریاستیں، یہ وزارتیں، سبھی چار دن کی ہے چاندنی
مجھے اُس فقیر کی شان دے کہ زمانہ جس کی مثال دے

یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ حضرت پیرو مرشد محدث دکن قدس سرہ کی مبارک شخصیت گفتار و کردار میں اللہ کی برہان اور اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور کامل نمونہ تھی۔

حضرت محدّث دکن اور مسجد علی آقا حسینی علم میں پانچوں نمازوں کی امامت فرماتے تھے۔

البتہ کوئی حافظ قرآن جیسے قاری عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ امام اور صدر مدرس مدرسہ حفاظ مکہ مسجد یا مولوی حافظ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آجاتے تو ان کو امامت کا حکم ارشاد فرماتے۔ بعد نماز فجر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ذکر خفی کی محفل ہوتی اور اس مبارک محفل میں بکثرت مریدین توجہ کے لئے حاضر رہتے۔ جب محفل اختتام کو پہونچتی تو آپ باواز بلند " فاتحہ " کے الفاظ ارشاد فرماتے پھر دعا پر یہ توجہ کا مبارک حلقہ برخاست ہوتا اس کے بعد تلاوت قرآن مجید بالجہر باآواز متوسط ہوا کرتی اور تلاوت کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الحزب الاعظم" کا سلسلہ وار ورد ہوتا۔

حضرت محدّث دکن کا حزب اعظم کا ورد کرنا

اس بات کا اہتمام نہ ہوتا کہ اس دعاؤں کی کتاب کا ہر حزب اسی دن ختم ہو بلکہ ہر دعاء میں تکرار ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ ایک غلام اپنے آقائے کریم اور رب العالمین سے اپنی ساری ضرورتوں کے لئے التجا پر التجا کر رہا ہے۔ طلب پر طلب ہے اور مانگ پر مانگ ہے، حضرت محدّث دکن قدس سرہ کو جس نے اس حالت میں دیکھا ہے وہ بتا سکتا ہے کہ نورانی اور روحانی ایسی گھڑیاں ہوا کرتی تھیں جب حضرت اپنی دعاؤں میں مشغول ہوں اور یہ دعائیں بھی بالجہر ہوا کرتی تھیں۔

اسی طرح نماز فجر کے لئے مسجد کے حوض پر وضو فرماتے تو وضوء کے بعد کی جو دعائیں مسنون ہیں ان کو بھی تکرار سے پڑھتے یہ دعائیں آپ مسجد کے جنوبی گوشہ میں جہاں آپ ہمیشہ تشریف رکھا کرتے تھے کھڑے ہو کر جالی کو تھامے ہوئے دیر تک تکرار کے ساتھ پڑھا کرتے یہ بھی عجیب برکتوں کی گھڑیاں اور پُر نور ساعتیں ہوا کرتی تھیں۔

علم کے ساتھ نمونۂ علم یعنی استاذ بھی ضروری ہے

یہاں ایک اور بات کی وضاحت مقصود ہے کہ ہر کام کی دو جہتیں ہیں ایک علمی یا نظری دوسرے عملی۔ جب تک ہم اس کام کو کسی سے کرتے ہوئے نہ دیکھیں وہ کام سمجھ میں نہیں آتا۔ جس طرح طب کی کتاب پڑھنے سے انسان طبیب نہیں بن جاتا بلکہ عملاً اس کو کسی طبیب کے ساتھ کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک مشہور واقعہ سناؤں ملا علی قاری رحمۃ اللہ ہرات (افغانستان) کے ایک بڑے عالم اور کئی کتابوں کے مصنف گذرے ہیں انہوں نے حج کے مسائل پر ایک کتاب " المناسک " لکھی۔ جب حج کے لئے کعبۃ اللہ پہونچے تو سوچا کہ میں نے تو کتاب المناسک لکھی ہے، کسی کو کیوں معلم بناؤں کہ وہ مجھے طواف کرنا بتائے؟ یہ سوچ کر حجر اسود کے پاس کھڑے طواف شروع کیا تو حجر اسود کے پاس نیت کر کے خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر چلنا شروع کرنے کی بجائے کعبۃ اللہ کو اپنے دائیں طرف لے کر طواف شروع کیا۔ دیکھنے والے نے کہا: تم پر افسوس ہے کہ اتنی بڑی عبادت کے لئے آئے ہو اور بغیر کسی کو معلم بنائے طواف کر رہے ہو اور غلط کر رہے ہو یہ سن کر ملا علی قاری کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ اب اس زمانہ کا یہی المیہ ہے کہ چند کتابیں پڑھکر ہر شخص خود کو عالم سمجھ رہا ہے۔

دعا کی فضیلت، ضرورت اور اہمیت تو آپ کو کتابوں میں ضرور مل جائے گی لیکن دعاء کس طرح کی جاتی ہے جب تک کسی اللہ والے کو دعاء کرتے ہوئے نہیں دیکھیں گے دعاء کرنے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا۔

حضرت محدّث دکن کس طرح دعاء فرمایا کرتے تھے؟

اس سلسلے میں یہ عاجز اپنے پیر و مرشد قدس سرہ کے دعاء کرنے کے طریقہ کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ حضرت قدس سرہ جب دعاء فرماتے تو ہر دعا کو کئی بار تکرار سے پڑھتے جاتے مثال کے طور پر مسجد علی آقا حسینی علم میں نماز فجر کا

وضوء فرمانے کے بعد گوشۂ مسجد میں اپنی جگہ کھڑے ہو کر جالی تھام کر وضوء کے بعد کی دعاء کو بتکرار پڑھتے جاتے جس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

دیر تک بحالت قیام یوں فرمایا کرتے : اللھم اجعلنی من التوابین اللھم اجعلنی من التوابین اللھم اجعلنی من التوابین اللھم اجعلنی من التوابین اللھم اجعلنی من التوابین (اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں بنادے) واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من المتطھرین۔ واجعلنی من المتطھرین۔ (مجھے خوب پاک رہنے والوں میں شامل فرما) واجعلنی من عبادک الصالحین واجعلنی من عبادک الصالحین واجعلنی من عبادک الصالحین (اور تو مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما) وفی الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ! وفی الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ! وفی الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ! (اور ان لوگوں میں شامل فرما جن کہ نہ تو دنیا میں کسی کا خوف ہو اور نہ آخرت میں وہ رنجیدہ ہوں) دعاء کی تکرار کے دوران حضرت کے چہرۂ انور کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نورانی ہالہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اسی طرح دعاء میں تکرار نماز وتر میں دعاء قنوت کے پڑھتے وقت بھی ہوا کرتی تھی، حضرت قدس سرہ نماز وتر میں اللھم انا نستعینک کی دعاء ختم کرنے کے بعد اس دعاء کو بھی بتکرار پڑھتے اللھم اھدنا فیمن ھدیت (الٰہی ! ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ ہدایت دے جن کو تونے ہدایت دی ہے)۔

اللھم وعافنا فیمن عافیت (الٰہی ہم کو ان لوگوں کے ساتھ عافیت دے جن کو تونے عافیت دی ہے) اللھم وتولنا فیمن تولیت (الٰہی ہماری سرپرستی فرما ان لوگوں کے ساتھ جن پر تیری سرپرستی قائم اور دائم ہے) اللھم وبارک لنا فیما اعطیت (الٰہی ! تونے ہمیں جو بھی دیا ہے اس میں برکت عطا فرما) اللھم وقنا شر ماقضیت (الٰہی تونے جس برائی کا فیصلہ فرمایا ہے اس سے ہم کو محفوظ رکھ) اس طرح اس دعاء کے آخر تک بتکرار اس دعاء کو پڑھتے جاتے۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے اس دعاء کو

حضرت جب پڑھ رہے تھے وقت شمار کیا تو صرف اس دعاء کے بتکرار پڑھنے میں چار منٹ صرف ہوئے۔ اس طرح حضرت قدس سرہ کی چار رکعت نماز بیس منٹ میں انجام پاتی تھی۔

شاعر اسلام علامہ اقبال نے ایسی مناجات کا کس خوبی کے ساتھ خاکہ کھینچا ہے:

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
امنگیں مری ، آرزوئیں مری — امیدیں مری ، جستجوئیں مری
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ، ہوں میں امیر

چنانچہ تفریحاً ایک مرتبہ ہمارے احباب نے حضرت قدس سرہ ، حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ اور شیخ جبیب عبداللہ المدیج صدر مصحح دائرۃ المعارف جامعۂ عثمانیہ کی معیت میں تالاب میر عالم پر ایک شب و روز کا قیام کیا۔ حضرت پیر ومرشد قدس سرہ نے نماز عصر میں امامت فرمائی اور بیس منٹ میں نماز تکمیل ہوئی تو مولانا جبیب عبداللہ رحمۃ اللہ نے نماز کے ختم پر فرمایا۔ ھکذا صلاۃ العلماء (علماء کی نماز اسی طرح ہوا کرتی ہے)

حضرت محدّث دکن کے شام و سحر

جناب سید حامد حسین صاحب امروھوی مقیم شکاگو نے اپنی ایک نعت سنائی جس کا مطلع ہے:

میں نہیں کہتا کہ تم ایسا کرو ویسا کرو — ان کی سیرت آئینہ ہے آئینہ دیکھا کرو

مذاہب عالم کو دیکھئے اور پیشوایانِ مذاہب کے حالات تلاش کیجئے ، یا تو وہ معدوم ہوگئے یا مسخ ہوکر رہ گئے۔ محبت اندھی ہوگئی ، عشق رسوا ہوگیا۔ لیکن ہمارے آقا محمد مصطفی احمد مجتبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو دیکھئے ایک ایک بات اور ایک ایک ادا محفوظ ہے۔ اور یہی سیرتِ طیبہ کا اعجاز ہے۔ علامہ ظفر علی خان ظفر لاہوری نے کیا خوب فرمایا ہے:

فقط دو حقائق پہ ہے دنیا قائم بقائے خدا و دوامِ محمد

حیات طیبہ، سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف کتابوں میں محفوظ ہے بلکہ چودہ سو برس گذر جانے کے بعد آج بھی عرفاء اور اولیاء کرام کی پاک زندگیوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایسی جیتی جاگتی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہستیوں کو دیکھنے کے بعد یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

ز فرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

(سر سے لے کر پیر تک میں جہاں نظر ڈالتا ہوں دل اس بات کی طرف کھنچتا ہے کہ مقصود یہیں ہے)

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کے شام و سحَر بیان کرنے کی سعادت سے پہلے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ بلند پر کچھ عرض کرنے کی سعادت بھی حاصل کرلوں!

صاحبو! انسان کی سعادتِ دنیوی اور اُخروی اور نورانیت کا سرچشمہ مرکز اور مبدء انبیائے کرام علیھم الصلاۃ والسلام کا وجود مسعود ہے۔ اور حقیقت محمدیہ ارشاد رب العزت کے مطابق (سورہ النساء ۴۰) وجئنابک علی ھؤلاء شھیدا" (اور بلاویں گے ہم آپ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا) حیاتِ جاودانی اور قائم و دائم زندگی کا دُرّ یتیم اور فرد فرید دائرہ حقیقت محمدی قرار پایا۔ اسی لئے حضرت شیخ اکبر اور حضرت عبدالکریم جیلی قدس سرہما نے حقیقت محمدیہ کو "حقیقت الاسمائیہ" اور "لوح محفوظ" سے تعبیر دیا ہے۔

سیرت مصطفوی کی ابدیت

سبحان اللہ! کیا عظیم اور واقعی تعبیر اور تفہیم ہے۔ دنیا میں ابتدائے آفرینش سے جس قدر بھی ہدایت، تعلیم اور نورانیت کی لوحیں اور تختیاں تھیں سب کے لئے تغیرّ اور تبدیلی مقدرّ تھی یہاں تک کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں لیکن اللہ اکبر!

اللہ اکبر! مقام محمدی، سیرت مصطفوی اور اس مبارک حیات جاودانی کی لوح محفوظ کا ایک حرف تو کجا ایک نقطہ بھی نہ مٹ سکا۔ اور قرآن محفوظ "وکتاب مسطور فی رق منشور اور "فی صدور الذین اوتوا العلم" میں اس کا ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ اسی طرح نقش اور ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا جس طرح قلمِ ازل نے تعیّنِ اول کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن حکیم کے بعد اگر کوئی اور ہستی "لوح محفوظ" ہوسکتی ہے تو وہ صرف وہی روحِ اعظم ہے جس کے ذکر کو قرآن نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اولیاء کے سرادر شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظمؒ نے اسی مقام بلند کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

افلت شموس الاولین و شمسنا ابدا علی افق البقا لا تغرب

(اگلوں کے تمام سورج ڈوب گئے، اور ہمارا سورج ہمیشہ ابدیت کے آسمان پر ہرگز نہیں ڈوبے گا)

اسی مفہوم میں ایک اور شعر کیا خوب ہے:

شمس تصادم قبل آدم طلعھا ابدا علی افق البقاء لا تغرب

(وہ آفتاب عالمتاب جس کو طلوع میں حضرت آدم علیہ السلام پر تقدّم حاصل ہے ہمیشہ افق پر جلوہ فرما رہے گا اور کبھی غروب نہ ہوگا)

یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں ذکر ہو تو ذکر محمدی اور قول ہو تو قول محمدی اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ نادانی ہے، بے حاصلی ہے، ضیاعِ اوقات ہے۔

اوقات ہمہ بود کہ با دوست بسر رفت باقی ہمہ بے حاصلی و بے خِرَدی بود

(وقت وہی ہے جو دوست کے ساتھ گذرے، باقی لایعنی اور کم عقلی ہے)

علماء ربانییّن زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں

ہر قوم اپنی تاریخ رکھتی ہے، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ ہم مسلمانوں سے زیادہ مستند تاریخ کسی قوم کے پاس نہیں۔ پھر ہمیں اس لحاظ سے بھی تمام اقوامِ عالم میں امتیاز

حاصل ہے کہ اسلام سیرت و کردار کا جو سانچہ اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، تاریخ کے ہر دور میں اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں دوسرا کوئی دین اور قوم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان مبارک شخصیتوں نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں۔ یہ مقدس حضرات بلا شبہ حضرت عیسی علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی مبارک زبان میں زمین کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں، جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی رہی بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ان کے کردار کی شعاعوں سے ہم اپنی زندگیاں روشن کرسکتے ہیں۔

اس تاریخی پس منظر میں یہ عاجز اپنے شیخ اور پیرومرشد، حضرت محدث دکن قدس سرہ کے اعمال الیوم واللیلۃ یعنی لیل و نہار اور شام و سحر بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جو درحقیقت ایک عالم ربانی، پیر کامل، فقیہ زمانہ اور محدّث دوران کے آٹھوں سپر یعنی ۲۴ گھنٹوں کی رُوداد ہے تاکہ اس مبارک تذکرہ کا مطالعہ کرنے والا اپنے لئے مشعل راہ بنا سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجسّم جمال و کمال کے ساتھ اخلاقِ محمدی کا ایک زندہ نمونہ صفحۂ قرطاس پر رونق افروز ہے۔ حضرت والا کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے، زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالیں وہ مطلع انوار اور مہبطِ برکات نظر آتا ہے اور قوم و ملت کو اپنی منزل مقصود متعین کرنے کی راہ دکھاتا ہے۔ ایسی مقدس ہستی تک جس کی رسائی ہو جاتی ہے وہ زبان حال سے کہ اٹھتا ہے:

شاہم امروز کہ سنگِ در تو یافتہ ام　　گرچہ مورم مگر اورنگِ سلیماں دارم

(تیرے آستانہ تک میری جو رسائی ہوئی ہے گویا آج میں بادشاہ ہوگیا ہوں، اگرچہ کہ میں ایک چیونٹی سا ہوں مگر تختِ سلیمان رکھتا ہوں)

حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی مدظلہ العالی نے ۱۹۳۵ء میں بغداد شریف

میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دی تو فرماتے ہیں کہ بے ساختہ یہ شعر زبان پر آگیا:

اس سنگِ آستاں پہ جبینِ نیاز ہے　　وہ اپنی جانماز ہے اور یہ نماز ہے

حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ ہم سے فرمایا کرتے کہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ محدّث دکن جیسا پیرِ کامل تم کو اپنے وطن میں مل گیا اگر تم کو طلب صادق ہوتی اور ایسا پیرِ کامل ہزاروں میل دور ہوتا تو تم کو سفر کرنا پڑتا۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء

زندگانی تھی تری، مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

روداد شام و سحر حضرت محدّث دکن

حضرت محدّث دکن کا مسجد علی آقا حسینی علم میں دن رات میں تقریباً چودہ پندرہ گھنٹے گذارنے کو دیکھکر، سرتاج نقشبندیہ، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد یاد آجاتا ہے۔ علیکم بالمساجد (تم مسجدوں کو پکڑ لو) درحقیقت مسجد مسلمان کی زندگی کا عظیم مرکز ہے۔ حضرت قدس سرہ بعد نماز تہجد صبح صادق سے پہلے مسجد تشریف لاتے اور پھر تازہ وضوء فرماتے، سخت سردیوں میں بھی حوض کے پانی سے ہی وضوء فرماتے۔ اور وضوء کے بعد جیسے اوپر عرض کیا گیا ہے دیر تک وضوء کے بعد کی دعا بتکرار فرمایا کرتے پھر فجر کی سنتوں کو ادا فرماکر اقامت پڑھنے پر محراب میں تشریف لاکر فجر کے فرض طویل تلاوت یعنی طوال مفصل کے سورتوں کے مماثل قراءت سے ادا فرماتے، تلاوت کلام پاک کافی بلند آواز سے ہوا کرتی اور ایسے دلچسپ اور دلگیر انداز سے کہ پوری مسجد نورانیت سے بھر جاتی تھی، فرض ادا ہونے کے بعد جنوب کی جانب رخ کر کے بیٹھ جاتے اور سات مرتبہ اللھم اجرنا من النار (الٰہی! ہم کو دوزخ سے بچا) پڑھتے اور اسی دعاء کو مغرب کی نمازِ فرض کے بعد بھی پڑھتے۔ پھر

اِنَّ اللہَ وملائکتہ یصلّون علی النبی یاایھا الذین آمنو اصلوا علیہ و سلموا تسلیما تلاوت فرما کر دس مرتبہ یہ دور شریف اللھم صلّ علی سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ افضل صلواتک عدد معلوماتک و بارک وسلم پڑھتے ۔ دعاؤں اور درود شریف کے پڑھنے میں ہر حرف کو رک رک کر اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کی عادت مبارکہ تھی ۔ اس کے بعد یہ دعائیں ہاتھ اٹھا کر فرماتے ۔ اللھم انی اسالک العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والآخرۃ (اس دعاء کو تین بار کرتے) پھر ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرہ حسنۃ و قنا عذاب النار اور اللھم اجرنا من خزی الدنیا و عذاب الآخرۃ دعائیں کر کے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین پڑھتے اور پھر چند منٹ کے لئے قلب اطہر کی طرف متوجہ ہوکر غالبا لطیفہ قلبی سے ذکر فرماتے ۔ بعد ازاں مصلّے پر اٹھ کھڑے ہوتے اور حاضرین سے مصافحہ فرمانے کے بعد ذکر اور توجہ کے لئے اپنی نشست پر تشریف لاتے اور ارادتمندوں اور مریدین کے حلقہ میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ذکر اور مراقبہ فرماتے ہوئے حاضرین کو توجہ دیا کرتے اور جب حلقہ ختم کرنا ہوتا تو باواز بلند اس طرح " فاتحہ " فرماتے تو سب ذاکرین حضرت اقدس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور سب سورۂ فاتحہ سورۂ اخلاص اور درود شریف پڑھتے پھر حضرت کی مختصر دعاء پھر مصافحہ کے بعد ذکر کی یہ نشست اختتام کو پہونچتی ۔

" فاتحہ " کے بارے میں چند معروضات

یہاں " فاتحہ " کا جب ذکر آگیا تو فاتحہ کے بارے میں چند معروضات لکھ کر آگے بڑھوں ۔ آج کل آزاد خیالی کا دور ہے اور بے علم اور بے سند اصحاب ہمارے پورے معاشرے کو مکدّر کر رہے ہیں اس موقع پر علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کی ایک رباعی بھی سن لیں:

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امیں کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کی صیاد

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

"سورۂ فاتحہ" کا پڑھنا اولیاء کرام علیھم الرحمۃ کے معمولات میں داخل ہے " نقد ملفوظات " میں مذکور ہے کہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کوئی نئی کتاب تصنیف فرماتے تو سب سے پہلے اس کا نسخہ حضرت کی خدمت میں نذر کرتے ، حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ اسے دست مبارک میں لے کر فرماتے کہ " فاتحہ پڑھیں " ... پھر سورۃ الحمد پڑھ کر کتاب کی قبولیت و برکت کی دعا مانگتے ۔ (نقد ملفوظات ، تحقیق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۱۷۵) ۔

ترکی اور افریقہ میں بھی فاتحہ کا پڑھنا مسلمانوں کے معمولات میں داخل ہے پروفیسر سید ابراہیم ندوی مرحوم صدر شعبہ عربی جامعۂ عثمانیہ اگست ۱۹۸۹ ء میں حکومت ہند کے مندوب بن کر ترکی کی ایک اسلامی کانفرنس میں شریک ہوئے اور واپس ہوکر بتایا کہ ترکی میں ہر نماز کے بعد فاتحہ پڑھی جاتی ہے یہی بات عزیزم جلال الدین استاذ انگریزی

(HIGHER INSTITUTE OF TECHNOLOGY ALSHATI LIBIYA)

نے مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر جون ۱۹۹۱ ء میں جب کہ حج اکبر سے حجاج کرام مشرف ہوئے اس عاجز کو بتایا کہ تقریباً پورے افریقہ میں ہر نماز کے بعد مؤذن اس طرح کہتا ہے:

"اللھم بسرّ ثواب الفاتحہ"

یہ عاجز جولائی ۱۹۹۲ ء ایک اسلامی سنٹر کی دعوت پر ڈیلاس (ٹیکساس) گیا دیکھا کہ مسجد واقع رچرڈسن اسٹریٹ کے امام پروفیسر حافظ یوسف خطیب ترکی اپنے یومیہ درس کے ختم پر "فاتحہ" باواز بلند فرماتے ہیں ۔

سورۂ فاتحہ کا بار بار پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بیحد پسند ہے

عزیزم جناب عابد خان صاحب حیدر آبادی ایک جماعت میں ۱۹۶۲ء شب معراج کو بیت المقدس پہونچے بتایا کہ بیت المقدس میں جو فلسطینی بھی داخل ہو رہا تھا وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہی "فاتحہ" باواز کہکر سورۂ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ سورۂ فاتحہ کی تکرار یعنی اس مبارک سورہ کو بار بار پڑھنا رب العزت کو بیحد پسند ہے چنانچہ سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۸۷ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

والقد آتینٰک سبعا من المثانی والقران العظیم

(بیشک ہم نے آپ کو سات آیتیں عطا فرمائی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم (بھی مرحمت کیا ہے)۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرۃؓ سے یہ روایت بیان کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ ام القرآن و ام الکتاب و السبع المثانی (الحمد للہ یعنی سورہ فاتحہ ام القرآن ہے اور ام الکتاب ہے اور ایسی سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) امام بخاری نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے۔ ام القرآن ہی السبع المثانی (ام القرآن یعنی سورہ فاتحہ سات آیتیں ہیں جن کو بار بار پڑھا جاتا ہے)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام کے لئے تو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام اور مقتدی دونوں کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

لفظ "مثانی" (بار بار دہرائی جانے والی آیتیں) سے یہ بھی مسئلہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس مبارک سورہ کا دہرایا جانا بیحد پسند ہے تو آج کل وہابی حضرات نمازوں کے بعد یا ہر اچھے کام میں اس کے پڑھنے کو جو بدعت قرار دیتے ہیں حقیقت میں یہ خود بدعتی ہیں کہ ربّ العزت اس کے دہرانے کو پسند فرماتے ہیں اور یہ اپنے زعمِ

باطل میں دہرانے یا بار بار پڑھنے کو بدعت قرار دیتے ہیں جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں چنانچہ اہل السنت و الجماعت کے معمولات میں یہ بات شامل ہے کہ ہر اچھا کام جیسے نئے گھر کا افتتاح، گھر براونی، دوکان کے افتتاح کے موقعہ پر یا کھانے پر اور شیرینی پر سورۃ فاتحہ کو پڑھ کر دعاء کی جائے اور اس سے برکت حاصل کی جائے۔ وما علینا الا البلاغ اھ

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کردوں کہ انگلستان نے خلافت عثمانیہ کو ختم کرکے پوری امت مسلمہ کو ان کے صدیوں سے جاری دینی روایات جو قرآن اور حدیث کی روشنی میں ادب، عقیدت، تعظیم اور محبت پر مبنی تھے سازش کر کے ان سے منحرف کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے تمام ملت اسلامیہ کعصف ماکول (کھائے ہوئے بھوسے) کی طرح اس دھرتی پر زندگی گذار رہی ہے۔ اس کو شاعر مشرق نے اپنے بلیغ انداز میں فرمایا ہے۔

عالم ہمہ ویرانہ از چنگیزی افرنگ   معمار حرم ! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

ایسی ہی آزاد خیالی پر حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ العالی نے اپنے ایک عزیز کو جو مودودی صاحب کی جماعت سے متاثر تھے کہلایا " ان سے کہ دو کہ اگر تم اپنے بزرگوں کے طریقہ پر ہو تو تم ہمارے اور ہم تمہارے ورنہ نہ تم ہمارے اور نہ ہم تمہارے "

حضرت محدّث دکن حلقۂ ذکر کر کے اختتام پر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ تلاوت تجوید کے ساتھ باآواز بلند، ٹھہر ٹھہر کر، ایک ایک حرف کی ادائی پورے اطمینان کے ساتھ ہوا کرتی۔ تلاوت کے بعد حزب الاعظم تالیف حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ جو ماثورہ دعاؤں کا مجموعہ ہے اس کو پڑھتے اور ہر دعاء کو بے شمار مرتبہ تکرار فرماتے جس کی تفصیل اوپر بیان کی جاچکی ہے۔

یہاں اگر یہ بات واضح کر دی جائے کہ قرآن پاک کے تین حقوق ہر بندۂ مسلم پر

واجب ہیں اور جو بتمام و کمال شیخی و سندی حضرت محدّث دکن قدس سرہ نے انجام دیئے ہیں تو قارئین حضرات کو استفادہ کا موقع میسر آجائے گا۔

قرآن پاک کے تین حقوق

قرآن پاک کے یہ تین حقوق ہیں (۱) تلاوت (۲) تذکرّ (۳) تدبّر

۱)۔ تلاوت یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد ہو کہ عورت قرآن پاک روزانہ کم از کم پاؤ پڑھا کرے اور اس طرح چار مہینہ میں قرآن پاک کا کم از کم ایک دور ہو جائے اور زندگی میں کم از کم ایک بار کسی قاری اور مجود کو تجوید کے ساتھ پورا قرآن پاک سنادے اور یہ اسقدر اہم بات ہے کہ مشہور تابعی حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰ ھ) نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آپ کے دور خلافت میں قرآن پاک کے دو دور سنائے۔

۲۔ تذکرّ یہ ہے کہ قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کسی مستند تفسیر سے روزانہ کم از کم ایک رکوع پڑھا کرے چنانچہ ہمارے بچپن میں حضرۃ الاستاذ مولوی غوث الدین صاحب علیہ الرحمۃ محلہ بیرون لال دروازہ کی مسجد لائن مکلوٹ میں بعد نماز مغرب تفسیر حسینی سنایا کرتے تھے اور مصلیان مسجد چھوٹے بڑے سب سماعت کرتے تھے۔

۳۔ تدبر یہ علماء کرام کا حق ہے جن کو عربی زبان اور ادب پر کافی مہارت ہو کہ وہ علوم قرآنیہ میں تبحّر حاصل کرنے کے بعد ملت اسلامیہ کے لئے اپنے دور کی ضروریات کے پیش نظر اور اس زمانہ میں دین میں جو فتنے دشمنوں نے پیدا کر رکھے ہیں ان کی مدافعت میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں زبان اور قلم سے جہاد کریں مثال کے طور پر جس طرح امام غزالی نے احیاء العلوم کے ذریعہ اور امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر کے ذریعہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی نے تفسیر مظہری کے ذریعہ اور مصر کے سید قطب شہید نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن کے ذریعہ اس دور کے سارے "ازم" کو اسلامی قانون کی حقانیت اور برتری ثابت کر کے

پامال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اور ان کے امثال کو ملت کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے آمین۔

الحمد للہ حضرت محدّث دکن قدس سرہ نے اپنے مواعظ، اپنی تصنیفات اور اپنے حلقۂ ذکر اور شب و روز کے معمولات کے ذریعہ پیکر علم و عمل بن کر قرآن پاک کے تینوں حقوق ادا فرمائے جزاہ اللہ عنا وعن الملۃ الاسلامیۃ خیر الجزاء و احسنہ!

حضرت محدّث دکن کی خدمت میں خواتین کی حاضری

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی صباحی نشست فجر کی نماز کے بعد تقریباً ڈھائی تین گھنٹہ کی ہوا کرتی تھی۔ اس دوران میں اگر کوئی حاجتمند کسی وظیفہ یا تعویذ کی درخواست کرتا تو آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ سائل کی اس درخواست کو منظور فرماتے۔ مسجد علی آقا حسینی علم میں ان صباحی معمولات کے بعد حضرت محدّث دکن نواب عبدالباسط خان کے گھر ناشتہ پر تشریف لیجاتے جہاں روزانہ تیس چالیس اصحاب ناشتہ پر رہا کرتے تھے۔ نواب صاحب موصوف باوجودیکہ حضرت علیہ الرحمۃ نے ناشتہ کی دعوت کو مستقلاً قبول فرمالیا تھا مگر ہر روز اپنے خادم کو حضرت کی خدمت میں روانہ کرتے کہ نواب صاحب ناشتہ پر آپ کے منتظر ہیں، حیدر آباد کے رؤساء کا یہ معمول تھا کہ ان کے پاس ہر روز صبح و شام اہل علم اور احباب ناشتہ اور عشائیہ پر جمع ہوا کرتے تھے اور ان حضرات کا دستر خوان بڑا وسیع ہوا کرتا تھا۔ چوں کہ حیدر آباد آصفی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اہل علم اور اہل فضل روزگار کی تلاش میں حیدر آباد منتقل ہو جاتے تو وہ ملازمت اور خدمت کے حصول تک ان رؤسا اور نوابوں کے ہاں مہمان رہتے۔ حضرت محدّث دکن ناشتہ کے بعد گھر تشریف لیجاتے اور تھوڑی دیر آرام فرماتے یہاں تک کہ خواتین کثیر تعداد میں حاضر ہوتیں اور اپنے مسائل عرض کرتیں اور حضرت علیہ الرحمۃ خواتین کے حالات سن کر مشورے دیتے، وظائف بتاتے اور

درخواست پر تعویذ بھی عنایت فرماتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آجاتا۔

حضرت محدّث دکن ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں کچھ تاخیر کے ساتھ مگر مستحب اوقات میں ادا فرماتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرد حضرات سے ملاقات کا وقت مسجد ہی میں ہوتا اور حاضرین میں ہر شخص اپنی حاجت عرض کرتا اور حضرت قدس سرہ اس کو مشورہ دیتے یا وظیفہ بتاتے۔

زجاجۃ المصابیح کی طباعت کی ابتداء

الحمد للہ ۱۹۵۱ء میں جب زجاجۃ المصابیح (عربی) کی طباعت کا کام شروع ہوا اور اس عاجز کو حضرت قدس سرہ نے کاپی اور پروف کے مقابلہ کے لئے یاد فرمایا تو یہ کام ناشتہ سے پہلے انجام پاتا۔ حضرت قدس سرہ کے خادم خاص جناب عابد حسین صاحب مرحوم اس عاجز کے گھر تشریف لاتے اور فرماتے کہ عربی کی کاپی کتابت کے بعد کاتب صاحب نے بھجوادی ہے اور حضرت قبلہ نے آپ کو کل صبح حاضر ہونے کو کہا ہے یہ عاجز بعد نماز فجر اپنے گھر سے روانہ ہوتا اور حضرت قبلہ تو مراقبہ میں مشغول رہتے مگر اس عاجز کو یہ حکم تھا کہ تم جب عربی کے کام کے لئے آو تو میرے قریب آکر آواز سے "السلام علیکم" کہہ دینا؛ میں مراقبہ ختم کر کے زجاجہ کے کام کے لئے اٹھ جاوں گا۔ حسب الحکم یہ عاجز تعمیلِ حکم کرتا، حضرت قبلہ فاتحہ پڑھتے اور بعد ادائے اشراق گھر تشریف لیجاتے اور وہاں اصل مسودہ سے کاپی کا مقابلہ ہوتا اور اسی طرح پروف کا مقابلہ بھی انجام پاتا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ اس عاجز کو اس طرح زجاجۃ المصابیح (عربی) کی قراءت حضرت مصنف قدس سرہ کو دو مرتبہ سنانے کا شرف حاصل ہوا ہے اور تیسرا دور حضرۃ الاستاذ، مربی بے بدل حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ کو درساً درساً سنایا گیا جو حضرت علیہ الرحمۃ کی وفات تک مناقب سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر ختم ہوا۔

نور المصابیح کے ترجمہ کا آغاز

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت قبلہ صحن مسجد میں تشریف رکھتے اور بعد نماز مغرب نوافل اور اوابین سے فارغ ہونے کے بعد زجاجۃ المصابیح کے اردو ترجمہ نور المصابیح کے ترجمہ کا کام شروع ہوتا جو شام کے کھانے تک چلتا۔ نور المصابیح کی پہلی دو جلدوں کا ترجمہ مولانا محمد منیر الدین صاحب شیخ الادب جامعہ نظامیہ نے کیا، تو اس کی نظر ثانی حضرت علیہ الرحمۃ کی سرپرستی اور نگرانی میں حضرت غلام جیلانی صاحب علیہ الرحمۃ، صاحبزادہ میر لطف علی خان علیہ الرحمۃ اور اس عاجز راقم نے انجام دی۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ کی حیاتِ پر انوار و برکات میں الحمد للہ زجاجۃ المصابیح (عربی) کے پانچوں حصے یعنی پوری کتاب اور نور المصابیح کے چار حصے شائع ہوئے اور اس کام کو بعد میں اس عاجز نے مولوی سید احمد علی صاحب (فاضل نظامیہ) اور پروفیسر غلام محمد صاحب صدر شعبہ عربی جامعۂ عثمانیہ (مرحوم) کی معیت میں جاری رکھا اور الحمد للہ مزید چار حصے یعنی آٹھ حصے شائع ہو چکے ہیں اور نویں حصہ کا مسودہ الحمد للہ تیار ہے۔

حضرت محدّث دکن قدّس سرہ خطوط کے جوابات کا کام شام کے کھانے کے بعد انجام دیا کرتے اور خطوط کے جوابات کا املاء کرواتے اور اس کام کو حضرت کے فرزند اکبر حضرت سید شاہ ابوالبرکات خلیل اللہ صاحب علیہ الرحمۃ اور صاحبزادے سید شاہ رحمت اللہ سلمہ اللہ انجام دیتے۔ اس کے بعد حضرت محدث دکن قدس سرہ نماز عشاء کے لئے مسجد تشریف لاتے۔ نماز عشاء بالعموم رات کے ساڑھے دس بجے ہوا کرتی۔ پورے شہر میں یہ بات معروف تھی کہ جس کسی کو عشاء کی جماعت نہ ملی ہو اور وہ اپنے کاموں اور مشاغل کی وجہ سے باجماعت اس نماز کو ادا نہ کر سکا ہو تو وہ سیدھا مسجد علی آقا حسینی علم پہونچتا الحمد للہ آج تک حضرت قبلہ کے جانشین حضرت ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمۃ اور آپ کے بعد آپ کے بنبیرۂ

عالی شان میاں سید شاہ انور اللہ سلمہ اللہ جانشین حضرت ابوالبرکات اس مسجد عالی شان کے سارے معمولات کو اپنے جد امجد قدس سرہ کی پیروی میں بتمام و کمال جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں است   مئے و میخانہ با مہر و نشان است

(آج بھی وہ ابر رحمت برس رہا ہے اور میخانہ اُسی شان سے آباد ہے)۔

آمین بحرمۃ سید المرسلین و آلہ الطاہرین و اصحابہ الاکرمین!

زجاجۃ المصابیح کی طباعت اور اشارۂ غیبی

اس موقعہ پر زجاجۃ المصابیح کی طباعت کے سلسلہ میں برادر طریقت جناب حاجی عبدالرزاق صاحب ساکن بیڑ (مہاراشٹرا) کو اشارہ غیبی ہوا اور انہوں نے اس عظیم کام کے لئے کمر ہمت باندھ لی ، اس کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ نے جب زجاجۃ المصابیح کی تالیف مکمل فرمائی تو ادارۂ اشاعت العلوم جو جامعہ نظامیہ کی نگرانی میں علمی اور دینی کتابوں کی اشاعت کرتا تھا ، آپ نے اس کتاب کو اس ادارہ میں بھجوادیا۔ مولانا ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح اسی ادارہ سے شائع ہوئی۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی زجاجۃ المصابیح تین سال اس ادارہ میں الماریوں کی زینت بن کر رہی مگر اربابِ انتظام نے اسکو اپنی اشاعتوں کے پروگرام شامل نہیں فرمایا۔ یہ سنا گیا کہ ارباب انتظام نے کہا کہ مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب نے تنہا ایک جماعت کا کام انجام دیا ہے اگر یہ کتاب شائع ہوجائے تو ان کا نام عالمِ اسلام میں روشن ہو جائے گا اللہ تعالی ہم سب کو نیک توفیق دے یقینا معاصرت بڑا حجاب ہے۔ حضرت قبلہ یوں فرمایا کرتے کہ "میں نے اپنا کام کیا اور میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ اس کتاب کو شائع کرسکوں اے مالک الملک! تیرے بہت سے غیبی خزانے ہیں ان میں سے تو اس کی اشاعت کا انتظام فرما"۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ آصفی سلطنت باقی تھی اور حضرت قبلہ قدس سرہ کی یہ عادت نہ تھی کہ عہدہ داروں اور ارباب انتظام سے مل کر اس کتاب کی اشاعت کے لئے سرمایہ کا انتظام فرماتے۔ لکھوائے۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

(غیب سے ایک شخص نمودار ہوگا اور کام انجام دے گا)

برادر طریقت حاجی عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمۃ ساکن بیڑ اپنے معمول کے مطابق ذکر میں مشغول ہیں ان پر غیبوبت طاری ہوئی کیا دیکھتے ہیں کہ پیرو مرشد قدس سرہ روبرو ہیں اور وہ نور کے ایک ہالہ میں گھرے ہوئے ہیں لیکن اس نور کو پھیلنے کا راستہ نہیں ہے موصوف کا یہ مکاشفہ ختم ہوا، وہ بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے ؟ انہوں نے اپنے اس وارد کو حضرت علیہ الرحمۃ کے شاگرد جناب حکیم محمد صابر علیہ الرحمۃ لیکچرار عربی اورنگ آباد کالج سے ذکر کیا انہوں نے بتایا کہ بھائی حاجی صاحب! آپ کا مکاشفہ بالکل صحیح ہے۔ حضرت پیرومرشد نے احادیث شریفہ جمع فرمائی ہیں اور وہ تمام تر نور ہیں اور راستہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس سرمایہ نہیں، تم ماشاء اللہ گتہ دار ہو اس کا راستہ نکالو! بس موصوف نے حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے اس کا تخمینہ طلب فرماکر یکمشت آٹھ ہزار روپیہ کی خطیر رقم حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں روانہ فرمادی اور طباعت کا کام شروع ہوگیا یہ سنہ ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے۔ **جزاہ اللہ عن الملۃ الحنیفیۃ خیر الجزاء واجعل الجنۃ مثواہ! آمین بحرمۃ سید المرسلین ۔**

پھر جب زجاجۃ المصابیح کے اردو ترجمہ نورالمصابیح کی طباعت کا مرحلہ آیا تو برادر طریقت الحاج مہتاب علی صاحب مرحوم ایڈوکیٹ گلبرگہ شریف کی ایماء پر موصوف کے بھتیجے اور داماد جناب الحاج علاؤ الدین ایڈوکیٹ مرحوم اور ان کی اہلیہ محترمہ رشیدہ بیگم صاحبہ اول مدد گار ہائی اسکول برائے نسوان گلبرگہ شریف نے کثیر سرمایہ

سے اس کی اشاعت کا انتظام فرمایا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے ۔

اولیاء کرام کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے

ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا تھا کہ اولیاء کرام کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے عالم اسلامی کے اولیاء کرام کے احوال اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔ اس وقت محدّث دکن قدس سرہ کا مبارک تذکرہ آپ کے زیر مطالعہ ہے جو اس کا شاہد ہے کہ آپ نے ابھی حضرت علیہ الرحمۃ کی شب و روز کی مشغولیت کا مطالعہ فرمایا ۔ مشکل سے تین چار گھنٹہ آرام کرنے کا وقت ملتا تھا لیکن آپ غور فرمائیں کہ اسی ہما ہمی میں زجاجۃ المصابیح (عربی) کی پانچ جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اس کے علاوہ اردو میں تقریباً دس کتابیں جو مختلف موضوعات کو محیط ہیں تالیف فرمائیں چنانچہ حیدر آباد یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے طالب علم عزیزم عظمت اللہ خان سلمہ حضرت علیہ الرحمۃ پر اردو کے ایک عظیم مصنف کی حیثیت سے شعبہ اردو سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے کام کر رہے ہیں ۔ الحمدللہ مقالہ تکمیل پاچکا اور امتحان کے لئے داخل کردیا گیا اور فبروری ۱۹۹۶ء میں موصوف کو ڈگری بھی مل گئی ۔

درس مشکاۃ شریف

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی ایک اہم مشغولیت کا ذکر رہ گیا اور وہ مشکاۃ المصابیح کا درس ہے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ درس شروع ہوتا ۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے بعض ارادت مند اور شاگرد اصحاب نے درخواست کی کہ ہم آپ سے عربی زبان سیکھنا اور پھر مشکاۃ شریف کا درس لینا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ عربی زبان سیکھے بغیر مشکاۃ شریف کا درس کیونکر ہوتا ۔ اس لئے پہلے ان حضرات نے حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے صرف و نحو اور عربی زبان و ادب کی کتابیں پڑھیں پھر مشکاۃ کا درس شروع ہوا اور الحمد للہ پوری کتاب درساً درساً ختم ہوئی ۔ یہ عاجز کے بچپن کا واقعہ ہے ۔ اس درس کے معروف اور

پابند اصحاب میں جناب حکیم محمود خان صاحب ، ساکن نام پلی ، استاذی مولوی غوث الدین صاحب ، مدد گار مدرس مدرسہ تحتانیہ لال دروازہ ، قاری حافظ مولوی عبدالرحیم صاحب ، امام و استاذ مدرسہ حفاظ مکہ مسجد اور حضرت غلام جیلانی صاحب سر رشتہ دار عدالت تھے ، دیگر شاگرد اصحاب کے علاوہ مصلیان مسجد علی آقا حسینی علم اور سامعین بھی ہوا کرتے تھے اور یہ درس عشاء کی نماز کے بعد شروع ہو کر رات کے بارہ بجے تک جاری رہتا ۔ اس عاجز کو یہ بھی یاد ہے کہ مولوی غوث الدین صاحب بڑی تقطیع کی مشکاۃ شریف اٹھائے ہوئے پیدل لال دروازہ سے حسینی علم تشریف لے جایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سارے شرکاء درس کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرمائے کہ یہ سب اللہ تعالی کے حضور میں اپنی دنیوی زندگی ختم کر کے پہونچ چکے ہیں ۔ آمین. بحرمۃ سید المرسلین ۔

حضرت محدّث دکن کی اولیاء کرام کی مزارات پر حاضری

حضرت علیہ الرحمۃ کے اس موضوع پر لکھنے سے پہلے اس عاجز کی نظر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی مزارات پر حاضری کے بارے میں کچھ لکھتا چلوں ۔ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی دہلوی سجادہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ نے اپنی کتاب " مولانا اسماعیل دہلوی اور ان کی تقویۃ الایمان " میں کیا خوب لکھا ہے کہ " انگریز جب ہندوستان آئے تو بد قسمتی سے مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے ایک دیوبندی دوسرے بریلوی اور دونوں میں غلو ہے " ایک گروہ تو بیچارے مسلمانوں پر کفر و فسق کے فتووں کی بھرمار کر رہا ہے تو دوسرا گروہ مشرک ، بدعتی، قبر پرست وغیرہ القاب کی بے باکانہ تقسیم میں مشغول ہے ، حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے اپنے معجزانہ کلام میں کیا خوب فرمایا ہے:

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ   چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(بہتّر فرقوں کے جنگ کی نسبت یہ سمجھ کہ یہ معذور ہیں ان کو حقیقت کا علم نہیں ،

قصے اور کہانیاں بیان کرتے ہیں) واقعہ یہ ہے کہ حقیقت تو ایک ہی ہے دو ہو نہیں سکتی ، اور حقیقت سے آگاہی تو صرف عشقِ حقیقی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے ۔ ارشاد ربانی ہے " والذین آمنو اشد حبا للّٰہ " اس موقع پر حضرت محدث دکن قدس سرہ کا اس موضوع پر ایک مبارک فیصلہ سناتا چلوں:

ایک برادر طریقت نے جو بڑے جذباتی مسلمان تھے ایک مجلس میں عرض کیا کہ جو لوگ بات بات پر اہل نسبت اور اصحاب طریقت پر شرک اور کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں حضرت ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً عشق نہیں ہے ۔ پھر ان حضرات کی عبادتیں بیکار ہیں یا نہیں ؟

حضرت محدّث دکن کا انوکھا فیصلہ

حضرت علیہ الرحمہ نے جواباً ارشاد فرمایا میاں ! ایک آقا کے دو غلام ہیں ایک اپنے آقا کی ہر طرح سے خدمت کرتا ہے لیکن اس کو اپنے آقا سے نہ تو اخلاص ہے ، نہ عشق گویا جو کچھ کر رہا ہے بادلِ ناخواستہ کر رہا ہے ، یقیناً یہ قابل نفرت ہے ، دوسرا غلام اپنے آقا کی محبت کا دم تو بھرتا ہے لیکن خدمت کچھ نہیں کرتا اسے بھی قابل نفرت ہی کہنا چاہئیے ۔ دعا کیجیئے کہ اللہ تعالی پہلے غلام کو خلوص اور محبت کی اور دوسرے غلام کو اطاعت کی توفیق عطا فرمائے کسی صاحب دل شاعر نے اسی مضمون کو کسی خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

خانۂ شرع خراب است کہ اربابِ صلح   در عمارت گری گنبد و دستارِ خود اند

(شریعت مقدسہ کو نام نہاد اربابِ شریعت نے خراب کر رکھا ہے اس لئے کہ ان کو خود اپنی پگڑی اور دستار کو باقی رکھنا ہے)

اولیاء کرام کی مزارات پر حاضری کی ممانعت دیو بندی حضرات کی طرف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ مشائخِ دیو بند خود اس پر کار بند رہے ہیں بلکہ اس کی وصیت بھی کی ہے ۔

اولیاء کرام کی قبروں سے وہی فائدہ ہوتا ہے جو زندگی میں ہوتا تھا

حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۹ ھ) حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۷ ھ) کے پیر ہیں اور علماءِ دیو بند سب حضرت امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں ۔ جب میانجی نور محمد علیہ الرحمۃ کے انتقال کا وقت آیا تو حضرت امداد اللہ رونے لگے تو حضرت میانجی نے تسلی اور تشفی دی اور فرمایا کہ "فقیر مرتا نہیں ، بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے ، فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا"

مولانا اشرف علی تھانوی [redacted] کا قول رسالۂ اضافات صحائف معرفت ص ۳۱۷ ۔ میں موجود ہے : "اور جاننا چاہیئے کہ اولیاء اللہ سے بعدِ انتقال کے بھی تصرفات وخوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امرحد تواتر تک پہنچ گیا ہے" (مولانا تھانوی کی عبارت ختم ہوئی)۔

اولیاء کرام کی مزارات پر حاضر ہونے اور ان مقدس حضرات سے استفادہ کرنے پر نقلی اور عقلی دلائل سے کتب خانے بھرنے پڑے ہیں ۔ اس عاجز نے بطور دلیل اور حجت کے صرف چند باتوں پر اکتفا کیا ہے کہ عقلمند کے لئے یہ اشارہ کافی ہے:

العبد یُضرب بالعصا والعاقل تکفیہ الاشارہ

(غلام کو لکڑی سے پیٹا جاتا ہے اور عقلمند کو اشارہ کافی ہے)

علامہ اقبال کی حضرت مجدّد الف ثانی کے مزار پر حاضری

اس مضمون کو یہ عاجز شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے حسب ذیل ابیات پر ختم کرتا ہے جن کو آپ نے حضرت مجدد الف ثانی ، امام ربانی، شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوکر پڑھا ہے:

حاضر ہوا میں شیخِ مجدّد کی لحد پر   وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے ایک صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — اس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا اس کو خبردار

علامہ اقبال اور درگاہِ محبوبِ الٰہی پر حاضری

اسی طرح علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنی نظم التجائے مسافر بدرگارہ محبوب الٰہی میں اپنی نیاز مندی کا اظہار کیا ہے، اقبال کے ہم نام حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے خادمِ خاص تھے اسی بات کو علامہ نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

محو اظہارِ تمنائے دلِ ناکام ہوں — لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں

ابن حجر کے قول سے اولیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت

علامہ ابن حجر نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے کہ آپ وہاں کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ وہ اس کو اپنا مصلّی بنالیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی اور حضرت عتبانؓ نے اس مبارک جگہ کو اپنا مصلّی بنایا۔ یہ واقعہ بیان کرکے علامہ ابن حجر نے لکھا ہے۔ ھو حجۃ فی التبرک بآثار الصالحین یعنی یہ واقعہ اللہ تعالی کے نیک بندوں کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے لئے حجت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث دکن حیدرآباد دکن کے اولیاء کرام حضرت بابا شرف الدین قدس سرہ (جو بابا شہاب الدین سہروردی بغدادی قدس سرہ کے خلیفہ اور فرستادہ ہیں) اور حضرات یوسفین شریفین مریدین حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی دہلوی، حضرت سید احمد بادپا، واقع فرسٹ لانسر اور حضرت خواجہ سید محمد گیسودراز گلبرگوی قدست اسرارھم کے مزارات پر حاضری دیتے اور مراقب رہا کرتے

تھے اور ایک سفر تو پورے ہندوستان کے اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ محدّث دہلوی کا زیارتوں کے لئے پانی پت، سرہند، لاہور اور ملتان کا سفر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ۱۱۴۳ھ میں جب حرمین شریفین کے مبارک سفر کا ارادہ فرمایا تو براہ لاہور روانہ ہوئے اور جہاں کہیں بھی کسی ولی کا مزار ہوتا وہاں جاتے چنانچہ پانی پت میں حضرت شاہ بوعلی قلندر، شاہ شمس الدین ترک اور شاہ جلال قدس اللہ اسرار ہم کے مزارات پر حاضری دی، بعد ازاں سرہند میں حضرت مجدّد شیخ احمد سرہندی، لاہور میں حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش، ملتان میں مخدوم خواجہ بہاؤ الدین زکریا اور شاہ رکن عالم قدس اللہ اسرار ہم کی مزارات پر تشریف فرما ہوئے۔

حضرت محدّثِ دکن کا اہتمامِ ماہِ صیام

ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کے معمولات میں ماہ رمضان المبارک کا حد درجہ اہتمام، آخری دہے کا اعتکاف اور قرآن پاک کا ایک دور نماز تراویح میں اور دوسرا دور آخری دہے کی نماز تہجد میں زندگی بھر کا معمول رہا ہے۔

روزہ کی فضیلت پر حضرت یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

روزہ کی فضیلت اور اس کی برکتوں سے الحمد للہ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے سب واقف ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (۸۲، ھ) رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مکتوبات صدی میں فرماتے ہیں جس طرح جسمانی قوت کھانے پینے پر موقوف ہے اسی طرح روحانی طاقت بھوکے پیاسے رہنے سے پیدا ہوتی ہے الجوع طعام اللہ

فی ارضہ (بھوک خدا کی زمین میں خدائی غذا ہے) روزہ دار میں معبود حقیقی کی ایک خاص صفت پائی جاتی ہے وھو یُطعِم ولا یُطعَم (حق تعالیٰ کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا) سچے روزہ دار کو یقینی مقام تقرب حاصل ہوتا ہے۔

ایضاً حضرت داتا گنج بخش کا ارشاد

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں "روزہ جوارح کے لئے بلاء ہے، دل کے لئے صفا ہے، جان کے لئے ولا (تقرب) ہے اور سرّ کے لئے بقا ہے۔ اتنے بہترین سامان مہیا ہوں کہ دل کو صفا، جان کو ولا اور سرّ کو بقا حاصل ہو۔ ایسی صورت میں اگر جسم بتلائے بلا رہے تو کیا مضائقہ ہے اور کیا نقصان ہے" (کشف المحجوب)۔

حضرت محدّث دکن کا ارشاد

ہمارے حضرت محدث دکن قطب زمن فرمایا کرتے کہ لوگ نادانی سے روزہ دار کو بھوکا سمجھتے ہیں ۔ ایسا نہیں ہے بلکہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جب روزہ کی نیت کرلیتا ہے، کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے بچا رہتا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ اس کے لئے روحانی غذا شروع فرمادیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مطمئن رہتا ہے اس کے بر خلاف اگر کوئی فاقہ رہے تو اس کو ایسا اطمینان حاصل نہیں ہوتا ، روزہ دار کا دل اولیاء اللہ کا دل ہو جاتا ہے ہمیشہ نیکی کا خیال، تلاوت کلام اللہ کی مشغولی اور نہیں تو آرام چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ روزہ دار کی نیند بھی عبادت ہے۔

تلاوت کلام پاک اور نوافل کے علاوہ حضرت محدّث دکن اپنے اہل بیت کی خوشی کے لئے ہر روز ماہ صیام میں کھانوں کا نیا انتظام فرماتے کبھی مچھلی منگواتے ، کبھی پلاؤ بنواتے ، کبھی گوشت کھلانے کا اہتمام فرماتے ۔ غرض اس مبارک مہینہ میں ہمارے حضرت کے گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں رہتیں گویا ہر دن عید کا دن ہے ۔ نماز تراویح میں ایسے حافظ صاحب کا انتظام فرماتے جو خوش الحان قاری ہو، قرآن پاک کی

تذکرۂ حضرت محدّثِ دکن

تلاوت میں وہ جلدی نہ کرتا ہو ، رکوع اور سجدے بھی اطمینان سے ادا ہوتے ہوں چنانچہ تراویح میں قرآن پاک کو ہمارے حضرت کی مسجد میں سنانے کی عزت جناب بھائی حافظ محمد حسین صاحب عرف نواب جانی بن حافظ حضرت محمد امام صاحب علیہم الرحمۃ کو حاصل ہوئی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تراویح میں جو قرآن پڑھا جا رہا ہے وہ ایسا ہی پڑھا جا رہا ہے جیسا کہ عام دنوں میں جہری نمازوں میں پڑھا جاتا ہو۔

ختمِ قرآن کی تقریب اور ہمارے حضرت کا وعظ

یہی وجہ ہے کہ دو گھنٹہ سے زائد وقت میں ہر دن سوا پارہ قرآن پاک کا پڑھا جاتا تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ قرآن پاک کا ختم ۲۹ ویں رمضان کو کرواتے اور یوں فرماتے کہ بالعموم ۲۷ ویں شب کو جو قرآن کا دور ختم کیا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو روزے پہلے ہی ماہ مبارک کو رخصت کر دیا گیا ۔ اور قرآنِ پاک کے ختم کی تقریب پر پُر اثر اور درد انگیز، سحر بیان وعظ فرماتے سارے حاضرین پر آہ و زاری طاری رہتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا پوری مجلس پر نورانیت کی چادریں تنی ہوئی ہیں اور رحمت کے فرشتے اپنے پروں کو سامعین کے سروں پر پھیلا رہے ہیں ۔ مسجد علی آقا حسینی علم کا دالان اور صحن بھر کر سامعین سڑک پر بھی بیٹھ جاتے اور دو تین گھنٹہ تک راستہ کا رخ بدل جاتا تھا۔

جو حضرات اس مبارک محفل میں شریک رہے ہیں اس روحانی کیف اور سرور کو وہی بتاسکتے ہیں۔

آہ ! آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں زندگی بھر ہمارے حضرت نے اعتکاف فرمایا ہے اور اسی دہے میں با جماعت نماز تہجد میں قرآن پاک کا ایک اور دور ہوتا اس کی سعادت حافظ قاری مولوی عبدالرحیم صاحب امام و خطیب کہ مسجد کے نصیب میں رہی۔ ان حافظ صاحب کی تلاوت میں بڑا سوز ہوتا تھا خود روتے اور اوروں کو رلاتے تھے۔

عیدین کی راتیں متبرک راتوں میں شمار ہوتی ہیں اور ان راتوں میں عبادت کی بڑی فضیلت ہے ۔ احادیث میں آیا ہے کہ ان راتوں میں عبادت کرنے والے کا دل قیامت کے دن زندہ رہے گا ۔ اس کے پیش نظر ہمارے حضرت علیہ الرحمہ ان راتوں میں مسجد ہی میں عبادت میں مشغول رہ کر بعد ادائے نماز فجر گھر تشریف لیجاتے اور عید کی نماز کے لئے عید گاہ اول وقت تشریف لیجاتے اور صفِ اول میں نماز عید ادا فرماتے ۔

ہمارے حضرت کا اہتمامِ روز جمعہ

ہمارے حضرت کا ایک معمول جمعہ کے دن اور نماز جمعہ کا اہتمام بھی تھا ہمارے حضرت نہا دھو کر ، صاف کپڑے زیب تن فرما کر اولِ وقت شہر کی جامع مسجد یعنی مکہ مسجد تشریف لیجا کر امام کے پیچھے پہلی صف میں تشریف رکھا کرتے ۔ اس دوران میں سورۂ کہف اور درود شریف پڑھا کرتے کہ عام دنوں کے مقابلہ میں جمعہ کے دن درود شریف بکثرت پڑھنے کی تاکید احادیث شریفہ میں وارد ہے ۔ جمعہ کے دن ہمارے حضرت نماز عصر کی ادائی کے بعد غروب آفتاب تک دعائیں کیا کرتے اور بالعموم ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کی حزب اعظم کا ورد فرماتے اس لئے کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ہے جس میں دعاء قبول ہوتی ہے اور وہ ساعت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں عصر اور مغرب کے درمیان ہوا کرتی ہے ۔

الغرض ہمارے حضرت کی زندگی اور زندگی کا ہر دن عبادت ، علم دین کی مشغولی ، مسلمانوں کی خیر خواہی ، ان کے حالات سن کر ان کو صحیح مشورے دینا ، ذکر اور مراقبہ کی محفل کو سجانا جو عموما بعد نماز فجر ہوا کرتی ان بہترین کاموں سے بھر پور تھا یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے دور میں مرجعیت کے تاجدار تھے اور کسی شیخ اور پیر کو ایسا رجوع نصیب نہ ہوا :

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

ہمارے حضرت عظیم البرکت کا سفر حرمین شریفین

خوش آں کہ بندم در رست، بر ناقہ محمل از وطن   خیزم چو درد، افتم چو اشک، آیم بجاں، غلطم بہ تن

(وہ گھڑی کتنی حسین ہوگی، جب میں وطن سے تیری راہ میں سواری پر کجاوہ کسوں گا، درد کی طرح اٹھوں گا ، آنسو کی مانند گروں گا ، دل و جان سے آؤں گا اور جسم میرا لوٹ پوٹ ہوگا)

زہے سعادتِ آں بندہ ای کہ کرد نزول   گہے بہ بیتِ خدا و گہے بہ بیت رسول

(اس بندے کی سعادت کا کیا کہنا جو کبھی بیت اللہ کے قریب ٹھہرے اور کبھی مدینہ طیبہ میں حاضر رہے)

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، جو ہر صاحب حیثیت ، عاقل و بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے ، اس کے ادا کرنے کے بڑے فضائل ہیں ، نہ کرنے پر نہایت شدید وعید جبکہ اس مہتم بالشان سفر پر قدرت ہو ۔

باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے پر وعید

حضرت محدّث دکن قدس سرہ نے اپنی کتاب زجاجۃ المصابیح کے کتاب المناسک میں ترمذی کی روایت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی ہے ۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "جو شخص اتنا توشہ (زاد راہ) اور سواری رکھتا ہو کہ بیت اللہ تک اُن کے ذریعہ پہونچ سکے لیکن اس کے باوجود بھی وہ حج نہ کرے تو اس کے یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے میں کچھ فرق نہیں ہے اور یہ (وعید) اس لئے ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا " وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا یعنی بیت اللہ کا حج لوگوں پر فرض ہے جب کہ وہ مصارف سفر کے مالک ہوں ۔ احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سخن گہر بار یہ بھی ہے حجۃ مبرورۃ مالھا جزاء الا الجنۃ یعنی پسندیدہ حج کا بدلہ سوائے بہشت کے کچھ اور نہیں ۔

حج کی حقیقت بزبانِ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۲ ھ) فرماتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کی زیارت حقیقت میں خداوند قدّوس کی زیارت ہے، محبِّ صادق کے لئے جمالِ کعبہ محبوبِ بے نشان کا ایک نشان ہے۔ آخر کریں تو کیا کریں وہاں پہونچ کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں من منع عن النظر یتسلّیٰ بالاثر جو شخص جمالِ محبوب کے دیکھنے سے قاصر ہے وہ لامحالہ اس کی نشانی سے دل بہلاتا ہے۔ طالبانِ صادق جب خانہ کعبہ میں پہونچتے ہیں تو جبینِ نیاز اس آستانہ کی خاک پر ملتے ہیں۔ اور درد دل سے نالہ کرتے ہیں اس آرزو میں کہ شاید گھر دیکھتے دیکھتے صاحبِ خانہ بھی نظر آجائے اور "در چشمِ طلبگار عیانم" (میں ڈھونڈھنے والے کی آنکھ میں ظاہر ہوں) کا جلوہ ظاہر ہو جائے۔ جب محب نے محبوب کی محبت میں بال بچوں کے تعلقات سے جان و دل کی بازی لگادی تو اس کو رضا اور لقاء کی خلعت سے مشرّف کیا جاتا ہے۔ وہ ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اور جس وقت طائرِ حرم جمالِ کعبہ دیکھتا ہے تو اس کو ایسی قلبی راحت ملتی ہے کہ سامانِ عافیت اس کو سراسر تکلیف نظر آنے لگتے ہیں اور اگر خوش نصیبی سے نسیمِ عنایت چل گئی اور وجود کا حجاب اٹھ گیا تو عرشِ الٰہی جو دل کا کعبہ ہے آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ (حضرت مخدوم شرف الدین قدس سرہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان، فلاح و ظفر کی ہے

اس عاجز کے والد بزرگوار الحاج محمد اسماعیل خان علیہ الرحمہ فرمایا کرتے کہ مسلمان نے اپنی زندگی میں حرمین شریفین کی زیارت نہ کی تو پھر کیا کیا؟

حضرت محدّثِ دکن کا سفرِ حج ترکی حکومت میں انجام پایا

ہمارے حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ نے غالباً یہ مقدس سفر عیسوی صدی کے پہلے دہے یعنی ۱۹۱۰ء کے دوران فرمایا۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ قوم میں اتنا شعور نہ

تھا کہ اس عظیم البرکت ہستی کا یہ عظیم اور مبارک سفر اور اس کی روئیداد محفوظ کر لی جاتی کہ آنے والے زمانہ میں شائقین کے لئے دستور العمل کا کام دیتی۔ اس مبارک سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور ارادتمندوں کی ایک جماعت کے ہمراہ تھے۔ اس زمانہ میں حجاز مقدس پر ترکوں کی حکمرانی تھی، ترکوں کے عثمانی خلیفہ نے اپنا لقب خادم الحرمین الشریفین اختیار کیا تھا اور حرمین شریفین کے انتظام پر اپنا نائب سادات گھرانے کی ایک عظیم شخصیت کو متعین کیا تھا جن کا لقب شریف مکہ ہوا کرتا۔ انگریزوں نے سعودی حکومت کے بانیوں سے ساز باز کر کے شریفِ مکہ کو تمام ملک شام کی حکومت کا لالچ دے کر حجاز مقدس سے ہٹا دیا، اس وقت اردن پر انہی شریفِ مکہ کی اولاد حاکم ہے۔

ہمارے حضرت کا یہ سفر بادبانی جہاز سے انجام پایا اور ہر مسافر کو ان دنوں اپنی جانب سے اپنا کھانا پکانے کی اجازت تھی۔ فرمایا کرتے کہ دوران قیام مکہ مکرمہ کھانے پر بجائے پانی کے زمزم شریف کا انتظام فرمالیا تھا اور زمزم شریف کو پانی کی بجائے نوش فرماتے۔ حج کی ادائیگی کے بعد "کعبہ کا کعبہ" مدینہ منور حاضری ہوئی۔ اللہ اللہ! وہ کتنی مبارک ساعت رہی ہوگی جب یہ عاشقِ صادق سردارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہوا ہوگا اور دونوں عالم کے داتا نے اپنے محب سائل کے دامن کو گلِ مقصود سے بھر دیا ہوگا۔ اس کیفیت اور حالت کا صحیح اندازہ وہی مبارک اور مسعود انسان کر سکتے ہیں جن کی اس منزل تک رسائی ہو۔

حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ نے مکہ معظمہ میں کیا کیا عبادتیں فرمائیں اس کی کوئی یاد داشت موجود نہیں البتہ حضرت کی عادت مبارک یہ تھی کہ عازمِ حرمین شریفین آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور کچھ نصیحت کی درخواست کرتے تو آپ ارشاد فرماتے کہ میاں! بعض عبادتیں صرف مکہ معظمہ ہی میں کی جاسکتی ہیں جیسے

عمروں کا ادا کرنا اور اسی طرح طواف کا کرنا تو اس حاضری کو غنیمت جان کر زیادہ سے زیادہ عمرے اور زیادہ سے زیادہ طواف کرنا اور تھکن ہو تو کعبۃ اللہ کو دیکھتے رہنا بھی عبادت ہے۔

غارِ ثور کے دہانے سے ہمارے حضرت کا برکت حاصل فرمانا

یہاں ہمارے حضرت کا ایک واقعہ سنانا ضروری ہے جس کو ہمارے حضرت قدس سرہ بڑی عقیدت اور شیفتگی سے عازمینِ حج کو سنایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ دنیا میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر مس ہوا ہو اور وہ ہے غار ثور کا دہانہ جس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی کے داخل ہونے کے بعد مکڑی نے جالا تن دیا تھا جس کو دیکھ کر مشرکینِ مکّہ نامراد واپس ہوئے اور یہ ہجرت کے وقت کا واقعہ ہے۔ اس غار کے دہانہ سے تبرک حاصل فرمانے کے لئے ہمارے حضرت نے اپنے کرتے کو اتار دیا اور اس دہانے سے غار کے اندر داخل ہوئے تاکہ برہنہ بدن پر دہانہ کا یہ حصہ حضرت کے بدن سے مس ہو جائے اور یہ برکت مل جائے۔

اس موقع پر یہ واضح کرتا چلوں کہ اکابر کے پس خوردہ یا ان کے استعمال کی چیزوں سے برکت حاصل کرنے کو آج بعض کم علم بدعت سمجھتے ہیں حالانکہ استبراک قرآن پاک سے ثابت ہے (سورہ یوسف آیت نمبر ۹۶) حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیراہن جب مصر سے کنعان پہونچا اور پیرہن یوسفی جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو آپ کی بینائی واپس آگئی۔ استبراکات سے احادیث شریفہ اور اولیاء کے حکایات بھرپور ہیں۔

مدینہ منورہ میں دلائل الخیرات اور حزب اعظم کی اجازت کا حصول

مناسکِ حج کی ادائی کے بعد ہمارے حضرت مدینہ منورہ پہونچے تو دوران قیام میں

حضرت سلیمان جزولی (م ۸۷۰ھ) کی دلائل الخیرات (درود شریف کی مشہور کتاب) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے الحزب الاعظم (ماثورہ دعاؤں کا مستند ترین مجموعہ) کی اجازت اس زمانے کے شیخ الدلائل سے حاصل فرمائی۔ ان دونوں کتابوں کی اجازت ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ ہر سال ماہ رمضان المبارک کے آخری دہے میں جب اپنے محلہ کی مسجدِ علی آقا حسینی علم میں معتکف ہوتے اور اس کا ورد ہوتا تو آپ قاری اور سامع کو اجازت مرحمت فرماتے۔ الحمدللہ اس عاجز سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ واضح ہو کہ دلائل الخیرات درود شریف میں اور حزب اعظم کو دعاؤں میں اللہ تعالیٰ نے مقبولِ خاص و عام بنایا ہے، عالم اسلامی کے عالی مقام بزرگانِ دین ان کتابوں کا بطور وظیفہ ورد کرتے رہے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ان پر عامل تھے۔ افسوس کہ دلائل الخیرات کو حکومت سعودیہ نے اپنے ملک میں ممنوع قرار دے دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے بزرگ برادر طریقت اور خلیفہ حضرت محدّث دکن حضرت سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ عرف نانا میاں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت مسجد نبوی میں مواجہ شریف میں جب مراقب رہتے تو گھنٹوں گذر جاتے اور حضرت علیہ الرحمۃ کے ہم سفر زائرین آپ کو زبردستی اٹھاتے تو اٹھتے تھے۔ حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی اس حالت پر یہ شعر وردِ زبان ہے:

سکونِ قلب ملا، لذتِ حیات ملی　　درِ حبیب ملا، ساری کائنات ملی
شکر ہے رحمتِ باری تیرا کعبہ دیکھا　　طیبہ دیکھا، ترے محبوب کا روضہ دیکھا

اسی سلسلہ میں شاعرِ اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے وارداتِ قلبی کو بھی سن لیں:

از رسالت در جہاں تکوینِ ما　　از رسالت دینِ ما آئینِ ما
قوتِ قلب و جگر گردد نبی　　از خدا محبوب تر گردد نبی

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کے لئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ

وسلم کے چند آداب بیان کردیئے جائیں اس وجہ سے کہ یہ فتنوں کا دور ہے، بے ادبی عام ہوچکی ہے اگر آداب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پورا سفر اکارت ہوجائے گا۔

(ذیل کی عبارتیں کتاب الحج تالیف پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف علیگڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہیں):

فضائل مدینہ منورّہ

مدینۂ منورّہ اپنی خصوصیات میں دنیا کے سارے شہروں پر فوقیت رکھتا ہے علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے:

ومن خصائص المدینۃ انہا طیبۃ الریح، وللعطر فیہا فضل رائحۃ لا توجد فی غیرہا

(مدینہ پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی ہوا نہایت ہی پاکیزہ ہے۔ اسی لئے یہاں عطر کی خوشبو کو جب ہوا پھیلاتی ہے تو اس کی مہک میں ایسا اضافہ ہوجاتا ہے جو کہیں اور پایا نہیں جاتا)۔

یہ کیفیت جب آب و ہوا کی ہے تو پھر یہاں کے ایمان افروز اور روح افزا اثر کا کیا پوچھنا۔ احادیث کی کتابیں فضائل مدینہ طیبہ سے مالا مال ہیں۔ اہلِ ایمان کے لئے اس قدر کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو ایسی عزت اور عظمت عطا فرمائی کہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہونے کی کرامت اسی شہر کو بخشش فرمائی۔

فرخندہ منزلے کہ درو ای کردہ مقام — خوش وادیٔ کہ سود بہ سم براق تو

(وہ منزل کتنی مبارک ہے کہ جس میں آپ نے قیام فرمایا ہے۔ وہ وادی کتنی عمدہ ہے کہ جس میں آپ کے براق کے سموں کے نشانات جمے ہیں)

روضۂ پاک پر حاضری کی فضیلت اور حاضر نہ ہونے پر وعید

سچ تو یہ ہے یہاں کا ایک ایک ذرہ برکات عظیمہ کا گنجینہ ہے۔ اور اسی وجہ سے

ہمارے سردار حبیبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ولولہ انگیز الفاظ میں ہمیں اپنے حضور میں حاضر ہونے کی رغبت دلاتے ہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ ”من حج ولم یزرنی فقد جفانی“ (جس نے حج تو ادا کرلیا مگر میری زیارت نہ کی تو بے شک اس نے مجھ پر ظلم کیا) دوسری حدیث ”من زار قبری وجبت لہ شفاعتی“ (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت ضرور ہے) تیسری حدیث ”من زار قبری فکانما زارنی فی حیاتی“ (جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی)۔ چوتھی حدیث ”من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامہ“ (جس نے محض میری زیارت کا قصد کرکے حاضری دی وہ قیامت کے روز میرے پڑوس میں ہوگا)۔

جانم فدائے دیدہ کہ روئے تو دیدہ است — قربانِ پا شوم کہ بکویت رسیدہ است

(میری جان اُن آنکھوں پر قربان جنھوں نے آپ کے رخِ انور کی زیارت کی، میں ان پاؤں پر قربان جو تیرے کوچہ میں پہونچے)

خوشا چشم کو دید آں مصطفی را — خوشا دل کہ دارد خیالِ محمد

(وہ آنکھ کتنی خوش نصیب ہے جو دیدار مصطفی سے بہرہ ور ہو۔ وہ دل کتنا مبارک ہے جس میں مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور ہو)

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا — ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

کسی عاشق نبوی کی کیا خوب للکار ہے:

سر اینجا، سجدہ اینجا، بندگی اینجا، قرار اینجا

(اس جگہ سر جھکا دو، جائے سجدہ یہی ہے، بندگی کا مزہ یہیں ہے اور دل و نگاہ کو قرار یہیں سے ملتا ہے)

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

مدینہ منورہ میں حاضری کے آداب

جب حدود شہر مدینہ پاک کے اندر داخل ہو تو بہتر یہ ہے کہ پیادہ ہو جائے اور اگر ہو سکے تو ننگے پاؤں چل کر در اقدس تک حاضر ہو۔

جائے سرست ایں کہ تو پا می نہی   پائے نہ بینی کہ کجا می نہی

(یہ تو سر رکھنے کی جگہ ہے، اور تو یہاں پاؤں رکھ رہا ہے، تو نہیں دیکھتا ہے کہ کہاں پیر رکھ رہا ہے)

گنبد خضراء پر نظر

جس وقت نگاہ گنبدِ خضراءِ انور سے شرف اندوز ہو تو صدق دل سے باسوز و گداز الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کی کثرت کرے، حبیب کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال و جمال کے تصور میں غرق ہو جانے کی سعی بلیغ کرے۔

حاضری کی تیاری

اسی کیف و سرور میں، اگر ضرورت ہو تو اپنی قیام گاہ پر پہونچ کر جلد سے جلد ضروریات سے فارغ ہو کر، بہتر تو یہ ہے کہ غسل کر لے اور پھر عمدہ لباس سفید پہن کر خوشبو لگا کر آستانہ اقدس کی طرف بصد خشوع و خضوع متوجہ ہو۔

مسجد النبی کے دروازہ پر توقف

مسجد پاک کے دروازہ پر حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے چند لمحے توقف کرے گویا حاضری کی اجازت لینے کی درخواست کر رہا ہے پھر بسم اللہ کہکر داخلۂ مسجد کی دعا یعنی الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ پڑھ کر داہنا پاؤں بڑھا کر بکمالِ ادب داخل ہو۔

بوقت حاضری کمال ادب ہو

اس وقت جو ادب، تعظیم اور محبت واجب ہے اسے ہر سُنّی مسلمان کا دل جانتا ہے، آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں، دل اور دماغ سب کو خیالِ غیر سے پاک کرے۔ نہ مسجد

شریف کے طول و عرض اور بلندی کو دیکھے نہ اس کے نقش و نگار کی طرف نظر کرے نہ فرش و مصلّے کا لحاظ کرے، نہ حاضرینِ مسجد کی طرف التفات کرے، ہاں اگر کسی کا سامنا ہو جائے تو محض سلام یا جواب سلام پر اکتفا کر کے اپنی حاضری کو مقبول بنانے میں مشغول ہو۔

در بزمِ وصال تو بہنگام تماشا   نظارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد

(آپ کے وصال کی مجلس میں دیدار کے وقت پلکوں کی حرکت بھی ناقابل برداشت ہے زیارت کرنے والا اس امر کی بھی شکایت کرتا ہے)۔

تحیۃ المسجد اور سجدۂ شکر

مسجد اقدس میں پہونچ کر تحیۃ المسجد قل یا قل ہو اللہ سے پڑھے، نماز پڑھکر سجدہ شکر کرے اور دعا کرے: الٰہی اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنا قبول اس عاجز گنہگار کو اپنی مہربانی سے نصیب فرما۔ آمین بحرمتک و بحرمۃ حبیبک!

مواجہہ شریف میں حاضری

اب کہ تحیۃ المسجد اور سجدہ شکر سے فارغ ہو چکے ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے ہوئے، گناہوں کی ندامت سے شرمسار اور حضورِ پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و کرم کے امیدوار مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار پُر انوار میں جلوہ فرماہیں زائر کی حاضری پر حضور کی نگاہ بے کس پناہ اس حاضر کی طرف ہوگی اور یہ سعادت زائر طیبہ کے لئے دارین میں کافی ہے، الحمد للہ کہ حاضر نگاہِ رحمت کے سایہ میں آگیا۔

تو کہ کیمیا فروشی نظرے بقلبِ ما کن   کہ بضاعتے نداریم و فگندہ ایم دامے

(اے کہ تو کیمیا فروش) مراد وہ دوا ہے جس سے معمولی دھاتیں سونا بن جاتی ہیں) (میرے دل پر نگاہِ کرم ڈالیئے، اگر چہ میرے پاس کوئی پونجی نہیں ہے، جو تھی وہ میں

نے ضائع کر دی)۔

مواجہ شریف میں کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے قبلہ کو پیٹھ کر کے، مزارِ انور کی طرف منہ کر کے نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر نہایت ادب و وقار کے ساتھ بآوازِ حزیں و درد آگیں سلام عرض کرے، امام ابن حاج مکی مالکی (م ۷۳۷ھ) اپنی کتاب مدخل میں اور امام احمد قسطلانی مصری شافعی (م ۹۲۳ھ) اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اور اسی طرح دیگر ائمۂ دین فرماتے ہیں (عربی متن کا ترجمہ یہ ہے)۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور وفات میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں، اور ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، ان کے ارادوں اور ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً کوئی پوشیدگی نہیں"۔

فتاویٰ عالمگیری اور اختیار شرح مختار میں ہے یقف کما یقف فی الصلوۃ حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے (کتاب الحج کے اقتباسات ختم ہوئے)

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قارئین کرام کے لئے کچھ مواد مہیا کر دیا جائے اس لئے کہ مادّیت نے کئی حقیقتوں کو بدل دیا ہے اور امت کا ایک بڑا طبقہ غفلت اور کم علمی کے تہ بہ تہ پرتوں میں گم ہے۔

مشکاۃ شریف کے باب الصلاۃ فصل دوم اور زجاجۃ المصابیح (۱/ ۲۷۸) میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو بھی مجھ پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کا جواب دوں (ابو داود، بیہقی۔ دعوات کبیر)

حیاۃ النبی کے بارے حضرت محدّث دکن کا ایک قول

اس عاجز کے پیر و مرشد محدّث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہ حدیث شریف میں مولانا عبدالرحمن سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (مزار خطۂ صالحین حیدر آباد دکن میں ہے) کے شاگرد ہیں اور آپ کی سند حدیث حضرت شاہ اسحاق محدّث مہاجر مکی رحمہ اللہ علیہ تک پہونچتی ہے۔ جس وقت اس عاجز نے مذکورہ حدیث شریف اپنے پیر و مرشد کو سنائی تو آپ نے اپنے استاذ کے حوالہ سے اور استاذ، محدّث نے سلسلہ اساتذۂ حدیث کے حوالہ سے یہ نکتہ بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد پہلی مرتبہ جب آپ پر درود پڑھا گیا اور سلام کے جواب کے لئے روح مبارک جسم اطہر میں داخل ہوئی تو پھر نہیں نکلی، اس کام کے لئے مقرّر فرشتے دنیا کے گوشہ گوشہ سے تسلسل کے ساتھ امت کا تحفۂ صلاۃ وسلام آپ کو پہونچاتے ہیں اور آپ جواب دیتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع نہیں ہوتا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن (ص ۲۸) میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ (ترجمہ حدیث شریف) اللہ تعالی نے روئے زمین میں چند فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے جو اس غرض کے لئے سیاحت فرماتے ہیں کہ میری امت میں سلام پڑھنے والوں کے سلام میرے پاس پہونچائیں۔

حضرت سعید بن المسیب کا قبر اطہر سے اذان اور اقامت کا سننا

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت میں دو تاریخی واقعات بیان کئے جاتے ہیں ایک واقعہ سید التابعین، فقیہ مدینہ منورہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کو ابن سعد نے اپنی طبقات کے جلد پنجم ص (۱۰۰) پر بیان فرمایا ہے:

امام حسین ؓ کی شہادت کے بعد یزید نے مسلم بن عقبہ مری کو ایک بڑا لشکر دے کر اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اس لئے کہ اس وقت تک اہل حرمین شریفین نے اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، تین دن تک گفت و شنید ہوتی رہی، حضرات صحابہ اور تابعین کرام اس فاسق و فاجر کے سامنے سرخم تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نتیجتاً زبردست لڑائی شروع ہوئی۔ امام قرطبی کے بیان کے مطابق ایک ہزار سات سو مدنی قتل ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن اور (۹۷) قریشی سردار تھے۔ قتل وغارت کا بازار جب گرم ہوا تو بعض حضرات نے شہر چھوڑ دیا اور بعض گھروں میں چھپ رہے تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی اور نہ جماعت! حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبوی میں پناہ لی اور فوجی مجھے دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیئے! گرد و غبار میں اوقات نماز بھی معلوم نہیں ہو رہے تھے فرماتے ہیں (آپ کے قول کا ترجمہ یہ ہے)۔

"جب بھی نماز کا وقت آتا تو قبر اطہر سے اذان کی آواز سنتا، پھر اقامت ہوتی اور اسی پر میں آگے بڑھ کر اپنی نمازیں ادا کر لیتا، مسجد میں میرے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا"

حضور کے دست مبارک کو حضرت سید احمد کبیر رفاعی نے بوسہ دیا

دوسرا واقعہ حضرت الشیخ الکبیر سید احمد رفاعی قدس اللہ سرہ کا ہے۔ ۵۵۵ھ میں جب آپ مدینہ منورہ پہونچے تو روضہ اقدس میں مواجہ شریف کے روبرو عرض کیا السلام علیک یا جدی! جواب میں آواز آئی، وعلیک السلام یا ولدی! اس پر حضرت رفاعی پر وجد طاری ہوا اور عرض کیا:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عنی و ھی نائبتی
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامدد یمینک تحظی بھا شفتی

(جب میں دُور تھا تو اپنی روح کو بھیجدیا کرتا تھا، وہ میری طرف سے نائب ہو کر آپ کی قدم بوسی کیا کرتی تھی اور اب تو میں اپنی شکل و صورت کے ساتھ درِ دولت پر

حاضر ہو گیا ہوں اب آپ اپنا دست مبارک بڑھائیں تاکہ میرے لب اس کو چوم کر شرف اندوز ہوں)۔

یہ عرض کرنا ہی تھا کہ قبر اطہر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک چمکتا ہوا ظاہر ہوا اور شیخ معظم نے آگے بڑھکر دست مبارک کا بوسہ لیا۔ اس وقت تقریباً نوے ہزار زائرین کرام جمع تھے جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ اور حضرت شیخ عدی بن مسافر قدس اللہ سرہ اور حضرت شیخ عبدالرزاق حسینی واسطی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر اولیاء عظام تھے (ملاحظہ ہو البنیان ترجمۂ البرہان المؤید از حضرت السید احمد کبیر رفاعی ص ۲۵)۔

پچھلے چودہ سو برس کے دوران ہر صدی میں ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں جن کی حیثیت تواتر کی ہے، ایسی مبارک اور خوش تقدیر ہستیاں بھی ہیں جنھوں نے اپنے کانوں سے روضہ اطہر کے اندرون سے سردار دو عالم، سالار بدر و حنین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ درفشان سے سلام کے جواب۔ سنئے اور بعض ہدایات فیض آیات سے شرف اندوز ہوئے اور ان پر عمل پیرا ہو کر امت کی اصلاح فرمائی (ملاحظہ ہو سیرت النبی بعد از وصال النبی از عبدالمجید سالک صدیقی لاہوری)۔

حضرت محدّث دکن کے والد ماجد کو رسول اللہ کی نصرت کا ایک واقعہ

ہمارے بزرگ برادر طریقت اور خلیفۂ حضرت محدث دکن قدس سرہ حضرت سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ حیدر آباد سے حضرت کے اس مبارک سفر حرمین شریفین کی خبر پاکر کئی ارادتمند حضرات نے رفاقت سفر فرمائی جن کے پاس زاد راہ کم تھا اور اس زمانے میں آج کل کی پابندیاں بھی نہ تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ جب واپسی کی تیاری شروع ہوئی تو بہت سارے احباب کے پاس واپسی کے لئے کرایہ نہ تھا۔ ہمارے حضرت کے والد ماجد حضرت حافظ مولانا مظفر حسین علیہ الرحمۃ متفکر ہو گئے۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے ایک تاجر کے خواب میں

تشریف لائے اور مولانا مظفر حسین صاحب کی جانب اشارہ کرکے فرمایا یہ حیدر آباد دکن کے بڑے نیک آدمی ہیں ان کے ساتھیوں کے پاس وطن واپس ہونے کے لئے خرچہ نہیں ہے تم اس کا انتظام کرو، یہ تاجر حضرت کو ڈھونڈتے ہوئے پہونچے اور واپسی کا خرچہ دیا، حضرت مولانا مظفر حسین علیہ الرحمہ نے حیدر آباد واپس آکر یہ قرضہ حسنہ واپس فرمایا۔

چودھویں صدی میں تجدیدی کارنامے

مجدّد کے بارے میں حدیث شریف

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدّد لھا امر دینھا "۔ (بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایک مجدّد بھیجتا ہے جو اپنے رب کے دین کی تجدید فرما دیتا ہے)

شیخ الاسلام بدر الدین ابدال رسالۃ مرضیۃ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ میں فرماتے ہیں (ترجمہ) " مجدد کی شناخت قرائن و احوال سے کی جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ اس کے علم نے نیا نفع پہنچایا ہو، اور مجدّد وہی ہوگا جو علوم دینیہ ظاہرہ اور علومِ باطنہ کا عالم، عارف اور سنت نبویہ کا مددگار ہو اور بدعت کا قلع قمع کرنے والا ہو"۔

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مرقات السعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں (ترجمۂ عبارت) صدی کا مجدّد وہ شخص ہوگا جو مشہور اور معروف ہو اور امر دین میں جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہو اور پہلے بھی ہر صدی میں مجدد ہوئے ہیں اور مراد یہ ہے کہ مجدد گذشتہ صدی کے خاتمہ پر اپنی زندگی میں مشہور عالم اور علماء کا مشار الیہ رہ چکا ہو "اھ

مجدّد کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی وضاحت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۷۶ ھ / ۱۷۶۲ ء) اپنی کتاب " ازالۃ

الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں فرماتے ہیں، جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا! ہر صدی کے سرے پر ایسا مجدد ظاہر ہوتا رہا جس نے از سرِ نو دین کا احیاء کیا، پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوئے جنہوں نے بادشاہوں کے ظلم کو ختم کیا اور اچھی روایات کی بنیاد ڈالی، علم و فضل اور زہد سے آراستہ تھے، اور آپ سے عمدہ آثار دنیا میں باقی رہے جن میں سے ایک علم حدیث کی کتابت اور احادیث کا جمع کرنا ہے اور دوسرا عمدہ اثر اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعن طعن کرنے سے روکنا ہے۔ تیسری صدی میں امام ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ ھ / ۹۳۶ ء) ہوئے جنہوں نے اہل سنت کے لئے عقائد کے قواعد مستحکم کئے اور اہلِ بدعت کا مقابلہ کیا۔ چوتھی صدی میں جلیل القدر محدّث حاکم صاحبِ مستدرک (م ۴۰۵ ھ / ۱۰۱۴ ء) بیہقی صاحبِ سننِ کبریٰ (م ۴۵۸ ھ / ۱۰۶۶ ء) اور دوسرے حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے علمِ حدیث کی بنیاد مضبوط کی اور دوسرے علماء نے فقہ میں فردعات کو واضح کیا، پانچویں صدی میں امام غزالی، حجۃ الاسلام (م ۵۰۵ ھ / ۱۱۱۱ ء) جنھوں نے فقہ، تصوف اور علم کلام کو ہم آہنگ کیا جس کی وجہ سے ان علوم کے حقائق اور معارف میں نزاع ختم ہوگیا۔ چھٹی صدی میں شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ ھ) اور ساتویں صدی میں امام نووی (۶۴۲ ھ / ۱۲۷۷ ء) نے علم فقہ اور حدیث اور امام رازی نے علم کلام کی اشاعت کی اسی طرح اس وقت تک ہر صدی کے سرے پر ایک امام اور مجدد ہوتا رہا۔ (ازالۃ الخفاء کا اقتباس ختم ہوا)

فقیہ ہرات نے حضرت محدّث دکن کو مجدّدین میں شمار کیا

حضرۃ الاستاذ فقیہ العصر مولانا ابو الوفا افغانی علیہ الرحمۃ نے اپنے شاگرد فقیہ ہرات (افغانستان) مولانا ابو نصر محمد اعظم برنابادی علیہ الرحمۃ کو زجاجۃ المصابیح تالیف

حضرت محدث دکن قدس سرہ روانہ فرمایا کرتے تھے ، زجاجۃ کی جب تیسری جلد فقیہ موصوف کے پاس پہونچی تو انہوں نے ان الفاظ میں حضرت محدّث دکن کا شکریہ ادا کیا۔

السلام علیکم ورحمة الله و برکاته! جزا کم الله تعالی خیر الجزاء فقد فزت بما رجوت بعد دراسته الجزئین الاولین من وصول ثلاث نسخ من الجزء الثالث من افضالکم ...... بارک الله تعالی فیکم فقلت الحمد لله الذی انشأ رجالا یحیون رسوم الدین. والصلاة والسلام علی من بشرّنا بظهور المجددین للدین فی کل قرن وحین و علی آله الهادین المهتدین ...(الی آخر المکتوب)

(ترجمہ) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے ، آپ کے کمال عنایات سے (زجاجہ) کی پہلی دو جلد کی تدریس کے بعد مجھے تیسری جلد کے تین نسخے وصول ہوئے ۔ اللہ تعالی کی برکتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں اور (بے ساختہ) میری زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے ، ہر قسم کی تعریف اللہ بزرگ و برتر کو زیبا ہے جو دین کے آثار کو زندہ کرنے والے افراد کو معرض و جود میں لایا اور درود و سلام ہو اس ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس نے ہر زمانے میں ہم کو مجدّدین کے ظہور کی خوش خبری سے سرفراز فرمایا اور (درود و سلام ہو) آپ کی آل اطہار پر جو ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں۔

مذکورہ بالا عنوان کے تحت دین کے مجددین کے بارے میں یہ عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) کچھ معروضات پیش کر رہا ہے ۔ اس مواد کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ ہر زمانہ میں ہر ملک میں اس ملک کے احوال و ظروف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے دینِ مبین کی حجت پوری فرمانے کے لئے مجدّدین کرام کو ظاہر فرماتا رہے گا ۔ یہاں چودہ سو برس کی تاریخ تجدید بیان کرنی مقصود نہیں ، بطور نمونہ عالم اسلامی کی چند ایسی ہستیوں کے تجدیدی کارناموں کو بیان کرنا پیشِ

نظر ہے جنھوں نے اپنے اپنے ملکوں میں یہ خدمت انجام دی ہے ۔

یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

واضح ہو کہ امت غراء محمدی کی جامعیت روز روشن کی طرح عیاں ہے ۔ رزم ہو کہ بزم ہو، فکر ہو کہ عمل ہو، حکمت ہو کہ ہدایت ہو ، ظاہر ہو کہ باطن ہو ۔ دینی علوم ہوں کہ دنیوی، ہر میدان میں یہ ملت بیضاء (روشن ملت) اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تھامے رہی ہے ۔ اور اس کی خوش خبری زبان درفشانِ نبوی سے ہمارے ہاں موجود ہے:

کھیتی تری امّت کی کیا خوب ہری نکلی
جو شاخِ شجر پھوٹی پھولوں سے بھری نکلی

امت کا ایک طبقہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا

وعن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال من امتی امّـۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذلک ۔ متفق علیہ (زجاجۃ المصابیح ۵ / ۴۰۰)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ میری امت کا ایک طبقہ اللہ تعالی کے دین پر ہمیشہ قائم رہے گا ، ان کو چھوڑنے والا ، اور مخالفت کرنے والا ان کو نقصان نہیں پہونچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالی کا حکم (یعنی قیامت آن پہونچے گی) اور وہ حق پر قائم رہیں گے (بخاری اور مسلم)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکاۃ میں اس حدیث کی اس طرح شرح فرماتے ہیں کہ شریعت کے احکام جیسے کتابُ اللہ کی حفاظت ، علم حدیث شریف اور اس سے استنباط ، جھاد فی سبیل اللہ ، امت میں وعظ و نصیحت ، الغرض تمام فرض کفایہ کے کام جاری رہیں گے ۔ اور مسلمانوں کی شوکت بالکلیہ زائل نہ ہوگی اگر ایک علاقہ

میں مسلمان کمزور ہو جائیں گے تو دوسرے علاقے میں اللہ تعالیٰ ان کو طاقتور بنادے گا جیسا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

جہاں میں مردِ مؤمن صورتِ خورشید جیتے ہیں　　ادھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، ادھر نکلے

چنانچہ اسپین میں مسلمانوں کا زوال جس سنہ میں ہوا اسی سنہ یعنی نویں صدی ہجری میں ہندوستان پر مغلیہ دور کے اقتدار کا آغاز ہوا جو انگریزوں کی آمد تک قائم رہا۔ ۱۹۴۸ء میں سلطنت آصفیہ ختم ہوئی تو ایک سال قبل ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام وجود میں آیا۔

اب اختصار کے ساتھ بیسویں صدی میں عالم اسلامی کے جن دانشوروں اور مجاہدین نے تجدیدی کام انجام دیئے ہیں ان کو بطور نمونہ بیان کرنے کی یہ عاجز عزت حاصل کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) وھو الموفق للصواب (سیدھے راستہ کی توفیق حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے)۔

مصر کے جامع ازھر کی بنیاد محدثین کی ایک جماعت کا اخلاص ہے

عالم اسلامی میں مصر کے مجدد بانی " الاخوان المسلمون " شیخ حسن البنّاء شہید علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارناموں کو اولاً بیان کیا جاتا ہے۔ مصر سے اس وجہ سے ابتداء کی گئی کہ اس ملک کے دارالحکومت قاہرہ میں عالم اسلامی کی قدیم ترین یونیورسٹی جامع ازہر ہے تقریباً ایک ہزار برس سے عالم اسلامی کے لئے علومِ اسلامیہ کے حصول میں ایک سمندر کا کام کر رہی ہے۔ جامع ازہر کی بنیاد بھی محدثین کی ایک مقدّس جماعت کے اخلاص پر رکھی گئی ہے۔ مصر میں ابن طولون کی حکومت کا زمانہ ہے، محدّثین کی ایک جماعت مصر پہونچی اور یہاں ان کا زادِ راہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے قاہرہ کے گوشہ میں ایک دور افتادہ مسجد میں جس کو مقبرہ کی مسجد کہا جاتا تھا قیام کیا۔ تین دن کا فاقہ گذر چکا تھا، مشورہ کیا کہ ہم کو اب مانگنا جائز ہے تو یہ طے کیا کہ جماعت میں سے ایک شخص بازار جاکر کچھ مانگ لائے تاکہ قوّت لایموت حاصل ہو

جائے، چنانچہ ایک محدّث کے نام قرعہ نکلا اور وہ بازار کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک مسجد پر سے گذرے یہ سوچا کہ مانگنا طے ہوا ہے تو کیوں نہ میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اپنے رب سے مانگ لوں؟ چنانچہ مسجد میں داخل ہوئے تازہ وضوء کیا اور دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اپنے مولیٰ سے دست بدعاء ہوئے دیر تک آہ و زاری کرتے رہے۔ ان کو ایسا القاء ہوا کہ ان کی دعاء قبول ہو چکی ہے۔ اس لئے بازار جانے کی بجائے الٹے پاؤں مقبرہ کی مسجد واپس ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ابن طولون کا وزیر حاضر ہے اور ان محدثین کی خدمت میں ابن طولون کا ایک پیغام پہونچا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ بادشاہ ناشتہ کھا کر کے دن کے گیارہ بجے لیٹا ہوا ہے، نیم خوابی کا عالم ہے۔ ایک سوار اس حالت میں پہونچا اور یوں کہہ رہا ہے کہ " مقبرہ کی مسجد میں محدّثین کی ایک جماعت مقیم ہے، ہلاکت سے پہلے ان کی خبر لے " بادشاہ بیدار ہوا تو اس اشارہ پر دھیان نہ دیا اور پھر سو رہا۔ کچھ دیر بعد وہی سوار خواب میں پہونچا اور وہی الفاظ دہرایا، بادشاہ نے خیال کیا کہ میرا پرانا خیال مجھ پر طاری ہے اور یہ سوچ کر پھر سوگیا۔ تیسری بار وہی سوار خوب میں آدھمکا اور اپنے انہی الفاظ کو دہرایا کہ "مقبرہ کی مسجد میں محدّثین کی ایک جماعت ہلاکت سے قریب ہے ان کی خبر لے" اور اپنے نیزہ سے بادشاہ کے ہاتھ پر ایک ضرب لگائی اور خون بہنے لگا۔ بادشاہ بیدار ہوا اور اپنے وزیر کو بلا بھیجا اور یہ واقعہ سنا کر وزیر کو مقبرہ کی مسجد کی جانب روانہ کیا۔ وزیر ان حضرات کے حالات دریافت کرنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں پہونچا اور تمام ماجرا بیان کر دیا۔ بادشاہ نے کھانا، غلہ اور کچھ رقم محدّثین کے پاس روانہ کی اور وزیر کو حکم دیا کہ کل دربار بلایا جائے اور بھرے دربار میں محدّثین کی اس مقدّس جماعت کا استقبال ہو۔ وزیر کھانا، غلہ اور بڑی رقم لے کر ان حضرات کی خدمت میں پہونچا اور ان چیزوں کو پیش کر کے دوسرے دن بھرے دربار میں

ان کے تشریف لانے کی درخواست کر کے واپس ہوگیا۔ وزیر تو واپس ہوگیا لیکن ان محدّثین کرام نے مشورہ کیا کہ ہمارا راز فاش ہوگیا معلوم نہیں ہماری تعظیم کس نوبت کو پہونچے؟ تو ہم مغرب کا انتظار کریں، یہاں سے کوچ کریں، اور قرب ترین سرحد پار کر کے مصر کے حدود سے نکل کر دوسرے ملک میں داخل ہو جائیں۔

محدّثین نے نماز مغرب ادا کی اور مقبرہ کی مسجد کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن جب وزیر وہاں پہونچا تو دیکھا کہ محدّثین کی جماعت غائب ہے، فوراً تیز گھوڑے سواروں کو چاروں طرف روانہ کیا گیا مگر ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور تمام سوار نامراد واپس آئے۔ بادشاہ نے بھرے دربار میں کہا کہ میں نے ایک عظیم دارالحدیث کے قیام کی رائے قائم کرلی تھی اب میں مایوسی کا شکار ہوں۔ حاضر علماء نے کہا کہ بادشاہ کا فیصلہ قابل قدر ہے۔ اور ایک دارالعلوم قائم کر دینا چاہئے، چنانچہ ایک بڑی رقم سے ازھر نامی مسجد میں اس جامعہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا باعث محدّثین کی وہ گم نام مقدس جماعت ہے اور یہ جامعہ ایک ہزار برس سے عالم اسلامی کی دینی اور علمی پیاس بجھا رہا ہے۔

مصر کے عظیم قائد شیخ حسن البناّء شہید کا تجدیدی کارنامہ

اسی شہر قاہرہ میں مصر کے عظیم قائد شیخ حسن البناء شہید نے ایک ایسا تجدیدی کارنامہ انجام دیا جس نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مصر یورپ کے چنگل میں تھا۔ نئی نسل کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اسلام ایک بے مایہ مذہب ہے۔ صدیوں پیشتر اس نے عربوں کو ایک مستحکم معاشرہ دیا لیکن اب بیسویں صدی میں عصر حاضر کی قیادت اور تنظیم اس کے بس کا روگ نہیں شاعر النیل حافظ ابراہیم جیسے نامور شاعر نے ۱۹۰۶ء میں مصر میں امریکن گرلز کالج کی تقریب میں اپنی نظم میں ایک شعر پیش کیا تھا:

لیتنا نقتدی بکم او نجاریکم عسی نستردّ ما کان ضاعا

(کاش اے اہلِ مغرب! ہم تمہاری پیروی کرتے یا تمہاری ہمنوائی کرتے اس طرح شاید ہم اپنی گم شدہ عزت کو بحال کر لیتے)۔

الغرض مادی ترقی کی یلغار نے مصریوں کے دل دماغ کو مسحور کر لیا تھا۔ ہر جگہ شراب خانے کھل گئے، بڑے بڑے شہروں میں لائسنس یافتہ قحبہ گری کا آغاز ہوگیا۔ شخصی آزادی کے نام پر کھلم کھلا برائیاں عام ہوگئیں۔

ان حالات میں حسن البناء نامی ایک ۲۲ سالہ نوجوان ایک نیا عزم لے کر اٹھا ۱۹۲۸ء میں الاخوان المسلمون کی بنیاد رکھی اور ۲۰ سال کے اندر ایک ایسی تحریک ملک کے اندر کھڑی کر دی جس نے مصر میں ایک ذہنی اور فکری انقلاب برپا کر دیا۔ وہ قوم جو مغربی جاہلیت کے نرغے میں جا چکی تھی اسے دوبارہ اسلام کی طرف موڑ دیا اب مصریوں کا یہ نعرہ تھا: اللّٰہ غایتنا (اللّٰہ کی خوشنودی ہمارا اصلی مدعا ہے) الرسول زعیمنا (رسول ہمارے قائد ہیں) القرآن دستورنا (قرآن ہمارا دستور ہے) الجہاد سبیلنا (جہاد ہمارا راستہ ہے) الموت فی سبیل اللّٰہ اسمی امانینا (اللّٰہ کی راہ میں جان دینا ہماری بلند ترین آرزو ہے)

اس ایمانی فراست سے بھرپور تحریک کا یہ نتیجہ نکلا کہ مصر کے اندر الاخوان کے مخلص کارکنوں کی تعداد ۵ لاکھ تک پہونچ گئی اس کی شاخیں مصر میں دو ہزار اور سوڈان میں ۵۰ ہوگئیں اور دوسرے عرب ملکوں میں بھی اس کی ان گنت شاخیں قائم ہوگئیں۔ اس عظیم قائد کو شہید کرنے کے لئے انگریز، یہودی اور مصر کی کٹھ پتلی حکومت اور خود شاہ فاروق نے مل کر سازش تیار کی اور ۴۳ سالہ مجاہد اور مجدّد کو ۱۹۴۹ء میں قاہرہ کی سب سے بڑی سڑک پر شہید کر دیا گیا (ملاحظہ ہو حسن البناء شہید کی ڈائری از خلیل احمد حامدی)۔

سرِکشتہ نیزہ ہمی زد نفس که معراجِ مرداں ہمین است و بس

(شہید کا سر نیزہ پر پکار رہا ہے کہ مردان خدا کی معراج تو یہی ہے)

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

(خنجرِ تسلیم کے شہیدوں کو غیب سے ہر زمانہ میں ایک اور جان ملتی ہے)

سنوسی تحریک کے تجدیدی کارنامے

سنوسی تحریک کے بانی سید محمد بن علی السنوسی الجزائر کے شہر مستغانم میں ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوئے اور مراکش کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ القرویین میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کی، مکہ معظمہ میں حج کے دوران مراکش کے شہرہ آفاق شیخ طریقت سید احمد ابن ادریس الفاسی سے ملاقات ہوئی جو سلسلہ خضرویہ کے ایک عظیم پیرِ طریقت تھے۔ شیخ سنوسی نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کرلی اور دونوں یمن پہونچے اور جب شیخ الفاسی کا انتقال ہوا تو شیخ السنوسی مکہ معظمہ واپس ہوئے اور یہاں سے واپس ہوکر لیبیا کے شہر بیضاء کے قریب ۱۸۴۲ء میں اپنی پہلی خانقاہ قائم کی جس کو افریقہ میں زاویہ کہا جاتا ہے۔ سنوسی تحریک کا مقصد خالص کتاب و سنت کی اساس پر عالم اسلامی کا مکمل دینی احیاء تھا۔ جب ان کے وطن الجزائر پر فرانسیسی قابض ہوگئے، تو انہوں نے اپنی تحریک کا مرکز صحراء کے ایک دور افتادہ علاقے جُغبوب میں جو ایک ویران نخلستان تھا ۱۸۵۳ء میں منتقل کر لیا یہاں انہوں نے ایک بڑا زاویہ یعنی خانقاہ قائم کرلی اور اپنے مضبوط کردار اور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب فرمان "اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں امن و امان قائم کرو" مقامی قبائل کے مابین اتحاد پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ شیخ سنوسی کو زبردست کامیابی اس وقت حاصل ہوئی جب زویا قبیلہ کی استدعاء پر مقام کفرہ میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ یہ قبیلہ سیرینیکا اور جھیل شاد کے بیس ہزار مربع میل کے رقبہ پر نخلستانوں میں آباد تھا۔ اس کی وجہ سے ہزاروں قبائلی جو صدیوں سے برائے نام مسلمان تھے ان میں ایک زبردست روحانی انقلاب آگیا اور ان کی زندگیوں کا رخ بدل گیا اس کے علاوہ افریقہ کے منطقہ حارہ کے بیشمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

سید محمد بن علی السنوسی کا ۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا تو آپ کے بڑے صاحبزادے سید المہدی آپ کے جانشین ہوئے اور آپ کی قیادت میں سنوسی تحریک اپنے عروج پر پہونچ گئی۔ جغبوب درحقیقت ایک یونیورسٹی شہر (University town) تھا جس کے گرد پاک، صاف اور سیدھی سادھی جماعت کی زندگی مرتکز تھی۔ کالج کے اساتذہ ھف اول کے علماء اور فضلاء تھے، اساتذہ عمامہ باندھتے، سفید ریش، سبز یا نیلے رنگوں کی عباء زیب تن کرتے۔ طلبہ کے لئے تحصیل علم کے علاوہ تربیت کا پورا پورا اہتمام تھا۔ طلبہ کو صنعت و حرفت بھی سکھائی جاتی تھی اور جمعہ کا دن فوجی تربیت اور جنگی مشقوں کے لئے وقف تھا۔ شیخ مہدی سنوسی اس طرح موجودہ لیبیا سے لیکر مغربی مصر اور شمال مغربی سوڈان پر حاکم تھے۔ لاکھوں نو مسلم اسلام کے سایۂ رحمت میں داخل ہو رہے تھے۔ سنوسی حضرات جب کبھی حج کرنے جاتے تو زائرین کرام تک احیاء اسلام کی دعوت پہونچاتے جس کے نتیجہ میں یہ تحریک ملایا، انڈونیشیا اور فلپائن جیسے دور افتادہ ملکوں میں بھی معروف ہوگئی۔

۱۹۰۲ء میں شیخ مہدی سنوسی کا انتقال ہوا اور تحریک کی قیادت ان کے عم زاد بھائی سید احمد شریف نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور ادھر اٹلی نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، طرابلس اور بنغازی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کردیں۔ ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا اور سید احمد الشریف اپنے جنگجو قبائل کو لے کر اٹلی کی طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے اور اس تعاون کے نتیجہ میں اطالویوں کی یلغار ناکام ہوگئی۔ لیکن فرانس نے جب یہ محسوس کیا کہ سنوسی تحریک سے ان کے استعماری مفادات متاثر ہو رہے ہیں تو اس نے اس علاقے میں وسیع پیمانہ پر فوجی کاروائی شروع کردی اور انتہائی جان توڑ جدوجہد کے بعد سنوسیوں کو ۱۹۱۹ء میں شکست ہوگئی اور فرانس کی افرادی طاقت، غیر محدود ذرائع، جدید ترین ہتھیار اور سامانِ جنگ کی وجہ سے یہ پورا علاقہ ان حضرات کے ہاتھوں سے نکل گیا سنہ ۱۹۱۷ء

میں۔سید احمد الشریف نے قیادت سید محمد الادریس کے سپرد کرتے ہوئے ترکی حکومت سے موثر امداد حاصل کرنے کے لئے آبدوز سے استنبول پہونچے لیکن ترکی حکومت کو بلا وجہ یہ بد گمانی پیدا ہو گئی کہ کہیں سید احمد الشریف عالم اسلامی کے خلیفہ بن جانے کا اعلان نہ کر دیں انکو واپس ہونے نہ دیا اور ۱۹۱۸ ء میں عثمانیوں کو جب شکست ہوگئی تو سید احمد الشریف نے انا طولیہ کا میدان طے کرتے ہوئے مصطفی کمال اتاترک سے جاملے اور ترکی کو بربادی سے .بچانے کی خاطر جدوجہد میں شریک ہوگئے ۔سید احمد الشریف سنوسی نے اس جدوجہد میں اپنے زبردست روحانی اور اخلاقی اثر کو لگادیا اور جب کمال اتاترک کو کامیابی ہوگئی تو اس نے دین کی روحانی طاقت سے قطع تعلق کرلیا ۔عربی رسم الخط کو بدل دیا اذان اور نماز کو تک ترکی زبان میں منتقل کر دی اور خلافت کو ختم کر کے خلافت عثمانیہ کو لادینی جمہوریت میں بدل دیا ! انا للہ و انّا الیہ راجعون ! علامہ اقبال علیہ الرحمۃ اپنے اس تاریخ ساز شعر میں یہی للکار رہے ہیں:

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی عبا   سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مایوسی کے عالم میں سید احمد الشریف سنوسی ۱۹۲۳ ء میں دمشق روانہ ہوگئے اور پتہ چلاکہ فرانسیسی حکومت ان کی گرفتاری کی دھن میں ہے تو یہ فوراً صحرائی راستہ سے مرکز اسلام میں داخل ہوکر مکہ معظمہ پہونچ گئے جہاں ابن سعود نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

اور یہ عظیم مجدد اور مجاہد اور سنوسی تحریک کے قائد نے ۱۹۳۳ ء میں اپنے نانا جان کی آغوش میں مدینہ منورہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور اس طرح ایک تجدیدی تحریک کا خاتمہ ہوگیا (ملا حظہ ہو Sanusia: The Study of a Revivalist Movement in Islam by N.A. Ziadeh & The Road to Mecca By Mohammed Asad) قارئین کرام اور فرزندان اسلام کی خدمت میں

اس عاجز راقم (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) یہ شعر پیش ہے:

ہم سے کتنے ہی تری راہ میں برباد ہوئے   تو سلامت رہے کوچہ ترا آباد رہے

پچھلے صفحات میں اس عاجز نے (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) مصر کے شیخ حسن البناء شھید اور سنوسی تحریک کے تجدیدی کارناموں کا ذکر کیا ہے ، ان کے علاوہ افریقہ کے متعدد ملکوں میں متعدد مجاہدین نے اپنے علاقوں میں طاغوتی طاقتوں کا قلع قمع کیا ہے جیسے شیخ عثمان مغربی القادری (م ۱۸۱۷ ء) نے شمالی نائجیریا میں حضرت غوث اعظمؒ کے اشارہ پر، شیخ شامل داغستانی الغازی النقشبندی (م ۱۸۳۲ ء) نے کاوکیسیا (روس) میں ، شیخ اویس البروانی القادری (م ۱۹۰۹ ء) اور سید محمد عبداللہ الصومالی الشاذلی المجاہد نے صومالیہ میں ،اور شیخ عبد القادر الجزائری المجاہد (م ۱۸۸۳ ء) نے الجزائر میں انگریز ، اطالوی اور فرانسیسی حکومتوں کے تسلط سے اپنے ملکوں کو آزاد کروایا ہے ۔ ۱۹۹۱ ء میں مجاہدین افغانستان نے روس کی عظیم یلغار کو تیرہ برس کی مدت میں جہاد کرکے اپنے ملک سے روس کو نکال باہر کیا اور اولین صدر جمہوریہ اسلامیۂ افغانستان شیخ صبغۃ اللہ مجددی نقشبندی مدظلہ قرار پائے اور شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی   یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

بندۂ صحرائی عرب ہیں اور مردِ کہستانی افغان ہیں ۔ مذکورہ فقرہ میں جن مجاہدین کرام کا ذکر کیا گیا ان میں یہ وصف پایا گیا کہ وہ کسی نہ کسی شیخ طریقت سے کسی نہ کسی سلسلہ میں بیعت ہیں۔ ٹورنٹو کے امریکن نو مسلم بھائی جناب عبداللہ حکیم کُویک کی بات یاد آئی کہ مسلمان کی باطنی قوت کا انحصار تصوف پر ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان INTERACTION BETWEEN SHARIAH AND TASAWWUF رکھا ہے ۔ جو اصحاب تصوف کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں ہوش میں آئیں ۔ (The Reliance of The Travellerr P. 1075)

ہندوستان میں تجدیدی کارنامے

پچھلی صدی میں مختلف اسلامی ملکوں میں تجدیدی کارناموں کا بیان آپ نے پڑھا۔ مناسب ہوگا کہ ہندوستان میں ان تجدیدی کارناموں کا بھی کچھ تذکرہ ہو جائے۔ سب سے پہلے مولانا الیاس کاندھلوی ثم دہلوی علیہ الرحمۃ کی تبلیغی جماعت کا جائزہ لیا جائے۔ اس صدی کے آغاز میں یہ کام شروع ہوا اور حضرت کا اخلاص تھا کہ آگ کی طرح یہ کام سارے عالم میں پھیل گیا۔ یہ عاجز بھی (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) اپنے شیخ حضرت محدّث دکن جن کا تذکرہ پیش نظر ہے۔ اور حضرت الاستاذ مولانا ابو الوفا افغانی علیہ الرحمۃ کی اجازت سے ایک چِلّہ کے لئے ۱۹۵۳ء میں دہلی روانہ ہوا اور میوات اور مظفر نگر (سہارنپور) میں یہ وقت گذرا، حیدر آباد کے احباب بھی رفیق سفر تھے، میوات میں مولانا الیاس علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ حضرات میاں جی کریم خان صاحب، میاں جی رحیم خان صاحب کے ساتھ دیہات میں وقت لگایا گیا۔ ان حضرات کے ساتھ جو وقت گذرا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتوں کی رفاقت میسر ہے۔ میاں جی کریم خان علیہ الرحمۃ کے الفاظ اس عاجز کے کانوں میں گونج رہے ہیں فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا الیاس علیہ الرحمۃ نے حاضرین سے جن میں موصوف بھی موجود تھے دریافت کیا کہ بھائی! ہم لوگ کیوں گھروں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں؟ جب حاضرین خاموش رہے تو خود فرمایا: "سن لو ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے، اپنی آخرت کو سنوارنے کے لئے اور اپنی قبر کے گڈھے کو روشن کرنے کے لئے نکلتے ہیں" ان بنیادوں پر جو کام شروع ہوا تھا بعد میں بے تربیت افراد کے ہاتھوں جس نوبت پر پہونچ گیا ہے اس عاجز کی زبان سے نہیں بلکہ مولانا الیاس کے برادر نسبتی مولوی احتشام الحسن صاحب سے سنیئے جو حضرت کے خلیفہ اول اور معتمدِ خصوصی ہیں اور جنہوں نے عمر کا طویل حصہ تبلیغی جماعت کی قیادت اور رفاقت میں گذارا ہے، نجدی حکومت کے ساتھ اس

جماعت کے معاہدہ کا سارا مرحلہ آپ ہی کا انجام دیا ہوا ہے اور اب آپ نے دہلی کو چھوڑ کر کاندھلہ میں مستقل قیام کر لیا ہے۔ اپنی کتاب "اصول دعوت و تبلیغ" کے آخری ٹائٹل پیج پر اور اپنی دوسری کتاب "زندگی کی صراط مستقیم" کے اخیر میں "ضروری انتباہ" کے عنوان سے فرماتے ہیں:

"میری عقل و فہم سے بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا الیاس کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف "بدعت حسنہ" کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولیوں کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جا رہا ہے۔ اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعت حسنہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ میرا مقصد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے"۔

جناب مولوی عبدالرحیم شاہ دیو بندی دہلوی جنہوں نے مولانا الیاس اور مولانا محمد یوسف علیہما الرحمۃ کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک تبلیغی جماعت میں کام کیا ہے لکھتے ہیں۔ "خیال کیجئے جو تحریک علماء اور عوام میں ربط پیدا کرنے کے لئے شروع کی گئی تھی وہی تحریک آج علماء و مدارس سے بُعد اور دوری کا سبب بنتی جا رہی ہے۔ کچھ عجیب سی بات ہے جو تبلیغی جماعت سے جتنا قریب ہوتا ہے وہ اتنا ہی دوسرے علماء سے بعید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ اور جس نے دو چار چِلّے دے دیئے تو پھر اس کی ترقی درجات کے کیا کہنے؟ پھر تو وہ علماء کی بھی کوئی حقیقت اپنے سامنے نہیں سمجھتا"۔ (اصول دعوت و تبلیغ ص ۵۰)۔

بہرحال، ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد ملک بھر میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ خون کی ندیاں بہادی گئیں، مگر ان جماعتوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں میں خود اعتمادی بحال ہوئی۔

حضرت خواجہ نظامی اور انسداد ارتداد

اسی طرح اس صدی کے تیسرے دہے کے دوران شردھا نند نے مسلمانوں کو آریہ

بنانے یعنی مرتد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ تنہا خواجہ حسن نظامی علیہ الرحمۃ اس شُدھی تحریک کے خلاف کھڑے ہوگئے اور لاکھوں مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا۔ گاندھی جی نے اپنے ہاتھ سے اردو میں خط لکھا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنا دل بدل لیں، خواجہ صاحب نے جواب لکھا:

"میں جیسا تھا ویسا ہی ہوں، اگر اسلام کی خدمت کرنا اور ارتداد کے حملہ سے مسلمانوں کو بچانا تعصب ہے تو میرا یہ تعصب پیدائشی ہے۔ اگر خدا نخواستہ اس سے محروم ہو جاؤں تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ایمان کی نعمت مجھ سے چھین لی ہے"۔

خواجہ حسنِ نظامی خود حملہ نہیں کرتے تھے مسلمانوں کو سمجھاتے تھے کہ اسلام مت چھوڑو آریوں سے نہیں الجھتے۔ مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے خواجہ صاحب نے کروڑوں کی تعداد میں ہینڈبل، پوسٹر اور پمفلٹ شائع کئے۔ کاٹھیاواڑ میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا نام وزیر یہ تھا۔ والی ریاست نو مسلم راجپوت تھے جو ٹھاکر صاحب کہلاتے تھے وہ اور ان کے پانچ چھ لاکھ ہم قوم آریہ ہونے پر تُل گئے خواجہ صاحب فوراً پہونچ گئے اور ان سے فرمایا کہ ہمارے علاقے کے مسلم راجپوتوں نے تو آریوں کو یہ جواب دے کر ان کو مایوس کر دیا کہ "مسلمانوں کی تلوار سے بنیے نہیں ڈرے، چمار چوہڑے نہیں ڈرے مگر بہادر راجپوت ڈر گئے؟ اور تلوار کی ڈر سے مسلمان ہوگئے؟ یہ ہمارے باپ دادا کی توہین ہے! ہم تو بہادر ہیں اور ہم نے بہادروں کا دین قبول کیا ہے!"

دوسرا واقعہ متھرا کے اطراف و اکناف کا ہے، علماء نامدار ملکانہ کے راجپوتوں کو اسلام کی حقانیت کے دلائل دیتے دیتے تھک گئے تو خواجہ صاحب نے ان سے ایک فقرہ کہا، مجھے بتاؤ کہ کونسا دین سچا ہے؟ پکی نشانی والا یا کچی نشانی والا؟ دیہاتی مسلمان بولے۔ جی! سچو وہ جس کی نشانی پکی! تو خواجہ صاحب نے فرمایا سن لو! ہندو مت کی

نشانی چوٹی ہے اور اسلام کی نشانی ختنہ! چوٹی ہر آن کٹ سکتی ہے، ختنہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ دیہاتی اس دلیل کو مان گئے اور اسلام پر قائم رہے۔

اس طرح خواجہ صاحب نے انسداد ارتداد کی گاڑی تنہا ایسی مستعدی سے اور ایسی ہوشیاری سے چلائی کہ "شدھی" کی گاڑی ہار مان گئی اور شردھانند حضرت خواجہ صاحب کے مقابلہ میں ایک جگہ بھی کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ جزاہ اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء، چنانچہ حضرت اکبر الہ آبادی نے خواجہ صاحب کے بارے میں لکھا:

حسن نظامی کو میں نے دیکھا، شریف خصلت فقیر صورت
عمل ہے اپنے ہی عنصروں میں، اگر چہ دہلی کی ہے ذہانت

گاندھی جی اور مسلمان کانگریسی لیڈروں نے خواجہ صاحب کو خوب سمجھایا مگر خواجہ صاحب کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ میں نے حملہ نہیں کیا ہے، میں مدافعت کر رہا ہوں، کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ شردھانند مسلمانوں کو آریہ بناتا رہے اور میں ٹک ٹک بیٹھا دیکھا کروں۔ آپ شردھانند سے کہیئے کہ خیال خام سے باز آجائے اس کے باز آنے کے بعد میرا کام خود بخود ہو جائے گا (ملاحظہ ہو سوانح عمری حضرت خواجہ حسن نظامی از مُلّا واحدی)

حضرت محدّث دکن ایک عظیم المرتبت مجدّد

جب بد مذہبی کی وبا عام ہو کر ادھر اُدھر پھیلنے لگتی ہے، امت مسلمہ اسلام کی حقیقی راہوں سے ہٹ کر دوسری غلط راہوں پر چل پڑتی ہے، جب اللہ تعالی کے حقوق میں سستی پیدا ہونے لگتی ہے، بندوں کے حقوق پامال ہونے لگتے ہیں، طریقہ رسول اور سنّتِ نبوی علی صاحبھا الصلاۃ والسلام کے آثار اور نقوش مٹنے لگتے ہیں، ایسے وقت ضرورت ہوتی ہے کہ پرستارِ حق پیدا ہو اور احیائے سنّت اور تجدیدِ ملت کا پرچم لے کر کائنات پر چھا جائے۔ گم گشتگانِ راہ حقیقت کو ان کی صحیح راہ بتادے اور ایمان ویقین کے مٹتے ہوئے آثار و نقوش کو اپنے تجدیدی کارناموں سے اجاگر فرمادے۔

پچھلے اوراق میں مجدد کے عنوان پر صدر میں ہر صدی میں ایک مجدّد کی تشریف آوری کی بشارت پر حدیث شریف سنائی گئی۔ حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی تبحّر علمی، مہارت علوم اسلامیہ، مستحبات، سنن، واجبات اور فرائض کی پابندی، دنیا سے بے رغبتی، عالی ہمتی، مسلمانوں کی یاوری، وراثت نبوی شریعت اور طریقت کی جامعیت، تقریر اور تحریر سے امت مسلمہ کی خدمت، اور خصوصاً فن حدیث میں زجاجۃ المصابیح جیسی ضخیم کتاب کی تالیف جس نے ہند، سندھ، افغانستان، عراق وحجاز اور انگلستان کے علماء سے عقیدت کے کلمات نذر حاصل کئے جن کو قارئین کرام نے سنا ہے ان سارے مناقب اور فضائل کی روشنی میں کیا یہ عرض کرنا غلط ہے کہ حضرت محدّث دکن حقیقت میں اور دیگر مجدّدین کے دوش بدوش اپنے صدی کے ایک عظیم المرتبت مجدد ہیں۔ یقینا آپ مجدد ہیں ۱۲۹۲ھ میں سادات حسینی کے مقدس گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ کے علماء سے استفادہ کے بعد پروان چڑھے اور علوم نبوت کے سرتاج ہوکر منصب ولایت اور طریقت کو عزت بخشی اور چودھویں صدی میں اپنی تصانیف سے علوم کے دریا بہادیئے یہاں تک کہ عرب اور عجم نے سر عقیدت جھکا دیا۔ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہ عاجز (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) حضرت مخدوم مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ اور والد ماجد علیہ الرحمۃ کی منقبت میں جو اشعار شجرۂ منظومہ میں لکھے ہیں عرض کرتا ہے کیوں کہ وہ اشعار اس عاجز کے پیرو مرشد پر بھی صد فی صد منطبق ہوتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

حضرت محدث دکن کی منقبت میں چند اشعار

وہ عبد اللہ شہ قطب عالی گہر　　مجدد تھے از قرن رابع عشر
ہوا ان سے روشن طریق صفا　　ہوئی ان سے آباد راہ رضا
بنے ان کی صحبت سے صدہا ولی　　مرے پیر و مرشد وہی ہیں وہی

کرم ہے خدا کا کہ مرشد ملا　　وہ مرشد بھی ایسا کہ صلّ علا
وہ حسنِ مجسم وہ شمسِ کمال　　وہ بستانِ حیدر کا ہے نونہال
وہ باغِ مجدد کا شیریں ثمر　　لطافت میں بہ از نسیم سحر
وہ گلزارِ عرفاں کا سرو بلند　　زمانہ میں اپنے وہی ارجمند
بہ ظاہر شریعت سے آراستہ　　بہ باطن طریقت سے پیراستہ
رضائے خدا کے طلب گار تھے　　وہ دل سے نبی کے پرستار تھے
زسر تا قدم غرق دریائے نور　　ہمہ وقت در ذکر و فکر وحضور

حضرت محدّث دکن کی تجدیدی حیثیت پر ہندوستان کے نامور علماء نے اپنی مہر توثیق ثبت کی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں مدیر الفرقان (لکھنو) مولانا منظور نعمانی حیدر آباد تشریف لائے تو ملاقات فرمائی اور زجاجۃ المصابیح کی تالیف کی قدردانی کا اظہار فرماتے ہوئے یوں فرمایا۔ "حضرت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قصر میں ایک اینٹ رہ گئی تھی الحمد للہ! آپ نے وہ رکھ دی ہے" یعنی زجاجۃ کی تصنیف سے حدیث شریف کا یہ قصر مکمل ہوا، حضرت محدث دکن نے مولانا منظور نعمانی سے زجاجۃ کے بارے میں یہ سنا تو آنسو سے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرمالیں" مولانا منظور نعمانی نے جب یہ سنا کہ یہ عاجز (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) زجاجۃ کی طباعت میں حضرت محدث دکن کا خادم ہے تو اس عاجز سے فرمایا: "اس کام کو سلوک سمجھ کر کرو" اس عاجز نے یہ بات حضرت پیرو مرشد کو بتائی تو فرمایا: "الحمد للہ"!

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر صدق لکھنو نے لکھا ہے "ایک ہزار برس سے حنفیوں کے ذمہ جو قرض تھا اس قرض کو اس حیدرآبادی فاضل نے ان سے بکدوش کیا ہے"۔

زجاجۃ المصابیح کا دوسرا ایڈیشن

زجاجۃ المصابیح کے استناد اور اس کی عالمگیر افادیت کے پیش نظر حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جانشینِ خانقاہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس اللہ سرہ کی تحریک پر کوئٹہ (پاکستان) کے ایک تاجر نے پہلے ایڈیشن کا زیراکس لے کر عمدہ زرد کاغذ پر اعلی معیار اور شایانِ شان تجلید کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع کر دیا اور پہلی اشاعت کے نایاب ہونے سے پہلے پھر یہ مبارک تالیف شائقین کے ہاتھوں میں پہونچ گئی ۔ جزا ہم اللہ عنا و عن الاحناف خیر الجزاء و احسنہ !

حضرت مہدی علیہ السلام اور زجاجۃ المصابیح

مراد آباد (یو پی ۔ انڈیا) کے ایک عظیم قائد جناب افتخار فریدی صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی تالیف جلیل زجاجۃ المصابیح کی افادیت اس زمانہ میں عام ہوگی جب کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا ۔ اس لئے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام اپنے کشف سے فروعات میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو اختیار فرمائیں گے ۔

حضرت محدّث دکن کے اس تجدیدی کارنامے اور مسجد علی آقا حسینی علم (حیدر آباد دکن) جو مسجد کے ساتھ ساتھ ایک خانقاہ بھی ہوگئی تھی جہاں تلاوت کلام پاک اور ذکر الہی کی محفلیں ، اور حدیث شریف کے مبارک کام کی مجلسیں سرگرم ہوا کرتی تھیں ۔ اس کے بارے میں ایک قصیدہ معمولی تبدیلی کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے ، اس قصیدہ کو مولانا محمد حسنی لکھنوی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کی شان میں لکھا تھا اور جس کا عنوان "ایک مردِ باخدا" ہے (ملاحظہ ہو احوال العارفین از حافظ غلام فرید)، یہ قصیدہ پیرو مرشد حضرت محدّث دکن پر من و عن صادق آتا ہے :

ایک مسجد ہے "علی آقا" شہر حیدر آباد میں — اور قدیمی پل اس سے ذرا سا دور ہے
حوض ہے مسجد کے کنارے مسجد کے سایہ تلے — ذاکروں کے ایک جہاں سے یہ جگہ آباد ہے
اس جہاں میں اللہ اللہ کرنے والے ہیں بسا — اس جہاں کا ذرہ ذرہ ذکر سے معمور ہے
ایک مردِ باخدا اللہ والوں کا امام — جو خدا کے خلق کی اصلاح پر مامور ہے
شاہ عبداللہ عالی مرتبت والا ہمم — جن کی ہستی مسند آرائے جہان نور ہے
جن کی صحبت سے یقین ہوتا ہے دل میں موجزن — زہد و تقوی جن کا عالم میں بہت مشہور ہے
ان کی مجلس میں جو بیٹھا تو ملا دل کو سکون — ان کی صحبت میں رہا جو، وہ بہت مسرور ہے
ان کی خدمت میں چلو تم ان کی صحبت میں رہو — گر تمہیں اصلاح باطن اپنی کچھ منظور ہے
مت کرو ضائع خدا را قیمتی لمحات کو — بجھ نہ جائے وہ کسی دم جو چراغ نور ہے
صبر و ہمت اور توکل ، فکر و ایثار و غنا — راہ حق پر چلنے والوں کا یہی دستور ہے
راہِ حق پر چلنے والے تیز کر اپنے قدم — شام تو ہونے لگی منزل ابھی کچھ دور ہے
تو جہانِ رنگ و بو کی ظلمتوں کا ہے شکار — اس جہاں کی فکر کر تو جو سراپا نور ہے
ہر دم و لحظہ تجھے اب فکرِ عقبی چاہئیے — جس پہ تکیہ ہے ترا ، وہ زندگی کافور ہے
کر عطا تو یا الہی دیدۂ عبرت نگاہ — رونقِ بزم جہاں سے چشم و دل مسحور ہے
خیر کر یارب بڑی ہے گردشِ لیل و نہار — تیرا بندہ بے سہارا ، بے بس و مجبور ہے

حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارنامے

اس عاجز نے (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) پچھلے اوراق میں گذشتہ صدی کے تجدیدی کارناموں کی ایک جھلک دکھائی ہے۔ بے حد ناسپاسی ہوگی اگر یہ عاجز حضرت مولانا احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں کا ایک جائزہ نہ لے بلکہ اگر حضرت کا تذکرہ اس باب میں نہ ہو تو یہ باب ناقص ہی رہے گا۔

ہزار آندھیاں اٹھیں انہیں بجھانے کو حریمِ کعبہ کے پھر بھی چراغ جلتے رہے

اسلام کے تین دور

اسلام پر تقریباً چودہ سو برس میں دو دور گزر چکے ہیں اور ایک طویل عرصہ سے وہ تیسرے دور سے گذر رہا ہے۔ پہلا دور کمالِ عروج اسلام کا تھا جو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" کے مطابق دور صحابہ، دور تابعین اور دور تبع تابعین ہے جس کو بہترین زمانہ فرمایا گیا۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوگیا جس میں مسلمانوں کا عروج اور زوال دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہ دور بھی الحمد للہ صدیوں تک چلتا رہا۔ اسلام دنیا میں پھیلتا بھی رہا اور مسلمان آپس میں لڑتا بھی رہا۔ اور اس سارے دور میں بداعتقادی پھولتی پھلتی رہی۔ یہ تیسرا دور جو مسلمانوں کے مستقل زوال کا دور ہے صدیوں سے چل رہا ہے۔ اور ہم سب اسی دور سے گذر رہے ہیں۔

فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

پچھلی امتوں میں بھی بننے اور بگڑنے کا مدار ہمیشہ ان کے عقائد کے بننے اور بگڑنے پر رہاہے اور اب بھی نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان کا بننا بگڑنا اس کی خوش اعتقادی اور بد اعتقادی پر موقوف ہے۔ یہ دعوی بلا دلیل نہیں، ربّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور آپ کی پیشانی میں نورِ

محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ودیعت فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی عظمت ملی کہ ربّ العالمین کا فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں

اس حقیقت کو علامہ زرقانی نے مواہب لدنیہ (۱/۶۳) میں کس خوبی سے ادا فرمایا ہے۔

لو ابصر الشیطان طلعة نورہ
فی وجہ آدم کان اول من سجد

(اگر شیطان نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چمک کو حضرت آدم علیہ السلام کے چہرہ انور میں دیکھ لیتا تو سجدہ کرنے والوں میں پہلا ہوتا)

اسی کو ایک فارسی شاعر ربانی نے ذیل کے شعر میں اس طرح ادا فرمایا ہے:

کے ملک کردے بہ پیش آدم خاکی سجود نور تو در وے نہ بودے گر ودیعت اے ہدی

(اے سراپا ہدایت! اگر آپ کا نور مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت نہ رکھا جاتا تو فرشتے آدمِ خاکی کو کب سجدہ کرتے)

ابلیس کیوں ملعون ہوا

سارے فرشتوں نے بلا تامل حضرت آدم کو سجدہ کیا مگر شیطان نے جو معلم الملکوت تھا سجدے سے انکار کیا۔ شیطان کا یہ فعل خدا کی نافرمانی اور ایک جلیل القدر نبی کی توہین کا مسئلہ تھا۔ اس پاداش میں اس کو بہ یک بینی و دوگوش جنّۃ الفردوس سے نکال باہر کیا گیا تو ابلیس توہین نبوی کی وجہ سے ملعون ہوا۔

یہ ابلیس لعین موحّد عابد پہلا جہنمی ہوا تو شرک کر کے نہیں بلکہ نبیّ اللہ کی توہین کر کے وہ جہنم کے لئے ابھی سے نامزد ہوگیا۔ اور سارے کافر، مشرک، مرتد اسی کے بہکانے سے واصلِ جہنم ہوں گے اور ان کا سردار وہی مدّعی توحید ہوگا جو توہینِ

سرکار نبوت کی پاداش میں واصل بہ جھنم ہوا ہے۔ قارئین کرام خوب یاد رکھیں کہ انبیاء کرام علیھم الصلاۃ والسلام کی توہین ایسا جرم عظیم ہے!

اسی توہین و بے اعتقادی کی وبا آج کل امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں پھیل رہی ہے اور اس بے اعتقادی کی وبا کو اُس دن سے قوت ملی جس دن سے نجدیوں نے ظلم و ستم، انگریزوں کی سازش اور مدد سے حجاز مقدس پر حکومت اور اقتدار کو سنبھالا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بخاری اور مسلم میں روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز دربار رب العزت میں دعا فرمارہے تھے۔

اللھم بارک لنافی شامنا، اللھم بارک لنافی یمننا۔ الخ

(اے اللہ! تو برکت دے ہمیں ہمارے ملک شام میں، اے اللہ تو برکت دے ہمیں ہمارے ملک یمن میں)۔

نجد فتنوں کی سرزمین ہے

بعض حاضر الوقت صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وفی نجدنا یعنی اس دعا خیر اور برکت میں نجد کو بھی شامل فرمالیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد سے نفرت اور بیزاری کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان

(اس جگہ یعنی نجد سے زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور وہیں سے شیطان کے سینگ ظاہر ہوں گے یعنی وہ نمودار ہوگا)۔

(بخاری و مسلم، مشکاۃ المصابیح۔ باب ذکر الیمن والشام، زجاجۃ المصابیح۔ باب ذکر الیمن والشام)

ترمذی شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی روایت

تذکرۂ حضرتِ محدّثِ دکن

موجود ہے۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر فقال ھاھنا ارض الفتن واشار الی المشرق حیث یطلع قرن الشیطان (ترمذی)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے اٹھ کر منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے سرزمینِ فتنہ! یہیں سے شیطان ظاہر ہوگا۔ (ترمذی)

بخاری اور مسلم کی مذکورہ بالا روایتوں اور دیگر احادیث شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نجد سے فتنوں کا اٹھنا اور (دین میں) زلزلے آنا اور وہیں سے شیطان کا ظاہر ہونا وضاحت کے ساتھ ارشاد نبوی ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

کان یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابلیس فی صورۃ الشیخ النجدی

(ترجمہ) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کو اکثر شیخ نجدی کی صورت میں دیکھا کرتے تھے)۔

ابن عبدالوہاب کی تعلیمات

تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں حسب ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرن الشیطان کا وہاں سے ظہور ہوا۔ حرمین شریفین میں ابن عبدالوہاب اور اس کے گروہ کے نادر شاہی قتلِ عام نے نجد کو تاریخ میں روشناس کروایا۔ ابن عبدالوہاب کی تعلیمات کا خلاصہ توہینِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ابن عبدالوہاب کی ذہنیت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس کی کتاب التوحید سے دو ایک عبارتیں بطور نمونہ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

"اما السابقون فاللات والعزی والسواع. واما اللہ حقون فمحمدا وعلیا و

عبدالقادر والکل سواء"

(اگلے کافر (کفار مکہ) لات و عزیٰ اور سواع (یہ تینوں نام بتوں کے ہیں) کو پوجتے تھے اور یہ پچھلے کافر (یعنی مسلمان) محمد، علی اور عبدالقادر کو پوجتے ہیں اور یہ سب برابر ہیں۔

اس کے پیرو بھی یہی کہتے تھے:

"عصای ھذا خیر من محمد لانھا ینتفع بھا فی قتل الحیۃ ونحوھا و محمد قد مات و لم یبق فیہ نفع اصلا"

(میری یہ لکڑی بہتر ہے (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس لئے کہ یہ سانپ مارنے میں کام آتی ہے اس کے اور بھی کام ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وفات پاگئے ان سے کوئی نفع نہ رہا)۔

یہ اور بھی کہتا تھا:

انما ھو طارش وقد مضی (ترجمہ) وہ ڈاکیہ جیسے تھے اور گزر بھی گئے (معاذ اللہ)

تقویۃ الایمان اور اہانت انبیاء

یہ تو کتاب التوحید کے چند نمونے تھے اب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے بھی چند نمونے ملاحظہ ہوں:

ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا خدا کے آگے چوڑھے چمار سے زیادہ، ذلیل ہے، ایک اور جگہ یوں کہا ہے۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے، سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں"

یہ ان کی توحید کی جھلکیاں ہیں۔ اور خداوند عالم کا فرمان قرآن پاک میں ملاحظہ فرمایئے۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون (اللہ تعالی اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے عزت ہے لیکن منافق لوگ نہیں جانتے)

یہ ہے نجدیوں، وہابیوں، غیر مقلدوں اور مودودیوں کے پاس اسلام کی نشاۃ ثانیۃ!

قرآن پاک اور تعظیم انبیاء

اللہ تعالی تو اپنے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں یوں ارشاد فرمائیں:

و جعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا (سورۃ الانبیاء آیت ۷۳)

اور ہم نے ان کو (لوگوں کا) امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے (لوگوں کی) رہبری فرماتے تھے (یعنی ایسے کامل تھے کہ دوسروں کی تکمیل بھی کرتے تھے)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کی شان میں یوں فرمایا:

ورفعنا لک ذکرک (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا)

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت پاک کی شرح یوں فرماتے ہیں "یعنی پیغمبروں میں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے"

حدیث شریف میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل سے اس آیت کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالی فرماتا ہے:

آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے، حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے آپ کا ذکر دنیا اور آخرت میں بلند کیا ہر خطیب ہر تشہد پڑھنے والا اشھدان لا الہ اللہ کے ساتھ اشھدان محمدا رسول اللہ کا اعلان کرتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا ہے۔

اب رہا اولیاء اللہ کی شان میں رب العزت کا ارشاد ہے:

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورہ یونس آیت ۶۳)

(سن لو، بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم)

قرآن پاک اور اولیاء کی تعظیم

اور رب العزت اپنے اولیاء کرام علیھم الرحمہ کے بارے میں یہ بھی فرمائیں:

لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرہ (سورہ یونس آیت ۶۴)

(انھیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی)۔

لا تبدیل لکلمات اللہ۔ ذٰلک ھو الفوز العظیم (ایضا ۶۴)

(بدلتی نہیں اللہ کی باتیں، یہی ہے بڑی کامیابی (سورہ یونس ۶۴)

بُشری (خوش خبری) کے بارے میں مفسّرین کرام نے بتایا ہے کہ وفات کے وقت اور قبر سے اٹھتے وقت فرشتے ان کی ولایت کی گواہی دیں گے اور صاحب قبر کی کامیابی پر بشارت، قبروں سے اٹھتے وقت جنت کا مژدہ اور رضاء الہی کی خوشخبری سنائیں گے۔یہ تھیں چند باتیں جو انبیاء کرام علیھم السلام اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام علیھم الرحمۃ کی تعریف اور منقبت میں خالق کائنات نے فرمائیں اور پھر اوپر ابن عبدالوہاب اور مولوی اسماعیل دہلوی کی ان مقدّس ہستیوں کے بارے میں یاوہ گوئی پر غور کریں اور بتائیں کہ ایسا کہنا کس حد تک درست ہے اور کیا ایسے گمراہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرسکتے ہیں؟ آخر میں تاریخ اسلام کے اس عظیم المیہ اور فتنہ کو واضح کرتا چلوں

حضرت عمر نے حضرت ابو موسی اشعری کے نصرانی کاتب کو معزول کروایا

(سورہ مائدہ آیت نمبر ۵۱) میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین اٰمنو الا تتخذو االیھو دو النصاری اولیاء

(اے ایمان والو! یہود اور نصاری کو دوست نہ بناؤ)

اس آیت کی توضیح میں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسی اشعریؓ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو موسی اشعری بصرہ کے گورنر ہیں اور آپ کا کاتب

نصرانی تھا حضرت امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا کہ تم کو نصرانی سے کیا واسطہ؟ کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی۔ یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود۔ الآیہ۔ انہوں نے عرض کیا اس کا دین اس کے ساتھ مجھے تو اس کی کتابت (یعنی دفتریت اور حساب دانی) سے غرض ہے۔ اس کے بغیر بصرہ کی حکومت کا کام چلانا دشوار ہے! یہ سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا اگر وہ مر جائے تو کیا کروگے؟ اُس وقت جو انتظام کروگے وہی اب کرو اور اس سے ہرگز کام نہ لو یہ آخری بات ہے! (تفسیر خازن) اس آیت کی روشنی میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو موسی اشعریؓ کو ہدایت کی روشنی کے خلاف ۱۹۹۱ء میں نجدی حکومت نے امریکہ کو جزیرۃ العرب میں بسا دیا اور انہی کے اشاروں پر نجدی حکومت کا نظم و نسق جاری ہے جس کی وجہ سے عرب کی آمدنی کا بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون!

چودھویں صدی میں مسلمانان ہندو پاک کی حالت

الغرض چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانانِ پاک و ہند کے مذہبی، سیاسی، معاشی اور تمدنی حالات دگرگوں تھے۔ نئے نئے خیالات، نئے نئے تصورات، نئے نئے نظریات سامنے آرہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آجائے تو وہ اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں مگن ہو جانیسے بدرجہا برا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ... کوئی کہہ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بڑے بھائی کے برابر ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ خاتم النبین کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالی جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفلوں کو منعقد کرنا اور ان میں شریک ہونا جائز نہیں، خواہ شریعت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو ... کوئی کہہ رہا تھا کہ جیسا حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہے ، ایسا علم تو بچوں ، دیوانوں ، جانوروں اور درندوں کو حاصل ہے ۔ کسی نے قرآن پاک پر اعتراض کیا۔ کسی نے حدیث شریف پر اعتراض کیا۔ کسی نے ائمہ دین پر اعتراض کیا۔ کسی نے سلف صالحین پر اعتراض کیا۔ کسی نے صوفیاء کرام پر اعتراض کیا۔ کسی نے علماء حق پر اعتراض کیا۔ اور دل کی وہ زمین جہاں کبھی یقین و ایمان بسا کرتے تھے ، اب وہاں شکوک و شبہات بسیرا کرنے لگے ۔ یہ تھا اوائل چودھویں صدی کا مذہبی ماحول!

تہذیبی اور تمدنی حالات بھی اچھے نہ تھے ، کھدر کی تحریک چلا کر ایک طرف مسلمان پارچہ بافوں کی کمر توڑی گئی تو دوسری طرف کھدر کی گاندھی ٹوپی تیار کرا کے صافوں اور ترکی ٹوپیوں کی جگہ پہنائی گئی اور عمامے جن کو سیماء الملائکہ (فرشتوں کی علامات) فرمایا گیا اس سے امت کا ایک طبقہ دست کش ہوگیا اور آج اسی پر کاربند ہے ۔ کفار و مشرکین سے اتحاد کیا گیا۔ ان کو بھائی بنایا گیا۔ ان کو منبر رسول پر بٹھایا گیا ۔ ان کے لئے مسجدوں میں فاتحہ خوانی کی گئی ۔ گاندھی کو اپنا امام بنایا گیا جو ہندوؤں کا سب سے بڑا قائد اور رہبر تھا۔ دینِ اسلام کے لالے پڑ رہے تھے ۔ شعارِ دین پر دھاوے بولے جا رہے تھے ۔ اسلامی تہذیب اور تمدن کے نشان مٹائے جارہے تھے ۔

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارنامے

بہر حال اس ظلمت کو بدلنے کے لئے ملک کے مختلف گوشوں سے اللہ کے بندے کھڑے ہوگئے مگر ان ساری گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے بریلی سے ایک پیکر اخلاص اُٹھا، اُس نے عشق مصطفی کے ساتھ علم مصطفی کا بھی پرچار کیا۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے ان گستاخوں اور بے ادبوں کے منہ میں لگام دی ہے ۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا جہاں کے علوم قرآن میں ہیں ۔ اور قرآن سینہ مصطفی میں ، تو پھر سینہ مصطفی میں دنیا جہاں

کے علوم کیوں نہیں ۔ ان کے نزدیک علومِ ماکان و مایکون سے باخبری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا سب سے بڑا امتیاز ہے ۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ بھی مولانا احمد رضا کی تائید کرتے ہیں اور علوم غیبیہ کو نبوت کا امتیاز خاص قرار دیتے ہیں ۔ چنانچہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چشم او بر زشت و خوب کائنات
در نگاہ او غیوبِ کائنات

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے پیشِ نظر شریعت مصطفوی تھی ۔ دوست یا دشمن جس نے بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا انہوں نے سخت گرفت کی پوری قوت سے اس کی مزاحمت کی۔ آپ کے سامنے شخصیات نہیں بلکہ شریعت تھی۔ آپ نے شریعت کو پیمانہ بنایا۔ یہی آپ کی فکر ارجمند کا امتیاز خاص ہے ۔

مولانا احمد رضا کو یہ شکایت تھی کہ ان کے مخالفین حضور صلی اللہ وآلہ وسلم کی جناب میں گستاخیاں کیوں کرتے ہیں ۔ مخالفین کی یہ شکایت تھی کہ مولانا احمد رضا ان کو اور ان کے اکابر کو برا کیوں کہتے ہیں ؟ یہیں سے دونوں کے افکار کی بلندیوں اور پستیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

مولانا احمد رضا خان اور سیاسیات

مولانا احمد رضا نے اپنے نور بصیرت سے سیاست میں بھی تجدیدی کارنامہ انجام دیا ۔ تحریک خلافت خالص اسلامی تحریک تھی ۔ مگر جب اس تحریک میں ہندو اکثریت بلکہ گاندھی کو امام بنایا گیا تو پھر آپ نے للکار کہا کہ یہ اسلامی تحریک نہیں ہے یہ اسلامی تحریک نہیں یہ تحریک سوراج ہے جو حقیقت میں ہندوؤں کی آزادی اور مسلمانوں کی غلامی کی تحریک ہے، مولانا ظفر علی خان لاہوری نے گاندھی کی اسلام دشمنی کا پردہ چاک کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں — اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا چلتا چکّر ہے — اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے

آپ نے دو قومی نظریہ کا نعرہ اس وقت بلند کیا جب علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح بھی ایک قومی نظریے کے دل و جان سے قائل تھے۔ آپ کی آواز پاک و ہند میں گونجی۔ اور یہ گونج دونوں کے کانوں میں پڑی، سیاسی تجربوں نے اور آنکھیں کھولیں۔ پھر یہ دونوں قائدین ایک قومی نظریے کے دلدل سے نکل کر دو قومی نظریے کی جنت میں آئے اور ایک جہان نو کی تعمیر کی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کسی مکتبِ فکر کے علماء نے بحیثیت مجموعی پاکستان کے لئے اتنا کام نہیں کیا جتنا مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے خلفاء، تلامذہ اور متبعین نے کیا ہے اور یہ اسی ذھنیت کی برکتیں تھیں جس کی تعمیر و تربیت میں مولانا نے برسوں صرف کئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں مولانا عبدالحامد بدایونی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، شاہ عارف اللہ قادری، علامہ ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالغفور ہزاروی، علامہ عبدالمصطفی ازہری، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی اور جن ہم مسلک مشائخ کرام نے تحریک پاکستان کی بھرپور جماعت کی ان میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری، پیر مانکی شریف، پیر زکوڑی شریف، پیر گولڑہ شریف، پیر جلال پور شریف، پیر سیال شریف، پیر تونسہ شریف، وغیرھم ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۲۷۷ "اندھیرے سے اجالے تک")

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ پر ایک الزام یہ ہے کہ ملت میں انتشار پیدا کیا اور تفرقہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ بات سرتا پا غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے قدیم عقائد اور افکار کو زندہ کیا اور ان کو زبان عطا کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل وطن کو شکست ہوئی انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی۔ اس نے دیکھا کہ قرآن کی محبت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق اور اہل اللہ اور اولیاء اللہ

سے محبت اور عقیدت مسلمانوں کی طاقت کا راز ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور صفات کو موضوعِ بحث بنا کر اس محبت اور عشق کو ضعیف کیا گیا۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالی کا عاجز بندہ بنا کر مسلمانوں کو ان سے روگرداں کیا گیا اور اس صف میں کھڑا کیا گیا جہاں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم سے انکار کیا تھا۔ ایسے فتوے لکھے گئے کہ علماء سابقین اور لاحقین سب کافر اور مشرک قرار پائے اور مسلمان کئی فرقوں میں بٹ گئے یہ سارے فرقے اور جماعتیں سب سعودی حکومت (جس کا باقاعدہ اعلان بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے دہے میں ہوا) اس کے بعد کی پیداوار ہیں۔

تھا جو نا خوب بہ تدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

بریلوی مکتب فکر صدیوں سے اہل السنت والجماعت کی فکرِ ارجمند ہے بلکہ بدعت تو وہابیت ہے

مولانا احمد رضا خان کے آفاقی پیغام کو بریلویت کے نام سے مشہور کر دیا گیا حالانکہ آپ اہل سنت کی علامت ہیں۔ دنیا میں لاکھوں کروڑوں ایسے سُنّی بستے ہیں جو بریلویت کی اصطلاح تک سے ناواقف ہیں مگر عقائد وہی رکھتے ہیں جن کی تبلیغ واشاعت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ نے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء عرب و عجم نے آپ کو چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی کے مجددین میں شمار کیا ہے۔

امیرِ ملت حضرت جماعت علی شاہ کے تجدیدی کارنامے

محدّث علی پوری حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۵۱ء) نے بھی ہند وپاک میں زندگی بھر تجدیدی کارنامے انجام دیئے ہیں (یہ پورا مواد "سیرت امیر ملت" سے ماخوذ ہے)

انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کی مذہبی حالت بے حد بُری تھی، ملک کے طول و

عرض میں یکساں گمراہی پھیلی ہوئی تھی ، دیہات کے مسلمان تو صرف برائے نام مسلمان تھے ، سکھ شاہی کے اثرات کی وجہ سے شمالی ہند اور خصوصا پنجاب میں مسلمانوں کا حال اور بھی ابتر تھا ۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے ساتھ اچھوتوں سے بدتر سلوک کرتے تھے ۔ سکھوں کی بربریت کا دور ختم ہوا تو انگریز آئے وہ تو ان سے زیادہ اسلام دشمن اور مسلم کش تھے انہوں نے معاندین اسلام کے کام کو اور آگے بڑھایا اپنے مفسدانہ عزائم کو نئی شکل دی ، اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے نئے نئے حربے ایجاد کئے ، جگہ جگہ اپنے پادریوں کو بھیجا تاکہ مسلمان صراط مستقیم سے بھٹک جائیں ۔ مسلمانوں میں حلال اور حرام کا امتیاز جاتا رہا ۔ الغرض اس پورے برصغیر میں دینِ متین کا چراغ ٹمٹاتا ہوا نظر آنے لگا دیہات میں مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کا پس خوردہ کھاتے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے ۔ دیہات میں مسجدیں منہدم کردی گئیں جو باقی تھیں وہ بھی ویران اور غیر آباد تھیں ۔ مسلمانوں کو ذبیحہ کی اجازت نہ تھی پشاور جیسے مسلم اکثریت والے شہر میں کتنی مسجدیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں مدتوں رہیں ، تاریخ شاہد ہے کہ دہلی کی جامع مسجد بھی مدتوں غیر مسلموں کے تصرف میں رہی۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ کوئی بندہ خدا اور مردِ باخدا میدانِ عمل میں اترے ، احیاءِ دین اور ترویجِ شریعت کا بیڑا اٹھائے ۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علیشاہ قدس سرہ توکل اور نصرت الٰہی کے بھروسے پر سرگرم عمل ہوگئے اور مدت العمر اس منصب عالی پر فائز رہ کر جفاکشی ، تن دہی اور ریاضت شاقہ کی وہ مثال قائم فرمائی جس کی نظیر انیسویں اور بیسویں صدی میں ملنی مشکل ہے ۔ آپ پیدل سفر فرماتے سب سے پہلے علی پور سیداں کی اصلاح فرمائی پھر آس پاس کے دیہات کی جانب توجہ کی پھر اپنے دائرہ عمل کو بڑھایا ۔ پنجاب کے بعد دہلی ، یوپی ، سی پی ، دکن اور مشرق و مغرب کے دورے کئے ، شہروں اور مضافات میں احیاءِ دین اور تجدیدِ

اسلام کے لئے ہر طرح کی صعوبتوں اور ریاضتوں کو برداشت کیا ۔ حضرت امیر ملت ان تبلیغی دوروں کے اخراجات خود اٹھاتے تھے ۔ عموما مسجدوں میں قیام فرماتے ۔ بسا اوقات مہینوں ان دوروں میں صرف ہو جاتے کبھی کبھی یہ مدت سال بھر اور اس سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی تھی آپ کے حالات پڑھنے اور سننے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ قطبِ ارشاد تھے ، سید تھے اور بلاشبہ اس صدی کے مجدّدین میں بھی تھے ۔

حضرت امیر ملت اور قیام پاکستان

حضرت امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب اُن صاحب بصیرت اور روشن ضمیر علماء اور پیرانِ طریقت میں ہیں جنہوں نے قیامِ پاکستان کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگادی اور برصغیر کے مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ مل گئی اب رہی یہ بات کہ پاکستان میں خود مسلمان باہم دست و گریباں ہیں تو یہ مسلمانوں کا اپنا قصور ہے معمارانِ پاکستان کی اس میں کیا کوتاہی ہے؟ اگر ماں باپ نے اپنے بیٹوں کے رہنے کے لئے ایک گھر تیار کروادیا اور ماں باپ کے انتقال کے بعد بیٹے اپنی بیہودگی سے اس کو فروخت کردیں اور جھونپڑیوں میں رہنے لگیں تو یہ ان کی اپنی نا اہلی ہے ۔ اس میں ماں باپ کا کیا قصور ہے ؟

روز نامہ نوائے وقت لاہور نے ۱۶ اپریل ۱۹۷۰ء کو اپنی " اشاعت ملی " میں ایک مقالہ " تحریک پاکستان کا نڈر مجاہد " کے عنوان سے شائع کیا تھا ۔ اس میں مقالہ نگار نے لکھا:

"حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب کی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر تحریک کو جو ہندوستان میں چلائی جاتی ، اس کا بغور مطالعہ فرماتے ۔ اور ایسی تحریکیں جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف یا مذھبی اور دینی لحاظ سے ان کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی تھیں آپ حکومت وقت کی پرواہ کئے بغیر ان کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے

تھے ۔ " تحریک شہید گنج " میں سکھوں اور انگریزوں کے خلاف ٹکر لے کر مسجدوں کی اہمیت اور حرمت کے احساس کا جذبہ مسلمانوں کے اندر پیدا کیا ، اور قوم نے انھیں " امیر ملت " کے خطاب سے نوازا ۔ " شدھی تحریک " (مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کے سیلاب کے آگے بند باندھے اور ہندوؤں کے زور کو توڑنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی ۔ شریعت مصطفوی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کو عام کرنے کے لئے آپ نے برصغیر پاک و ہند میں بے شمار دینی اور تبلیغی انجمنوں کی بنیادیں رکھیں تاکہ مسلمانوں میں دینی فکر کی اساس مضبوط ہوسکے جیسا کہ آج بھی کئی ایسی انجمنیں مثلاً انجمن خدام الصوفیہ اور انجمن اسلامیہ وغیرہ زندہ ہیں جن کی بنیاد آپ نے رکھی تھی " ۔

۱۹۴۰ء میں جب قرار داد لاہور پاس ہوئی تو آپ نے اس کی زبردست حمایت کی اور پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ایک سرگرم مبلغ کی حیثیت سے مسلمانانِ پاک و ہند کو بیدار کیا آپ مسلم لیگ کے زبردست حامی تھے اور قائد اعظم کی مقبولیت کے لئے کام کرتے رہے ۔ پیر صاحب نے اپنے مریدوں سے کہہ رکھا تھا کہ میں اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا جس نے تحریکِ پاکستان میں کسی نہ کسی رنگ میں حصہ نہ لیا ہو ۔

حضرت امیرِ ملت کا قائد اعظم کے نام مکتوب اور تحائف

حضرت امیر ملت نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا :

" قوم نے مجھے امیرِ ملت مقرر کیا ہے اور پاکستان کے لئے جو کوشش آپ کر رہے ہیں ، وہ میرا کام ہے لیکن اب میں سو سال سے زیادہ عمر کا ضعیف و ناتواں شخص ہوں ۔ میرا بوجھ آپ پر پڑا ہے ۔ اس میں آپ کی امداد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں " تحفوں میں قرآن شریف ، تسبیح ، جانماز ، شال ، دھسّہ اور دوسری چیزیں شامل تھیں ۔ چند روز کے بعد جناح صاحب کا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا تھا :

" جب آپ جیسے بزرگوں کی دعاء میرے شامل حال ہے ، تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ آئیں میں اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا " ۔

قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے اسی خط میں یہ بھی لکھا :

" آپ نے قرآن شریف اس لئے عنایت فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں ۔ جب تک قرآن اور دین کا علم نہ ہو کیا لیڈری کر سکتا ہوں ؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا ۔ جانماز آپ نے اس لئے عطا کیا ہے کہ جب میں اللہ تعالی کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیوں مانے گی ؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھا کروں گا ۔ تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی ہے کہ میں اس پر درود شریف پڑھا کروں جو شخص اپنے پیغمبر پر اللہ تعالی کی رحمت طلب نہیں کرتا اس پر اللہ تعالی کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے ؟ میں اس اشارے کی بھی تعمیل کروں گا "

اس وقت حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کا قیام حیدر آباد دکن میں تھا قائد اعظم کے انگریزی خط کا مذکورہ بالا ترجمہ حضرت کو سنایا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا :

" میں حیدر آباد میں بیٹھا ہوں اور جناح صاحب بمبئی میں ہیں اتنے بُعد مسافت پر ان کو میرے مافی الضمیر کی کیسے خبر ہوگئی حالانکہ میں نے اس کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا ۔ بے شک جناح صاحب ولی اللہ ہیں "

اس موقع پر یہ عاجز اپنے شفیق استاذ حضرت مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ استاذ عربی جامعہ عثمانیہ کا قول بھی سنانا چاہتا ہے ۔ غالباً ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے قائد اعظم محمد علی جناح حیدر آباد تشریف لائے اور آرٹس کالج ، عثمانیہ یونی ورسٹی کے استقبالیہ ہال میں ایک جلسہ مقرر ہوا ۔ اس وقت یہ عاجز انٹر میڈیٹ کا طالب علم تھا ۔ حضرت مولانا سید ابراہیم علیہ الرحمہ قائد اعظم کے قریب تشریف فرما تھے اور

قائد اعظم کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ جلسہ جب ختم ہوا تو فرمایا۔

"محمد علی جناح تو اپنے چہرہ سے صاحب کشف مؤمن معلوم ہوتا ہے"

مذکورہ بالا روداد سے یہ احقر اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہے کہ الحمد للہ ہمارے پیرانِ طریقت نے ہر زمانہ میں ملت محمدیہ۔ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام کی ہمہ جہتی خدمت کی ہے۔ خواہ وہ دینی ہو، یا معاشرتی، ثقافتی ہو یا سیاسی۔ کاش اسلامیات کا کوئی محقق ہماری چودہ سو سالہ تاریخ کے اس باب کو ابتدائے اسلام سے لیکر عصر حاضر تک اپنی تحقیق کا موضوع بنائے! یہ قوم و ملت کی ایک عظیم خدمت ہوگی۔

اس مقالہ کے آخر میں قولِ فیصل کی طرح مولانائے روم کی مثنوی سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں تاکہ مولانائے روم کے دلنشین انداز سے موضوع پر روشنی پڑے۔

انبیاء کی بشریت پر مولانا روم کے فرمودات

اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود — نیک و بد در دیدِ شاں یکساں نمود

(بد نصیبوں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی، بھلا برا ان کو ایک سا معلوم ہوتا تھا)

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شد

(سارا جہاں اس سبب سے گمراہ ہوا کہ اولیاء اللہ کو بہت کم لوگ پہچان سکے)

ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

(انبیاء کرام سے برابری کا دعوی کیا۔ اولیاء کرام کو اپنا جیسا سمجھا)

گفت اینک مابشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

(انہوں نے کہا وہ بھی بشر ہیں ہم بھی بشر ہیں۔ ہم اور وہ سونے اور کھانے کے پابند ہیں)۔

گر ذیو ابلیس گفت ایں فرعِ طیں — چوں فزاید برمنِ آتش جبیں

(حضرت آدم کا خمیر دیکھ کر ابلیس نے انہیں مٹی کا بتایا۔ اور کہا کہ یہ مجھ آتش جبیں سے کیسے بڑھ جائے گا)

تا تو می بینی عزیزاں را بشر — دان کہ میراث بلیس است آں نظر

(جب تک تو عوام الناس جیسا) ان عزت والوں کو بشر جانتا ہے۔ تو جان لے کہ تیری یہ نظر ابلیس لعین کا ترکہ ہے)

گر نہ فرزندِ بلیسی اے عنید — پس بہ تو میراثِ آں سگ چوں رسید

(اے دشمن محبوبان خدا! اگر تو ابلیس کا فرزند نہیں ہے۔ تو اس کتے کی میراث تجھ تک کیسے پہنچی)

اس مقالہ کے آخر میں چند اہم باتیں جو ہمارے معاشرہ کو پریشان کر رہی ہیں اور اسی ابلیسی توحید کو سامنے رکھ کر امت کو ایک گمراہ اقلیت تذبذب میں ڈال رکھی ہے۔ یہ عاجز (اللہ تعالی اسے دارین میں عافیت سے رکھے) یہاں چند باتیں بیان کرنا چاہتا ہے۔ ان باتوں میں ایک اہم بات وسیلہ ہے۔ اس مقالہ میں یہ عاجز انگریزی مقالہ جو نشریات اہل السنۃ و الجماعۃ مسجد امام اوک لینڈ کیلیفورنیا ۱۹۹۳ء سے شائع کیا گیا ہے استفادہ کیا ہے۔ جزاہم اللہ عنا خیر الجزاء آمین!

توسل کا قرآن پاک سے ثبوت

واضح ہو کہ توسّل یا وسیلہ کا اختیار کرنا ربّ العزت کے فرمانِ عالیشان سے ثابت ہے۔ سورہ نساء کی آیت نمبر (۶۴) ملاحظہ ہو:

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللّٰہ توابا رحیما۔

(جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں پھر اللہ تعالی سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو وہ اللہ تعالی کو معاف فرمانے والا اور

مہربان پائیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تین روز بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور (فرط رنج و غم سے) مزار پُر انوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! آپ نے جو فرمایا ہم نے سنا اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں یہ آیت بھی ہے: ولوانھم اذ ظلموا الی آخرہا میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں آپ میرے گناہوں کی بخشش کروائیے فنودی من القبرانہ قد غفرلک (تو مرقد منور سے آواز آئی کہ تجھے بخشش دیا گیا (قرطبی، بحوالہ ضیاء القرآن ج ۱/ ۳۶۰)

اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے (۱) اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے (۲) قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جاءوک میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے (۳) بعد وفات مقبولان حق کو کلمہ (یا) کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے (۴) مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعاء سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ (۵) آیت صدر میں ظلم، ظالم، زمان اور مکان کسی قسم کی قید نہیں ہر قسم کا مجرم ہر زمانہ میں خواہ کسی قسم کا جرم کرے تمہارے آستانہ پر آجاوے۔ جاؤک میں یہ قید نہیں کہ مدینہ پاک میں ہی آئے بلکہ روضہ اقدس کی طرف توجہ کرنا یہ بھی بارگاہ شفیع المذنبین میں حاضری ہے اور اگر مدینہ پاک کی حاضری نصیب ہو جائے تو زہے نصیب!

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تکمیل الایمان میں راقم ہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو حضرات بحالت زندگی برکات دیا کرتے تھے وہ بعد از وفات بھی توسّل اور برکت دینے کی اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

فتاوی سیدی جمال مکی قدس سرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام شہاب رملی سے سوال ہوا کہ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنے کے لئے یا شیخ فلاں کہنا جائز ہے تو انہوں نے جواب دیا: الاستغاثۃ بالانبیاء والمرسلین والاولیاء الصالحین جائزۃ بعد موتھم (انبیاء و مرسلین اور اولیاء کرام سے ان کے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے)۔

شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جن کے اشعار کو بلا لحاظ مذہب و ملت تسلیم کیا جاتا ہے اولیاء کرام کی شان رفیع کا یوں ذکر کرتے ہیں:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی — بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

ایک اور جگہ یوں للکارا ہے:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں — کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا

حدیث نبوی سے توسّل کا جواز

خطیب تبریزی نے مشکاۃ المصابیح کے باب فضل الفقراء میں حضرت عبداللہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ کان یستفتح بصعالیک المھاجرین رواہ البغوی فی شرح السنہ

(حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے (کفار اور مشرکین) پر نصرت اور کامیابی طلب کرتے تھے (بغوی در شرح السنۃ)

شیخی وسیدی حضرت محدّث دکن رحمہ اللہ علیہ نے بھی زجاجۃ المصابیح جلد چہارم میں اس حدیث کی روایت فرمائی ہے اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نے مکتوبات (ج ا ح ۲) کے ص ۲۳۲ میں بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کو وسیلہ بنانے کا عقیدہ خود سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے۔ اس عقیدہ کو شرک اور بدعت قرار دینا گمراہی

ہے۔ منکرینِ وسیلہ غور کریں (ابوالخیرات عفی عنہ)۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۹ میں رب العزت کا فرمان عالیشان ہے

وکانو امن قبل یستفتحون علی الذین کفروا

اور وہ (یعنی اہل کتاب) اس سے پہلے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) فتح طلب کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفار و مشرکین سے ان کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہو چکتے تو اس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وہ مقام کھول کر جہاں سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کی صفات و کمالات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دعاء کرتے۔

اللھم انا نسالک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون (روح المعانی اور قرطبی)

(الہی۔ ہم تجھے تیرے اس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جن کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں دشمنوں پر فتح دے تو اللہ تعالی انھیں فتح دیتا (روح المعانی، قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار مدینہ سرور قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا سنت قدیمہ ہے اور اس کا منکر گویا یہود و نصاری سے بدتر ہے (اعاذنا اللہ منھم)

اس سلسلہ میں نسائی اور ترمذی کی ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ اس حدیث کو دیگر محدثین کے علاوہ ابن تیمیہ اور ابن القیم نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔

ان رجلا ضریرا اتی النبی صلی اللہ وآلہ وسلم فقال ادع اللہ لی ان یعافینی قال ان

شئت دعوت و ان شئت صبرت و ھو خیر لک؛ قال . فادعہ فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یتوضا فیحسن وضوء ہ ویدعو بھذا الدعاء: اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بنبیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد! انی اتوجہ بک الی ربی فی قضاء حاجتی لتقضی لی؛ اللھم شفعہ فیّ. فقام وقد ابصر.

(ترجمہ) ایک نابینا صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ آپ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالی مجھے شفا دیدے۔ (یہ سن کر) آپ نے فرمایا تم چاہو تو میں دعاء کروں اور چاہو تو تم صبر کرو اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے انہوں نے جواب دیا۔ آپ دعاء ہی فرما دیں؛ حضور نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں اور اچھی طرح سے وضوء کریں اور اسطرح سے دعاء کریں: الہی! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کے نبی ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبی رحمت ہیں ان کے وسیلہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوں؛ اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں اپنی حاجت براری کے لئے تاکہ میری حاجت پوری ہوجائے الہی میرے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرمالیجئے، جوں ہی انہوں نے یہ دعاء کی وہ بینا ہوگئے۔

اس حدیث شریف میں حضور نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم کا جو وسیلہ لیا گیا اور جس کی سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی درحقیقت قرآن پاک کی اس آیت (سورۃ المائدہ، ۳۵) وابتغوا الیہ الوسیلۃ (تم اللہ تک پہونچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرلو) کے حکم مطابق ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی بھی وسیلہ کے قائل ہیں

عربی زبان کی مستند ترین لغت (لسان العرب) میں ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الوسیلۃ فی الاصل مایتوصل بہ الی الشیئی و یتقرب بہ الیہ یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اسے وسیلہ کہتے

ہیں چنانچہ علامہ زمخشری کشاف میں کہتے ہیں والوسیلۃ کل ما یتقرب بہ ، ایمان ، نیک عمل ، عبادات ، پیروی سنت ، اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں ۔ اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے ، دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کرسکتا ہے ، کاملینِ امت نے ایسے مرشد کی تلاش میں ہزاروں کوس کی مسافت کو طے کیا ہے ۔ اور ان کی روحانی رہنمائی اور دستگیری سے آسمان معرفت و حکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں ۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے بیعت مرشد ہے (قول جمیل) اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی لکھنا پڑا ۔

" اہلِ سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک می فہمند ووسیلۂ مرشد را مے دانند ، پس تلاش مرشد بنا بر فلاحِ حقیقی و فوزِ تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست ، وسنت اللہ برہمیں منوال جاریست ، لہذا بدون مرشد راہ یابی نادر است (صراط مستقیم)

(ترجمہ) یعنی سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاشِ مرشد از بس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان راہ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے ۔ اسی لئے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے) ترجمہ ختم ہوا ۔ ۱۲

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شد

(حضرت رومی)

تخمِ دل ہرگز نہ روید از آب و گل بے نگاہے از خداوندانِ دل

دمِ عارف نسیم صبحدم ہے اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(علامہ اقبال)

ایصالِ ثواب مسنون ہے

وسیلہ پر اس مفصل بیان کے بعد ایصال ثواب پر بھی کچھ بیان ضروری ہے اس لئے کہ وہابی حضرات کے نزدیک ایصال ثواب کی محفل کا انعقاد سراسر بدعت ہے حالانکہ صحیح احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت موجود ہے ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ . رواہ مسلم و فی المشکاۃ و فی زجاجۃ المصابیح فی باب العلم ۔

(ترجمہ) جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے ۔ مگر تین کاموں کا (ثواب) برابر جاری رہتا ہے صدقہ جاریہ (جیسے اوقاف قائم کرنا ، مسجد اور کنویں بنانا) یا علم جس سے نفع حاصل ہو رہا ہو (جیسے کوئی کتاب لکھی یا قرآن کی تعلیم دی وغیرہ) یا صالح اولاد (جو مرنے کے بعد) اس کے لئے دعا کرے

صحیح مسلم شریف ہی میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے :

وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ یتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ و غشیتھم الرحمۃ و حفتھم الملائکۃ و ذکرھم فیمن عندہ . رواہ مسلم و فی المشکاۃ و زجاجۃ المصابیح فی باب العلم

ترجمہ (جب بھی لوگ خدا کے گھر میں جمع ہو جاتے ہیں اور کتاب اللہ کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں ان پر تسکین نازل ہوتی ہے ۔ اور رحمت خداوندی ان پر چھا جاتی ہے ، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتے ہیں (مسلم ، مشکاۃ ، زجاجۃ)

صدیوں سے مذکورہ احادیث شریفہ کی روشنی میں اہل السنت والجماعت کا معمول ہے

کہ جب کوئی عزیز یا دوست انتقال کر جائے تو ہم لوگ قرآن خوانی کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور پھر بعد قرآن خوانی مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کی جاتی ہے اور طعام ماحضر سے ضیافت کی جاتی ہے ایسے کاموں کو بدعت قرار دینا کس قدر بڑی گمراہی ہے۔

حضرت ابو نصر حموی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء) فرمایا کرتے کہ ایسے مواقع میں جو ہمارے معمولات ہیں سب شرعاً مطلوب ہیں ان کو بدعت کہنا کہاں تک روا ہوسکتا ہے مثلاً مسلمانوں کا اجتماع شرعاً مطلوب ہے۔ تلاوت قرآن بھی شرعاً مطلوب ہے۔ کھانا کھلانا بھی شرعاً مطلوب ہے اگر مطلوبات شرعی کو بدعت کہا جائے تو ہم یہ کہنے میں بجا ہیں کہ ایسی باتوں کو بدعت قرار دینے والے خود بدعتی ہیں! واللہ ھو الموفق للصواب۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مستطاب " الادب المفرد " جو اسلامی معاشرت پر احادیث شریفہ کا اعلیٰ ترین خزینہ ہے اس میں روایت فرمائی ہے کہ اہل جنت کے جنت میں درجے بلند کئے جاتے ہیں اہلِ جنت عرض کرتے ہیں الٰہی! ہمارے نیک اعمال تو منقطع ہو چکے ہیں پھر یہ ترقی درجات کیا ہے؟ تو ارشاد ہوتا ہے تمہارے لڑکے نے دعاء کی ہے اللھم اغفرلی ولوالدیّ وللمؤمنین والمؤمنات آمین۔

اس عاجز کے مربیّ اور استاذ حضرت مولانا ابو الوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایصال ثواب کے بارے میں ایک دیو بندی عالم سے فرمایا: آپ حضرات نے تو اس راستہ کو بند ہی کر دیا ہے کہ جب اس مسنون عمل کو اپنی عصبیت اور گروہ بندی کے پیش نظر آپ بدعت قرار دیں تو نادان عوام کیوں اس کام کو کریں؟ تو موصوف لاجواب ہو گئے نجدی اور وہابی اصحاب خود بدعت میں مبتلا ہیں اور اہل السنت و الجماعت کو بدعتی قرار دیتے ہیں چنانچہ نمازوں کے بعد خصوصاً سنتوں اور نوافل کے بعد کی دعاء کو " دعاء ثانی " کا نام دیکر بدعت قرار دیتے ہیں جو سراسر غلط ہے اسی

طرح دعاؤں کو اخفاء سے پڑھتے ہیں حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعاء بالجہر فرمایا کرتے تھے جس کی وجہ سے سینکڑوں ماثورہ دعائیں اس امت مرحومہ کو ملی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ حرمین شریفین میں کسی نماز کے بعد دعاء ہی نہیں کی جاتی حالانکہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الدعاء مخ العبادۃ (دعاء عبادت کا مغز ہے) بہر حال قدم قدم پر ہم کو ان اہل نجد کے زلزلے اور فتنے عقائد، عبادات اور معاملات میں ملتے ہیں! اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے ہمیں اور پوری امت کو محفوظ رکھے آمین بحرمۃ سید المرسلین!

پچھلے اوراق میں چند مسائل کی وضاحت بالا رادہ اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ ان باتوں کی دور حاضر میں شدید ترین ضرورت ہے علاوہ ازیں یہ مذکورہ تمام باتیں ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ کے عقائد اور اعمال کے مطابق تھیں۔

آثار مبارکہ سے حصولِ برکت کا قرآن پاک سے ثبوت

آخر میں وہابی اصحاب کی ایک اور کوتاہی کا ذکر کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ یہ اصحاب تبرکات کے بھی قائل نہیں حالانکہ قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ سورہ سیدنا یوسف آیت نمبر (۹۳) میں ارشاد ربیّ ہے:

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا۔ ترجمہ (میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈالو وہ بینا ہو جائیں گے)۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا جو منتقل ہوتا ہوا آپ تک پہونچا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بزرگوں کے تبرکات اور ان کے جسم سے چھوئی ہوئی چیزیں بیماریوں کی شفاء، دافع بلاء اور مشکل کشا ہوتی ہیں۔ اسی طرح مدینہ منورہ کی مٹی خاک شفاء ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ اس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک سے مس نصیب ہے۔

خاکِ طیبہ بیماریوں کے لئے شفاء ہے

بخاری شریف کی کتاب الطب ۔ باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِم المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے : ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یقول للمریض بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار پر اس طرح دعاء پڑھتے : اللہ تعالی کے نام سے ہماری زمین کی مٹی، ہمارے کسی کے لعاب کے ساتھ ہمارے بیمار کو شفاء بخشتی ہے ہمارے رب کے حکم سے) یہ حدیث مسلم، ابن ماجہ اور مسند امام احمد بھی ہے۔

اس کے علاوہ سورہ یوسف کی آیت نمبر ۹۶ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیماروں پر بزرگوں کے تبرکات ڈالنا، چھڑکنا سنت پیغمبری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردے کے کفن میں کلمہ شریف لکھ کر رکھنا یا پیر کی قمیص یا تہبند رکھنا درست ہے کیونکہ یہ تبرکات بڑی بڑی مشکل حل کردیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق عصائے مبارک کو حضرت ابن اُنیس کے ساتھ کفنایا گیا

مردے کے کفن میں کسی چیز کو بطور تبرک رکھنے کا ثبوت حضرت عبداللہ بن انیس رض کے واقعہ سے ملتا ہے کہ انہوں نے دشمن اسلام سفیان بن خالد ھذلی کو قتل کر کے اس کا سر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش فرمایا تو حضور نے ان کو ایک عصا مرحمت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا "تختصر بھذہ فی الجنہ" (اس عصا کے ساتھ تم کو جنت میں داخل ہونا ہے) یہ عصا حضرت ابن انیس رض کے ساتھ رہا اور جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ اس عصا کو ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ ان کو گھر والوں نے ایسا ہی کیا (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ۲/ ۳۹)

تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک اور واضح ثبوت تابوت سکینہ ہے

تابوت سکینہ میں کیا کیا آثار شریفہ موجود تھے، وہ اب کہاں ہے؟

سورہ بقرہ کی آیت نمبر (۲۴۸) ملاحظہ ہو:

وقال لھم نبیھم ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک آل موسی وآل ھرون تحملہ الملائکۃ ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین۔

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی (حضرت شموئیل علیہ السلام) نے فرمایا اس کی (یعنی حضرت طالوت کی بادشاہت کی) نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس (از خود) تابوت آجائے جس میں تمہارے رب کی طرف سے (دلوں کا) چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں بھی جن کو آل موسی اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں اور اس (صندوق) کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے بے شک اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

تابوت سکینہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توراۃ مع تبرکات انبیاء کرام محفوظ تھا۔ ان تبرکات میں حضرت موسی علیہ السلام کا عصا، آپ کے کپڑے اور نعلین شریف اور حضرت ہارون کا عمامہ شریف اور منّ کے کچھ ٹکڑے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی تھی۔ بنی اسرائیل اس کو بڑا مقدس سمجھتے، سفر و حضر، جنگ اور امن، ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے رکھتے۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق میں اس کا طول ڈھائی فٹ، عرض ڈیڑھ فٹ اور بلندی بھی ڈیڑھ فٹ تھی۔ تابوت کی واپسی کے بعد یہ تابوت حضرت سلیمان علیہ السلام (م ۳۳۹ ق.م) کے قبضہ میں رہا۔ اور بیت المقدس کی تعمیر کے بعد آپ نے اس کو ھیکل سلیمانی میں رکھ دیا تھا اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال ہے کہ یہ تابوت اب بھی ھیکل سلیمانی کی بنیادوں میں دفن ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی ص ۱۰۰)۔

کعبۃ اللہ میں مقام ابراہیم کی حفاظت ہزاروں برس سے کی گئی

تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک اور بیّن ثبوت سورۂ بقرہ کی آیت نمبر

(۱۲۵) ہے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی"۔ (اور مقام ابراھیم کو نماز کی جگہ بنالو)

واضح ہو کہ مقامِ ابراہیم وہ مبارک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی ہے۔ اور یہ پتھر خانہ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلہ پر اب بھی شیشہ کے بڑے فانوس میں محفوظ ہے اور اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانِ قدم دکھائی دیتے ہیں حج کے موقع پر اس کے سامنے طواف کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الطواف پڑھی جاتی ہے۔ احناف اور مالکی حضرات کے پاس یہ نماز واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سنت ہے۔

آثارِ شریف کی تعظیم کا قرآن سے ثبوت

ان آیاتِ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ جس پتھر کو نبی کی قدم بوسی حاصل ہو جائے وہ باعظمت ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عبادت کے موقع پر غیر اللہ کی تعظیم درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تبرکات کی تعظیم نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

سطور بالا سے واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالی کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن، موئے مبارک تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے سر پر کپڑے کی ایک ٹوپی تھی جس میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک موئے مبارک رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالی اس کی برکت سے مجھے کامیاب اور کامران کرتا ہے۔

نجدیوں نے دلائل الخیرات کی اجازت بند کر دی

نجدیوں نے اپنی حکومت کے زور سے جہاں کئی اور اسلامی شعائر اور دینی کاموں کو بند کیا ہے ان میں ایک دلائل الخیرات کی اجازت کی مسدودی ہے۔ دلائل الخیرات حضرت عارف باللہ ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی الحسینی الشاذلی المراکشی رحمہ اللہ (م ۸۷۰ھ) کی مبارک تالیف ہے۔ حضرت جزولی قدس سرہ نویں صدی ہجری کے نامور محدّث، فقیہ اور مفسّر ہیں آپ کے شاگرد بیس ہزار سے زیادہ تھے جنہوں نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے، اس مبارک کتاب میں جو درود شریف ہیں علامہ جزولی نے وہ سب احادیث شریفہ سے جمع فرمائے ہیں سنہ تالیف سے لے کر آج تک اقصائے عالم میں ہزاروں مسلمان اس مبارک کتاب کو بطور وظیفہ پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی بھی اس کے عامل تھے۔ ہمارے حضرت محدّث دکن قدس سرہ بحالت اعتکاف رمضان المبارک کے آخری دہے میں قراءت سماعت کے بعد اس کی اجازت دیا کرتے تھے جو آپ نے بدورانِ قیام مدینہ شیخ الدلائل مدینہ منورہ سے حاصل فرمائی تھی اور الحمد للہ ہمارے تمام برادرانِ طریقت اور ان کے وابستگان اس پر عامل ہیں آہ! صد آہ! ایسی مبارک کتاب جس کو دنیا بھر کے عالی مقام بزرگانِ دین پڑھتے ہیں اب اس کی اجازت حرمین شریفین میں بند کر دی گئی۔

درود شریف کی فضیلت

درود شریف کی عظمت پر قرآنِ پاک ناطق ہے۔ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے (سورۃ الاحزاب آیت ۵۶) : **ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔**

(بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی کریم پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب اور محبت سے) سلام (بھی) عرض کیا کرو)۔

اس آیت کریمہ کی جلالت شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لئے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے ۔ آیت شریفہ میں عمل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں : (۱) اللہ تعالی (۲) فرشتے (۳) اہل ایمان

اللہ تعالی کے صلاۃ پڑھنے کی وضاحت

امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب صلاۃ کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے حبیب کی تعریف و ثناء کرتا ہے اھ علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کے درود بھیجنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے حبیب کے ذکر کو بلند کر کے ، آپ کے دین کو غلبہ دے کر اور آپ کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کر اس دنیا میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور شان بڑھاتا ہے ۔ اور روز محشر امت کے لئے حضور کی شفاعت قبول فرماکر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا فرماکر اور مقام محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین میں حضور کی عظمت کو نمایاں کرکے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرمائے گا ۔

فرشتوں کے صلاۃ پڑھنے سے کیا مراد ہے

صلوۃ (درود) کی نسبت جب فرشتوں کی طرف ہو تو صلواۃ کے معنی دعاء کے بھی ہیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لئے دست بدعاء ہیں ۔ صدر کی آیت پر ترکیب نحوی کے اعتبار سے غور کرنے پر معلوم ہوتاہے یہ جملہ اسمیہ ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے ۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدّد اور حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالی ہمیشہ ، ہردم ، ہرگھڑی اپنے نبیّ مکرم پر اپنی رحمتیں نازل

فرماتا رہتا ہے اور آپ کی شان کو بلند فرماتا رہتا ہے اور فرشتے بھی آپ کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں عراقی نے کیا خوب کہا ہے

ثنائے زلف و رخسار تو اے ماہ ملائک ورد صبح و شام کردند

(اے رسالت کے ماہ منیر اور بدر کامل آپ کی زلف عنبریں اور رخسار روشن کی تعریف صبح اور شام فرشتوں کا ورد اور وظیفہ ہے)۔

اہل ایمان کے صلاۃ بھیجنے کا مفہوم

جب اللہ تعالی اپنے حبیب پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے آپ کی ثناء گستری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور آپ کی رفعت شان کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں تو اے اہل ایمان تم بھی میرے حبیب کی رفعت شان کے لئے دعائیں مانگا کرو ۔ علامہ ابن منظور " صلواۃ " کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مؤمن بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے ۔ **اللھم صلّ علی سیدنا محمد نمعناہ عظّمہ فی الدنیا باعلاءذکرہ و اظہار دعوتہ و ابقاء شریعتہ و فی الآخرہ بتشفیعہ فی امتہ و تضعیف اجرہ و مثوبتہ** (یعنی الٰہی! دنیا میں اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرماکر ، آپ کے دین کو غالب فرماکر اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر اور آخرت میں آپ کی شفاعت قبول فرماکر اور اجر و ثواب کو کئی گنا کر دے)۔

درود میں اللھم صلّ میں کیا راز پوشیدہ ہے

ربّ العزت نے ہمیں صلواۃ بھیجنے کا حکم دیا لیکن ہم کماحقہ شان رسالت کو نہیں جانتے ہیں اور اس کا حق بھی ادا نہیں کرسکتے اس لئے اعتراف عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں ۔ اللھم صلّ ... الی آخرہ یعنی الٰہی تو ہی اپنے حبیب کی شان اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لئے تو ہی ہماری طرف سے اپنے حبیب پر ان کے شایان شان درود بھیج (یہ لسان العرب کے قول کا مفہوم ہے) اسی مضمون کو اردو زبان کے نامور شاعر علامہ غالب نے ذیل کے شعر میں بیان کیا ہے ۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

(غالب ہم خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کو خالق کونین کے سپرد کر دیتے ہیں اس لئے کہ ربّ العزت کی ذات عالی ہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کو جانتی ہے)

صدر کی آیت میں ہمیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صلواۃ وسلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بے شمار احادیث شریفہ میں درود شریف کی فضیلت وارد ہے ۔ صرف چند احادیث شریفہ یہاں تبرکاً بیان کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کرام کے دل میں اپنے رسول کریم ، ھادی اعظم، شفیع بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود کا تحفہ بھیجنے کا شوق پیدا ہو۔

۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ذکرت عندہ فلیصل علیّ و من صلی علیّ مرۃ واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشرا

(حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں بھیجیں گے)۔

۲) و عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما جلس قوم مجلسا و لم یذکروا اللہ فیہ و لم یصلوا علی نبیھم الا کان علیھم ترۃ یوم القیامہ ان شاء عذبھم و ان شاء غفر لھم

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھتے ہیں تو قیامت کے دن ایسی مجلس ان کے لئے وبال ہوگی چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو انکو بخش دے)۔

۳) و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علیّ نائیا ابلغتہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے اس درود کو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہونچا دیا جاتا ہے ۔ اس کی روایت بیھقی نے شعب الایمان میں کی ہے)۔

۴) و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام رواہ النسائی و الدارمی۔

(حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے چند سیاحت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو روئے زمین سے مجھے میری امت کے سلام کو پہونچاتے رہتے ہیں ۔ اس کی روایت نسائی اور دارمی نے کی ہے)۔

۵) و عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام رواہ ابو داؤد و البیھقی فی الدعوات الکبیر

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعامی میری روح مجھ پر لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں ۔ اس کی روایت ابو داود نے اور بیھقی نے دعوات کبیر کی ہے ۔

حیات النبی پر محدّثین کرام کی وضاحت

صدر کی اس آخری حدیث میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حضور پر سلام بھیجا جاتا ہے تو اللہ تعالی حضور کی روح کو سلام کا جواب دینے کے لئے لوٹا دیتے ہیں۔ جب یہ عاجز (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) دوران طباعت زجاجۃ المصابیح کے اس مقام پر پہونچا اور اپنے پیر و مرشد کو یہ حدیث سنائی تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت کو آپ کے استاذِ حدیث مولانا عبدالرحمن سہانپوری علیہ الرحمہ (مدفون خطۂ صالحین نام پلی، حیدر آباد) نے ان کے اپنے اساتذہ سے سلسلہ بہ سلسلہ یہ بات سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو جب دفن کیا گیا اور پہلی مرتبہ جب روحِ انور سلام کے جواب کے لئے لوٹائی گئی تو پھر واپس نہیں ہوئی کیوں کہ اللہ تعالی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پہونچانے کا اقطاع عالم سے ایسا پیہم تسلسل قائم فرمادیا ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی سلام اور جواب سلام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور یہی حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے (ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کا قول ختم ہوا)۔

درود شریف کے اس بیان کو تفسیر حسینی کی درج ذیل رباعی پر ختم کیا جاتا ہے:

یا سید الانام درودِ جناب تو
ورد زبان ماست مہ و سال و صبح و شام
نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم با درود
در دست ما ہمیں صلاتست و السلام

(اے مخلوق کے سردار، آپ کی بارگاہ میں درود شریف کا تحفہ ہمارے وردِ زبان ہے ہر مہینہ، ہرسال، بلکہ صبح اور شام یعنی ہمیشہ۔ درود شریف کے ساتھ ہم آپ کی بارگاہ عالی میں اور کیا تحفہ بھیجیں؟ ہمارے ہاتوں میں تو یہی صلاۃ اور سلام کا تحفہ ہے)۔

قیام بوقت سلام، حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی کا معمول تھا

وہابی حضرات جو مجلسِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام عرض کرنے کو ناجائز اور بریلویت کی ایجاد سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ آج سے چار سو برس پہلے کا معمول ہے جو اہل السنت و الجماعت کا ہاں رائج تھا اور اس کو نجدی اور وہابی حضرات ناجائز قراد دیتے ہیں چنانچہ شاہ عبدالحق محدّث دہلوی قدّس سرہ نے اپنی نامور کتاب اخبار الاخیار کے ص ۶۲۴ پر کھڑے ہوکر سلام بحضور بارگاہ خیر الانام پیش کرنے پر بڑا عمدہ مضمون مرحمت فرمایا ہے:

"اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال فسادِ نیت کا شکار ہیں۔ البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض آپ ہی کی عنایت سے اس قابل اور لائق التفات ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر کھڑے ہوکر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی و انکساری، محبت اور خلوص کے ساتھ تیرے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہوں اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقینا تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعہ سے دعاء کرے وہ کبھی ردّ نہیں ہوگی (اخبار الاخیار ۶۲۴ مطبوعہ کراچی)۔

اہم تنبیہ

اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء) کا یہ قول فیصل قارئین کرام کو سنادوں:

" انگریزوں کے ہندوستان پر اقتدار کے بعد بد قسمتی سے
مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے۔ دیو بندی اور بریلوی اور دونوں
میں غلو ہے"۔

اس کے بعد مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی مدظلہ کی کتاب " حیات شاہ محمد اسحاق محدّث دہلوی" سے ایک متوازن مضمون سنا کر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں:

"ہمارے یہاں عرصہ سے ہو یہ رہا ہے کہ دین و سیاست ہو یا علم و ادب، زندگی کے ہر شعبہ میں خانے بنائے گئے ہیں، خطوط کھینچ کر ان خانوں کی تحدید کرلی گئی ہے اور اب ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ان فقہی، کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کلیتاً اتفاق کرے یا کلیتاً اختلاف اور ان خانوں میں سے کسی ایک خانہ میں خطوط سے بہت دور ہٹ کر دامن سمیٹ کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے بھی سوچنے کا عادی ہے، مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے۔ اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک گروہ سے عموی اور دوامی وابستگی ضروری نہیں سمجھتا اور ان خانون کے حدود کا شدت سے پابند نہیں ہے، کسی مسئلہ میں خط کے اس پار والوں سے بھی متفق ہوسکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں کے "مکینوں" کی نظر میں اجنبی اور مشتبہ ٹھہرتا ہے کہ ہر مسئلہ میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ گروہ کا صد فی صد وفادار کیوں نہیں ہے؟ دوسری جماعت اور گروہ کو شرِ محض کیوں نہیں سمجھتا؟ اس کی رائے کے ساتھ اس کی نیت میں بھی اسے کلام کیوں نہیں ہے؟ بعض مسائل میں اس سے متفق کیوں ہے؟ افکار کے ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے مسلک میں ناروا کیوں ہے؟ جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا" (مذکورہ کتاب ص ۱۶، ۱۷)

اس تنبیہ سے مقصد یہ ہے کہ برادران اسلام اپنے اندر قوت برداشت پیدا کریں اندھا دھند کفر اور نفاق کے فتوے صادر نہ کریں اور حضرت مولانا روم قدس سرہ

کے اس شعر کو یاد رکھیں:

تو برائے وصل کرون آمدی　　نے برائے فصل کردن آمدی

حضرت محدّث دکن کے بعض مشہور کرامات

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت محدّث دکن قدس سرہ کو شریعت اور طریقت دونوں کی دولت نصیب ہوئی۔ جس طرح آپ علوم ظاہری میں تبحّر رکھتے تھے اسی طرح طریقت میں آپ اپنے زمانے کے راہبر اور امام تھے۔ شریعت غراء (روشن) محمدی کا مبارک دامن اپنے ہاتھوں سے تھامے ہوئے راہ سلوک ایسے شاندار انداز میں طے فرمائی کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ گئے۔ ایک طرف شریعت کے آئین و دستور کا حد درجہ ادب اور احترام ہے تو دوسری طرف طریقت میں بے انتہا احتیاط اور پاس ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سندان باختن

بزم محدّث دکن میں شریعت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور معرفت کا پر کیف جام بھی پلایا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! حضرت محدث دکن کی حیات طیبہ میں ظاہر اور باطن کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ عارف رومی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اولیاء را ہست قدرت از الہ　　تیر جستہ باز گردانند ز راہ

(اولیاء اللہ کو اللہ تعالی کی طرف سے ایک طاقت ملتی ہے کہ وہ نکلے ہوئے تیر کو راستہ سے واپس لوٹا دیتے ہیں)

اس حقیقت کی روشنی میں بھی عظیم البرکت حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی ذات پاک شمع محفل کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ لیکن کسی بھی روشنی کو دیکھنے کے لئے ظاہری روشنی کی نہیں ایمان و یقین، محبت اور عقیدت کے نور کی ضرورت ہے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ایک شعر اور بھی ملاحظہ فرمالیں:

آنکھ والے تیرے جلووں کا تماشا دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

موضوع سخن پر آنے سے پہلے قارئین کرام کو بخاری شریف کی ایک حدیث جو زیرِ نظر عنوان سے متعلق ہے سنانے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔

مقام محبوبیت ربّ العزت کی دین ہے

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان الله تعالی قال من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب و ما تقرب الیّ عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیه و ما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و ان سألنی لا عطینه و لئن استعاذنی لا عیذنه و ما ترددت عن شئی انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت و انا اکره مساء ته و لا بدله منه. رواه البخاری و فی المشکاة للخطیب التبریزی و فی زجاجة المصابیح لابی الحسنات السید عبدالله شاه محدث الدکن الحیدر بادی الهندی فی باب ذکر الله عزو جل و التقرب الیه.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور میرا بندہ جس چیز کے ذریعہ مجھ سے نزدیکی حاصل کرتا ہے وہ چیز ہے جس کو میں نے اس پر فرض کیا ہے اور (بندہ کا یہی عمل) مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ (فرائض اور نوافل کے جمع کرنے کی وجہ سے) میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتاہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ

دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور جب وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرتا ہوں اس میں تردد اور توقف نہیں کرتا لیکن اس بندہ مؤمن کی روح قبض کرنے میں مجھے تردد اور تامل ہوتا ہے کہ وہ موت کو برا سمجھتا ہے حالانکہ جس چیز کو وہ برا سمجھتا ہے میں اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں چارہ نہیں۔

اس کی روایت بخاری نے کی ہے اور خطیب تبریزی نے مشکاۃ میں اور محدّث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نے زجاجۃ المصابیح میں " باب ذکر اللہ عزوجل والتقرّب الیہ "میں بیان کیا ہے۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالی کے ان مبارک بندوں یعنی اولیاء اللہ کے کانوں، ان کی آنکھوں اور ان کے باقی اعضاء میں غیر اللہ کا حصہ ہی نہیں رہ گیا۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو ہمیں پھر یہ کہنے دیجئے کہ یہ ایک عظیم مقام اور مرتبہ ہے اس کے مقابلہ میں سانپ یا درندے کی تسخیر، غیب سے روٹی کی عطاء، انگور کے گچھے کا حصول یا پانی کا گھونٹ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ جب مولائے کریم اپنے بندے کو محض اپنی نوازش سے ایسے بلند درجات عطافرمادیتے ہیں تو صحرا میں ایک روٹی یا چند گھونٹ پانی کیوں نہ عطا فرمائے گا۔

حضرت سلیمان السلام کے وزیر کی ایک کرامت کا قرآن سے ثبوت

اس حدیث قدسی کے بعد قرآنِ پاک کی آیت پاک کے حوالہ سے حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کے وزیر حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم کرامت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قال الذی عنده علم من الکتاب انا اتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک. فلما رآه

مستقراً عنده قال هذا من فضل ربی (سورۃ النمل آیت ۴۰) (ترجمہ) جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یعنی حضرت آصف بن برخیا نے) عرض کیا میں اسے (یعنی حضرت بلقیس کے تخت کو) آپ کے پل مارنے سے پہلے حاضر کردوں گا پھر جب آپ (یعنی حضرت سلیمان) نے اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کی مہربانی سے ہے۔

تفصیل تو سورہ النمل آیت نمبر ۱۵ سے ۴۴ تک کی آیات میں ملاحظہ فرمائیں یہاں اتنا بتانا کافی ہے کہ جب ھُد ھُد نے یمن کی ملکہ حضرت بلقیس کے تخت کی خبر دی تو حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اس کے تخت کو یہاں ملک شام میں کون لائے گا تو ایک جنّ نے عرض کیا کہ میں آپ کے اجلاس کے ختم ہونے سے پہلے لاؤں گا وہ تخت اسی (۸۰) گز لمبا، چالیس گز چوڑا اور (۸۰) گز بلند تھا حضرت آصف بن برخیاء نے چشم زدن میں لاکر رکھ دیا۔

صدر کی آیت سے ولی کی قوت، ولی کی رفتار، ولی کا حاضر و ناظر ہونا معلوم ہوا کیوں کہ حضرت آصف بن برخیا کسی سے پوچھے بغیر ایسے وزنی تخت کو بغیر چھکڑے یا گاڑی کے آناً فاناً ہزاروں میل دور سے لا حاضر کردیا۔ یہ تخت حضرت آصف کی روحانی بشری قوت سے آیا۔ بنی اسرائیل کے ایک ولی کو اللہ تعالی نے ایسی طاقت دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولیاء کرام کی طاقت کا کیا حال ہوگا اور پھر خاتم النبین کو کیسی عظیم طاقت ملی ہے، کیا کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے دست و بازو کا
نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ایک اور جگہ علامہ علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ   غالب و کار آفریں، کارکشا کار ساز

کرامت اول

اس تمہید کے بعد حضرت محدث دکن کی چند مشہور کرامتیں درج ذیل کی جاتی ہیں:

۱۔ "نیکی گھر سے شروع ہوتی ہے" اس قول کے مطابق یہ عاجز سب سے پہلے ان کرامتوں کا ذکر کرتا ہے جو اس عاجز سے متعلق ہیں۔ یہ عاجز انٹر میڈیٹ کالج گلبرگہ شریف (کرناٹک) سے شعبہ دینیات کے برخاست ہو جانے کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی سے تخفیف کی زد میں آکر ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے سبکدوش کردیا گیا۔ اس دوران حضرت محدّث دکن کی عظیم تالیف زجاجۃ المصابیح (عربی) کی طباعت شروع ہوئی۔ حضرت قدس سرہ نے یاد فرمایا اور ارشاد ہوا: پہلے کاغذ پر کاتب کے لکھے ہوئے اجزاء کا مقابلہ، پھر کاپی کو پتھر پر ڈالنے کے بعد پروف کا مقابلہ ہوگا اس کے لئے تم کو میرے ساتھ کام کرنا ہے! یہ عاجز حیران ہے کہ شہر کے بڑے بڑے اہل علم کو چھوڑ کر نظر انتخاب اس نا تجربہ کار اور ایک یونی ورسٹی کے فارغ مرید پر کیوں پڑی، کہنے والے نے سچ کہا ہے:

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت داد اوست

اس فراغت کے زمانہ میں الحمد للہ دن کا بڑا حصہ ہمارے حضرت قدس سرہ کے ساتھ گذرتا۔ دفعتہً دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی فروری ۱۹۵۲ء میں مصحح کی خدمت پر بغیر درخواست اور سفارش کے تقرر کا مراسلہ پہونچا۔ اور اس خدمت پر وہی کام انجام دینا تھا جو اس فراغت کے زمانہ میں عاجز اپنے پیر و مرشد کے ساتھ کام انجام دیا کرتا تھا۔ درحقیقت یہ میرے پیر و مرشد کا تصرف اور کرامت تھی لیکن کیا ارشاد ہوا: دیکھو تم نے حدیث شریف کی جو خدمت کی ہے یہ ملازمت اسی کا صلہ ہے یہ عاجز اسی ملازمت سے ۱۹۶۰ء میں دوبارہ شعبۂ عربی میں بحیثیت لیکچرار مامور ہوا اور ترقی کرتے کرتے پروفیسر اور صدر شعبہ بنا اور ۱۹۸۴ء میں وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوا۔

والحمد للہ علی ذلک!

کرامت۔ دوم

۲۔ دوسری کرامت جو اس عاجز ہی سے متعلق ہے یہ ہے کہ ۱۹۸۶ء میں اس عاجز کو زبان عربی کی خدمات کے صلہ میں صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ عطا ہوا اور اعلان سے ایک ماہ قبل پیر و مرشد قدس سرہ نے اس عاجز کو عالم رؤیا میں خوش خبری دی اور دلیؔ یونیورسٹی کے پروفیسر عربی جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس ایوارڈ کی خوش خبری سناتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ " یہ آپ کے پیر و مرشد کا تصرف ہے " ورنہ کہاں یہ دور افتادہ دکن کا رہنے والے اور کہاں دلیؔ کی وزارت تعلیم کا فیصلہ، سچ ہے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی رہ گئی ۱۹۵۲ء میں اس عاجز کو دائرۃ المعارف میں تقرر کے مراسلہ سے صرف ایک دن پہلے حکومت عدن کی طرف سے اس کے دارالحکومت مکلّہ سے نظارتِ تعلیم پر چھ سو روپیہ سکہ کلدار کے مشاہدہ پر تقرر کا مراسلہ وصول ہوا۔ جب اس عاجز نے اپنے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا تو ارشاد ہوا۔ " میاں جاؤ، کیا کریں گے، یہاں تو کوئی سلسلۂ ملازمت نہیں " دوسرے دن پھر جب دائرۃ المعارف میں (۸۰ تا ۱۲۵) سکہ عثمانیہ پر تقرر کا مراسلہ موصول ہوا تو یہ عاجز پھر حاضر ہوا تو ارشاد ہوا " اب اس چھوٹے مشاہرہ کو چھوڑ کر بڑے مشاہرہ پر جانا لالچ ہے " بس اس عاجز نے اپنے ارشاد پیر کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے برکات کو زندگی بھر دیکھا اور اب بھی دیکھ رہا ہے والحمد للہ علی ذلک!

کرامت سوم

۳۔ تیسری کرامت بھی جو اس عاجز ہی سے متعلق یہ ہے کہ یہ عاجز بچپن سے کمزور رہا ہے اور کثرتِ مطالعہ اور دورانِ تعلیم سخت محنت کی وجہ سے کئی بیماریوں کا شکار

رہا۔ قبضِ معدہ دائمی تھا اور تالو میں اس شدت کا درد ہوتا تھا کہ جب درد زور پکڑتا تو فرش پر لیٹ جاتا اور اس بات کا انتظار کرتا کہ سر پھٹ جائے گا اور موت واقع ہو جائے گی مگر عظیم البرکت پیر کی خدمت میں شب و روز حاضری اور حضرت کے ساتھ آپ کی کتاب زجاجۃ المصابیح کی طباعت میں مشغولی نے ان ساری بیماریوں کو بغیر کسی یونانی یا انگریزی دواؤں کے کافور کر دیا اور الحمد للہ و ماشاء اللہ کہ ہم عمر احباب حیران رہتے ہیں کہ اس کی کیا اچھی صحت ہے۔

والحمد للہ علی ذلک! ماشاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن، وھذا من فضل اللہ وکرمہ!

کرامت چہارم

۴۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ نے زندگی بھر کوئی ملازمت نہیں کی، توکل کے وادی ایمن میں فنّ حدیث کی عظیم کتاب کی تکمیل میں جو ضخیم پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اپنی مبارک عمر کے چالیس سال گذارے۔ (۱۳۱۷ھ تا ۱۳۵۸ھ) یہ کتاب زجاجۃ المصابیح (عربی) حقیقت میں علماء کی ایک جماعت کا کام تھا یہ کتنی عظیم کرامت ہے کہ اذکار و اشغال اور مریدین کی تربیت اور اصلاح اور گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اتنی عظیم علمی دینی خدمت انجام دی۔

ہمارے حضرت نے اس مبارک تالیف کی تکمیل کے بعد اس کتاب کی طباعت کے لئے نہ تو بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور نہ کسی امیر یا رئیس کے خزانوں کی طرف نظر اٹھائی بلکہ بارگاہ رب العزت میں یوں دعاء فرمایا کرتے: الٰہی! کتاب کی تکمیل تو اس عاجز نے کردی، تیرے غیب کے بہت سے خزانے ہیں ان سے اس کی اشاعت کا سامان فرما! " جامعۂ نظامیہ سے ملحق ایک ادارہ " اشاعت العلوم " کے نام سے ایک خطیر اور کثیر سرمایہ سے حکومت آصفیہ نے قائم کیا کہ علمی کام اس ادارہ سے شائع ہوں۔ تین سال تک زجاجۃ المصابیح اس ادارہ میں پڑی رہی مگر ارباب انتظام نے کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ ہندوستان کے علماء کے کئی علمی کارنامے جیسے مولانا ادریس

کاندھلوی کی التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح اس ادارہ کی رہینِ منت ہیں کہ کثیر صرفہ سے یہ کام شائع ہوئے مگر خود دکن کے اس فاضل گرامی کا کام ادارہ کی مطبوعات میں شامل نہ ہوسکا۔ بالآخر ہمارے حضرت نے اپنی اس کتاب کو واپس منگوالیا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں حکومت ہند نے پولیس ایکشن کے نام سے فوجی کارروائی کر کے آصفی حکومت کے دو سو سالہ مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور اس برصغیر پر بغداد اور قرطبہ کی روایات کو برقرار رکھنے والی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، وذلک تقدیر العزیز العلیم۔

برادرِ طریقت بیڑ کا مکاشفہ اور زجاجۃ المصابیح کی طباعت کا انتظام

۱۹۵۱ء میں ہمارے ایک برادر طریقت حاتم دوراں جناب الحاج محمد عبدالرزاق علیہ الرحمۃ گتہ دار ضلع بیڑ (مہاراشٹرا) حسب معمول ذکر الٰہی میں مشغول ہیں مکاشفہ میں انہوں نے دیکھا کہ ہمارے حضرت کے گرد نور کا ایک ہالہ (کنڈل) ہے لیکن اس نور کو پھیلنے کا راستہ نہیں! انکو بڑی حیرانی ہوئی، ہمارے حضرت کے ایک شاگرد مولانا حکیم محمد صابر علیہ الرحمۃ اورنگ آباد کالج (مہاراشٹرا) میں استاذ عربی تھے، ملاقات ہوئی تو اپنے اس مکاشفہ کا ذکر کیا تو موصوف نے فرمایا آپ کا مکاشفہ صدفی صد صحیح ہے۔ حضرت نے تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ کے نورانی ارشادات یعنی احادیث شریفہ پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی ہے جو سراسر نور ہی نور ہیں اور راستہ یوں بند ہے کہ حضرت کے پاس اس کی اشاعت کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہے، تم راستہ نکالو اور ثواب دارین حاصل کرو۔ بس اللہ تعالیٰ ہمارے اس برادر طریقت کو جزاء خیر عطا فرمائے کو آخرت کی فلاح و کامرانی کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم کرلیا موصوف نے تخمینہ مصارف کے بعد آٹھ ہزار روپیہ فوراً روانہ کر دیا اور الحمد للہ طباعت کا آغاز ہوگیا اور الحمد للہ صرف سات سال کے اندر یعنی ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۰ء تک زجاجۃ المصابیح (عربی) کی پانچوں جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں

زیور طباعت سے آراستہ ہوگئیں اور عالم اسلامی میں بالعموم اور عامۂ احناف کے لئے بالخصوص اور شائقینِ حدیث نبوی کے لئے ایک قیمتی تحفہ کی صورت میں جگمگا رہی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن کوئٹہ (پاکستان) سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا اور ابھی ابھی یعنی ستمبر ۱۹۹۳ء میں توثیق کے ساتھ یہ خبر ملی کہ دوسرا ایڈیشن بھی نایاب ہوگیا اور الحمد للہ تیسرا ایڈیشن بیروت سے شائع ہو رہا ہے جو چند ماہ کے اندر شائقین کے ہاتھوں میں پہونچ جائے گا۔

زجاجۃ المصابیح کا اردو ترجمہ اس کے چار حصے نور المصابیح کے نام سے الحمد للہ حضرت محدّث دکن کی حیات باکرامت میں زیور طبع سے آراستہ ہوگئے اور پھر آپ کے وصال پُرملال کے بعد مزید چار حصے ۱۹۸۹ء تک شائع ہوگئے اس کے علاوہ زجاجۃ المصابیح کا اردو ترجمہ عربی متن کے ساتھ مع اعراب فرید بک اسٹال لاہور سے شائع ہورہا ہے۔

کرامت پنجم

۵۔ برادر دینی و محبِّ راہ یقینی نواب یوسف یار جنگ بہادر مرحوم وزیر فوج حکومت آصفیہ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء بعزمِ حج بذریعہ طیارہ روانہ ہوئے۔ موصوف کو حضور غوث پاکؒ سے بے پناہ عقیدت تھی، ہمارے حضرت نے بیان کیا کہ حضور غوث پاک نے نواب صاحب کو عالم رؤیا میں اپنی زیارت سے مشرّف کیا اور ارشاد فرمایا کہ "تم تو ہمارے معتمد ہو، ہمارے پاس آجاؤ" قارئین دیکھ لیں ارشادِ غوثیت مآب کن حالات میں تکمیل پایا۔ نواب صاحب کا طیارہ بمبئی سے جب روانہ ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ڈائرکٹ فلائٹ ہے درمیان میں اس کا کہیں Stop نہیں ہے ورنہ یہ عقیدت مند دل و جان سے آرزو مند تھے کو بغداد شریف میں دورانِ وقفہ حضور غوث پاک کی زیارت کر کے حجاز مقدس روانہ ہوں۔ مگر دربار غوثیہ کا بلاوا کہ عین اس وقت جبکہ طیارہ بغداد کے قریب پہونچا اس میں کوئی فنی خرابی لاحق

ہوئی اور چار و ناچار چند گھنٹوں کے لئے طیارہ کو ایمرجنسی اسٹاپ لینا ناگزیر ہوگیا، بہرحال بغداد ایرپورٹ پر طیارہ اترگیا۔ نواب صاحب نے دریافت کیا کہ کتنی دیر یہ ٹھہرے گا ؟ کپتان نے جواب دیا چار چھ گھنٹہ ٹھہرے گا! اس فرصت کو غنیمت جان کر نواب صاحب مرحوم ٹیکسی میں اپنے مرکز عقیدت دربارِ غوثیہ پہونچے ، فاتحہ گذرانی اور ابھی درگاہ شریف میں ٹھہرے ہی تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور جانِ عزیز کو کوئے جاناں کی خاک بنادیا:

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر	عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

اور ادھر حیدر آباد سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوکر نواب صاحب نے عرض کیا تھا:

" حضرت اس دفعہ عید قربانی کے موقع پر اس خادم کو حضرت کیساتھ عید گاہ چلنے کا شرف حاصل نہ ہوسکے گا " یہ سن کر حضرت محدث دکن ، پیرِ روشن ضمیر نے فرمادیا تھا

" اس وقت تک تو آپ غریق رحمت ہو جائیں گے "

قارئین دیکھ لیں:

" گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

یہ ہمارے حضرت کی کیا روشن کرامت ہے ! واقعہ ہونے سے پہلے آپ نے اس کو بیان فرمادیا ! برادر طریقت حضرت حسّانِ دکن خواجہ عبدالعلی صدیقی نقشبندی القادری رحمہ اللہ نے ہمارے حضرت قدس سرہ کے ارشاد پر نواب یوسف یار جنگ علیہ الرحمہ کے اس واقعہ کو نظم فرمادیا یہاں نقل کیا جاتا ہے:

سلام تجھ پہ ہوا اے یوسف ابوالحسنات	ترا نصیب ہے بدر منیر کیا کہنا
وہ لطف خاص وہ ہمدردی ذوی القربیٰ	امیر ہاتھ کے دل کے فقیر کیا کہنا

ہو تیرے دل میں نہ کیوں اپنے شیخ کی عظمت	ضمیر پھر ترا روشن ضمیر کیا کہنا
ہے تیرے ہاتھ میں فیضان دست قدرت کا	اور یہ ہاتھ اور یہ دامانِ پیر کیا کہنا
یہ اوج اور یہ معراج اے خوشا تقدیر	یہ تیرا سر یہ دستگیر کیا کہنا
ترا وصال بھی ہے راز قدرتِ قادر	ہے تجھ پہ فضلِ خدائے قدیر کیا کہنا
تجلیوں کی ہے برسات صبح و شام جہاں	وہاں کی خاک ہے تیری خمیر کیا کہنا
سلام اہلِ وطن کا قبول فرمالے	پیام مضطربانِ دکن کا پہنچادے
الم ہے، یاس ہے، توہین ہے، اسیری ہے	ہر اک غلام کو درکار دستگیری ہے

کرامت ششم

۶۔ جناب میر بہادر علی جوہر جانشینِ صفی اورنگ آبادی نے حضرت محدث دکن کی یہ کرامت بیان کی ہے (ملاحظہ ہو حیاتِ حسنہ از حسّانِ دکن خواجہ عبدالعلی صدیقی علیہ الرحمہ ص ۵۳)

نواب ہاشم جاہ بہادر کی اہلیہ محترمہ نظامِ ہفتم نواب میر عثمان علی خان بہادر کی بہو تھیں، سخت بیمار ہوگئیں ، رسولی کا عارضہ تھا۔ آپریشن سے قبل محترمہ نے حضرت محدّث دکن قدس سرہ سے ملاقات کی چوں کہ خطرناک آپریشن کا موقع تھا اور ان کی دانست میں زندگی کی امید نہ تھی دعاء مغفرت کی درخواست کی ہمارے حضرت نے یوں دعاء فرمائی:

" اللہ تعالی عمل جراحی کامیاب فرمائے ، صحت کاملہ اور شفاء عاجلہ عطا فرمائے، عمر دارز کرے ، فلاحِ دارین عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر کرے "

اس طرح قطبِ زمانہ کی دعاء لے کر دواخانہ عثمانیہ میں شریک ہوگئیں آپریشن سے دو روز قبل موصوفہ نے خواب دیکھا کہ حضرت قبلہ نے بنفس نفیس عمل جراحی فرمایا ، رسولی نکالدی ہے اور ٹانکوں کی بجائے شکم کے دونوں پردے ملاکر اپنا لعاب دہن لگادیا ہے۔

اس خواب کے تیسرے دن ڈاکٹر بہادر خان نے مقررہ تاریخ پر آپریشن کے لئے تیار ہو جانے کا انتظام کرنا چاہا موصوفہ نے ڈاکٹر صاحب سے کہا۔ اب آپریشن کی ضرورت نہیں، آپ ایکسرے کے بعد مجھے ڈسچارج فرماسکتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کے اصرار پر جب ایکسرے لیا گیا تو ڈاکٹر بہادر خان سکتہ کے عالم میں تھے کہ رسولی کا پتہ تک نہ تھا۔ شاعرِ قرآن علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کارآفریں کارکشا کارساز

۷۔ ہمارے حضرت کے چھوٹے صاحبزادے میاں سید شاہ رحمت اللہ۔ ام۔ اے دامؔ فضلہ سابق اکاؤنٹ آفسر زرعی یونیورسٹی آندھرا پردیش نے اس عاجز سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے پائجامے جوانی کے عالم میں کافی لمبے سلوائے جو ٹخنوں سے کافی نیچے تھے، اتفاقاً ان پائنچوں پر ہمارے حضرت کی نگاہ پڑگئی، بیحد ناگواری کا اظہار فرمایا۔ جب دیکھا گیا تو دُھلے ہوئے اور نئے پائجامے سب کے سب خود بخود بغیر کترن کے ٹخنوں سے اوپر ہوگئے۔ میاں صاحب کو بڑی حیرانی ہوئی اور اس عاجز سے اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ اللھم اجعلہ ھادیا و مھدیا! آمین

کرامت ہشتم

۸۔ ہمارے حضرت کے ایک نواسے عزیزم سید شاہ محمد قادری بن سید شاہ احسان اللہ قادری (مقیم ٹورنٹو، کینیڈا) نے بیان کیا کہ حضرت ناشتہ پر ہیں۔ اچانک ذرا سا توقف فرمایا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ آگئے "انا للہ و انا الیہ راجعون" پیرانی ماں صاحبہ رحمۃ اللہ علیہما بھی دستر خوان پر تشریف فرما تھیں۔ یہ الفاظ سن کر فرمانے لگیں "کس کو مارے؟" فرمایا۔ ارے کس خیال میں یہ الفاظ نکل گئے اور سکوت اختیار فرمایا۔ اسی روز بارہ بجے دن شولا پور (مہاراشٹرا) سے تار وصول ہوا کہ ہمارے حضرت کے بڑے داماد مولانا سید یوسف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام و خطیب جامع مسجد شولا پور کا

انتقال ہوگیا۔

کرامات نورِ بصیرت کا نتیجہ ہیں

واضح ہو کہ مذکورہ بالا سطروں میں کرامات کے عنوان سے حضرت محدّث دکن قدس سرہ کے جن واقعات کا بیان قرطاس اور قلم کی زینت ہوا وہ نورِ بصیرت کی جلوہ سازیاں تھیں، درحقیقت مولائے کریم کے لطف اور عنایت نے ان حضرات کو عالمِ علوی سے ملا دیا ہے۔ اور ان عظیم انسانوں کو صفات ملائکہ سے متصف فرمادیا ہے اور اس ملکوتی تزکیہ اور صفائی کی وجہ سے عجیب و غریب خارق عادات اس سے ظہور پاتی ہیں اور ان مشاہدات سے تسخیر کائنات حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کو صوفیۂ کرام دل کی آنکھ کھلنے سے تعبیر فرماتے ہیں جب یہ آنکھ کھلتی ہے اور بصیرت کی کھڑکی کھل جاتی ہے تو کائنات کے اسرار اپنی کمین گاہوں سے نکل آتے ہیں اور انوار اپنی سیر گاہوں سے تجلی ریز ہونے لگتے ہیں، دل سے حجابات چھٹ جاتے ہیں، معانی الٰہیہ اور اسرار علویہ کا ظہور ہوتا ہے اور جب خیال کے آئینہ میں یہ انوار اور اسرار تجلی فرماتے ہیں تو چشم باطن ان کو اس طرح ملاحظہ کرتی ہے جیسے ظاہری آنکھ عالم ظاہر کو پاکر دل وجود کی کھاروں میں چھپی چیزوں کو ملاحظہ کرتا ہے اور ضمیر و دل کے بھیدوں سے یہ نگاہ واقف ہو جاتی ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اس حقیقت کو شاعرِ حقیقت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک اور پیرائے میں بیان کیا ہے وہ عارفِ ربانی کو اسرار اور معارف اور معانی و حقائق کا شکاری قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس شکاری کا ادنیٰ شکار تو حضرت جبریل علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت فرشتہ ہے فرماتے ہیں:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے

اور اس شکاری کی نگاہ کہاں ہوتی ہے، اقبال پکار اٹھتے ہیں کہ:

یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

اللہ! اللہ! عارفوں کا کیا اونچا مقام ہے؟

ایسے ہی حضرات کے مکاشفات اور تصرفات کو دیکھ کر علامہ اقبال کی روح وجد میں آکر پکار اٹھی تھی:

ما ہنوز اندر ظلامِ کائنات
او شریک انتظامِ کائنات

(کہ ہم عوام تو ابھی کائنات کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں اور بندۂ خدا حکمِ خداوندی سے کائنات کے انتظام اور اہتمام میں مشغول ہے)

اور یہ "حقیقت میں دل کی جلوہ سامانیاں ہیں اور دل کی بیداریاں ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال دل کی بیداری ہی کو فاروقی اور کراری سمجھتے ہیں:

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر! کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

حضرت محدّث دکن کے شمائل یعنی عادات اور اخلاق

ما کہ در شکلِ یار حیرانیم
سرِّ اوصافِ او کجا دانیم

ہر قوم اپنی تاریخ رکھتی ہے، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ، ہم مسلمانوں سے زیادہ مستند تاریخ کسی قوم کے پاس نہیں پھر ہمیں تمام اقوام عالم میں اس لحاظ سے بھی امتیاز حاصل ہے کہ اسلام سیرت و کردار کا جو سانچہ اپنے پیرو کاروں کو دیتا ہے، تاریخ کے ہر دور میں اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں۔ دوسرا کوئی دین اور قوم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان بلند و بالا

شخصیتوں نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں۔ یہ حضرات بلا شبہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک میں زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں، جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی رہی بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ان کے کردار کی شعاعوں سے ہم اپنی زندگیاں منور کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سیرت اولیاء کرام کی زندگیوں میں دیکھی جا سکتی ہے

مذاہب عالم کو دیکھئے اور پیشوایان مذاہب کے حالات تلاش کیجئے یا تو وہ معدوم ہوگئے یا مسخ ہو کر رہ گئے۔ محبّت اندھی ہوگئی، عشق رسوا ہوگیا۔ لیکن محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو دیکھئے کہ آپ کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا محفوظ ہے اور یہی آپ کی سیرت شریفہ کا اعجاز ہے:

کتنے نظام و فلسفے زیر و زبر ہوئے مگر
فرق کوئی نہ آسکا، اس کی کسی بھی بات میں

نہ صرف یہ کہ حیات طیبہ کتابوں میں محفوظ ہے بلکہ چودہ سو برس گذر جانے کے بعد آج بھی عرفاء اور اولیاء کی پاک زندگیوں میں دیکھی جا سکتی ہے ایسی جیتی جاگتی سیرت سے جو اہل اللہ کی زندگیوں میں موجود ہے روگردانی نوع انسانی کی بد نصیبی ہے جس کی وجہ سے عرب اور عجم تیرہ و تار ہے:

عالم ہمہ ویرانہ از چنگیزیِ افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

علماء ربانیین درحقیقت "ورثۃ الانبیاء" (انبیاء کے جانشین) ہیں۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عالمتاب غنیۃ الطالبین (ص ۱۷۰) میں فرمایا ہے:

"علماء کی مجلس اختیار کرو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علماء کی ہم نشینی عبادت ہے نیز آپ نے فرمایا دل کے ساتھ سوچ بچار، جسم کے ساتھ محنت اور آنکھوں سے رونا اختیار کرو"

حضرت محدّث دکن کا حلیہ مبارک

حضرت محدث دکن کے شمائل کی ابتداء یہ عاجز (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) آپ کے حلیۂ مبارک سے کر رہا ہے اور یہ پیروی ہے شمائل ترمذی کی جو اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عربی زبان میں امام ترمذی کی مقبول ترین کتاب ہے۔ حضرت محدث دکن کے چہرۂ مبارک کی ہر چیز نہایت موزوں اور مناسب تھی، بلند پیشانی، بینی مبارک ستواں تھی، ہردو آنکھیں بہت موزوں اور خوبصورت تھیں۔ نگاہ مبارک میں تیز روشنی، ہردو ابرو کمانِ ابرو کے پورے مصداق، کنپٹیاں اپنی جگہ بہت مناسب تھیں، داڑھی مبارک گھنی بڑی خوبصورت گرداور تھی۔ سر مبارک پر زلفِ سیمیں کانوں کی لو تک جھولتی رہتیں۔ سر مبارک پر ہمیشہ ہلکے زرد رنگ کا عمامہ بندھا رہتا جس کے اندر ہمیشہ ٹوپی جس پر نعلین مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقش کاڑھا ہوا ہوتا۔ سینہ مبارک چوڑا گویا صحن باغ اصفیاء، کیوں نہ ہو کہ وہ شاہ کونین کے شرح صدر کا حاشیہ ہے۔ گردن صراحی دار تھی اور بلند تھی جو سرداری کی علامت ہوتی ہے۔ آپ کا قد میانہ گویا سرو باغ مصطفی تھا۔ ہر موسم میں سوائے موسمی لباس کے آپ سپید ہی کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ زرد رنگ کا منقش صدریہ پہنا کرتے، عباء کبھی زرد ہوتی کبھی سیاہ، ہتھلیاں پُر گوشت ریشم سے زیادہ نرم ملائم، کلائیاں لمبی لمبی، جس پر دست کرم پھیرا شفایاب ہوا۔ شکم مبارک سینے سے بالکل ہموار۔ پائے مبارک پُرگوشت اور گہرا۔ پائجامہ شلوار نما چست جو نصف پنڈلی تک رہتا۔

اس موقع پر ایک صحابی کا واقعہ یاد آگیا۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایک صحابی کو ملاحظہ فرمایا کہ نیچا تہبند باندھے جا رہے ہیں۔ منع فرمایا اور ارشاد ہوا:

اما لک فیّ اسوۃ

(کیا میرے طرز عمل میں تمہارے لئے نمونہ نہیں؟)

بیشک عاشق کو حکم کی ضرورت نہیں۔ نشانِ قدم کی ضرورت ہے۔ وہ اسی پر مرمٹتا ہے۔ موشگافیاں اہلِ عقل کو مبارک ہوں۔ اسی موقع پر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فلا حقّ للازار فی الکعبین (تہبند کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں ہے)

(شمائل ترمذی: باب ماجاء فی صفة ازاره الخ)

اللہ اللہ! دنیا میں حقوق کی ایسی پاسداری کس نے کی ہوگی؟ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بات سب نے سنی ہوگی لیکن حقوق الاعضاء کی بات نہ سنی ہوگی۔ کیا خوب ارشاد ہے کہ جس کا جو حق ہے وہی اس کو ملنا چاہیئے۔ ایک کو زیادہ دے کر دوسرے کا حق تلف کرنا بڑا گناہ ہے۔ ہماری بربادی کی اصل وجہ یہی حق تلفیاں ہیں:

انقلابات جہاں کی بنیاد
حق جو حق دار کو نہیں ملتا

ہمارے حضرت قدس سرہ نے ہمیشہ ہندوستانی جوتا پہنا، جسے سلیم شاہی پاپوش کہتے ہیں۔ آپ کی رفتار ایسی نرم تھی کہ برابر کے آدمی کو کبھی چلنا محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عبادالرحمن کی شان میں جو ارشاد ربی ہے "**یمشون علی الارض ھونا**" (زمین پر فروتنی کے ساتھ یعنی دبے پاؤں چلتے ہیں) اس کی تفسیر عملاً آنکھوں سے دیکھی جا رہی ہے۔ یہ رحمان کے خاص بندے ہیں ان کی چال ہی نرالی ہوتی ہے ان کی رفتار دیکھ کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ وقار و متانت کا ایک پیکرِ رعنا چلا آرہا ہے جس میں نہ مغرور لوگوں کی رعونت کا کوئی نشان ہے نہ بے فکرے، سفلی مزاجوں کا چھچھورا پن ہے۔

ہمارے حضرت کی سادگی کا بیان

ہمارے حضرت قدس سرہ کی گذر اوقات بہت ہی سادہ تھی۔ گھر میں فرش زمین پر ایک گدا ہوتا اس پر استراحت فرماتے تھے۔ غذا دو وقت تناول فرماتے تھے۔ صبح بعد اشراق۔ دو روٹیاں۔ ایک روٹی عموماً نہاری کے ساتھ اور دوسری روٹی دودھ اور موسمی میوہ جیسے موز یا آم کے موسم میں آم کے ساتھ کھانے کے بعد اور سہ پہر میں چائے بھی نوش فرماتے۔

گھر پر یا مسجد میں ہٹو! بڑھو! رکو! کا کوئی سوال نہیں ہمیشہ دربار ہر کہ دمہ کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ہندوستان کے ایک عالم جو استاذ محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر شعبہ دینیات جامعۂ عثمانیہ) کے قریبی عزیز تھے حیدر آباد تشریف لائے، کسی نے ہمارے حضرت کا پتہ دیا تو سہ پہر حسینی علم پہونچے، ہمارے حضرت کی مسجد کے سامنے سڑک پر دریافت کیا کہ حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب کا مکان کہاں ہے؟ ملنے کے اوقات کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت کے پاس یہ سارے تکلفات نہیں ہیں۔ مسجد کے اندر تشریف لیجائیں اور ملاقات فرمالیں۔ موصوف سرتاپا حیران کی ایسی عظیم ہستی اور یہ سادگی! مسجد کے اندر تشریف لائے اور دیکھا کہ ہمارے حضرت تشریف فرماہیں بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ یہ شعر کہہ پڑے:

اک اشارہ میں بدل دیں جو نظامِ ہستی
مسجدوں میں کہیں ایسے بھی امام ہوتے ہیں

اس موقع پر ہمارے حضرت کی سادگی اور آپ کے قلمی فیضان خصوصاً عربی میں زجاجۃ المصابیح فن حدیث کی معرکۃ الآراء کتاب کی تالیف اور اردو میں دس معیاری کتابوں کی تصنیف سے شریعت اور طریقت کے میدان میں جو عظیم نفع امت کو پہونچ رہا ہے، اس کی روشنی میں ذیل کے اشعار آپ پر حرف بہ حرف صادق آتے ہیں:

در دست نہ تیریست نہ در دست کمان است
ایں سادگی اوست کہ بسمل دو جہان است
در مدرسہ از جنبش لعل تو حکایت
در میکدہ از مستی چشم تو نشان است

کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھو کر نہ پوچھنے میں کیا حکمت ہے

ہمارے حضرت کی عادت تھی کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے، کھانے سے قبل ہاتھ دھو کر نہ پوچھتے۔ اس مبارک سنت کی حکمت ایک دوست نے سمجھائی۔ فرمایا کہ ایک سرجن ہاتھ دھو کر سیدھے آپریشن تھیٹر میں تشریف لے گئے جب ان سے پوچھا کہ ہاتھ دھو کر کیوں نہ پوچھے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہر چیز پر جراثیم موجود رہتے ہیں، تولیے پر بھی جراثیم موجود رہتے ہیں، اگر پوچھ لیتا تو بالکل ممکن تھا کہ جراثیم منتقل ہو کر میرے ہاتھ پر آتے اور پھر مریض کے جسم میں منتقل ہو جاتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فائدہ میں وہی رہے جنہوں نے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا، جنہوں نے آنکھیں کھولیں اور عقل کو کام میں لگایا نقصان میں رہے۔ جو بات عقل والوں کو چودہ سو برس بعد سمجھ میں آئی وہی بات دل کو اس وقت سمجھ میں آگئی تھی۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیسی دل لگتی بات کہہ دی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "انسانی کوششوں کو بہت ہی مختصر کر دیا" یعنی جو بات صدیوں میں سمجھ میں آسکتی تھی، منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں سمجھادی۔ اسی لئے ہمارے بزرگ کہتے ہیں شرعی معاملات میں عقل کو کام میں نہ لاؤ، دل کو کام میں لاؤ اور دیوانہ وار کام کرو۔

شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

کھانے کے آداب میں سرکارِ مدینہ، سرورِ قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

قسمّ اللہ تعالیٰ و کل بمیینک مما یلیک (شمائل ترمذی حدیث نمبر ۳)

(بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھو اور جو کچھ سامنے رکھا ہوا ہو اسکو داہنے ہاتھ سے کھاؤ)۔

افسوس کہ تہذیبِ جدید میں اسی مبارک سنت کا کیسے مذاق اڑایا جا رہا ہے ۔ اغیار نہیں ہم خود مجرم ہیں ۔ کیسی بسم اللہ کس کی بسم اللہ ! بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو گئے اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہیں ۔ کس کا داہنا ہاتھ اور کیسا اپنے آگے سے ۔ سب کے آگے سے ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ آج تجدیدِ عہد کی ضرورت ہے کہ ہم ہر اس رسم کو خاک میں ملا دیں جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو خاک میں ملادیا ہے۔

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کو خوشبو بیحد مرغوب تھی ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ سراپا مہک ہیں ۔ خصوصاً رمضان المبارک میں نماز عشاء کے آغاز سے پہلے جب عطر لگایا جاتا تو ماشاء اللہ پوری مسجد مہک اٹھتی تھی۔

چہرۂ مبارک ہمیشہ روشن رہتا تھا ، تبسم زیر لب رہتا ، ایسی خندہ پیشانی کہ دیکھنے والے کے دل کی کلیاں کھلتی رہتیں ، اس میں ایک عظیم درس ہے شاہ اور وزیر ، علماء مشائخ ، حاکم وافسر سب کے لئے ہمارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بڑائی کا راز منہ بسورنے میں ہے ۔ یہ محض خام خیالی ہے بڑائی تو اس کی ہے جس کی ٹھوکر میں دنیا ہو پھر بھی وہ مغرور نہ ہو بلکہ مسکراتا ہو۔

ہمارے حضرت مجلس میں ایسے شرمائے شرمائے بیٹھتے کہ کوئی کیا بیٹھے گا ۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھتے تھے ۔ ایسی بے حیائی تو ہم کو جدید تہذیب نے سکھائی ہے ۔ ہمارے حضرت گفتگو فرماتے تو صاف صاف ، ٹھہر ٹھہر کر ، آہستہ آہستہ ، دھیرے دھیرے ۔ ہر بات کو دہراتے کہ سمجھنے والا اچھی طرح سمجھ لے ، نہ ضرورت سے زیادہ گفتگو فرماتے اور نہ ضرورت سے کم ۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ بولنے پر آئیں تو بولتے چلے جائیں اور عمل سے بیگانہ ۔ یہ حضرات تو سراپا کتاب اور سراپا عمل تھے:

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

ہمارے حضرت کی دلدہی کی چند باتیں

ہمارے حضرت اتباع سنت میں مزاح بھی فرمایا کرتے تھے کہ مزاح بہارِ حسن ہے ۔ ایک مرتبہ حضرت کی مجلس میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب چاء نہیں پیتے ہیں ، یہ سُن کر ارشاد ہوا میاں بہت اچھا ہے خرچہ کم ہوتا ہے ! کبھی کوئی واقعہ بھی حاضرین کی دلجوئی کے لئے سنادیا کرتے ایک بڑا دلچسپ واقعہ سنایا ۔ پچھلے زمانہ میں شہر حیدر آباد میں آبرسانی کا انتظام ناقص تھا ۔ مضافاتِ شہر میں جل پلیّ پہاڑی شریف سے قریب ایک چھوٹا قریہ ہے وہ پائیگاہ کا علاقہ تھا وہاں سے پانی کی سربراہی صرف علاقہ پائیگاہ کے ملازمین کے لئے مختص تھی اور یہ پائیگاہ کے نواب صاحب کا حکم تھا دوسرے لوگوں نے پانی کی عدم سربراہی سے پریشان ہو کر اس محلہ کے ایک شاعر صاحب سے اس کا ذکر کیا ۔ تو ان شاعر نے ایک شعر لکھا اور کہا کہ اس شعر کو پانی کے نل کے پاس لٹکادیں وہ شعر یہ تھا:

فرات اُس نے کیا بند اس نے جل پلیّ
امیرِ شام کا بیٹا ہے یہ امیر کبیر

پائیگاہ کے نواب صاحب کو خبر پہونچادی گئی کہ کسی صاحب نے پانی کی سربراہی کی جگہ یہ شعر لٹکادیا ہے ۔ نواب صاحب یہ سن کر بیحد پشیمان ہوئے اور حکم دیا کہ بھائی پانی کی سربراہی سب کے لئے عام کردو ! اس شاعر نے تو مجھے یزید بنادیا ۔ اللہ مجھے معاف فرمادے !

ہمارے حضرت کو نعت شریف سننا بیحد پسند تھا ۔ اکثر مجلسوں میں نعت خوان اصحاب نعتیہ اشعار اور قصیدے سنایا کرتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعتیہ اشعار سننے سے حبّ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ ہوتی ہے اور طبیعت میں نرمی اور توازن پیدا ہوتا ہے ۔

ہمارے حضرت کے اخلاق حسنہ سے متعلق بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں ۔ آپ نرم

طبیعت تھے ، نہ کسی کی مذمت فرماتے اور نہ کسی کا عیب بیان فرماتے ، کوئی بھی کچھ مانگتا فوراً عطا فرمادیتے ،اکثر نادار طلباء حاضر خدمت ہوتے اور مدرسہ کی فیس اور امتحانات کی فیس کی ضرورت عرض کرتے فوراً عنایت فرمادیا کرتے۔

ہمارے حضرت نامعقول بات پر تنبیہ بھی فرمادیا کرتے

ہمارے حضرت کی ایک عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ ہر ایک سے ایسی دلدہی اور رغبت سے باتیں فرماتے کہ اس کا جی خوش ہو جاتا۔ ناگوار بات کا زبان سے اظہار نہ فرماتے بلکہ حاضرین چہرۂ مبارک سے اندازہ لگالیتے البتہ بعض وقت حاضرین میں سے کوئی خلاف ادب بات کرتا تو اس کو فوراً متنبہ فرمادیتے۔ چنانچہ ایک صاحب نے سوال کیا آپ ارشاد فرمائیں کہ حضرت علی حق پر تھے یا حضرت معاویہ ؟ یہ سن کر ہمارے حضرت کا چہرہ سرخ ہوگیا اور ارشاد فرمایا:

"میاں ! خوب یاد رکھو قیامت میں آپ کو منصف بناکر آپ سے یہ سوال ہونے والا نہیں ہے کہ آپ کو ان حضرات کے بارے میں فیصلہ دینا ہے ! میاں آپ اپنی قبر کو روشن کرنے کے کام کرو ، ایسی باتوں میں کیوں پڑتے ہو جن کا سوال تم سے ہونے والا نہیں"

ہمارے حضرت کی نماز کا حال

ہمارے حضرت کی عبادت اور ریاضت کا حال نہ پوچھیئے۔ فرض ہو یا سنت ہو یا نفل ایسا طویل قیام ، طویل رکوع اور طویل سجدہ ہوتا کہ جس کی وجہ سے ہمیشہ قدم مبارک متورم رہتے۔ ہر رکعت پانچ منٹ سے کم میں پوری نہیں ہوتی تھی۔ اللہ ! اللہ ! اولیاء اللہ کی عبادتوں میں کیسی نیاز مندی ہوا کرتی تھی۔ حدیث شریف میں جو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے " **ان فی الصلاۃ لشغلاً** " (بیشک نماز میں ایک بڑی مشغولی ہے)اس کا پورا نقشہ عملی صورت میں دیکھنے والے کے سامنے آجاتا تھا۔ دورانِ نماز بحالت قیام سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی جیسے جوش مارتی پتیلی سے

آتی ہو۔

ہم غلامان محبوبین بارگاہ ایزدی سبحانہ وتعالی تو یوں دعاء کرتے ہیں:

تہجد کی جاگی نگاہوں کا صدقہ
مرے بختِ خفتہ کو آکر جگادے

(کاوش)

ایک محفل میں داعی محفل نے اس عاجز سے تلاوت کلام پاک کی فرمائش کی تو اس عاجز نے سورہ یونس کی آیت نمبر (۶۱) سے آیت نمبر (۶۵) تک پانچ آیتیں تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی اور جب " **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** " پر پہونچا تو اس عاجز گناہ گار نے دل میں خیال اپنے پیر و مرشد قدس سرہ کا رکھا۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو حضرت قبلہ نے فرمایا۔ جزاک اللہ خیرا۔

ہمارے حضرت کی مزاح اور دلدہی کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا کہ عبادت اور ریاضت کا ذکر آگیا۔ اب ایک اور واقعہ حضرت کا بیان کیا ہوا سن لیں ، تاکہ مسلمانوں کے اخلاق حسنہ کی یاد تازہ ہو جائے گی۔

حکومت آصفیہ کے چھٹے بادشاہ حضرت میر محبوب علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا دورِ اقتدار ہے۔ سالار جنگ اول وزیر اعلی ہیں۔ اس وزیر کے ایک عالم دوست تھے اور وہ ضرور تمندوں کی خوب سفارش کیا کرتے۔ سالار جنگ اول سفارش سنتے سنتے تھک گئے تو کہا: حضرت ! اب یہ آپ کی آخری سفارش ہے۔ آئندہ آپ زحمت نہ فرمائیں ! دوسرے دن ایک اور ضرورت مند ان حضرت کے پاس پہونچ گئے۔ یہ حضرت ان کو پھر لیکر سفارش کے لئے سالار جنگ اول کے پاس حاضر ہوئے اور کہا۔ جناب عالی ! یہ تلوار بھی ساتھ ہے آپ میری زبان کاٹ دیں ، یہ آخری سفارش قبول کرلیں آئندہ نہ تو زبان رہے گی اور نہ میں سفارش کر سکوں گا ! سالار جنگ بیحد متاثر ہوئے اور کہا حضرت آئندہ سے آپ کی ہر سفارش قبول کی جائے گی آپ سفارش کرتے جائیں اور

میں سفارش قبول کرتا رہوں گا۔

ہمارے دادا پیراور نظامِ ششم

نظامِ ششم کا ذکر آگیا تو ایک اور واقعہ ہمارے حضرت کی زبان سے سنا ہوا قارئین کرام کو بھی سنادوں:

نواب میر محبوب علی خان بڑے ولی صفت بادشاہ تھے اور اہل اللہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ شہر کے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضری دیا کرتے چنانچہ ہمارے دادا پیر حضرت سید محمد بادشاہ بخاری (م ۱۳۲۸ھ) قدس سرہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور دل میں یہ خیال رہتا کہ حضرت کچھ فرمائیں اور میں تعمیل حکم کروں! لیکن ہمارے دادا پیر قدس سرہ کبھی کچھ نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ جب بادشاہ اٹھنے لگے تو فرمایا: بادشاہ! آپ سے کچھ کہنا ہے۔ بادشاہ بیحد خوش ہوئے اور ہمہ تن گوش بن کر ادب سے کھڑے ہو کر سننے لگے، ہمارے دادا پیر حضرت نے فرمایا: آپ آئندہ سے تشریف لانے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ آیا کریں گے، لوگوں کو معلوم ہو جائے گا اور لوگ سفارش کے لئے فرمائش کریں گے اور میں آپ کے پاس سفارشی خطوط لکھا کروں گا یہاں تک کہ آپ کو ناگوار ہونے لگے گا اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کو ناگوار خاطر ہو۔

بندۂ مؤمن کا دل بیم ورجا سے پاک ہے
قوّتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے

(علامہ اقبال علیہ الرحمہ)

ہمارے حضرت کا اندازِ تربیت عجیب تھا ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ انسانوں میں کمتر ذات دو ہیں ایک دھیڑ دوسرے مانگ۔ گویا مانگ یعنی لوگوں سے سوال کرنا انسان کے لئے بدترین ذلت و خواری کی بات ہے۔

ہمارے حضرت قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ دینداری کا کمال کیا ہے؟ ارشاد فرمایا

مسلمان کو کامل اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ہمارے حضرت اتباعِ سنت میں ہر اچھے کام کو داہنی طرف سے شروع فرماتے جیسا کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو چاہئیے کہ داہنے جانب سے پہلے جوتا پہنے اور جب کوئی جوتا اتارے تو بائیں جانب سے اتارنا چاہئے، دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہو اور اتارنے میں مؤخر، ہمارے حضرت جب مسجد سے باہر نکلتے تو بایاں پاؤں پہلے باہر نکال کر بائیں جوتے پر رکھتے پھر داہنے پیر کو سیدھے جانب کے جوتے میں ڈالتے، بعد ازاں بایاں جوتا پہنتے۔ اور جب مسجد میں داخل ہوتے تو اس کی برخلاف عمل ہوتا یعنی جب مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے سیدھے پیر کو مسجد میں داخل فرماتے پھر بائیں پیر کو جوتے سے نکال کر جوتے پر رکھتے پھر سیدھے پیر کو جوتے سے نکالتے اور سیدھے پیر کو مسجد میں داخل فرماکر مسجد میں تشریف لاتے۔

عمامہ باندھنے کی سنت عوام و علماء دونوں نے ترک کر دی ہے

پچھلے سطور میں ہمارے حضرت کے عمامہ باندھنے کا ذکر گذرا ہے اس سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ اس مبارک سنت کو نہ صرف عوام بلکہ علماء نے بھی ترک کر دیا ہے حالانکہ جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا (شمائل ترمذی) حضرت علامہ یوسف نبہانی (م ۱۹۳۱) قاضی القضاء بیروت (لبنان) اپنی کتاب وسائل الوصول الی شمائل الرسول میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے عمامہ باندھا، اس کا ایک گوشہ میرے مونڈھے پر ڈالا اور فرمایا اللہ تعالی نے بدر اور حنین کے دن ایسے فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی جو اس طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ یہ بھی فرمایا "عمامہ مسلمان اور کافر کے درمیان ایک امتیازی فرق ہے"۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کسی شخص کو اس وقت تک کسی شہر کا حاکم مقرر نہیں فرماتے تھے جب تک اس کے عمامہ نہیں بندھواتے تھے، عمامہ کا طرز یہ ہوتا کہ اس کا ایک پلہ دائیں مونڈھے پر کان کی طرف ڈالا جائے۔

حضرت عبداللہ بن خازم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا جسے وہ جمعہ، عیدین اور جب لڑائی میں فتح پاتے تو بطور تبرک پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنایا تھا (اصابہ، طبقات ابن سعد ۵ / ۳۴)

پچھلے اوراق میں ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کی دلدہی کی باتیں بیان کی گئیں دو ایک باتیں رہ گئیں اُن کو بھی سن لیں۔

علم حدیث میں ہمارے حضرت کے استاذ مولانا عبدالرحمن سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو اپنے والد مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت شاہ اسحاق دہلوی کے شاگرد ہیں۔ مولانا عبدالرحمن سہارنپوری فرمایا کرتے: "لکل شئی آفۃ و للعلم آفات"

یعنی ہر چیز کے حاصل ہونے میں ایک نہ ایک رکاوٹ ہوا کرتی ہے اور علم کے حاصل ہونے کے لئے رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہوا کرتی ہیں و للعلم کے بعد آفات کے الف کو بڑی دیر تک لانبا کر کے پڑھتے تھے جیسے مدّ طویل کو دراز کیا جاتا ہے۔

مولانا سہارنپوری کے درس میں کئی طلباء تھے ان میں ایک طالب علم خود کو بڑا معقولی اور بڑا دانشور سمجھتے تھے اور ان میں خوب احساس برتری تھا سارے طلباء جیسے ہی وہ آتے تو ان کو لاشی "لاشی" (یعنی کوئی چیز نہیں، کوئی چیز نہیں) کہہ کر آواز دیا کرتے۔

حضرت پیر جماعت علی شاہ نقشبندی اور وہابیت کا ردّ

ایک اور ایسا ہی واقعہ ہمارے حضرت سنایا کرتے تھے اس واقعہ میں ایک قسم کا مزاح (دلدہی) بھی ہے اور ایک مسئلہ کا حل بھی۔

وہابی لوگ ایصال ثواب کے بارے میں ایک نا معقول بات یوں بیان کرتے ہیں کہ ایصال ثواب مُردوں کے حق میں درست ہے مگر دن، تاریخ اور وقت اس سلسلہ میں جو مقرر کیا جاتا ہے وہ بدعت ہے امیر الملت محدّث علی پوری حضرت پیر جماعت علی شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۵۱ء) اس کا جواب یوں دیا کرتے:

"ارے! وہابی سے پوچھو کہ وہابی کے باپ نے اس کی ماں سے جب شادی کی تھی تو دن، تاریخ اور وقت مقرر کر کے اس کی ماں کو لایا تھا یا دن، تاریخ اور وقت کے تعین کے بغیر سسرال کے گھر میں اچانک گھس کر وہابی کی ماں کو اٹھا کر لے آیا"۔

ہمارے حضرت کی اعمال پر مداومت

اخلاق کا سب سے مقدّم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقامت کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہیں اور وہ فطرۃً اسی کی پابند ہے۔ آفتاب صرف روشنی اور گرمی بخشتا ہے، اس سے تاریکی ظاہر نہیں ہو سکتی۔ رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے اس سے روشنی نہیں نکل سکتی۔ درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے مقررہ افعال اور صفات سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان اپنے مالک کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی۔ اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی قسم کے اعمال اور اخلاق پر مجبور نہیں۔ وہ بااختیار پیدا کیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ وہ اپنے اختیار کے باوجود گویا وہ اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور

لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات اس شخص سے سرزد ہو ہی نہیں سکتی گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، پھل دار درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو، کہ ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتیں۔ اسی کا نام استقامت حال اور مداومت عمل ہے چنانچہ یہ مشہور قول ہے "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" (استقامت کرامت پر فوقیت رکھتی ہے)۔

ہمارے حضرت قدس اللہ سرہ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے۔ جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ آپ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے "جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہوا ہوگا کہ آپ کے تمام اخلاق اور اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی زندگی بھر ان میں ذرہ برابر بھی فرق پیدا نہیں ہوا۔ نمازوں کی پابندی، مستحب اوقات میں پنجگانہ نمازوں کو باجماعت ادا کرنا، نماز فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک ذکر اور مراقبہ کی مجلس کا برپا کرنا۔ نمازوں کو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا، رمضان کے مبارک مہینہ میں تراویح میں ایک قرآن کا سننا اور آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا اور تہجد کی نماز میں ایک اور قرآن پاک کا دور سننا یہ اور اسی قسم کی کئی باتیں ہیں جس کی ہمارے حضرت نے پابندی فرمائی ہے جیسا کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتوں اور اعمال کے متعلق ام المومنین نے جواب دیا:

کان عملہ دیمۃ آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی اسی طرح آپ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کرلی، ہمیشہ اس کی پابندی کی۔ چنانچہ صحیح بخاری کے کتاب الادب اور ابو داؤد کے آخر کتاب الصلوٰۃ میں ارشاد ہے:

ان احبّ العمل الی اللہ ادومہ (اللہ تعالی کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر انسان سب سے زیادہ مداومت کرے)

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ نے مقرر کر لیا تھا اس میں کبھی اختلاف نہیں ہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اور یہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہونا چاہیئے۔

ہمارے حضرت کا توکل

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں "توکل" "اللہ تعالی کے مقرّب اور محبوب لوگوں کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ اللہ تعالی نے توکل ہی کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے اور حکم دیا کہ ہر آدمی کے لئے توکل ضروری ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے " **ان اللّٰہ یحبّ المتوکلین** "یعنی خداوند عالم توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ " **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** " (جو آدمی خدا پر توکل کرتا ہے خداوند قدوس اس کے لئے کافی ہے) **الیس اللہ بکاف عبدہ** (کیا خداوند عالم اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں) اور بھی کئی آیتیں توکل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر بندہ خداوند قدوس پر توکل کرے تو وہ اس کو اس طرح روزی پہونچاتا ہے جس طرح پرندوں کو، کہ وہ صبح بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جو بندہ مجھ پر توکل کرتا ہے، میں اس کو دنیا کے تمام مکر و فریب سے نجات دلاتا ہوں اور اس کی ساری مشکلات حل کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے ایک راہب (تارک الدنیا) سے دریافت کیا کہ تیری روزی کا کیا ذریعہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ روزی دینے والے سے دریافت کرو کہ کہاں سے دیتا ہے؟

توکل ایمان کی روشنی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک کیفیت ہے جو دل میں ایمان کی وجہ سے جاگزیں ہوتی ہے اور اسی کا نتیجہ توکل ہے۔ اولیاء اللہ اسی توکل پر اپنی

خانقاہوں کا نظام چلایا کیئے ہیں ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اعرابی نے دریافت کیا کہ اونٹ کو نکیل باندھ کر توکل کروں یا یوں کھلا چھوڑدوں ؟ ارشاد ہوا ! اعقل و توکل (باندھکر توکل کر) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے جو سمجھ بوجھ دی ہے ۔ انسان اسکو کام میں لائے اور پھر اپنے کاموں کو اللہ تعالی کے حوالے کردے ۔ ہمارے حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی پوری زندگی توکل کا پیکر تھی ۔ صرف دو واقعات پر یہاں اکتفاء کیا جاتا ہے : ہمارے حضرت نے روزی کے لئے کسی قسم کی ملازمت اختیار نہیں فرمائی زندگی بھر حدیث نبوی پر مشتمل کتاب عربی زبان میں جو پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس کی تکمیل میں لگے رہے ۔ جب کتاب تکمیل پاچکی تو اس کی طباعت کا مرحلہ آیا ۔ جامعۂ نظامیہ حیدر آباد کی نگرانی میں علمی کتابوں کی اشاعت کا ایک ادارہ قائم ہے ۔ جس کا نام نامی اشاعت العلوم ہے ۔ اس ادارہ سے ہندوستان کے علماء کے علمی کارناموں کی اشاعت عمل میں آئی ہے ۔ ہمارے حضرت نے اس کتاب کو اس ادارہ میں بغرض طباعت روانہ فرمایا لیکن یہ کتاب ادارہ کے اشاعتی پروگرام میں شامل نہ ہوسکی ۔ اس کی تفصیل اس عاجز نے کتاب ہذا کے ص ۱۶۸ ، ۱۶۹ ، پر (کرامت چہارم کے تحت) بیان کردی ہے ۔ ہمارے حضرت بارگاہ ربّ العزت میں یوں دعاء فرمایا کرتے : الہی ! میں نے کتاب تو لکھ دی ، لیکن میرے پاس اس کی اشاعت کے لئے سرمایہ نہیں ہے تو ہی اپنے خزانہ غیب سے اس کی اشاعت کا انتظام فرما ۔ حکومت آصفیہ ابھی باقی تھی اور یہاں جن کی اربابِ اقتدار تک رسائی تھی ان کے لئے گویا جود و سخا کی گنگا بہہ رہی تھی مگر توکل کی وادی ایمن کے اس پیرِ طریقت ، نقشبندیت کے تاجدار اور قادریت کے علم برادر نے کسی مادی ذریعہ کی طرف اپنی نگاہ نہ اٹھائی ۔ ایک ارادتمند ضلع بیڑ (مہاراشٹرا) کا رہنے والا اس کے نصیب جاگے ، مقدر چمکا اور اس کو مکاشفہ ہوا اور اس نے اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت کا انتظام کردیا ۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند ، کہنے والے

نے سچ کہا ہے :

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور یہ بھی ایمان افروز مصرعہ قارئین کرام یاد رکھ لیں :

خدا خود میر سامان است اربابِ توکل را

ہمارے حضرت کے توکل کی ایک زندہ مثال تھی کہ اپنا کام کرلیا اور آگے کے کام کو خلاقِ عالم کے سپرد کردیا کہ بغیر کسی کی احسانمندی کے اللہ تعالی کے فضل اور اس کی مہربانی سے یہ عظیم الشان کتاب احناف کے ہاتھوں پہونچ گئی اور فنّ حدیث کی یہ عظیم خدمت ہمارے حضرت کے ہاتھوں شہر حیدر آباد فرخندہ بنیاد کو میسر ہوئی ۔ والحمد للہ علی ذلک حمداً کثیرا !

اس موقع پر بطور تحدیث نعمت یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : واما بنعمۃ ربک فحدّث (اور جو احسان ہے تیرے رب کا ، سو وہ بیان کر) یہ عاجز راقم اس احسان کو بیان کرنا چاہتا ہے ۔ ۱۹۵۱ء میں الحمد للہ زجاجۃ المصابیح کے طباعت کا انتظام ہوگیا تو ہمارے حضرت نے اس عاجز کو یاد فرمایا اور ارشاد ہوا : عبدالستار صاحب ! الحمد للہ زجاجۃ المصابیح کی طباعت کا انتظام ہو چکا ہے ، اب تم کو میرے ساتھ کاپی اور پروف کا مقابلہ کرنا ہے ۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

یہ عاجز جامعۂ عثمانیہ سے ایم ۔ اے (عربی) کامیاب ، تین سال لکچراری کی خدمت سے تخفیف کی زد میں آکر گھر بیٹھا ہوا تھا حاضر خدمت ہوگیا اور دن رات طباعت کے مرحلے شروع ہوئے ، خوشنویس پہلے پیلے کاغذ پر کاپی نویسی کرتا تو اصل کتاب سے اس کا پہلا مقابلہ ہوتا ، پھر جب پتھر پر لیتھو پرنٹ کے اعتبار سے پروف نکلتا تو دوسرا مقابلہ ہوتا ، اصل کتاب کے اوراق ہمارے حضرت کے دست فیضدرجت میں رہتے

اور ہمارے حضرت دونوں مقابلوں کے وقت سماعت فرماتے اور یہ عاجز قراءت کرتا اس طرح اس عاجز نے پوری زجاجۃ المصابیح دو مرتبہ اپنے حضرت کو سنائی ہے اور تیسرا دور استاذ مکرّم، مربّی بے بدل حضرت مولانا ابو الوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو درساً درساً سنانے کا شرف حاصل کیا ہے۔ البتہ زجاجۃ المصابیح کی پانچویں جلد مناقب سیدنا ابی بکر نِ الصدیق رضی اللہ عنہ کے ختم پر حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمہ کا درس ختم ہوا۔ اور حضرت مولانا کی وفات ہوگئی۔

اس عاجز پر اللہ تعالی کا کتنا عظیم احسان ہے کہ الحمد للہ شہر حیدرآباد میں اس وقت بڑے بڑے علماء اور اصحاب فضل موجود تھے مگر پیر روشن ضمیر کی نگاہ بندہ نواز اس عاجز پر پڑی اور یہ فضیلت اس ہیچمدان کو مل گئی **والحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ**

اے خدا قربان احسانت شوم
این چہ احسانہاست قربانت شوم

ہمارے حضرت کے توکل کی ایک اور مثال عرض کر دی جائے: ہمارے حضرت کو یومیہ یعنی ماہانہ منصب ملا کرتا تھا اور وہ غالبا پچاس روپیہ تھا۔ حکومت آصفیہ کے اختتام پر وہ ختم کر دیا گیا۔ ہمارے چند برادران طریقت نے ایسا انتظام کیا کہ کم از کم اتنی ہی رقم ہر ماہ حضرت کی خدمت میں حاضر کر دی جائے۔ اس بات کو ہمارے حضرت کے سامنے بیان کر دیا گیا، ہمارے حضرت نے جواب دیا: آپ کا شکریہ! اللہ تعالی آپ کو جزاءِ خیر دے، مگر تصفیہ بھی سن لو آپ حضرات کے اس پیشکش کی ضرورت نہیں! مجھے میرے اللہ کے حوالے کردو وہی میرا کارساز ہے اور آپ نے اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا۔

ہمارے حضرت کے اس واقعہ کو سُن کر حضرت غلام علی شاہ نقشبندی دہلوی قدّس سرہ کا واقعہ یاد آتا ہے۔ امیر ٹونک (راجستان) میر خان نے یہ استدعاء پیش کی کہ وہ اپنی حکومت کی جانب سے خانقاہ کے خرچ کے لیے ماہانہ کچھ معاش مقرر کرنا چاہتا

ہے! ارشاد ہوا جواب میں یہ شعر لکھ کر روانہ کردو۔

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم با میر خاں بگوئی کہ روزی مقدّر است

(ہم فقر وقناعت کی آبرو کو چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں میر خان سے کہہ دو کہ روزی مقدّر ہے)۔

ہمارے حضرت کی مسجد نشینی

ہمارے حضرت محدّث دکن قدس سرہ نے تحصیل علوم کے بعد طریقت میں قدم رکھا اور حضرت سید محمد بادشاہ بخاری قدس سرہ سے بیعت فرما کر سلوک کی منزلیں طے فرمائیں اور خرقۂ خلافت کے حصول کے بعد دنیا اور مشاغل دنیا یعنی روزی اور معاش کے لئے کسی قسم کی ملازمت اختیار نہیں فرمائی یوں فرمایا کرتے کہ میں نے ملازمت تو نہیں کی لیکن حدیث شریف کی خدمت زندگی بھر کی اور مسجد علی آقا حسینی علم حیدرآباد کو طالبین راہ سلوک کے لے مرکز اور گوشۂ مسجد کو خانقاہ اور درس حدیث شریف کے لئے مدرسہ بنایا۔ اس موقع پر یہ عاجز حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث شریف سنا کر اپنے موضوع پر آئے گا:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ یقول: ابن آدم تفرغ لعبادتی املا صدرک غنی و اسد فقرک و ان لا تفعل ملات یدک شغلا و لم اسد فقرک رواہ الامام احمد و ابن ماجہ۔

(حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لئے تو خود کو فارغ کر لے تو میں تیرے دل میں استغناء بھر دوں گا اور تیرے فقر اور احتیاج کے (سوراخوں کو) بند کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو (دنیا کے) مشاغل سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و افلاس کے (سوراخوں کو) بند نہ کروں گا۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔

صدر کی حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جو بندہ خود کو عبادت کے لئے فارغ کر لیتا

ہے تو اللہ تعالی اس کے دل کو غنی کردیتے ہیں اور عبادت کے لئے فارغ کرلینا ۔بجز گوشہ نشینی ممکن نہیں ، امام غزالی رحمۃ اللہ نے کیمیائے سعادت میں گوشہ نشینی کے فائدوں پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور صالحین امت کے بڑے عمدہ اقوال بیان فرمائے ہیں ، حضرت وہب بن الورد فرماتے ہیں کہ عقلمندی دس باتوں میں پوشیدہ ہے نو عقلمندیاں خاموشی میں اور ایک گوشہ نشینی میں ہے ۔ ایک بزرگ کا قاعدہ تھا کہ یا تو کتاب بینی کرتے یا قبرستان جاکر تنہا بیٹھتے ۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا گوشہ نشینی سے بہتر کوئی چیز اچھی نہیں ہے ، اور قبر سے زیادہ کوئی بہتر نصیحت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا اور کسی کو کتاب سے بڑھ کر اچھا ساتھی نہیں دیکھا ۔ عربی کے نامور شاعر متنبی کا ایک شعر ہے:

اعزّ مکان فی الدنی سرجُ سابحٍ
و خیر جلیس فی الزمان کتاب

(دنیا میں سب سے بڑا مرتبہ گھوڑے کی زین یعنی شہ سواری ہے اور زمانہ میں بہترین ساتھی کتاب ہے)

گوشہ نشینی سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے

ایک بزرگ کا قول ہے کہ گوشہ نشینی سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے ۔ اگر انسان دنیا میں رہتے ہوئے عبادت کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا تو اس کو گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہیئے ۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں گوشہ نشین ہوئے اور نبوت کے منصب سے سرفراز ہوئے ، علامہ اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے کام دیکھو کیا بعد ہے کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بظاہر تو ہم لوگوں میں تھے لیکن آپ کا قلبِ مبارک خداوندِ عالم کی طرف تھا ۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو دنیا میں

دوست بناتا تو حضرت ابوبکرؓ کو بناتا لیکن خدا کی محبت میں اب گنجائش ہی باقی نہیں رہی ۔ حالانکہ صحابہ کرام میں ہر صحابی یہ سمجھتے تھے کہ حضور کو مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جن کا لقب عابد الحرمین ہے فرماتے ہیں کہ رات کی تاریکی سے میں خوش ہوتا ہوں کہ خدا کی عبادت کا وقت ہے اور دن نکلنے پر رنج ہوتا ہے کہ ملنے جلنے کی وجہ سے لوگ دنیا کی طرف متوجہ کرلیتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی میں خداوند عالم کی معرفت کی صلاحیت اور عبادت کی اہلیت موجود ہے تو اس کے پاس الحمد للہ دنیا کے کاموں میں افضل ترین عمل ہے ۔ کیونکہ عبادتِ خدا تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور جب انسان دنیا سے آخرت کی طرف جائے تو اس کے دل پر اللہ تعالی کی محبت غالب رہے اور حبّ الٰہی خداوند عالم کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے اور محبت معرفت کا ثمرہ ہے اور معرفت عبادت کا نتیجہ ہے اور یہ تمام باتیں گوشہ نشینی سے حاصل ہوتی ہیں۔

واضح رہے کہ ہمارے حضرت ، محدّث دکن قدس سرہ نے ان ہی باتوں کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور مسجد علی آقا حسینی علم کو اپنی شب و روز کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ من کان للہ کان اللہ لہ (جو اللہ کا ہو جائے تو اللہ تعالی بھی اس کے ہو جاتے ہیں) کا مجسم پیکر اپنی مبارک زندگی کے ۹۲ برس کس شان اور آن سے گذارے کہ دنیا کا کوئی کام نہ رکا نہ ادھورا رہا ۔ اس گوشہ نشینی اور توکل کی وادی ایمن میں چاروں صاحبزادے اور تین صاحبزادیوں کے گھر دار الحمد للہ وقار اور معیار کے ساتھ انجام پائے اور پھر دین کی خدمت ، لاکھوں ارادتمندوں کی روحانی سرپرستی اور علم حدیث میں ڈھائی ہزار صفحات کی کتاب عربی زبان میں ۔ زجاجۃ المصابیح ۔ اور اردو زبان میں دس کتابیں جو دکنی زبان کے شاہکار ہیں تکمیل پاکر شائع ہوئے یہ سب اسی گوشہ نشینی کے نتائج اور ثمرات ہیں ۔ اس عنوان کو یہ عاجز

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے نامور شاعر حلمی افندی کے شعر پر ختم کرتا ہے:

جو یاد میں محبوب کی کھو جاتے ہیں
واللیل کی زلفوں میں وہ سو جاتے ہیں
ہوتے نہیں دنیا کے وہ بندے حلمی
اللہ و محمد کے جو ہو جاتے ہیں

ہمارے حضرت کا جود و سخا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں سخاوت پر احادیث شریفہ کے علاوہ عمدہ ترین اقوال جمع فرمائے ہیں جن میں یہاں چند بیان کئے جاتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ سخاوت بہشت میں ایک درخت ہے اور سخی آدمی اس کی شاخ پکڑے رہتا ہے۔ اور اسی طرح حریص اور کنجوس دوزخ کے درخت کی شاخ پکڑے رہتا ہے دو عادتیں خداوند قدوس کو بے حد پسند ہیں: ایک سخاوت اور دوسری اچھے اخلاق۔ اسی طرح دو عادتیں خداوند قدوس کو ناپسند ہیں ایک بخل اور دوسری بد خوئی۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ سخی اور نیک خو کا میں خود ضامن ہوں اور اگر وہ گناہ بھی کرے تو میں اس کو معاف کردوں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے لوگ صرف روزہ نماز کی وجہ سے جنت میں نہ جائیں گے بلکہ سخاوت اور خوش اخلاقی کی وجہ سے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان نوازی سے بہت خوش ہوتے تھے اور بغیر مہمان کے کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور آج بھی آپ کے مزار پر مہمان رہتے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ ایک مرتبہ گریہ فرما رہے تھے، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ہفتہ گذر گیا اور میرے یہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔

ہمارے حضرت کا جود و سخا فضل خداوندی کا ایک کرشمہ تھا جس کی مثال بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ ہمارے حضرت دینی اور روحانی نعمتوں کی عطا کے ساتھ مال و متاع

دنیوی سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ سخاوت یہ نہیں ہے کہ کسی کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں اور وہ ان میں سے دس بیس، سو دو سو یا ہزار دو ہزار بخش دیتا ہے تو وہ سخی ہے۔ بلکہ سخاوت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو وہ اپنی عادت مستمرّہ کے مطابق خوش دلی کے ساتھ دیتا رہے بلکہ تنگی کے وقت جب اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس وقت بھی خندہ پیشانی کے ساتھ سائل کو اس کی ضرورت اور سوال سے زیادہ عطا کرے۔ سخی کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ اس کے پاس کچھ ہے یا نہیں۔ بخشش اور عطا اس کی عادت بن جاتی ہے۔ سخاوت کے درجہ سے بھی آگے بڑھتا ہے تو اس میں جواد کی صفت پیدا ہو جاتی ہے، اور جود و سخا اب اس کی طبیعت اور سرشت بن جاتا ہے۔ وہ سائل کے سوال کا بھی منتظر نہیں ہوتا ہے، اپنی عادت اور سرشت کے مطابق ہر ایک کو اپنے عطیات سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ جو لوگ ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں ان کو بخوبی علم ہے کہ حضرت جود و سخا کے رتبہ عالی پر فائز تھے اور ہر وقت، ہر حالت میں ہر شخص کو اپنے فیض عام سے نوازتے رہتے تھے۔

سخیاں ز اموال بر می خورند
بخیلاں غمِ سیم و زر می خورند

ہمارے حضرت وہبی طور پر امیر تھے آپ نے تحصیل دولت کے لئے کوئی کام کبھی نہیں کیا، آپ کی عمر مبارک کا ہر لمحہ اللہ تعالی کے دین متین کی خدمت اور خلق کی ہدایت میں گذرا۔ رب العزت کا آپ پر خاص کرم تھا کہ خزانہ غیب سے آپ کو عطایا ملتے اور آپ بھی سنت نبوی پر عامل رہے کہ جو بھی آتا سائلوں اور ضرورت مندوں کو بخش دیتے تھے۔

ہمارے حضرت کی مہمان نوازی

ہمارے حضرت کا دستر خوان وسیع تھا، دن رات مہمان آتے اور جاتے رہتے تھے۔

کبھی کسی کو بغیر کھانا کھلائے واپس جانے نہیں دیا۔ آپ کی اپنی خوراک نہایت سادہ اور مختصر ہوتی تھی مگر مہمانوں کے لئے لذیذ کھانے تیار کرواتے تھے۔ حضرت کی حیات تک نہ صرف صاحبزادوں کے تمام متعلقین بلکہ سید احسان اللہ صاحب قادری سب میں چھوٹے داماد کے تمام متعلقین خور و نوش کی ذمہ داری ہمارے حضرت ہی نے لے رکھی تھی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ جناب سید احسان اللہ صاحب نے اپنے مشاہرے سے پس انداز فرماکر اپنا ذاتی مکان کرلیا۔ ہمارے حضرت کے وطن مالوف نلدرگ (عثمان آباد، مہارشٹرا) سے عزیز و قریب، چھوٹے بڑے جو بھی آتے وہ ہمارے حضرت ہی کے مہمان رہتے، دنوں بلکہ مہینوں رہتے، نہ تو ہمارے حضرت پر اور نہ حضرت کے اہل بیت پر کسی قسم کا بوجھ ہوتا کہ یہ اتنے زیادہ عرصہ سے یہاں فروکش ہیں۔

پیرزادگان اور سادات کرام کی تعظیم اور تکریم

ہمارے حضرت اپنے پیر زادگان اور سادات کرام کا جیسا احترام فرماتے تھے اس کی مثال کم ملتی ہے۔ ہمارے دادا پیر سید محمد بادشاہ بخاری قدس سرہ (م ۱۹۲۸ء) کے پوتے اور پڑپوتے سجادہ نشین ایک مرتبہ دونوں حضرات ہمارے حضرت کے پاس تشریف لائے تو ہمارے حضرت بیحد خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا " آج شمس و قمر دونوں ایک برج میں جمع ہیں " ہمارے دادا پیر کے پوتے ہر سال حضرت دادا پیر کے عرس کے موقع پر نیاز کا اہتمام فرماتے تھے اور چوں کہ ان حضرت کا مکان چھوٹا تھا اس لئے شہر کے مختلف مقامات پر اپنے عزیز یا قریب کے گھر اس نیاز کا انتظام فرماتے اور ظاہر ہے کہ اس میں کافی تاخیر ہو جاتی مگر ہمارے حضرت کبھی اف فرمانا تو کیا ماتھے پر شکن بھی نہ لاتے اور جو بھی ما حضر ہوتا بڑی خوشدلی کے ساتھ تناول فرماتے اور اس دن کسی کی دعوت قبول نہ فرماتے اور نہ کسی تقریب میں تشریف لے جاتے۔

یہ واقعہ ہمارے حضرت کے پیرزادگان کا تھا۔ اس سے بڑا ایک اور واقعہ بھی سنادوں

جس میں ہمارے حضرت کی اعلیٰ ظرفی اور اولیاء کرام کی اولاد امجاد کی تعظیم و تکریم کی ایک عظیم مثال ملتی ہے۔ اس عاجز کا بچپن اور جوانی محلہ بیرون لال دروازہ حیدرآباد میں گذرا۔ ہمارے پڑوس میں برادر طریقت جناب عبدالجبار صاحب خوشنویس نے ایک دن صبح کو ہمارے حضرت کو ناشتہ پر بلایا۔ یہ عاجز بھی حضرت کے ساتھ مدعو تھا۔ اس زمانہ میں چاء نوشی دعوت کا لازمی جز نہ تھا اس لئے اس عاجز نے حضرت سے عرض کیا کہ چاء اس عاجز کے غریب خانہ پر نوش فرمائی جائے حضرت نے منظور فرمالیا۔ ان دنوں حضرت سید محمد محمد الحسینی دام مجدہ سجادہ نشین آستانۂ خواجہ بندہ نواز گلبرگہ شریف (کرناٹک) کے بڑے صاحبزادے عزیزم جناب خسرو پاشا سلمہ اس عاجز سے عربی زبان کا درس لے رہے تھے خسرو پاشا سلمہ بھی اسی وقت اپنے درس کے لئے آگئے۔ اس عاجز نے خسرو پاشاہ سلمہ کا تعارف کروایا۔ اتنے میں چاء آگئی۔ حسبِ آداب چائے ہمارے حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی۔ ہمارے حضرت نے خسرو پاشا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

" پہلے حضرت (یعنی خسرو پاشا) کو چاء دی جائے "

اللہ اکبر! خسرو پاشا انیس بیس سالہ جواں سال لڑکا اور اس عاجز کا شاگرد مگر ہمارے حضرت نے خسرو پاشا کی نسبت علیہ کا لحاظ فرماکر اپنی زبان درفشان سے " حضرت " کے لفظ سے خطاب فرمایا۔ اخلاق کریمانہ کی اس واقعہ میں کتنی بلند مثال ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

(گردن فراز یعنی بڑے لوگوں کا تواضع کرنا بڑی نیکی ہے اگر گدا گر تواضع کرے یہ تو اس کی عادت ہی ہے)

مولانا سید جعفر محی الدین قادری عرف عظمت پاشا امداللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین

مولوی کامل جامعہ نظامیہ، فاضل جامع ازہر مصر، حال مقیم شکاگو فرماتے ہیں کہ جب بھی میں حضرت سے بغرض ملاقات جاتا تو حضرت قبلہ قدس سرہ مجھے ہمیشہ "مشائخ صاحب" سے خطاب فرمایا کرتے۔

پابندی شریعت

ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ نے الحمد للہ (۹۲) برس کی طویل عمر پائی اس تمام مدت میں نمازوں کے قضاء ہونے کا کیا سوال بیٹھ کر بھی نماز ادا نہیں فرمائی نوافل بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے۔ ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے اور تہجد میں بھی ایک دور قرآن پاک کا ہوتا، ظاہر ہے بعض مرتبہ ایک ایک گھنٹہ طویل قیام ہوا کرتا مگر کبھی آپ نے بیٹھ کر تہجد ادا نہیں فرمائی۔ اللہ اکبر! یہ ہے تقوی اور پرہیزگاری کا کمال! یہ ہے روحانیت کا کرشمہ کہ ضعیفی کے عالم میں بھی بیٹھ کر نماز ادا نہیں فرمائی اور کھڑے ہو کر سارا کلام مجید سنا کیا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے حضرت علوم نقلی و شرعی کے جیدّ عالم، فقیہ اور محدّث تھے چنانچہ آپ کامل طور پر احکام شرعیہ کے پابند رہے۔ اور مریدین اور معتقدین کو راہ شریعت دکھاتے اور مسائل شرعیہ پر کاربند رہنے کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ شاہبازِ اوج طریقت تھے تمام عمر یارانِ طریقت کا تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب فرماتے رہے اور کتنوں کو اعلی روحانی مدارج پر پہنچادیا۔ آپ کو از حد التزام تھا کہ ہر امر میں حضور نبی کریم علیہ الصلاہ والسلام کی پیروی فرمائیں اور دوسروں کو بھی سنت نبوی پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ ایک برادرِ طریقت نے دریافت کیا کہ مسلمان کے لئے کمال اسلام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال حاصل کرنا"۔

عورتوں کو احکام شریعت کا پابند بنانا

عورتیں اکثر جاہل اور اُکھڑ ہوتی ہیں مگر ہمارے حضرت قدس سرہ کے فیض اور توجہ سے سینکڑوں، ہزاروں عورتیں بے حد نیک اور پارسا بن گئیں آپ عورتوں کو نماز روزہ کے مسائل بتاتے، اذکار اور وظائف بھی سکھاتے، عورتوں کے خاص مسائل سے ان کو واقف کرتے، خانگی ذمہ داریاں، خاوند کے حقوق اور خاندان میں صلہ رحمی کے احکام تفصیل سے ان کو بتاتے اور ان پر کاربند رہنے کی سخت تاکید کرتے، پردے کا حکم تاکیدی طور پر دیتے اگر کوئی عورت حکم شرعی کے مطابق لباس پہنے ہوئے نہ ہوتی تو اسے آپ متنبہ فرماتے۔ آج کل عورتوں کا لباس کرتے کی بجائے خصوصاً بلاؤز ہوگیا ہے اس پر آپ نے سخت نکیر فرمائی اور وعظ میں فرمایا کہ ہماری بہنوں نے ہندوؤں کی چولیوں کو کرتے چھوڑ کر اپنا عام لباس بنالیا ہے۔

ماہر نفسیات کی تحقیق یہ ہے کہ اگر عورت اپنے پورے جسم کو ڈھانکنے والا لباس نہ پہنے تو نَفس کی خواہشات اس پر غالب آجاتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتی ہے۔ اسی بے پردگی اور عریانی لباس کے استعمال نے ہمارے معاشرہ کو تباہ کر دیا ہے۔

ہمارے حضرت کے ارشاد اور فرمان پر عامل اور کاربند ہو کر بعض عورتیں تو اپنے شوہروں سے زیادہ پرہیزگار اور صالحہ بن جاتی تھیں اس طرح مردوں اور عورتوں کو ہزاروں کی تعداد میں آپ نے احکام شرعیہ کا پابند اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو بنایا آج تک وہ لوگ الحمد للہ اور ان کے گھر ہمارے حضرت کی توجہ سے پکے مسلمان اور اچھے دیندار بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے حضرت کا تصوف

انہی الفاظ سے پھر ذہن خفتہ کو جگانا ہے
شریعت سر جھکانا ہے، طریقت دل لگانا ہے

(حضرت صفی اورنگ آبادی)

حقیقتِ شریعت پر اطمینانِ قلب کے ساتھ عمل پیرا ہونا اصلِ تصوف ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل (میرا بندہ نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے) ہمارے حضرت کا اسی پر عمل تھا اور آپ حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی کی ازبس تاکید فرماتے تھے۔

ہمارے حضرت کا تصوف ترکِ دنیا نہ تھا، الحمدللہ آپ اچھا کھاتے، پاکیزہ لباس پہنتے اور دنیوی کاموں میں شریعتِ حقہ کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا التزام آپ کی عادت اور سرشت بن گیا تھا جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ آپ خود بھی شریعت غراء محمدی پر مدت العمر عامل رہے اور برادرانِ طریقت کو بھی یہی تاکید فرماتے رہے۔ جو لوگ اطمینانِ قلب کے ساتھ ایسا کرتے ہیں ان کے قلوب پر صفات الٰہی کا پرتو پڑتا ہے اور وہ روحانیت کے مقامات بلند پر فائز ہوتے ہیں یہی تصوف کی حقیقت ہے اور یہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ!

قدیم شرعی تصوّف کا احیاء

ہمارے حضرت نے قدیم شرعی تصوف کو زندہ کیا اور ان روایات سے کوئی واسطہ نہیں رکھا جو احکام شرعیہ کے مطابق نہیں ہیں۔ آپ کا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ شریعت کی تقلید اور اتباع سنت کی ازبس تاکید فرماتے رہے اور یہی شیوہ اور طریقہ ہمارے حضرت کا تھا۔ جملہ عبادات اور طاعتوں کو سنت کے مطابق انجام دینے کو آپ تصوف کی روح سمجھتے تھے، اللہ تعالی کا ذکر کرنا، تہجد کی پابندی کرنا، درود شریف پڑھنا، نماز روزہ اور دیگر فرائض اور واجبات و سنن کو لازم بنانا، حقوق العباد ادا کرنا، اخلاق، اعمال اور عبادات میں صاحب خُلقِ عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا، جملہ منہیات اور مکروہات سے کامل پرہیز کرنا یہ سب آپ کی اصلی تعلیم اور تربیت تھی۔

آپ جو وظائف تلقین فرماتے وہ عموماً بہت آسان قسم کے ہوتے تھے۔

نفسِ اَمّارہ کو زیر کرنا

نفس امارہ پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ آپ ہی کا کمال تھا کہ اِدھر مخلوق میں شامل رہتے تھے تو اُدھر اللہ سے واصل تھے "دل بہ یار و دست بکار" پر آپ کا عمل تھا "بے ہمہ و باہمہ" آپ کا روزہ مرہ کا معمول تھا۔ خلق خدا کو صراط مستقیم پر گامزن کرنا اور انھیں پابند شریعت اور متبع سنت بنانا حضرت ہی کا کمال تھا۔ ہمارے حضرت نے ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کی اصلاح کر کے ان کو ذاکر و مشاغل بنایا اور نفس مطمئنّہ کے رتبہ پر پہنچایا۔ یہی آپ کے تصوف کا اور آپ کی طریقت کا عظیم کارنامہ تھا۔

امیر کے انتخاب کے بعد کفار کیساتھ جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ لیکن اپنے نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کرنا سب پر فرض عین ہے۔ دنیوی امور میں احکام شریعت پر کاربند ہونا اور اپنی خواہش سے ان میں کمی نہ کرنا لازم ہے اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو دوسروں تک پہنچانا اور ان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنا شریعت اور طریقت کی جان ہے۔ اللہ تعالی کے ذکر میں غرق رہ کر اس سے کامل رابطہ رکھنا اور اس کے ساتھ نفس اور شیطان کو قابو میں رکھ کر دین اور دنیا کو سُدھارنا ریاضت اور مجاہدہ کی اصل ہے۔ اسی پر ہمارے حضرت کا عمل تھا اور آپ برادرانِ طریقت کو بھی اسی صراط مستقیم پر گامزن رہنے کا حکم دیتے تھے۔

حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہ العزیز مکتوبات شریف میں واضح طور پر فرماتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ میں اصل ریاضت یہ ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات کو قابو میں لایا جائے اور اس کے لئے اتباعِ احکامِ شریعت اور پیروی سنت پر کاربند ہونا لازم جانے۔ اس لئے کہ نفس امارہ پر سب سے زیادہ مشکل یہی بات ہوتی ہے کہ اسے

شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔ اس واسطے اسی کا کامل اہتمام ضروری ہے۔ اگر ایسے مجاہدات یا ریاضتیں اختیار کی جائیں جو تقلید سنت کے دائرہ میں نہیں آتیں تو ان کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ جوگی، برہمن اور یونانی فلسفی بھی ایسا کیا کرتے ہیں۔ ان ریاضتوں سے ان لوگوں کی گمراہی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں

" دریں طریق ریاضت و مجاہدات بانفس امارہ باتیان احکام شرعیہ است۔ والتزام متابعت سنت سنیّہ۔ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ۔ زیرا کہ مقصود از ارسال رسل و انزال کتب رفع ہوا ہائے نفس امّارہ است۔ کہ بہ معادات مولائے خد جل سلطانہ منتسب گشتہ است پس رفع ہوائے نفس باتیان احکام شرعیہ است۔ ہر قدر کہ در شریعت راسخ تر باشد از ہواے نفس بعید تر بود۔ پس ہیچ چیز بر نفس امارہ شاق تر از امتثال اوامر و نواہی شریعت نبود۔ و خرابی او جز در تقلید صاحب شریعت متصوّر نباشد۔ ریاضات و مجاہدات کہ بہ مادرائے تقلید سنت اختیار کنند معتبر نیست۔ کہ جوگیان و براہمہ ہندو فلاسفۂ یونان دریں امر شرکت دارند۔ وآں ریاضات درحق ایشاں جز ضلالت نمی افزاید و غیر خسارت راہ نمی نماید" (مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۲۲)

طریقہ علیّہ نقشبندیہ کی افضلیت

اسی بنیاد پر طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کرنا سب سے افضل ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو پندرہ سلاسل طرق تصوف میں اجازت اور خلافت حاصل تھی۔ مگر آپ طریق نقشبندیہ کو سب سے افضل جانتے تھے اس لئے کہ یہاں سنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بزرگان سلسلہ نقشبندیہ کو اگر اتباع سنت کی دولت حاصل ہو اور

دوسرے احوال حاصل نہ ہوں تو بھی وہ خوش رہتے ہیں اور اگر احوال حاصل ہوجائیں مگر اتباع سنت میں فتور رہ جائے تو یہ حضرات ایسے احوال کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے ان کے یہاں سماع اور رقص کا کوئی ذکر نہیں آتا اور ان کے ذریعے جو احوال حاصل ہوں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے تو "ذکر جہر" کو بھی بدعت جانا۔

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کے فرمودات

" درمیان طرق صوفیہ اختیار کردن طریقہ علیہ نقشبندیہ اولی و انسب است۔ چہ ایں بزرگواران انتظام متابعت سنت نمودہ اند و اجتناب از بدعت فرمودہ۔ لہذا اگر دولت متابعت دارند و از احوال ہیچ ندارند خورسنداند۔ و اگر باوجود احوال در متابعت فتور دانند آں احوال رانمی پسندند۔ ازیں جاست کہ سماع و رقص را تجویز نہ کردہ اند۔ واحوالے کہ براں مترتب شود اعتبار نہ نمودہ، بلکہ ذکر جہر رابدعت دانستہ منع آں فرمودہ اند۔ و ثمراتے کہ براں مترتب شود التفات باں نہ نمودہ"

(مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۶)

نقشبندی تصوف

ہمارے حضرت قدس سرہ اسی "نقشبندی تصوف" پر سختی سے عامل تھے اور بزرگان سلسلہ عالیہ کے تصوف کی تجدید اور توسیع میں مدت العمر کوشاں رہے۔ بزرگان ملت نے فرمایا ہے کہ جس طرح شریعت کے پانچ رکن ہیں اسی طرح طریقت کے بھی پانچ رکن ہیں جن کی بنیاد شریعت کی پابندی اور سنت کے اتباع سے پختہ اور مستحکم ہوتی ہے۔ طریقت کے یہ پانچ رکن: ذکر، فکر، مراقبہ، محاسبہ اور رابطہ ہیں۔

بلکہ بعض اکابر تو فرماتے ہیں کہ اگر شیخ سے رابطہ مضبوط ہو جائے تو باقی ارکان خود بخود فیضانِ الٰہی سے حاصل ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے

فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیاء

حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز (م ۷۹۱ھ) نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

"طریقہ ما از نوادر است و عروۃ الوثقی است مارا از فضل آوردہ اند،
دریں طریق باندک عمل مفتوح بسیار است ، اما رعایت سنت
کارے بزرگ است"

ہمارے حضرت کی انشاء اور خطابت

ہمارے حضرت کی زبان مبارک سے مواعظ ، خطبات ، مکالمات اور مسائل سننے والے آج بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں بقید حیات ہیں اور وہ گواہ ہیں کہ ہمارے حضرت کی سادہ باتوں میں جو اثر ، تاثیر ، لطف اور دل نشینی ہوتی تھی وہ بڑی بڑی سحر آفریں تقریروں اور فصیح و بلیغ خطبات میں بھی نہیں پائی گئی۔ آپ کے علمی اور ادبی کمالات جتنے کسبی تھے یقیناً اس سے کچھ زیادہ ہی وہبی بھی تھے اور اس شعر کے مصداق

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

عربی، فارسی اور اردو ادب پر کامل عبور

ہمارے حضرت قدس سرہ کے اساتذہ کرام میں سے جو اسماء گرامی قدر اس عاجز کو تحقیق ہو سکے ان حضرات کرام کا ذکر خیر پہلے گذر چکا ہے۔ یہ حضرات اپنے دور کے جلیل القدر علماء تھے جو علوم عقلی اور نقلی میں فضل و کمال کے لئے گذشتہ صدی کے

نصف آخر میں پورے برصغیر میں مشہور اور معروف تھے بلکہ بعض کا فیض تو اس صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ ہمارے حضرت کی بابت یہ بات تو تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے عقلی اور نقلی علوم میں عبور کامل حاصل فرمایا تھا۔ عربی زبان اور ادب کے علاوہ فارسی شعر و ادب پر پوری دستگاہ حاصل تھی اور ان کا صحیح ذوق اور تینوں زبانوں کی ادبیات پر گہری استعداد ماہرانہ اور ناقدانہ حیثیت سے حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرت کی روز مرہ گفتگو ، مکاتیب ، مواعظ اور خطبات میں کثرت کے ساتھ موزوں اشعار بیان میں آتے تھے۔ اقوال اور ضرب الامثال جن کو آپ مناسب موقع اور مطابق محل ارشاد فرمایا کرتے تھے ان سے آپ کے تبحّر علمی و ادبی کی روشن شہادت دستیاب ہوتی ہے۔ مقام حیرت ہے کہ ہمارے حضرت کی باتوں اور تالیفات میں جدید تحقیقات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

سادگی و پرکاری

ہمارے حضرت کی تحریر اور تقریر میں سادگی کے ساتھ پُرکاری کا اعجاز پایا جاتا تھا ، قرآن ، حدیث ، اشعار ، اقوال ، روایات سلف کے شواہد اور اسناد آپ کے سادہ اور دل نشین اسلوب بیان میں ڈھل کر دلوں میں اتر جاتے تھے اور "از دل خیزد و بر دل ریزد" کی بے مثال نظیر قائم کرتے تھے۔ آپ دھیمی اور معمولی آواز میں گفتگو فرماتے تھے اور وعظ میں بھی آپ کا یہی طریق ہوتا تھا لیکن اعجاز بیانی کے ساتھ ساتھ اسی سادہ ، دھیمی اور معمولی آواز و بیان کے اثر اور تاثیر سے اجتماع کبھی جوش میں آجاتا اور کبھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا تھا اور کبھی بے تاب اور بے اختیار ہو جاتا تھا۔

اس عاجز کا ارادہ ہے اللہ تعالی اس کو اپنے محض فضل و کرم سے عملی صورت سے اجاگر فرمائے کہ اس مبارک تذکرہ کے بعد "ارمغان حضرت محدّث دکن" کے نام سے ہمارے حضرت کے علمی کارناموں کے بیان کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کا ایک جائزہ بھی لیا جائے اس لئے اس باب کو اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔

حدیث الوصال

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است

زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

موت العالِم موت العالَم "عالم کی موت ایک سر چشمۂ علم کی موت ہے"

۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

موت کی حقیقت

"رب العزت کا ارشاد (سورہ ملک ۲۹ پ) **تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شی قدیر. الذی خلق الموت و الحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا. وھو العزیز الغفور.** (بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ ہے راج اور وہ سب چیز کر سکتا ہے. جس نے بنایا مرنا اور جینا کہ تم کو جانچے اور وہ زبردست ہے بخشنے والا)

ان دونوں آیتوں کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا ہے اور حاشیہ پر اس کی شرح یوں فرمائی کہ "یعنی مرنا نہ ہوتا تو بھلے برے کام کا بدلہ کہاں ملتا"

ہمارے حضرت کے وصالِ مبارک کے تذکرہ سے پہلے یہ عاجز چاہتا ہے کہ موت اور حیات کے بارے میں چند سنجیدہ باتیں قارئین کرام کی نذر کرے اس لئے کہ مادّیت نے جہاں ہزاروں حقیقتوں کو چھپادیا ہے وہاں بیسیوں صداقتوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسان گمراہی کے شکار ہو چکے ہیں، پرایوں کی کیا فکر اپنے بھی حق سے دور، باطل کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں! اللہ تعالی سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے. بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین!

(ذیل کا مضمون حیاتِ سروری تالف حضرت عبدالحمید سروری قادری کلاچوی سے لیا گیا ہے)

"جس چیز کو ہم موت کہتے ہیں وہ تو صرف مادی لباس اتار کر روحانی لباس پہننے کا نام ہے۔ انسان جب قیدِ آب و گل سے آزاد ہو جاتا ہے تو اسے زندگی کے تمام مصائب و آلام سے نجات مل جاتی ہے۔ موت کے بعد ہماری روح قفسِ عنصری سے ہی نہیں بلکہ قیدِ زمان و مکان سے بھی نکل جاتی ہے۔ پھر مؤمن کے لئے تو موت عینِ حیات ہے، عینِ راحت ہے، زندگی کے جھگڑوں اور الجھنوں سے چھٹکارا پانے کا واحد ذریعہ صرف موت ہی ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے مادی زنجیریں ٹوٹتی ہیں اور انسان روح کی آنکھوں سے کائنات کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

زندگی غم ہی غم ہے اور انسان کو چاہئے کہ ان غموں کو اپنے قلب کی تطہیر کا ذریعہ بنائے۔ انسان کی محدود عقل آسودگی اور خوشی کے سوا کسی چیز کو ہستی کے لئے موزوں نہیں سمجھتی کہ انسان کی حقیقی اور ابدی زندگی تو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ **ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانو یعلمون** (سورۃ العنکبوت آیت ۶۴)۔ (ترجمہ: اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے اگر یہ سمجھ رکھتے) شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیا خوب سمجھایا ہے:

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
یہ ہے شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

حضرت فقیر نور محمد سروری علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا۔ " خدا کے جو بندے "موتوا قبل ان تموتوا" کی منزل طے کر لیتے ہیں ان کے لئے موت کوئی اجنبیت نہیں رکھتی وہ تو اس مادی حیات مستعار پر موت کے بعد کی ابدی روحانی زندگی کو ہزار درجہ ترجیح دیتے ہیں۔ انسانی تخلیق کی غایت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے خالق، مالک اور پروردگار کی معرفت حاصل کر کے حق عبودیت (یعنی بندگی کا حق) ادا کرے۔ یہی اصلِ ایمان اور جانِ ایمان ہے۔ تمام عبادات کا ماحصل یہی کچھ ہے۔ زندگی کی کامیابی اور آخرت کی سرخروئی کا دارو مدار صرف یاد الٰہی پر ہے

اور بس۔ باقی محض سر دردی اور خاکرانی ہے۔ یاد الٰہی کے بغیر عمرِ خضر بھی بے کار ہے اور خدا کی یاد میں بسر کیا ہوا ایک لمحہ بھی ہزاروں سال کی زندگی سے بہتر ہے"۔

(حیات سروری کی عبارت ختم ہوئی)

فارسی کے عظیم شاعر خاقانی علیہ الرحمہ نے یاد الٰہی کی فضیلت پر کیا خوب فرمایا ہے:

پس از سی سال ایں معنیٰ محقق شد بخاقانی
کہ یک لحمہ با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(ترجمہ) تیس سال (غور و فکر) کے بعد خاقانی بہ تحقیق یہ سمجھ سکا ہے کہ خدا کے ساتھ ایک لمحہ گذارنا یعنی تھوڑی دیر بھی ذکر الٰہی میں بیٹھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بہتر ہے (اس لئے کہ ذکر الٰہی کو بقا ہے اور چیزوں کو فنا ہی فنا ہے)۔

موت پر حضرت فقیر نور محمد سروری علیہ الرحمہ کی اعلیٰ تقریر کے بعد قرآن اور حدیث سے چند باتیں قارئین کرام کو سنا کر یہ عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) حضرت محدّث دکن کے سفر آخرت کا بیان قلمبند کرے گا۔

قرآن پاک سے موت کے بارے میں چند نکات:

قرآن پاک میں موت کا ذکر ان گنت جگہوں میں وارد ہے یہاں صرف سورہ عنکبوت پارہ (۲۱) کی آیت نمبر (۵۷) اور اس کی ضروری تشریح عرض کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ لکھنے والے اور پڑھنے والوں کو پورا پورا فائدہ پہونچائے آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

رب العزت کا ارشاد ہے " **کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون** " (ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی پھرو گے)

واضح ہو کہ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ہر زندہ مخلوق کو موت ہے خواہ انسان ہو یا جنّ و فرشتہ اور ہر ماسوی اللہ کو فنا ہے خواہ جاندار ہو یا نہ ہو اسی لئے یہاں

نفس فرمایا اور فنا کے ذکر پر نفس نہ فرمایا بلکہ ارشاد ہوا (سورہ الرحمن آیت ۲۶) " **کل من علیھا فان** " (زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ موت سب کو ہے مگر موت کا بقا سب کو نہیں البتہ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین یعنی اولیاء اللہ کو موت آنی ہے پھر زندگی دائمی ہے اس لئے ذائقہ فرمایا۔

یہاں یہ بات بھی لائق فکر ہے اور یہ نکتہ بھی " **ثم الینا ترجعون** " سے حاصل ہوتا ہے کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ موت کے بعد حساب و کتاب جزا اور سزا یقینی ہے اور سب کی پیشی حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگی کسی اور کے ہاں نہیں۔

اسی سلسلہ میں سورہ یونس کی آیت نمبر (۶۴) پر بھی غور کریں۔ ارشاد ربی ہے اولیاء اللہ کے بارے میں " **لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذلک ھو الفوز العظیم** " (ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (بھی)، اللہ تعالیٰ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے)

واضح ہو کہ لھم البشری کی تفسیر میں علامہ حسین واعظ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بشارت سے مراد یہ ہے کہ اولیاء کرام علیھم الرحمۃ کو نزع کے عالم میں فرشتے خوشخبری دیتے ہیں اور بندۂ مومن جنت میں اپنے گھر کو دیکھ لیتا ہے اور فرشتے سلام کرتے ہیں۔ اس کا ہم نے اپنے استاذ مکرّم مربیّ بے بدل حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ کے انتقال پر مشاہدہ کیا۔ ہم نے عالم سکرات میں آپ کو یوں فرماتے ہوئے سنا "میں نے اپنا ایک نیا گھر بنالیا ہے" اور آپ کے چہرہ پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی زبان میں اس شعر کے مصداق تھے:

نشان مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

اور اس عاجز نے اپنے والد بزرگوار کو رات کے دو بجے بتاریخ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء انتقال سے ایک لمحہ پہلے دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ کے لئے اپنے دونوں ہاتھ

آگے کیئے اور دوسرے لمحہ خود بخود آنکھیں اور لبِ مبارک بند کرتے ہوئے لیٹ گئے۔ اور انتقال سے آدھ گھنٹہ پہلے کلمہ طیبہ کی بیس منٹ تک تکرار کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون:

بنا کردہ خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(ترجمہ: خاک و خون میں لوٹنے کی اچھی رسم کی بنا ڈالی، اللہ تعالی ان پاک طینت عاشقانِ الٰہی پر رحمت نازل فرمائے)

عالمِ ارواح میں نووارد روح کا استقبال

امام احمد اور نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انسان کی موت کے بارے میں ایک طویل حدیث بیان فرمائی ہے۔ تازہ وارد میت کی روح کا جو استقبال ملأ اعلی میں ہوتا ہے یہاں مذکورہ حدیث شریف سے متعلق عبارت نورالمصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح (حصہ چہارم ص ۱۰۹) سے نقل کی جاتی ہے تاکہ عالمِ برزخ کی زندگی کی ایک جھلک قارئین کرام کی نذر کی جائے۔

"ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی مسلمان کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے (اور سکرات شروع ہو جاتی ہے تو اس وقت مسلمان کی جو عزت ہوتی ہے وہ سننے کے قابل ہے، جسم تو دنیوی کفن میں لپٹا ہوا قبر میں رہتا ہے اور روح کے لئے خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ اس طرح کہ) رحمت کے فرشتے سفید ریشمی لباس لئے ہوئے آکر مرنے والے کے پاس بیٹھتے ہیں اور بڑے ادب سے کہتے ہیں (اے پاک روح! دنیا میں چند روز اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی رہی، آج اس کا تجھے صلہ مل رہا ہے) اللہ سے تو راضی اور تجھ سے اللہ راضی! تیرے لئے رحمت کے سامان مہیا ہیں، طرح طرح کی نعمتیں اور گل و ریحان تیار ہیں، دنیا کے مصیبت کدہ کو چھوڑ کر

ان نعمتوں کی طرف چلی آ (دیکھ تیرے لئے کیا کیا آؤ بھگت کی جا رہی ہے اور) سب سے بڑی نعمت تو تیرے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالی تجھ سے راضی اور خوش ہیں، ناراض نہیں ہیں (یہ خوش خبری سن کر) جب روح جسم سے نکلتی ہے تو مشک کی طرح عجیب خوشبو اس کی روح سے نکل کر پھیلتی ہے، فرشتے (بڑی تعظیم کے ساتھ) ہاتھوں ہاتھ مسلمان کی روح کو لئے ہوئے یکے بعد دیگرے آسمانوں کے دروازوں تک پہونچتے ہیں (آسمانوں پر جو عزت اس کی ہوتی ہے وہ بھی قابل دید ہے) ہر آسمان کے فرشتے (اس کی روح کی خوشبو کو دیکھ کر بڑے تعجب سے) کہتے ہیں ماشاء اللہ کیا خوشبودار روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ پھر (اللہ تعالی کے حکم سے علیّین میں جہاں مسلمانوں کی روحیں جمع ہیں اس نئی آئی ہوئی روح کو لے جاتے ہیں جیسے تم لوگوں سے ایک زمانہ کا بچھڑا ہوا شخص واپس آکر ملتا ہے تو تم اس کی ملاقات سے کس قدر خوش اور شاداں ہوتے ہو ویسے ہی (علیین میں جہاں مسلمان روحیں تھیں) یہ نئی روح آکر ملنے سے وہ سب ایسے ہی بے حد خوش ہوتے ہیں اور اس آئی ہوئی روح کو پہلے کی روحیں گھیر لیتی ہیں، اور دنیا میں جن جن کو وہ چھوڑ کر گئے ہیں، ان سب کے احوال پوچھتے ہیں، ان ہی میں کی بعض روحیں کہتی ہیں (ابھی نئی روح دنیا چھوڑ کر) سکرات کی تکلیف اٹھا کر ابھی آئی ہے اس کو آرام لینے دو پہلے کی روحیں پھر اس نئی آئی ہوئی روح سے پوچھتی ہیں؟ اچھا یہ تو بتاؤ کہ فلاں شخص کو ہم چھوڑ کر آئے تھے وہ کیسا ہے؟ یہ روح کہتی ہے وہ تو میرے پہلے ہی مرگیا ہے کیا وہ نہیں آیا تو وہ روحیں کہتی ہیں افسوس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بری روحوں کو رکھنے کا جو مقام ہے جیسے دوزخ کو ہاویہ بھی کہتے ہیں ایسے ہی برزخ میں بری روحوں کو رکھنے کی جگہ کو بھی ہاویہ کہتے ہیں) برزخ کے اس ہاویہ میں اس کو پہونچا دیا گیا ہے اس لئے وہ ہمارے پاس نہیں آیا"

(نور المصابیح کی عبارت ختم ہوئی)

در حقیقت یہ حدیث شریف سورہ نحل پارہ (۱۴) کی آیت نمبر ۳۲ کی تشریح اور تفسیر ہے اور اس آیت شریف کا بھی مطالعہ کر لیا جائے:

الذین تتوفاهم الملئکة طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون

(یہ متقی لوگ وہ ہیں کہ جب) فرشتے ان کی جانیں نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ (شرک و کفر اور فسق و فجور سے) پاک ہوتے ہیں تو ان (پاک ہستیوں) سے کہتے ہیں تم پر (اللہ کی) سلامتی ہو تم بہشت میں داخل ہو جاؤ اس (حسن عمل) کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔

قرآن پاک اور احادیث شریفہ کی روشنی میں گذشتہ صفحات میں جو عرض کیا گیا اس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ آخرت کی زندگی حقیقی زندگی ہے۔ مردِ مؤمن مکان اور زمان کی قید سے آزاد ہو کر اطلاقیت حاصل کرتا ہے! اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کسی کو خوشخبری سناتا ہے، کسی کی مدد کو آتا ہے۔ فرشتوں کی طرح جہاد میں غازیوں کی مدد کرتا ہے۔

حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحیٰ منیری قدس سرہ معروف مخدوم بہار شریف (م ۷۸۲ھ) مکتوبات سہ صدی میں فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو بزم صوفیہ از سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۳۸۵):

مخدوم بہار شریف کا سالک پر تجلیات الٰہیہ کا بیان

"جب سالک کا دل آئینہ کی طرف صاف ہو جاتا ہے تو نور تجلیّ کی شان میں ظاہر ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے اپنی تجلیّ سے سالک کو سرفراز کرتا ہے مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلیّ سے متصف ہوتا ہے تو وہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کی طرح حیاتِ جاودانی پاتا ہے اور اگر کلام کی صفت میں تجلیّ ہوتی ہے تو وہ حضرت موسیٰ کی طرح خدا سے متکلمّ ہوتا ہے اور اگر تخلیق کی صفت میں تجلیّ پاتا ہے تو اس میں وہ بات پیدا ہوگی جو حضرت عیسیٰ میں تھی"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **تحفة المؤمن الموت** (مسلمان کے لئے موت تحفہ اور ہدیہ ہے) اس لئے کہ موت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور طرح طرح کی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس حدیث شریف کی روایت امام بیھقی نے شعب الایمان میں کی ہے۔ (اس حدیث شریف کا مشکاۃ المصابیح اور زجاجۃ المصابیح کے باب تمنی الموت و ذکرہ میں مطالعہ کیا جائے)

حضرت مجدّد الف ثانی کا استقبالِ موت

اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے موت کا کس طرح استقبال کیا ملاحظہ فرمایئے۔ مقامات خیر سوانح حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہ (م ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) میں حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی (م ۱۹۹۳ء) علیہ الرحمہ ص ۶۴ میں لکھتے ہیں:

"رحلت سے کچھ دن پہلے خوب خیرات کیا حتی کہ استعمال کے کپڑے بھی برادرانِ طریقت کو دیدیئے۔ بعض افراد کو خیال ہوا شاید یہ خیرات دفع بلیہ کے لئے ہے؟ جب آپ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فرمایا یہ سب نعمت وصال کا شکرانہ ہے، اور فرطِ مسرت سے آبدیدہ ہو کر یہ مصرع پڑھا "آج ملاوا کنتھ سوں سکھی سب جگ دینوں وار" (آج اپنے محبوب سے ملنے کا دن ہے اسی خوشی میں تمام دولت لٹا رہا ہوں"

(مقامات خیر کی عبارت ختم ہوئی)

اس عاجز نے حضرت مولانا زید دہلوی علیہ الرحمہ کو اپنی آخری ملاقات مئی ۱۹۹۳ء میں دیکھا فرما رہے تھے "موت کا انتظار کر رہا ہوں"

یہ عاجز اپنے موضوع سے بہت دور نکل گیا ہے۔ موت کے بعد اھل اللہ کے دو چار واقعات بیان کر کے آگے بڑھتا ہے تاکہ اس مادی دنیا میں مادہ پرستوں کی

آنکھیں کھلیں اور ایسے لوگ حقیقت سے روشناس ہو جائیں۔

حضرت شاہ سیف الدین مجدّدی کی بعد از وفات ایک کرامت

حضرت شاہ سیف الدین حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے پوتے ہیں۔ آپ کا انتقال سرھند شریف میں ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۵ء کو ہوا۔ کتاب۔ "برکات معصومی" کے مؤلف لکھتے ہیں کہ جب آپ کے جنازے کو لے کر چلے ہیں تو جنازہ لوگوں کے ہاتھوں سے بالا ہو کر ہوا میں جا رہا تھا۔ لوگ اچھل کر ہاتھ پہنچانا چاہتے تھے تو کم ہی کسی کا ہاتھ پہنچتا تھا اور جب قبر کے پاس پہنچے تو جنازہ خود بخود نیچے آگیا۔ اس کیفیت کو غیر مسلموں نے بھی دیکھا اور ان میں سے چند مسلمان بھی ہوگئے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو حضرت زکریا ملتانی اور آپ کے پوتوں سے یہ خطاب ملا

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ نے ایک عید کے روز حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین عارف اور حضرت شیخ رکن الدین (پہلے حضرت زکریا ملتانی کے فرزند اور دوسرے پوتے ہیں) کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں "مخدوم جہانیاں" کا لقب ملا اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں" آتے ہیں۔ چونکہ سیاحت آپ نے بہت کی اس لئے "جہاں گشت" بھی کہلائے۔

بعد وفات حضرت خواجہ محمد چشتی کا اپنے مرید خواجہ یوسف چشتی کو حفظ قرآن کی تدبیر بتانا

حضرت خواجہ یوسف چشتی قدس اللہ سرہ کو قرآن مجید یاد نہ تھا، جس کی وجہ سے وہ پریشان رہتے تھے۔ ایک رات اسی فکر میں سوگئے۔ خواب میں اپنے پیر خواجہ محمد

چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں تمہیں پریشان دیکھتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا پریشانی کا سبب کلام اللہ کا یاد نہ ہونا ہے! فرمایا۔ ایک سو مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو، اس کی برکت سے تمہیں کلام اللہ یاد ہو جائے گا آپ نے بیدار ہونے کے بعد ایسا ہی کیا۔ چنانچہ حق تعالی کے فضل و کرم سے اور سورۂ فاتحہ کی برکت سے پورا کلام اللہ خواجہ یوسف چشتی کو حفظ ہوگیا۔ آپ ہر روز پانچ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سیر الاولیاء۔ از امیر خورد کرمانی ص ۱۲۱)

بعد وفات حضرت محدّث دکن کی ایک کرامت

اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے یہ عاجز راقم (اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) اپنے پیر کی بعد از وفات ایک کرامت کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت محدّث دکن قدس سرہ کا انتقال اگست ۱۹۶۴ء میں ہوا اور اس عاجز کو عربی زبان اور ادب کی خدمات کے صلہ میں صدر جمہوریہ ایوارڈ جولائی ۱۹۸۶ء میں عطا ہوا اور اس کی خوشخبری پیر و مرشد قدس سرہ نے اس عاجز کو ایوارڈ کے اعلان سے ایک ماہ پہلے دیدی۔

پچھلے صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ قارئین کرام کو متوجہ کیا جائے کہ موت کے بعد والی زندگی حقیقی زندگی ہے۔ اور اس عالم میں منتقل ہونے والے حضرات کا اس دنیا میں رہنے والوں سے برابر ربط قائم رہتا ہے لیکن اس کے بعض شرائط ہیں اور اس ربط پر اتنے صحیح اور سچے واقعات ہماری تاریخ میں موجود ہیں جن کا درجہ تواتر تک پہونچ جاتا ہے۔ اردو زبان میں اس پر جناب عبدالمجید سالک صاحب ایڈوکیٹ لاہور کی کتاب "سیرت النبی بعد از وصال النبی" کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا۔

ان چند تمہیدی مضامین کے بعد یہ عاجز اپنے پیرو مرشد قدس سرہ کے سفر آخرت کا بیان شروع کرتا ہے:

حدیثِ وصلِ آں مخدومِ عالم مگر شاید بہ خون دل نویسم

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے طبرانی کی ایک حدیث شریف بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے لوگو! میرے بعد جس شخص کو مصیبت پہونچے وہ میری جدائی کو یاد کرکے اپنی مصیبت سے تسلّی حاصل کرے، کیونکہ امت کے لئے میری جدائی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں!" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ہماری جانیں، ہمارے باپ دادا اور ہماری مائیں آپ پر فدا ہو جائیں!

قاضی فدائے یار ہوا کیا بھلا ہوا
صدقے ہوا نثار ہوا کیا بھلا ہوا

ابو الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اہل مدینہ (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) کو اگر صدمہ پہونچتا تو اس طرح تعزیت دی جاتی۔ صبر کرو! اور پھر "ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ" پڑھتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔ جب اللہ کے رسول ہی نہ رہے تو کوئی دوسرا کیا رہے گا۔ یعنی مصیبت کے پیش آنے پر صبر کرے، باہمت بنے، خوب سمجھ لے کہ دنیوی زندگی فانی ہے یہاں کسی کے لئے دوام نہیں

آج وہ، کل ہماری باری ہے

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم جس طرح صبر کرتے چلے ہیں ہم بھی صبر کریں۔ مصیبت کا ایک وقت ہوا کرتا ہے آج آئی اور کل گئی تو تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کی مصیبت کو یاد کرلو۔

حضرت محدّث دکن اور استقبال سفر آخرت

اہل اللہ موت کو خالق کائنات کا تحفہ سمجھ کر جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے استقبال کرتے ہیں، ہمارے حضرت نے انتقال سے تقریبا دو سال قبل برادران طریقت کے اصرار پر مرقد اطہر کے لئے جگہ کے انتخاب کی اجازت مرحمت فرمائی جناب حافظ صدیق حسین صاحب امام و خطیب مسجد سانچہ توپ گوشہ محل، جناب مرزا محمد علی بیگ صاحب موظف تحصیل دار، جناب صاحبزادہ میر لطف علی خان صاحب اور دیگر احباب نے اس سلسلہ میں کوششیں شروع فرمائیں اور الحمد للہ نواب منتجب الدین امیر پائیگاہ کی ایک وسیع قطعہ اراضی واقع مصری گنج متصل باغ امجد الدولہ کے حصول میں کامیابی حاصل فرمائی اس کا نام اب نقشبندی چمن ہے۔ نواب صاحب مرحوم ہمارے محترم دوست سید بدر الدین قادری صاحب (فرزند قافلہ سالار حاج جناب سید قادر محی الدین علیہ الرحمۃ) مقیم شکاگو کے خسر ہیں۔ جناب بدرِ قادری صاحب نے ایک ملاقات میں کہا کہ نواب کی اس پیشکش کا صلہ اللہ تعالی نے نواب صاحب مرحوم کو یہ دیا کہ آپ کا انتقال جدہ میں ہوا اور جنت البقیع میں تدفین انجام پائی۔ (غفر اللہ لہ وہ جزاہ اللہ عنا خیرالجزاء) ۱۹۶۴ء میں یہ جگہ جو اُس وقت چٹیل میدان تھا اور اس علاقہ میں روشنی اور پانی کی سربراہی بھی نہ تھی اور علاقہ غیر آباد تھا لیکن ہمارے حضرت کے وہاں آرام فرمانے کے بعد وہ علاقہ گنجان آبادی کے لئے مغروف ہوگیا اور سارے وسائل مہیا ہوگئے اب اس وقت وہاں حضرت کی گنبد کے علاوہ ایک وسیع مسجد واقع ہے، علاوہ ازیں نبیرۂ حضرت محدّث دکن میاں سید شاہ انوار اللہ نقشبندی وقادری سلمہ اللہ (جانشین حضرت ابوالبرکات سید شاہ خلیلَ اللہ نقشبندی وقادری علیہ الرحمۃ) نے رفاہ عام کے کئی پراجکٹس شروع فرمائے ہیں جس کی وجہ سارا احاطۂ درگاہ میں چہل پہل ہے اور ہر وقت زائرین کے لئے ہر قسم کی سہولت مہیا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک

بہ گیتی گر کسے پاینده بودے
ابو القاسم محمد زنده بودے

(دنیا میں اگر کوئی رہ جانے والا ہوتا تو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم ہی اب تک ہمارے درمیان زندہ موجود ہوتے)۔

علالت اور وفات

حسرت محدّث دکن قدس سرہ کی وفات حسرت آیات سے کم و بیش تین سال قبل آپ کی صحت گرنے لگی، چلنے پھرنے میں تکلیف ہونے لگی، نشست و برخاست میں ایک دو اشخاص کی مدد کی ضرورت لازمی ہوگئی لیکن مرض الموت تک جس کی مدت تقریبا دو ڈھائی مہینے رہی نماز پنجگانہ با جماعت اپنی مسجد میں ادا فرماتے رہے، مسجد علی آقا حسینی علم معروف بہ آم والی مسجد ہمارے حضرت کی وہ مبارک مسجد ہے جس میں زجاجۃ المصابیح کی پانچوں جلدیں زیر تالیف رہیں اور بوقت اشاعت کاپی اور پروف کا مقابلہ بھی اسی مسجد میں انجام پایا۔ علاوہ ازیں نورالمصابیح ترجمہ زجاجہ المصابیح کی ابتدائی چار جلدیں ہمارے حضرت کی حیات مبارک میں یہیں تیار ہوئیں۔ ان مبارک کتابوں کی اشاعت میں یہ عاجز خوش تقدیر ہے کہ حضرت کے یاد فرمانے پر الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت کا معاون رہا جس پر اس عاجز کو بجا طور پر فخر ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمارے حضرت ضعیفی کے اس عالم میں بھی اپنے سارے معمولات کو بدستور جاری رکھا کیے، رمضان المبارک کے معمولات میں بھی کبھی فرق آنے نہ دیا۔ موسم کی سردی اور گرمی کسی وقت آپ کے صوم و صلوٰۃ میں حارج نہیں ہوئی۔ تراویح میں جناب حافظ محمد حسین صاحب اور تہجد میں جناب حافظ عبدالرحیم صاحب ترتیل کے ساتھ قرآن پاک سناتے رہے۔

وفات سے دو سال پہلے ماہ رمضان المبارک میں ہمارے حضرت کو شدید بخار آگیا۔ عرض کیا گیا تراویح اور تہجد بیٹھ کر ادا فرمائیں تو مناسب ہے، ناگواری کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"بابا میں دنیوی کاروبار کے لئے تو ضعیف اور بوڑھا ہوں لیکن آخرت کے کاموں کے لئے برابر تندرست، توانا اور جوان ہوں"

چنانچہ حسب عادت مبارک کھڑے رہ کر ہی آپ نے تراویح اور تہجد ادا فرمائی۔ ۲/ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ دو شنبہ کا دن گذرنے کے بعد حضرت قبلہ پر عارضہ قلب کا حملہ ہوا، تکلیف نا قابل برداشت ہوگئی، تنفس بڑھ گیا البتہ تین بجے رات کے بعد کچھ افاقہ ہوا۔ دوسرے دن کے ایک بجے دوسرا حملہ ہوا جس پر آپ نے ارشاد فرمایا: "وجاء ت سکرۃ الموت بالحق" (سچ مچ موت کی بے ہوشی آپہنچی) سکرات کا عالم شروع ہوچکا ہے، عزیز وقرب جو مجھ سے دور ہیں انھیں بلا لیا جائے۔

آخری لمحات

ہمارے حضرت کے خصوصی معالجین ڈاکٹر میر محمد علی (معظم جاہی مارکٹ)، ڈاکٹر پروفیسر ابوالحسن صدیقی سیول سرجن دواخانہ عثمانیہ (مقیم مانی سوٹا۔ امریکہ) اطلاع ملنے پر فورا تشریف لائے اور علاج شروع فرمایا۔ مجرّب ترین دوائیں استعمال ہوتی رہیں، ان خوش تقدیر معالجین نے ہمارے حضرت کے علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مرض کے ابتدائی حملہ سے تا وصال یہ حضرات وقتاً فوقتاً ہمارے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، ضروری تشخیص کے بعد دوائیں تجویز ہوتیں، الغرض علاج کا ایسا بہتر انتظام تھا جو بڑے رئیس کو بھی میسر ہونا ممکن نہ تھا۔ لیکن منشاء الٰہی کچھ اور تھا "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" حضرت کے ان معالجین نے کامل آرام کے لئے گفتگو کرنے کی ممانعت فرمادی تھی اس لئے ہمارے حضرت کا یہ زمانہ محویت اور استغراق کے ساتھ یاد الٰہی میں گذرا البتہ عزیز و قریب اور مریدین

و معتقدین کو روزانہ صبح اور شام دور سے کھڑے دیکھنے کا موقع دیا جاتا اس سارے اہتمام اور انتظام کے باوجود بالآخر (۱۸/ ماہ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ / ۲۷/ اگست ۱۹۶۴ء رات کے چار بجے آپ پر قلب کا تیسرا حملہ جان لیوا ثابت ہوا، روح مبارک جب پرواز ہوئی تو حضرت کی خدمت فیضدرجت میں ڈاکٹر محمد علی صاحب، مولانا حضرت ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ صاحب، میاں سید شاہ حبیب اللہ صاحب، میاں سید شاہ رحمت اللہ صاحب، جناب سید شاہ محمد قادری، میاں سید شاہ ثناء اللہ صاحب تشریف فرما تھے۔ وفات سے پہلے ہمارے حضرت نے مبارک آنکھیں کھولیں جناب ڈاکٹر صاحب روبرو تھے دریافت فرمایا کیا وقت ہے اور کونسا دن ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا آٹھ بجکر ۲۱ منٹ ہوئے ہیں اور پنجشنبہ کا مبارک دن ہے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔ اللہ حافظ اور آنکھیں بند کرلیں اور جان جانِ آفریں کے سپرد فرمادی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

می رود از فراق شہ، خون دل ازدو دیدہ ام
دجلہ بدجلہ یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ جو بجو

جناب ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے حسب معمول تشریف لائے جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب نے انتقال کے بعد شال سر سے پیر تک اوڑھا دی تھی دریافت کیا تو ڈاکٹر محمد علی صاحب نے اشارہ سے بتادیا تو آپ روتے ہوئے باہر نکل کھڑے ہوگئے۔

ان دونوں خوش تقدیر مخلص معالجین کا تقریباً اکثر یہ معمول تھا کہ کلینک اور دوا خانہ جانے سے پہلے گھروں سے نکل کر حضرت قبلہ کی خدمتِ فیضدرجت میں حاضر ہوتے حضرت کی حالت دیکھ کر کچھ دوائیں تجویز کرتے پھر اپنے اپنے کام پر روانہ ہو جاتے اس حاضری کا اللہ تعالی نے ایسا صلہ عطا فرمایا کہ آخری سانسیں ہمارے حضرت کی ان کے سامنے نکلیں ارشاد ربی سچ ہے " ھل جزاء الاحسان الا الاحسان. فبای آلاء

ربکما تکذبن. (کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے؟ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

علامہ اقبال کی ایک رباعی

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے یہ رباعی تو اپنے لئے کہی تھی مگر ہمارے حضرت قدس سرہ پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے:

نسیمے از حجاز آید کہ نہ آید   سرودِ رفتہ باز آید کہ نہ آید
سرآمد روزگارے ایں فقیرے   دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

ایک درد بھری نظم از خواجہ عبدالعلی صدیقی

برادر طریقت جناب خواجہ عبدالعلی صدیقی نقشبندی القادری علیہ الرحمۃ نے ہمارے حضرت کے وصال پر ایک درد بھری نظم لکھی اس کے چند شعر قارئین کرام کی نذر ہیں:

عبداللہ نام پاک ہے اس نام کے نثار   ہے اس میں عبدیت بھی شریعت کا نور بھی
کیا عشق و اتباعِ رسالت میں جان دی   سرکار میرے! آپ سے خوش تھے حضور بھی
سن آپ کا جو تھا وہ محمدؐ (۹۲) کے تھے عدد   اعجاز تھا ولائے نبوّت کا نور بھی
صدیقی! نقشبندی چمن میں حضور کے   ایمان کا ہے کیف، یقیں کا سرور بھی
لاریب میکدہ بھی ہے یہ اور چمن بھی ہے   اور اس کے ساتھ مرکز شرح صدور بھی
تھا فیض شرح صدر ملے دو سن وصال   یعنی ظہور نور بھی۔ نورِ ظہور بھی

۱۳۸۴ھ   ۱۳۸۴ھ

دل کے ٹکڑے از الحاج مرزا شکور بیگ

اسی طرح برادرِ طریقت جناب مزار شکور بیگ صاحب نے بھی بعنوان " دل کے ٹکڑے " اپنے درد بھرے جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کے بھی چند اشعار سماعت

فرمائیں:

سید عبداللہ شاہ آیا ہوں — دل کے ٹکڑوں کی نذر لایا ہوں
منزلِ حق کے رہنما تم تھے — سب کے ہر درد کی دوا تم تھے
ان کو مسجد سے عشق تھا گویا — وقت زائد یہیں گذرتا تھا
اب یہ مسجد ہمیں رلاتی ہے — چپہ چپہ سے یاد آتی ہے
علمِ تازہ کا قلب چشمہ تھا — فیض بخشی میں مثلِ دریا تھا
خدمتِ خلق پر مقرر تھے — حلم اور عاجزی کے پیکر تھے
جسم امراض کا شکار رہا — قلب. مصروفِ یادِ یار رہا
وہ جنھیں لوگ آج روتے ہیں — نقشبندی چمن میں سوتے ہیں
فیض کا سلسلہ خدا رکھے — اس چمن کو ہرا بھرا رکھے
ہوں بلند ان کے قرب کے درجات — سن لے مرزا کی قاضی الحاجات

وصالِ مبارک کی اطلاع اور آخری دیدار

الحمد للہ ہمارے حضرت قدس سرہ درحقیقت ولایت کے آفتاب تھے ، یہ آفتاب جب غروب ہوا تو اس کی اطلاع .بجلی کی طرح حیدر آباد اور سکندر آباد کے گوشہ گوشہ میں پہونچ گئی اور پھر اسی تیزی کے ساتھ حکومت آندھرا پر دیش اور دوسری ریاستوں کے اضلاع میں پہونچ گئی کہ مریدین اور معتقدین کا آخری دیدار کے لئے لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت کے مبارک جسد کو غسل کے بعد مکان کے بڑے دالان میں تخت پر لٹایا گیا آپ کا طویل و عریض مکان دیدار کا شرف حاصل کرنے والی خواتین اور مردوں سے بھر گیا، مجبوراً حاضرین کی سہولت کے لئے مکان کے باہر کشادہ میدان میں شامیانہ نصیب کیا جاکر آپ کو تخت پر لٹا دیا گیا، مستورات کے لئے علیحدہ شامیانے نصب کئے گئے جن میں خواتین دیدار مبارک کے انتظار میں ٹھہری رہیں۔ مرد اور خواتین کے لئے باری باری سے دیدار کا انتظام کیا گیا۔

خواتین کے دیدار کے موقع پر پردہ کا معقول اہتمام عمل میں آیا۔ پنجشنبہ کی صبح نو بجے سے لیکر دوسرے دن .جمعہ کی صبح سات بجے تک کم و بیش دو لاکھ مشتاقانِ دیدار نے بلا لحاظ مذہب و ملت یہ سعادت حاصل کی ، انتظامات کی سہولت کے لئے آلۂ مکبرالصوت کا استعمال رہا اور رات بھر مسجد میں اور ہمارے حضرت کے گھر میں مرد اور خواتین تلاوت کلام پاک کی سعادت سے بہرور رہے۔

نماز جنازہ اور تدفین

نماز جنازہ کے لئے عید گاہ میر عالم کا انتخاب ہوا اور .جمعہ کے دن ۹ بجے صبح نماز جنازہ کی امامت جانشین حضرت محدّث دکن حضرت مولانا ابو البرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ حکومت حیدر آباد نے انتظامات کی سہولت کے لئے پولیس کے دستے متعین فرمائے۔ علاوہ ازیں حکومت نے بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۶۴ء ملازمینِ سرکار کو ہمارے حضرت کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے دفاتر کو تاخیر سے حاضر ہونے کا اعلامیہ جاری فرمایا۔ مدینہ بلڈنگ اور چار مینار سے عیدگاہ تک نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی سہولت کے لئے آر، ٹی، سی کی بسیں بھی چلائی گئیں۔

ہمارے حضرت کے برادر نسبتی جناب سید رفیع الدین صاحب (خسر میاں سید شاہ حبیب اللہ) اور خواہر زادہ اور داماد مولوی سید عبدالروف مسافر دوسرے دن صبح بروز جمعہ نلدرگ، عثمان آباد (مہاراشٹرا) سے تشریف لائے اور جناب سید رفیع الدین صاحب حیران ہوگئے کہ جب آپ نے حضرت کے قدم مبارک چھوئے ہیں تو وہ گرم تھے حالانکہ وفات کے بعد انسان کا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بعد وفات ہمارے حضرت کی ایسی کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں ہیں ان میں سے چند کو بیان کیا جاتا ہے۔

کرامتیں متصلا بعد وفات

۱۔ حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفاء افغانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وہ پیشاب دو گھنٹہ سے

زیادہ روک نہیں سکتے تھے لیکن اس دن ساڑھے آٹھ بجے پیشاب سے فارغ ہو کر وضوء فرمایا اور اسی وضوء سے حضرت کی نماز جنازہ تدفین میں شرکت کے بعد شہر کی جامع مسجد معروف بہ مکہ مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور گھر جا کر تقریبا ڈھائی بجے پیشاب سے فراغت حاصل کی اور فرمایا کہ یہ حضرت کی کرامت تھی۔

۲۔ میرے برادر عالی قدر مولوی عبدالجبار خان جن کا مستقر میدک تھا اور وہ محکمۂ برقی میں مدد گار حساب، پنجشنبہ ۲۷/اگست ۱۹۶۴ء کو حیدر آباد ایک میٹنگ میں تشریف لائے اور دوسرے دن جمعہ کو نماز جنازہ میں شرکت فرمائی اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد اپنے ایک دوست سید شاہ خلیل اللہ صاحب کے ہمراہ موٹر سائیکل پر اپنے مستقر میدک روانہ ہو گئے۔ ایسے عہدہ دار جن کا مستقر کوئی ضلع ہو وہ جب سرکاری کام کے لئے حیدر آباد آتے ہیں تو ایک دو دن حیدر آباد ہی میں گذار دیتے ہیں۔ چوں کہ یہ میرے بھائی اپنے فرائض سرکاری میں بڑے کارگزار اور مسلم نواز معروف تھے ان کے عہدہ داران بالا نے یہ سمجھا کہ یہ شخص ہفتہ اور اتوار حیدر آباد ہی میں گذار کر دو شنبہ کو اپنے مستقر میدک واپس ہو گا انہوں نے اپنی دانست میں یہ خیال کیا کہ اس کو نقصان پہونچانے کا یہ اچھا موقع ہے۔ میدک تار روانہ کیا کہ اعلی عہدہ داروں کی ایک ٹیم معائنہ کے لئے شنبہ ۲۹/اگست ۱۹۶۴ء کو آرہی ہے سب حاضر باش رہیں۔ ہمارے بھائی صاحب تو حیدر آباد میں تھے اور ان کے ماتحت ملازمین بے حد پریشان تھے کہ مدد گار صاحب مستقر پر نہیں ہیں اور ان کو اس کی اطلاع کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کیا کیا جائے؟ دفتر رات میں کھلا رکھا گیا اور ملازمین اپنی بساط کے مطابق کام میں مشغول رہے۔ رات کے بارہ بجے جب یہ میدک پہونچے ہیں تو معائنہ کی اطلاع ملی۔ یہ فورا دفتر پہونچے اور حکم دیا کہ صبح تک کام جاری رہے اور ہر چیز سلیقہ کے ساتھ بغرض معائنہ تیار رکھی جائے اور ہر شخص صبح اول وقت دفتر حاضر ہو جائے۔ معائنہ کنندہ عہدہ دار جب ٹھیک دس بجے دن دفتر پہونچے

ہیں تو سیدھے ان کے اجلاس پر پہونچے ان سب کو اس بات کا یقین تھا کہ لازماً یہ شخص حیدر آباد میں گل گشت کر رہا ہوگا اور بغیر اجازت دفتر سے غیر حاضر رہے گا اور ہم اسی وقت اس کو معطل کر دیں گے مگر واہ رے تصرفِ پیر عالی قدر! ان کا نام لیوا بروقت کئی گھنٹہ براہ سڑک سفر کر کے اپنے مستقر کو پہونچ گیا اور ایسا انتظام کیا کہ گرفت اور دارو گیر کی کوئی چیز نہیں ملی۔ **فبھت الذی کفر** (وہ منکر حیران رہ گیا) حرف بہ حرف صادق آگیا۔

جلوسِ جنازہ

مقامی اخبارات کا نظری اندازہ ہمارے حضرت کے جنازے میں ڈھائی لاکھ اشخاص کی حاضری کا ہے اور یہ بیان بھی کہ حیدر آباد کی تاریخ میں کسی موقع پر انسانی سروں کا اتنا بڑا سمندر نہیں دیکھا گیا۔ عید گاہ میر عالم میں نماز جنازہ ہمارے حضرت کے فرزند اکبر مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی امامت میں ادا ہوئی اور پھر جنازہ "نقشبندی چمن" کی طرف روانہ ہوا۔ محبین اور معتقدین کا عالم یہ تھا کہ جنازہ کو کندھا دینے کی مسابقت میں کئی اشخاص کے سروں سے عمامے گر گئے، پیروں سے جوتیاں چھوٹ گئیں، ہاتھوں کی کلائیوں سے گھڑیاں اور جیبوں سے فونٹن پن اور پاکٹیں گر گئیں جن کو انتظامی عملہ نے فورا اٹھا اٹھا کر عید گاہ پہونچایا اور اسپیکر سے اعلان کیا گیا کہ اپنی اپنی اشیاء بعد شناخت حاصل کرلیں۔

ٹھیک ۱۲ بجے جنازہ لاکھوں اشخاص کے ہجوم کے ساتھ نقشبندی چمن پہونچا، الحمد للہ سارے انتظامات مکمل تھے اور ابدی خواب گاہ تیار رہنے سے پاؤ گھنٹہ کے اندر تدفین مبارک عمل میں آئی۔ ہمارے حضرت کو لحد مبارک میں اتارنے کی سعادت حضرت مولانا ابو الوفا اور حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہما الرحمہ نے حاصل فرمائی۔ (یہ ساری تفصیلات سید شاہ محمد قادری ہمارے حضرت کے نواسہ اور سید شاہ ثناء اللہ قادری نبیرۂ حضرت مخدوم کی توثیق سے قلم بند کی گئی ہیں)۔

ہمارے حضرت کے فرزند اکبر حضرت مولانا ابو البرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی قادری مجددی کو اور دیگر دس برادران طریقت کے ساتھ دو سال قبل خلافت عطا فرمائی تھی اس لئے فاتحہ سوم کے دن یعنی بتاریخ ۲۱ / ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ روز یکشنبہ ہزاروں اشخاص کے اجتماع میں بعد ختمِ قرآن مجید اس عاجز راقم کی تحریک پر جانشینی کی تقریب حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی قدس سرہ کے دست مبارک سے انجام پائی۔ اور مولانائے محترم نے بصیرت افروز تقریر کے ذریعہ حضرت محدّث دکن کے محاسن اور جانشینِ مکرّم کے اوصاف عالیہ بیان فرمائے۔

سجادہ نشینی

ہمارے حضرت کے جانشین آپ کے بڑے فرزند دلبند تھے۔ آپ کی تعلیم اور تربیت ہمارے حضرت کی زیر نگرانی بڑے اہتمام سے عمل میں آئی۔ علوم ظاہری کے علاوہ باطنی علوم کا اکتساب بھی آپ نے اپنے والد بزرگوار سے ہی کیا اور مدارج سلوک بھی نہایت بصیرت کے ساتھ طے کروائے گئے۔ ہر وقت ہمارے حضرت کی توجہ آپ پر رہا کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانہ صفات کے آپ مجسّم پیکر تھے۔ آپ کے بارے میں ہمارے حضرت نے بارہا ارشاد فرمایا کہ آپ سعید ازلی ہیں اور آپ کے ساتھ ہمارے حضرت کی خصوصی محبت تھی۔ ہمارے حضرت کو جذب وسلوک اور طریقت و معرفت کی دو لہریں دادا پیر حضرت بخاری شاہ صاحب قدس سرہ سے پہونچی تھیں الحمد للہ وہی نسبتیں آپ میں بھی بخوبی تھیں۔ اسطرح آپ ہمارے حضرت کے حقیقی معنوں میں جانشین تھے۔

حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ نے انتہائی رقت انگیز لہجہ میں ہمارے حضرت کی مقدس اور پاکباز زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محدّث دکن قدس سرّہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی پیام اور الٰہی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی

خوشنودی کے لئے وقف تھی۔ آپ کا نصب العین یہ تھا کہ خداوند قدوس سے بندہ کے رشتہ کو مضبوط کیا جائے اور ماسوی اللہ کی نفی کی جائے اس فنا اور بقا، نفی اور اثبات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے اس وابستگی کے بعد ساری دنیا ان کے قدموں تلے آگئی اور آپ ایک زندۂ جاوید ہستی بن گئے۔ آپ اپنی تعلیمات، یقین محکم، عمل پیہم اور حبّ حقیقی کے ذریعہ فاتح عالم بنے، انسانوں کے دلوں کو ذکر الٰہی سے گرمایا، ایمان کی تازگی بخشی، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احیاء کیا اور آم والی مسجد حسینی علم میں بیٹھ کر چالیس سال میں ایسی مایۂ ناز کتاب زجاجۃ المصابیح لکھی جو عالم اسلامی میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ عالمِ اسلام آپ کے اس تجدیدی کارنامہ پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ اس جلیل القدر کتاب سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ایک متبحّر عالم اور عظیم مصنف تھے جن کو علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی، نہ صرف عربی زبان میں زجاجۃ المصابیح بلکہ اردو زبان میں دس کتابیں۔ یہ اتنا عظیم الشان سرمایہ ہے جو آنے والی نسلوں کی قیامت تک رہبری کرتا رہے گا۔

حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ نے فرمایا: مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ آپ کے خَلَفِ اکبر ہیں، حضرت نے آپ کو ہدایت اور سلوک کی مکمل تعلیم دی، آپ کے یہ مبارک جانشین جن کی دستار بندی کا شرف انھیں حاصل ہوا ہے اپنے نامور پدر بزرگوار کی زندگی میں وہ سارے مراحل طے کر چکے تھے اور الحمد للہ وہ تمام اوصاف عالیہ۔ خصوصاً زہد و قناعت اور اتباع سنت وغیرہ جو ایک بزرگ دین کی جانشینی کے لئے ضروری ہیں، آپ میں موجود ہیں۔

واضح ہو کہ جانشین حضرت محدّث دکن کی مبارک عمر (۵۱) سال کے لگ بھگ تھی اپنے والد نامدار کی جانشینی کے بعد حضرت نے سلسلہ ملازمت سے وظیفہ حسن خدمت حاصل فرما کر اپنی بقیہ عمر فرائض جانشینی میں صرف فرمائی ہمارے حضرت کے مبارک روحانی پیام کو علماً عملاً، حالاً اور قالاً باحسن الوجوہ انجام دیا۔

غیر معمولی اشخاص .بچپن ہی سے اپنی حرکات و سکنات اور نشو ونما میں ممتاز ہوتے ہیں ان کے ایک ایک خط وخال میں کشش ہوتی ہے ان کے ناصیۂ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے، حضرت ابوالبرکات بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھے ، بچپن ہی میں آپ کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ ۲۸ سال ہمارے حضرت کی جانشینی اور سجادگی کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے اور چہار شنبہ کی شب (۱۱) بجے ، جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ / ۳ نومبر ۱۹۹۲ء داعی اجل کو لبیک فرمایا ۔ حضرت کے تفصیلی احوال ان شاء اللہ " حضرت محدث دکن کے اولاد امجاد " میں بیان ہوں گے ۔

ایصال ثواب اور چہلم

صوبہ جات ، اضلاع اور دیہات میں متوسلین نے اپنے اپنے مقامات پر قرآن خوانی اور جلسوں کا انتظام کیا اور پھر فاتحہ چہلم کے موقع پر بھی ہزاروں معتقدین نے قرآنی خوانی میں شرکت کی اور ان سب کو کھانے کھلائے گئے ۔ اور پھر الحمد للہ ہر سال ۱۸ / اور ۱۹ ربیع الآخر کو سالانہ فاتحہ ہوا کرتے ہیں جس میں ہزاروں متوسلین اور معتقدین شریک ہوتے ہیں اور علماء کے مواعظ سے مستفید ہوتے ہیں ۔ اور دوسرے دن یعنی ۱۹ ربیع الاخر بعد نماز فجر طعام نیاز کھلایا جاتا ہے ۔

ماہانہ فاتحہ

برادر عالی قدر جناب سید احمد شاہ صاحب ہر ماہ ۱۸ / ربیع الثانی کو تا ایں دم درگاہ شریف میں قصیدہ بردہ شریف کی مجلس منعقد کرتے ہیں ۔ اس محفل میں جانشین حضرت محدّث دکن تشریف لایا کرتے تھے اور اب آپ کے جانشین کا بھی یہی معمول ہے ۔

پیغامات تعزیت

حضرت محدّث دکن کی " سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت " رحلت کی خبر شائع ہوئی تو ملک بھر کے علماء اور زعماء نے تعزیت کی ۔ اخبارات و رسائل

نے تعزیتی بیانات شائع کئے ۔ دینی اور اسلامی اداروں نے قرار دادیں منظور کیں ۔ جا بجا جلسے ہوئے جن میں ہمارے حضرت کی سیرت اور خدمات پر تقریریں کی گئیں ۔ متعدد شہروں میں ایصال ثواب کے اجتماعات ہوئے ۔ ہمارے حضرت کے مداح اور ارادت مند لاکھوں کی تعداد میں تھے ۔ اس لئے شہروں اور دیہات میں سبھوں نے اپنے اپنے طور پر اظہار عقیدت اور ایصال ثواب کے طریقے اختیار کئے ۔ یہ ساری تفصیلات اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتی رہیں ۔ یہاں ان سب کا احاطہ کیا جائے تو طوالت ہو جائے گی اس لئے چند خطوط تعزیت اور پیغامات نقل کئے جاتے ہیں ۔

ہمارے حضرت کے وصال سے ایک دن قبل حیدر آباد کے معروف و مشہور شیخ اور واعظ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ کا اپنے مسکن قادری چمن میں انتقال ہوا ۔ اس طرح ایک دن کے وقفہ سے حیدر آباد دو عظیم المرتبت شیوخ کے فیوض سے محروم ہوگیا ۔ اس وجہ سے تعزیت دینے والے اصحاب نے ان دونوں بزرگوں کی ایک ساتھ تعزیت پیش کی ہے ۔

۱ ۔ مولانا سید شاہ محمد الحسینی سجادہ نشین روضہ بزرگ گلبرگہ شریف

"ابھی حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب کے غم سے آنکھ کے آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب کا وصال ہوگیا ۔ سر زمین دکن کا ذرہ ذرہ ان کے فیض عام سے منور ہو گیا تھا ۔ ہماری آنے والی نسل ان کی سرپرستی سے محروم ہوگئی ہے "

حضرت سجادہ صاحب گلبرگہ شریف نے یہ بھی فرمایا کہ ان دو بزرگوں کا سانحۂ ارتحال سرزمین دکن کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے ۔

۲ ۔ تعزیتی جلسہ مسجد چوک

حضرت محدث دکن اور حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری کے وصال پر بعد نماز عصر مسجد چوک میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مسلمانوں نے خراج

عقیدت پیش کیا اور یہ قرار داد منظور کی گئی۔

" ہمارا ملک دو عظیم المرتبت علماء دین سے محروم ہوگیا جن کے ارشادات اور روحانی تربیت سے ہزاروں تشنگانِ طریقت سیراب ہوتے تھے "۔

اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا مفتی محمد رحیم الدین صاحب شیخ الجامعۃ النظامیہ نے فرمائی اور حضرت قاری سید حسن شاہ صاحب امام اور خطیب مسجد چوک نے دعاء مغفرت کی۔

۳۔ حضرت خواجہ نظام الدین معتمد عمومی کل ہند مجلس اتحاد المسلمین

" حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی کے وصال مبارک سے حیدر آباد کی دینی اور روحانی دنیا کو جو نقصان پہونچا ہے بظاہر اس کی تلافی ممکن دکھائی نہیں دیتی ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم ان کے فیضان سے محروم ہوگئے حضرت محترم کی زندگی اور موت ہم سب کے لئے درس اور موعظت رکھتی ہے "

۴۔ مولانا حافظ قاسم صدیقی صاحب نے تعزیتی بیان میں فرمایا

حضرت قبلہ اپنی خاص صفات کے اعتبار سے سلف صالحین اور علمائے دین کی آخری یادگار تھے آپ کا سب سے زیادہ روشن وصف، تقوی، زاہدانہ زندگی، مجاہدانہ خاموش اور دینی خدمت تھی "

۵۔ "یوم محبوبَین "

مجلس چشتیہ حیدر آباد کے زیر اہتمام نبی خانہ اکبر پتھر گٹی میں یوم محبوبَین منایا گیا اور ان دونوں بزرگوں کے انتقال پُر ملال پر رنج اور غم کا اظہار کیا گیا۔

۶۔ چیف آرگنائزر مسلم لیگ تلنگانہ

جناب عبداللطیف خان صاحب چیف آرگنائزر نے حضرت محدّث دکن کے وصال پر اپنے تعزیتی بیان میں کہا:

" حضرت قبلہ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک دین کی اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے جو عظیم رول انجام دیا ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے لاکھوں مریدوں بلکہ تمام مسلمانوں کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے "۔

۷۔ معتمد انجمنِ اسلامیہ

ملا عبد الباری صاحب نے ہر دو بزرگوں کی جدائی کو ملت اسلامیہ کا نا قابل تلافی نقصان قرار دیا۔

۸۔ نواب ماندور خان

نے کہا کہ ان بزرگ ہستیوں نے علم و عرفان کی جو شمع روشن کی ہے اسے ان کے چاہنے والے انشاء اللہ کبھی بجھنے نہ دیں گے۔

۹۔ لطیفیہ عربی کالج مغل پورہ

اس کالج میں تعزیتی جلسہ مقرر ہوا اور جناب سید شاہ محمد عبدالرزاق قادری موسوی معتمد کالج نے مجلس نظماء کی طرف سے ان گراں مایہ ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

" سرزمین دکن ایسی عظیم المرتبت ہستیوں کی خدمات جلیلہ سے محروم ہوگئی جن کی ذات قدسیہ پر نہ صرف حیدر آباد بلکہ سارا ہندوستان اور عالم اسلام بجا طور پر فخر اور ناز کر رہا تھا۔ ایسے دور میں جبکہ ہر طرف الحاد اور بے دینی کی مسموم ہوائیں چل رہی ہیں ان مایہ ناز دینی رہنماؤں کی جدائی سارے ملک کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے "۔

۱۰۔ بلدیہ کا اجلاس اور قرار داد تعزیت

مجلس بلدیہ عظیم تر حیدر آباد کے اجلاس میں دکن کی دو عظیم شخصیوں کے انتقال پُر ملال پر رکن بلدیہ مسٹر رحمت علی صاحب نے دو تعزیتی قرار دادیں پیش کیں اور

حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب اور حضرت ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب کی علمی اور ملی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

۱۱۔ نبی خانہ حضرت خیرالمبین میں انجمن قادریہ کا جلسہ تعزیت

اس جلسہ میں علماء کرام، مشائخ عظام اور اکابر ملت اور قائدین نے ان دونوں بزرگ ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کیا اور یہ قرار داد پیش ہوئی:

"دو عظیم برگزیدہ شخصیتوں کے وصال سے حیدر آباد میں گذشتہ نصف صدی سے جاری سرچشمہ فیوض و برکات کا آخری باب ختم ہوگیا جن سے دینی اور روحانی زندگیاں وابستہ تھیں۔ ان بزرگ ہستیوں کے پردہ فرمانے سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر ہونا مستقبل قریب میں نا ممکن معلوم ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کی زندگیاں عبادت اور اطاعت الٰہی کا ایسا بے مثال نمونہ تھیں جن پر اس صدی کے مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہے گا"۔

۱۲۔ بیرسٹر نواب اکبر علی خان رکن پارلیمان کا خراجِ عقیدت

"ان دو بزرگ ہستیوں نے علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں اور انسانی ہمدردی کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ کبھی بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ باطن کی پاکیزگی انسانیت کی معراج ہے اور یہ خصوصیت ان حضرات میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے نقش قدم پر چلیں"۔

۱۳۔ مسٹر مخدوم محی الدین قائد حزب مخالف قانون ساز کونسل

"بے چین اور مضطرب دلوں کو روحانی تسکین پہونچانے والے بزرگ آج ہم میں نہیں رہے۔ ان بزرگوں نے جنہیں ہم آج اپنے دل کی گہرائیوں سے خراجِ عقیدت پیش کررہے ہیں بلالحاظ مذہب و ملت سارے بنی نوع انسان کی خدمت انجام دی اور ان ہی بزرگوں نے قلوب انسانی کو ملانے کی پیہم کوششیں کی ہیں"۔

۱۴۔ مولانا شیخین احمد شطاری کامل نے فرمایا

"فقیروں کا دربار بلا لحاظ مذہب و ملت عوام کے لئے کھلا رہتا ہے اور اس سرچشمۂ ہدایت سے ہر کس و ناکس مالا مال ہوتا ہے، ان بزرگوں نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ ایسے پاکیزہ نقوش قائم کئے ہیں جنہیں ہم اپناکر فلاح دارین حاصل کرسکتے ہیں"۔

۱۵۔ پروفیسر (ڈاکٹر) سید عبداللطیف پروفیسر انگریزی جامعۂ عثمانیہ

"ملت کے ان دو عظیم المرتبت رہنماؤں کی جدائی قوم کا ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی اب ممکن نہیں۔ ان کی یاد کو صرف اس صورت میں تازہ رکھا جاسکتا ہے جب کہ ہم ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کی کوشش کریں"۔

۱۶۔ صدر مجلسِ اردو کا تعزیتی بیان

مسٹر جانکی پر شاد صدر اردو مجلس حیدر آباد نے کہا:

"دکن کی دو عظیم ہستیوں کا اٹھ جانا دکن کے بسنے والوں کے لئے ایک نقصان عظیم ہے۔ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی اور حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی قادری کی علمی، مذہبی اور دینی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا"۔

۱۷۔ قائد پست کردہ اقوام مسٹر شیام سندر کا بیان

"ہم سے دکن کی دو عظیم المرتبت شخصیتیں جدا ہوگئیں، اس سانحہ پر جتنا افسوس اور رنج کیا جائے کم ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے علم، عمل اور تعلیمات کے ذریعے ساری انسانیت کی خدمت انجام دی ہے۔ لاکھوں افراد ان بزرگ ہستیوں سے بلا تخصیص مذہب و ملت فیض پاتے رہے۔

۱۸۔ رکن پارلیمان و سابق گورنر اتر پردیش بی رام کشن راؤ کا بیان

"دکن کی یہ مایہ ناز ہستیاں نہ صرف دکن بلکہ سارے ہندوستان کےلئے بلا لحاظ مذہب و ملت قابلِ تعظیم تھیں۔ ان بزرگوں نے اپنی زندگی کو مخلوقِ خدا کی خدمت

کے لئے وقف کر دیا تھا۔ مادرِ وطن کو ان بزرگوں پر بجا طور پر فخر حاصل ہے "

منظومات بر وصالِ مبارک

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کے وصال پر نزدیک اور دور کے متوسلین اور معتقدین نے جس طرح رنج و غم کا اظہار کیا، جتنے جلسے جا بجا منعقد ہوئے، لنگر تقسیم کئے گئے، ختمِ شریف ایصالِ ثواب کے لئے پڑھے گئے، قراردادیں منظور ہوئیں، خطوط شائع کئے گئے، اخبارات و رسائل میں مقالے لکھے گئے، سجادہ نشین حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت فیض درجت میں تعزیتی مکتوب بھیجے گئے، جس طرح ان سب کا احاطہ دشوار ہے اسی طرح منظوماتِ تعزیت کا جمع کرنا بھی مشکل ہے۔ اس لئے نمونہ اور یادگار کے طور پر صرف چند نظمیں، قطعے اور تاریخیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مسدس از محمد اصغر صاحب ابجد حیدر آبادی

پیرِ عبداللہ شہِ بدرِ کمال　　عابدِ مرتاض ، عبدِ ذوالجلال
از جنوبِ ہند تا حدِ شمال　　فی زمانہ جن کی مشکل ہے مثال
رہنما یوں ، عینِ منزل ہوگیا　　عبد اب اللہ سے واصل ہوگیا
قول جن کا معنی قرآن تھا　　فعل حسبِ سنت و فرمان تھا
حال گویا صالحین کی جان تھا　　نورِ عرفاں ضوفشاں ہر آن تھا
رخ ضیائے حق سے پر تنویر تھا　　سورہ یوسف کی دل تفسیر تھا
وہ گلِ گلزار رمزِ اولیا　　تھی " علاج السالکین " ہر اک ادا
وہ " سلوکِ نقشبندی " کی ضیاء　　ہوگئی " حق کی محبت " میں فنا
وقفِ بند و رہنِ خامہ تھی حیات　　سر بسر " معراج نامہ " تھی حیات
معرفت سے گرچہ تھی ماموِر جاں　　اور حقیقت دیدہ و دل میں نہاں
اور طریقت کا عمل تھا ترجماں　　پر شریعت ہی رہی نوکِ زباں

شرع گویا عبدیت کی جان ہے　　عبدِ کامل کی یہی پہچان ہے
آپ کیا اٹھے کہ نعمت اٹھ گئی　　چلتی پھرتی ایک رحمت اٹھ گئی
کس قدر روشن حقیقت اٹھ گئی　　دین کی محفل سے عظمت اٹھ گئی
اہلِ ایماں کیوں نہ ہوں ابجد ملول　　آہ تھے " زجاجۃ المصابیح " رسول

قطعات از شاعرِ قوم جنابِ حلمی افندی صاحب

جو یاد میں محبوب کی کھو جاتے ہیں　　واللیل کی زلفوں میں وہ سوجاتے ہیں
ہوتے نہیں دنیا کے وہ بندے حلمی　　اللہ و محمد کے جو ہوجاتے ہیں

ہر حال میں جو شکر ہے کرنے والے　　ایسے بھی ہیں دنیا سے گذرنے والے
اوروں سے وہ ڈرتے نہیں ہرگز حلمی　　ہوتے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے

قلبِ مسلم کا آبگینہ ہے　　نورِ ایمان کا خزینہ ہے
جس کا دل ہے رسول کی تربت　　اس کا سینہ نہیں مدینہ ہے

کیا مبارک وہ موت تھی واللہ　　مطمئن قلب محو دیدِ نگاہ
نزع میں تھے رسول پیشِ نظر　　لب پہ تھا لا الہ الا اللہ

چند قطعات مع مادہ ہائے تاریخ

نتیجہ فکر صاحبزادہ میر لطف علی پاشا خلیفۂ حضرت محدّث دکن

۱۔ نذرِ دلگیر بہ پیشگاہ پیر بے نظیر " ۱۳۸۴ ھ " مرشدی و مولائی ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نوّر اللہ مرقدہ:

قطعہ

بہارِ نغمہ ساز آئے نہ آئے　　خمارِ رفتہ باز آئے نہ آئے
فقیرِ دلربا ہی چل بسا ہے　　کوئی دانائے راز آئے نہ آئے

(وصفِ خاص)

۲۔ از شاعر قوم جناب حلمی افندی صاحب

مسجد خموش اور ہے چپ خانقاہ آج | حضرت کو ڈھونڈتی ہے ہماری نگاہ آج
حلمی ندائے ہاتفِ غیبی ہے یادگار | ہیں جنتِ قدیر میں عبداللہ شاہ آج

۱۳۸۴ھ

۳۔ از جناب محمد اصغر صاحب ابجد صدیقی قادری ملتانی

عارفِ حق پیر عبداللہ شاہِ محتشم | جانب فردوس جب راہی ہوئے وہ محترم
عرض کی باصد ادب ابجد نے تاریخِ وصال | ہے مقام پیر عبداللہ در قصرِ ارم

۱۳۸۴ھ

دیگر:

اٹھ گئے جب پیرِ عبداللہ تو آئی صدا | یہ حقیقی پیروِ شرعِ رسول اللہ ہے
مصرعِ تاریخ ابجد ثبت کر یہ لوح پر | خوابگاہِ پیر سید شاہ عبداللہ ہے

۱۳۸۴ھ

از جناب مولوی عبدالمجید صاحب، استاذ دار العلوم حیدر آباد

آفتاب قدس شد تاریک و تار | یک جہان نوریاں شد نا امید
پنجشنبہ ہجدھم آخر ربیع | صبحدم شیخ مقدّس او کشید
آسمانِ مغفرت گشتہ محیط | کے توانم فاتحہ گفتن مجید
از فوادِ "عجز" رضواں گفت سال | "ہر عبداللہ شہ جنت رسید

۳ + ۱۳۸۱ = ۱۳۸۴ھ

واضح ہو کہ پیغامات تعزیت اور تاریخ وفات کے قطعات ماہنامہ "القدیر" محدّث دکن نمبر بابت اکتوبر ۱۹۶۴ء سے ماخوذ ہیں۔ یہ ماہنامہ جناب احمد اللہ قدیری صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا تھا عالی جناب ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی صاحب نے اس عاجز کو یہ

ماہنامہ فراہم کیا ہے۔ اللہ تعالی موصوف کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین ۱۲ (ابوالخیرات غفرلہ)

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کی وفات پر تعزیتی پیامات، نثر و نظم میں مادہائے تاریخ کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ اس موضوع کے آخر میں قطعہ تاریخ تکمیل طباعت زجاجۃ المصابیح جلد پنجم بھی پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ یہ نظم حیدر آباد فرخندہ بنیاد کے عظیم شاعر جناب محمد عبدالقادر خان خسرو علیہ الرحمہ کی ہے۔ موصوف حضرت محمد عبدالغفور خاں نامی کے فرزند اکبر تھے اور اس عاجز راقم کے استاذ پروفیسر (ڈاکٹر) محمد عبدالمعید خاں صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ و ناظم دائرۃ المعارف العثمانیۃ (رحمۃ اللہ علیہم) کے برادر اکبر تھے۔ یہ نظم اگرچہ کہ فارسی میں ہے مگر بڑی سلیس، سادہ سہل الممتنع، اور حقائق سے پُر ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

سید عبداللہ شہِ مرشد ما عمرِ خضرش دہاد حق تعالی
پنجمیں جلد ترتیب دادہ کرد کامل کتابِ زجاجہ
چوں نمود ابتدائے کتابت یافت از سرورِ دیں اجازت
زیں شرف از حضورِ رسالت می شود انتسابِ زجاجہ
رہنمائے رہِ دین و ایماں مرشدِ سالکاں قطبِ دوراں
کردہ تجویز بہر مریضاں نسخۂ لا جوابِ زجاجہ
کس ز طبعش نکرد است اعلان نکہتش منتشر شد بدوراں
گرچہ اندر وطن ہست پنہاں نافۂ مشکنابِ زجاجہ
مستند فقہِ اہل سنن شد معتبر در نگاہ زمن شد
للہ الحمد ملکِ دکن شد مطلعِ آفتابِ زجاجہ
آفتابِ فلک ایں نیاید کو زوال و غروبے بیابد

تا قیامت ہمیں طور باشد در جہاں آب و تابِ زجاجہ

بہرِ احناف تازہ نوید است زیبِ ایں نسخۂ ماہِ عید است

در بلادِ عرب چوں رسیدست از دکن ماہتاب زجاجہ

تا زمانیکہ تالیف باشد طالبِ علم زو فیض یابد

نامۂ خیر شیخم بگردد پُر ز اجر و ثوابِ زجاجہ

گر کنی شرح و بسطِ مسائل ہرگزت پیش آید نہ مشکل

میکنی زود مقصود حاصل گر بخوانی کتابِ زجاجہ

چوں خبر از طباعت رسیدہ خسروِ کمتریں دست بستہ

عرض کردہ سنش طبع گشتہ جلد پنجم کتابِ زجاجہ

۱۳۸۰ھ

برادر طریقت جناب کلیم قریشی صاحب سے اس عاجز نے درخواست کی تھی کہ اس مبارک تذکرہ کے لئے آپ ایک تازہ منقبت لکھیں تاکہ شریک تذکرہ ہو۔ الحمد للہ آنمحترم نے اس مسعود موقع پر اپنے دل کی گہرائی اور سچی عقیدت کے ساتھ ایک بڑی دلکش منقبت روانہ فرمائی۔ قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے گا اس منقبت میں ایک خاص کیفیت اور والہانہ انداز ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے شیخ کی محبت اور عقیدت میں وارفتہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اُسرار زبان پر لا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

یاد جمیل

نذر بارگاہ شیخ طریقت عارف باللہ، عاشق رسول اللہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ از برادرِ عالی قدر جناب کلیم قریشی صاحب نقشبندی و قادری دام فضلہ:

آنکھیں مدینہ، روئے مبیں قبلہ گاہ تھا — دل جلوہ گاہ نورِ دو عالم پناہ تھا

اللہ کے ولی تھے، نبی کے امین تھے — اسم گرامی آپ کا عبداللہ شاہ تھا

وردِ زباں تھا صرف رسولِ خدا کا نام — اصحابؓ کی روش پہ رہے گامزن مدام

لوحِ جبینِ پاک پہ جلوہ فزا ہلال — چہرہ تمام سورۂ یوسف کا تھا جمال

قرآن کے فہم تھے تو شعورِ حدیث تھے — حسنِ عمل شریعت و سنت میں بے مثال

سو جان سے رسولِ خدا پر نثار تھے — عبداللہ شاہ عابدِ شب زندہ دار تھے

انداز مسکرانے کا دل موہتا ہوا — فردوس کا ہو جیسے دریچہ کھلا ہوا

حیرت میں چشمِ دل، تو بصیرت تھی دم بخود — یہ چودھویں کا چاند کہاں رونما ہوا

پائے رموز مرشدِ روشن ضمیر سے — حضرت کو خاص فیض ہے پیرانِ پیر سے

اذکار میں جواب، نہ اُسرار میں جواب — گفتار میں جواب، نہ کردار میں جواب

دین خفیف ہوگیا جب خود کہیں خموش — دنیا کہاں سے لائے، دیندار کا جواب

روشن چراغِ قادری و نقشبند ہیں — کونین میں بفضلِ خدا سر بلند ہیں

پیشِ نظر ہمیشہ خدا کی کتاب تھی — ہر سانس اتباعِ رسالتمآب تھی

جو کام تھا شریعت و سنت کی حد میں تھا — جو بات تھی خدا کی قسم لا جواب تھی

جو بندگی کا حق تھا ادا ہو کے رہ گیا — بندہ رہِ خدا میں فنا ہو کے رہ گیا

قوت میں ضعف ڈھلتا تھا تازہ وضو کیساتھ — کس آبرو کا پاس تھا، کس آبرو کے ساتھ

وہ فرض ہو کہ سنت و واجب کہ نفل ہو — اللہ سے وصال تھا اللہ ھو کے ساتھ

مردِ خدا تھے پیشِ خدا جھومتے رہے — جلوے بہ احترامِ نظر چومتے رہے

حضرت کی ہر دعا میں تھا لیسین کا اثر — دیدار ہی سے سرخرو ہوتا تھا ہر بشر

ہوتا تھا جس غلام پہ حضرت کا التفات — ہوتا تھا پھر وہ صاحبِ دل صاحبِ نظر

رحمت خدا کی ان پہ کہ مرحوم ہوگئے — ہم ظاہری فیوض سے محروم ہوگئے

یوں کلمہ گو کے ہاتھ میں قرآن دے گئے — جیسے سکونِ قلب کا سامان دے گئے

تھے باکمال آپ کے فیضِ توجہات — اللہ کا، رسول کا، عرفان دے گئے
طالب کو اپنے فیض سے سالک بناگئے — اپنے ہر اک غلام کو مالک بنا گئے
اب کس کو اپنا حالِ غمِ دل سنائیں ہم — قدموں پہ کس کے لوٹ کے تسکین پائیں ہم
اب کس سے اپنے غم کا مداوا طلب کریں — اب کس کو زندگی کا مسیحا بنائیں ہم
ہم رہروں کے حق میں صدائے جرس تھے آپ — ہم غمزدوں کے حق میں مسیحا نفس تھے آپ
آنکھوں کے نور، روح کو سوزِ یقیں ملے — قلب و نظر کو جلوۂ روئے مبیں ملے
یہ آرزو ہے آپ کے خادم کلیم کی — قدموں میں آپ کے اسے دوگز زمیں ملے
روشن ازل سے شمع ہے پروانہ چاہئے — اک آپ سا رسول کا دیوانہ چاہئے

ہمارے حضرت کے اخلاف کرام

حضرت محدّث دکن قدس اللہ سرہ کے چار صاحبزدے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ ہمارے حضرت نے دو صاحبزادوں کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ مختصر حالات ذیل میں درج ہیں۔

حضرت محدّثِ دکن قدس اللہ سرہ نے دو عقد فرمائے۔ زوجہ اولی مرحومہ سے صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا رشتہ جناب مولانا سید یوسف علی صاحب امام و خطیب جامع مسجد شولا پور (مہاراشٹرا) سے قرار پایا اور دونوں بیوی اور میاں نے الحمد للہ اچھی عمریں پائیں اور صاحب اولاد و احفاد ہوئے۔

ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ نے زوجہ اولی کے انتقال کے بعد نلدرگ (عثمان آباد، مہاراشٹرا) میں سادات گھرانے کی بڑی نیک نفس خاتون سے عقد فرمایا۔ ان زوجۂ اُخری سے جو اولاد امجاد اور بنات طاہرات ہوئیں ان کی تفصیل حاضر ہے:

حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی و قادری علیہ الرحمۃ

(وفات، جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ / ۳/ نومبر ۱۹۹۲ء)

مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی صحیح تاریخ ولادت محفوظ نہیں ہے۔ غالباً ۱۹۱۲ء سے قبل ولادت پائی تھی۔ ابتدائے عمر ہی سے ذہانت و فطانت کے آثار پیشانی سے ظاہر تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حیدر آباد کی معروف درسگاہِ علوم اسلامیہ جامعہ نظامیہ میں علوم کی تحصیل کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے علوم شرقیہ کے امتحانات سے فراغت حاصل فرمائی۔ ان مشرقی درسگاہوں کی تعلیم کی وجہ سے مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کو فارسی اور اردو میں کافی مہارت تھی، ہمارے حضرت محدّث دکن نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو دینی اور دنیوی علوم کی تحصیل کے بعد کسبِ حلال کے لئے ملازمت سرکاری میں مشغول فرمایا چنانچہ حضرت مولانا ابوالبرکات ہمارے حضرت کے وصال تک سلسلۂ ملازمت سے وابستہ رہے۔ البتہ ہمارے حضرت کی ۱۹۶۴ء میں جب وفات ہوئی تو ارشاد و ہدایت خلق کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا تھا اس لئے (۵۲) سال کی عمر میں رخصت مستحقہ کے بعد وظیفہ حسن خدمت حاصل فرمایا اور (۲۸) سال یعنی اپنی عمر کا بقیہ حصہ سجادہ نشینِ حضرت محدّثِ دکن کی حیثیت سے گذار دیا۔ ہمارے حضرت کی مسجد میں جو نظم اور اہتمام، نماز پنجگانہ کی امامت وغیرہ معمولات جاری تھے باحسن الوجوہ انجام دیے۔

عادات کریمہ

مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ بڑے متواضع اور حلیم الطبع بزرگ تھے ہر ایک سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے تھے۔ طبیعت میں بڑی سادگی تھی جس کا اظہار لباس اور غذاء وغیرہ میں ہوتا تھا۔ آپ نہایت سادہ کھانا تناول فرماتے تھے اور یوں بھی جو سامنے لایا جاتا بے تأمل تناول فرماتے۔ آپ کبھی غصہ نہیں فرماتے۔ آپ الحمد للہ مجذوب سالک تھے لیکن جذب غالب رہا کرتا تھا جس کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر دبدبہ

اور متانت ہوا کرتی تھی:

" رفتار میں کردار میں اللہ کی برہان "

کے مجسم پیکر تھے۔ زہد اور قناعت تو آپ کی خمیر میں تھے۔ مولانا ابوالبرکات کے اوصاف اور احوال کو دیکھ کر قارئین کرام کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مبارک حدیث سنانے کو جی چاہتا ہے جو حضرت کے حال پر شاہد ہے:

عن أبی خلاد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا رایتم الرجل المؤمن قد اعطی زھدا فی الدنیا وقلۃ منطق فاقتربو امنہ فانہ یلقی الحکمۃ (طبقات ابن سعد ۶/۱۳۰) اور التقریب (۲/۱۴۸).

(ترجمہ) ابو خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم مرد مؤمن کو اس حال میں دیکھو کہ اس کو دنیا سے زھد (یعنی بے رغبتی) اور کم گوئی دی گئی ہے تو اس کے قریب رہو (اور اس سے فائدہ اٹھاؤ) اس لئے کہ اس پر حکمت (دانائی) کا القاء ہوتا ہے (طبقات ابن سعد ۶ / ۱۳۰) التقریب (۲ / ۱۴۸)

اس حدیث شریف کی روشنی میں مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی دانائی کا ایک واقعہ یاد آیا جو اس عاجز سے متعلق ہے۔ اس عاجز کی خدمات تدریسی بحیثیت لیکچرار شعبۂ دینیات ساڑھے تین برس بعد بوجہ تخفیفِ شعبہ ۱۹۵۰ء ختم کردیئے گئے اور چودہ ماہ بعد دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ میں بجائے (۳۰۰ تا ۸۰۰) کے (۸۰ تا ۱۲۵) کی جائیداد پر مصحح کی حیثیت سے احکامِ تقرر وصول ہوئے۔ یہ عاجز مراسلہ تقرر لے کر اپنے پیر و مرشد قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمارے حضرت کچھ متفکر سے ہوئے کہ اسی جگہ اتنی بڑی ماہوار کی بجائے اس قدر کم مشاہرہ پر تقرر قابل غور ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: میاں! سید خلیل اللہ ایسے معاملات میں صاحب رائے اور صاحبِ بصیرت ہیں ان سے مشورہ کرو، حسب الحکم یہ عاجز مولانا ابوالبرکات کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

نے فرمایا۔ مولوی صاحب! آپ تنخواہ کا خیال نہ کریں خالص علمی تحقیقی کام ہے قبول کرلیں۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود! اس عاجز نے ان صاحب حکمت کی بات مان لی اور نتیجۃً ۱۹۶۰ء میں دوبارہ شعبۂ عربی میں فائز ہوا اور الحمد للہ ثم الحمد للہ ترقیاں حاصل کرتا ہوا صدر شعبہ عربی اور پروفیسر بنا اور عربی زبان کا صدر جمہوریہ ایوارڈ کا بھی مستحق قرار پایا۔ والحمد للہ حمداً کثیراً کما یحب ربنا و یرضی!

شادی اور اولاد

مولانا ابوالبرکات کی شادی ہمارے حضرت محدثِ دکن نے اپنے ہی گھرانے اور برادری میں طے فرمائی آپ کے خسر محترم اَلند شریف (گلبرگہ) میں وکالت فرمایا کرتے تھے۔ پولیس ایکشن کے بعد موصوف اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئے حضرت کی اہلیہ بڑی عابدہ اور متقی خاتون تھیں۔ بڑی سلیم الطبع اور خوش مزاج تھیں گھر بھر میں بڑی بہو ہونے کی حیثیت سے سب کی خیر خبر رکھتی تھیں۔

جود و سخا

حضرت محدثِ دکن قدس سرہ کی مانند حضرت ابو البرکات بھی بڑے سخی اور جواد تھے۔ پریشان حال اصحاب کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے تھے اور نقد و جنس کی تمام ضرورتیں ان کے لئے فراہم کرتے تھے اور اس طرح سے کہ عام طور پر دوسروں کو خبر بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ صرف ایک واقعہ جو متعلقہ شخص نے اس عاجز کو بتایا سنانا چاہتا ہوں۔ ہمارے ایک دیہاتی برادر طریقت اپنا گاؤں چھوڑ کر شہر منتقل ہوگئے تھے صاحب اولاد تھے، حضرت ہی کے محلہ میں ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اس مسجد کا انتظامیہ ہمارے حضرت کے نواسہ سید شاہ محمد قادری (مقیم ٹورنٹو، کینڈا) سے متعلق تھا۔ انہوں نے ان صاحب کو اس مسجد کی امامت سپرد کردی۔ فارغ اوقات میں یہ چھوٹی موٹی تجارت کرلیا کرتے تھے۔ مکان کے لئے ان صاحب نے ایک

چھوٹی سی زمین خریدی اور اس کے لئے علی الفور آٹھ سو روپیہ کی ضرورت تھی۔ یہ مولانا ابولبرکات علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی درپیش مشکل سنائی۔ ان موصوف نے اس عاجز کو بتایا کہ حضرت نے جوں ہی یہ بات سنی فوراً اٹھے اور اپنے خلوت کدہ سے پوری رقم لاکر ان صاحب کے حوالہ کردی۔ اسی کو کہتے ہیں اس طرح دو کہ "دائیں ہاتھ سے دے رہے ہو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو"۔

جیساکہ اوپر بیان کیا گیا حضرت ابوالبرکات طبعی فیاضی اور سیر چشمی کے ساتھ حزم واحتیاط، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی صفات عالیہ سے آراستہ تھے، لوگ اپنی مشکلات اور معاملات میں مشورہ اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے حاضرا ہوا کرتے تھے آپ بڑی بردباری اور دانشمندی سے ان اصحاب کو اپنے مشوروں سے سرفراز فرماتے اور ان کی اعانت فرماتے۔

اولادِ امجادِ حضرت ابوالبرکات

حضرت ابو البرکات کے تین صاحبزادے ہیں (۱) سید شاہ انوار اللہ ایم۔ اے جو اس وقت اپنے والد بزرگوار کے جانشین ہیں "نقشبندی چمن" جہاں حضرت محدّثِ دکن، حضرت کے متعلقین، معتقدین اور برادرانِ طریقت آرام فرما ہیں اس کو حقیقی معنوں میں نقشبندی چمن بنایا۔ الحمد للہ حضرت محدّث دکن قدس سرہ اور حضرت مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمہ کی جانشینی کے فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی سلسلۂ عالیہ کے فیوض کو جاری و ساری رکھے۔ آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین!

۲۔ سید شاہ ثناء اللہ سلمہ اللہ، حضرت مولانا ابو البرکات کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ نو عمری میں امریکہ بغرضِ تعلیم پہونچے اور الحمد للہ میڈیکل ٹیکنا لوجی میں ایم۔ ایس ہیں۔ شکاگو میں مقیم ہیں۔ اپنی ذاتی لیبارٹری قائم کی ہے آپ اپنے تیسرے چچا جناب سید حبیب اللہ مرحوم کے داماد ہیں اور دو صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادہ کے والد ماجد ہیں۔ تمام خاندانی اوصاف اور اخلاق عالیہ سے آراستہ ہیں اللہ تعالی مع اہل وعیال دارین میں عافیت سے رکھے۔ آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔

۳۔ سید شاہ عطاء اللہ۔ حضرت مولانا ابو البرکات کے تیسرے صاحبزادہ ہیں یہ بھی نو عمری میں بغرضِ تعلیم امریکہ پہونچے اور کمپیوٹر سائنس میں (ایم۔ ایس) کی اعلی ڈگری حاصل کی ہے شکاگو کی قریبی ریاست انڈیانا میں مقیم ہیں۔ آپ کی اکلوتی صاحبزادی ہے اللہ تعالی آپ کو اور ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔ وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین۔

حضرت مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کا جب انتقال ہوا تو یہ عاجز ہوسٹن (امریکہ کی ایک ریاست) میں مقیم تھا۔ شکاگو سے یہ خبر اس عاجز کو ملی۔ اس عاجز کے سمدھی جناب کلیم قریشی صاحب ان دنوں اپنے لڑکوں کے ہاں ریاض (سعودی عربیہ) میں مقیم تھے۔ اس عاجز نے اپنے اس برادر طریقت کو یہ روح ساخبر فون پر سنائی۔ موصوف نے اس عاجز کو خط لکھا اور اپنے جذبات رنج و غم سے آگاہ کیا۔ یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ اس مضمون کو جناب کلیم قریشی صاحب کے تعزیتی بیان پر ختم کرے:

"آپ نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ ہمارے محترم پیرزادے، جانشینِ حضرت محدّثِ دکن اس دنیا سے اچانک ہمیں اور اپنے وابستگان کو چھوڑ کر خلد بریں کی طرف چل پڑے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ غریب الوطنی میں یہ صدمہ قوت، صبر و استقلال سے بہت زیادہ ہے۔ بلا شبہ حضرت خلیل اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جانشینِ پیر

ومرشد تھے ۔ ہمارے شیخ طریقت کی نشانی تھے ۔ بلکہ ہمارے حضرت قبلہ قدس سرہ کی جیتی جاگتی تصویر تھے ۔ حضرت پیر و مرشد کے بعد وہ ہم جیسوں کے لئے ایک مستقل ڈھارس اور ایک ہمت تھے۔ ۲۸ سال تک ہم ان کی وساطت سے اپنے پیر ومرشد کے فیضان سے بخوبی مستفیض ہوتے رہے ہیں ۔ یہ روشن چراغ بھی گل ہوگیا ۔ مسند بے رونق ہوگئی ۔ بزم طریقت اور شریعت میں اب یکساں خلا پیدا ہوگیا ۔ وابستگانِ سلسلہ یتیم تھے اب یسیر بھی ہوگئے ۔ اللہ تعالی ہم سب پر رحم و کرم فرمائے"۔

۲۔ حضرت سید احمد صاحب نقشبندی

حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں ۔ آپ کی جب ولادت ہوئی تو آپ کی پھوپھی جو مومن آباد ضلع بیڑ کے ایک جاگیردار صاحب سے منسوب تھیں اور لاولد تھیں تو انہوں نے حضرت احمد میاں صاحب کو گود لے لیا جس کی وجہ سے آپ کی بود و باش اور تعلیم وہیں ہوئی اور وہیں سلسلہ ملازمت رہا اور پھر وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے آپ کے تین صاحبزادے ۱۔ سید محمود احمد ۲۔ سید غوث احمد اور ۳۔ سید مظفر حسین ہیں، یہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور زمینداری اور زراعت کے کاموں میں مشغول ہیں ۔ اللہ تعالی ان سب کو دارین میں عافیت سے رکھے ۔ آمین!

۳۔ حضرت سید حبیب اللہ صاحب نقشبندی (بی اے)

حضرت محدّث دکن کے آپ تیسرے صاحبزادے ہیں ۔ آپ عثمانیہ یونی ورسٹی کے گریجویٹ تھے ۔ سیلس ٹیکس آفس میں منتظم رہے ۔ آپ اپنے ماموں کے داماد تھے ۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد آپ نے بچوں کی صغرسنی اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش کے لئے خطیب مکہ مسجد مولانا مفتی سید محمود صاحب علیہ الرحمۃ جو ناظم جامعہ نظامیہ

تھے ان کی معذور پوتی سے شادی کی ان خاتون نے جو ایک سال بعد بیوہ ہوگئی تھیں اپنے شوہر کے خواب کی صحیح تعبیر ظاہر فرمائی اور حضرت حبیب اللہ صاحب کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی تعلیم ، تربیت اور ان کی شادیوں کی ساری ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ اللہ تعالی جزاء خیر عطا فرمائے۔ حضرت سید حبیب اللہ صاحب کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

صاحبزادوں میں ۱۔ سید محمد صاحب ۔ ۲۔ سید ولی اللہ صاحب ۔۳۔ سید صفی اللہ صاحب۔ ۴۔ سید نصر اللہ صاحب ۔ جناب سید محمد صاحب ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم ہیں ۔ سید ولی اللہ صاحب کا ان کے والد کی جائداد پر تقرر ہوا اور وہ بی کام ہیں ۔ سید صفی اللہ صاحب جدہ میں کارگذار ہیں اور سید نصر اللہ صاحب حیدر آباد میں زیر تعلیم ہیں۔

حضرت سید حبیب اللہ صاحب کی صاحبزادیوں میں سیدہ طاہرہ اپنے تایا کے دوسرے فرزند سید ثناء اللہ صاحب کی اہلیہ ہیں جن کا اُوپر ذکر کیا گیا ۔ اور بقیہ دو صاحبزادیوں میں ایک شولاپور میں قرابت میں بیاہی گئیں اور تیسری صاحبزادی اپنے میاں کے ساتھ جدہ میں مقیم ہیں ۔ اللہ تعالی سب کو ان کے متعلقین کے ساتھ دارین میں عافیت سے رکھے آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

۴۔ حضرت سید شاہ رحمت اللہ (ایم اے) نقشبندی خلیفۂ حضرت محدّثِ دکن

صاحبزادہ سید شاہ رحمت اللہ صاحب حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کے سب سے چھوٹے اور چوتھے صاحبزادہ ہیں ۔ آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے عربی زبان اور ادب میں بدرجہ اولی امتیازی کامیابی حاصل فرمائی ۔ مگر ایم اے ہونے سے پہلے سلسلہ ملازمت میں زرعی یونیورسٹی کے صیغہ حساب میں داخل ہو چکے تھے جس کی وجہ سے یونی ورسٹی میں تدریسی خدمات پر فائز نہیں ہو سکے ۔ ۱۹۸۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے ہیں۔

ہمارے حضرت قدس سرہ نے آپ کو بھی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ الحمد للہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اذکار اور اوراد کے پابند ہیں اور صاحب ذوق اصحاب الحمد للہ بیعت سے مشرف ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت باکرامت رکھے۔ آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں ا۔ ڈاکٹر سید شاہ صبغۃ اللہ صاحب۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (عثمانیہ) حکومت ایران نے آپ کی خدمات حاصل کی ہیں (۲) سید شاہ نعمت اللہ صاحب انجینئر ہیں اور نیویارک (امریکہ) میں مقیم ہیں (۳) سید شاہ سعد اللہ صاحب یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں اور حیدر آباد ہی میں رہتے ہیں۔ آپ کو مطالعہ کا بڑا شوق ہے اور گھر پر ہی رہتے ہیں۔ حضرت سید شاہ رحمت اللہ صاحب کی چار صاحبزادیاں ہیں دو حضرت سید مولانا یوسف علی صاحب خطیب جامع مسجد شولا پور کے نواسوں سے بیاہی گئیں اور باقی دوا پنے میاں صاحبان کے ساتھ حیدر آباد میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے متعلقین کے ساتھ دارین میں عافیت سے رکھے آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔

حضرت محدّث دکن کی صاحبزادیاں

حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کی تین صاحبزادیاں تھیں پہلی صاحبزادی جو زوجہ اولیٰ سے تھیں مولانا سید یوسف علی صاحب خطیب جامع مسجد شولا پور سے بیاہی گئیں دوسری صاحبزادی جناب مولوی سید عبدالرؤف صاحب (خوا ہرزادہ) امام وخطیب جامع مسجد قلعہ نلدرگ سے منسوب ہوئیں اور تیسری صاحبزادی سید احسان اللہ صاحب قادری سے منسوب ہوئیں۔ ان تیسری صاحبزادی کے نامور فرزند سید شاہ محمد قادری ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم ہیں۔ آپ نو عمری میں بغرض تعلیم امریکہ پہونچے اور میڈیکل ٹیکنالوجی میں بی۔ ایس کیا آپ کی دینی اور علمی سرگرمیاں ٹورنٹو میں قابل ذکر ہیں۔ ٹورنٹو سے بیس میل کے فاصلہ پر AJAX نامی مقام پر جناب

حافظ مفتی عبدالماجد خاں صاحب نے دارالعلوم قائم کیا ہے اور گرمائی تعطیلات میں علیحدہ دینی تربیتی نظام بھی جاری رہتا ہے۔ عزیزم جناب سید شاہ محمد قادری اس دینی درسگاہ کے سرگرم کارکن ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادہ ہیں ایک حافظ جنید قادری اور دوسرے حافظ عمیر قادری۔ الحمد للہ حافظ جنید نے دو سال قبل حفظ قرآن پاک کی تکمیل کرلی ہے اور الحمد للہ گذشتہ سال ۱۹۹۴ء میں تراویح میں قرآن پاک بھی سنایا ہے اور حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ان کے چھوٹے فرزند بھی اسی دینی مدرسہ میں حفظ قرآن پاک کرلیا ہے اور اس سال ۱۹۹۶ء میں محراب بھی سنایا ہے۔ اس طرح قادری گھرانے کے یہ دو چشم و چراغ کینیڈین ہونے کے باوجود اپنے اسلاف کی یاد کو تازہ کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا سید مظفر حسین نقشبندی علیہ الرحمۃ والدِ بزرگوار حضرت محدّثِ دکن جو حافظ قرآن اور عالم باعمل تھے ان کے بعد پھر تاریخ نے حفظ قرآن کے سلسلہ میں اپنے کو دُھرایا ہے۔ اللہ کرے کہ اس دولت لازوال یعنی قرآن پاک کے حفظ کے دوش بدوش یہ دونوں عالمِ دین بھی بنیں اور ملت کے لئے ہدایت اور روشنی کا مینار بنیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔ حافظ جنید سلمہ اور حافظ عمیر سلمہ کے والدین قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنی سرپرستی کا حق ادا کر دیا اور اپنے لئے ذخیرہ آخرت فراہم کر لیا اور آنے والی نسل کو ایک اچھا اسوہ اور نمونہ دیا۔ کثر اللہ امثالھم (اللہ تعالیٰ ایسی مثالیں بکثرت پیدا فرمائے) آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔

اولاد معنوی

حضرت محدّث دکن قدس سرہ کے مریدین کی تعداد کا اندازہ بے حد مشکل ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ آپ نے ارشاد اور ترویج طریقت کے لئے مدت العمر آم والی مسجد واقع حسینی علم کو مرکز بنایا ہر دن صبح اور شام لوگ جوق در جوق حاضر خدمت ہو کر بیعت فرماتے۔ اور گھر پر خواتین بھی ہر روز بکثرت داخل سلسلہ ہوتیں۔ ہمارے

حضرت کی مقبولیت اور شہرت قابل رشک حد تک پہونچ چکی تھی ۔ برِّصغیر کا گوشہ گوشہ ہمارے حضرت کی فیض رسانی کا گواہ ہے یہ کام جوانی کے زمانے سے آخر عمر تک پچاس ساٹھ سال جاری رہا ہے اس لئے بے تکلف و تامل قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے حضرت کی مریدین کی تعداد لاکھوں میں تھی ۔ یہ عاجز اس وقت شکاگو میں اپنے فرزند عزیز محمد امان اللہ خان امجد (اللہ تعالی اس کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے) کے ساتھ رہتا ہے ۔ آج مارچ ۱۹۹۶ء کی ۱۳ تاریخ ہے ۔ اس عاجز نے دوران قیام امریکہ ٹورنٹو ، ہوسٹن ، ڈیلس ، نیویارک ، سانس فرانسسکو، کیلیفورنیا اور لاس اینجلس کے سفر کئے ہیں الحمد للہ ہر جگہ برادرنِ طریقت اور معتقدین کی کثیر تعداد پائی ہے ۔

ذیل میں چند معروف مریدین اور معتقدین کے اسماء گرامی بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا حکیم محمد حسین صاحب شیخ الحدیث و امیر جامعہ نظامیہ حیدر آباد (انڈیا)

۲۔ مولانا سید حبیب اللہ رشید پاشاہ صاحب ، سابق امیر جامعۂ نظامیہ

۳۔ مولانا مفتی محمد عبدالحمید صاحب ناظم جامعۂ نظامیہ (مرید حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین والد حضرت محدّث دکن)

۴۔ پروفیسر قاری سید کلیم اللہ حسینی صدر شعبہ فارسی جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد

۵۔ جناب محمد منیر الدین صاحب استاذ تاریخ و سیاسیات جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد

۶۔ پروفیسر جناب فضل حق صاحب پرنسپل و استاذ انگریزی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

۷۔ مولانا سید عثمان جعفری دیو بندی استاذ شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ (موصوف مولانا فضل الرحمن نقشبندی گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور ہمارے حضرت کے معتقد تھے اور حاضر خدمت بھی ہوا کرتے تھے) ۔ موصوف اس عاجز راقم کے بڑے شفیق استاذ تھے ۔

۸ ۔ مولانا محمد علی صاحب دیو بندی استاذ شعبہ دینیات جامعۂ عثمانیہ (ہمارے حضرت کے معتقد تھے)

۹ ۔ نواب عبدالعزیز خان ساکن حسینی علم حیدر آباد (بڑے معتقد تھے ۔ ناشتہ پر ہمارے حضرت اور آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب علیہ الرحمۃ کو ہر دن زحمت دیا کرتے اور مسجد علی آقا حسینی علم میں نماز با جماعت کے لئے تشریف لاتے) ۔

۱۰۔ جناب مرزا شکور بیگ صاحب مرزا رکن مقنّنہ حکومت آندھرا پردیش

۱۱۔ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ ۔

۱۲۔ جناب حافظ مولوی عبدالرحیم صاحب امام خطیب مکہ مسجد (آپ تہجد میں قرآن پاک سنایا کرتے تھے) ۔

۱۳۔ جناب حافظ محمد حسین صاحب بن حافظ محمد امام صاحب (تراویح میں آپ قرآن کا سوا پارہ سناتے تھے ۔ اور بیحد خوش الحان قاری بھی ، ہمارے حضرت آپ کی تراویح میں امامت سے بے حد خوش تھے ۔

۱۴ ۔ جناب حکیم محمود خان صاحب ۔

۱۵ ۔ حضرہ الاستاذ مولوی غوث الدین صاحب (یہ دونوں حضرات ہمارے حضرت کے درس حدیث کے شاگرد تھے) ۔

۱۶ ۔ جناب الحاج محمد مہتاب علی صاحب ایڈوکیٹ گلبرگہ شریف ۔

۱۷ ۔ جنابہ رشیدہ بیگم (بی اے) استاذ ہائی اسکول گلبرگہ (زوجہ الحاج محمد علاؤ الدین ایڈوکیٹ ، ان دونوں میاں بیوی نے ہمارے حضرت کی کتابوں کی اشاعت خصوصاً زجاجۃ المصابیح عربی اور نور المصابیح اردو کی طباعت میں ہزاروں روپیہ سے اعانت فرمائی اللہ تعالی ان کو بہترین بدلہ عنایت فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین)

۱۸ ۔ جناب الحاج عبدالوحید خان صاحب امیر امارت شرعیہ مہاراشٹرا اورنگ آباد (انڈیا)

۱۹ ۔ استاذ مکرم پروفیسر محمد عبدالمعید خان صدر شعبہ عربی جامعۂ عثمانیہ و ناظم دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد ، ہمارے حضرت سے بڑی عقیدت رکھتے اور آپ کو اپنے گھر پر تشریف لانے کی زحمت بھی دیا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ ہمارے حضرت کو بارہویں کی نیاز شریف میں مدعو فرمایا ۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے سے ایک جگہ مدعو ہوں ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس عاجز سے فرمایا ۔ حضرت سے عرض کیجئے کہ ”میں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیاز میں مدعو کر رہا ہوں“ تو حضرت نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب عصر کے وقت اپنی گاڑی روانہ کردیں میں کہیں راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ کر ڈاکٹر صاحب کے گھر پہونچ جاؤں گا اور نیاز میں شریک ہوں گا ۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی عقیدت کی ایک مثال قارئین کرام کو سنائی گئی)۔

۲۰ ۔ جناب محمد علی بیگ صاحب موظف تحصیلدار (موصوف نے جناب حافظ صدیق حسین صاحب ہمارے حضرت کے جو خلیفہ اور مجاز تھے نقشبندی چمن کی اراضی کے حصول میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا ۔ (جزا ھما اللہ عنا خیر الجزاء)

۲۱ ۔ پروفیسر (ڈاکٹر الحاج) غلام محمد صاحب مرحوم صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ

۲۲ ۔ مولوی محمد عبدالرحیم صاحب بصراوی مرحوم آڈیٹر مرکزی دفتر حسابات حیدر آباد

۲۳ ۔ جناب عمر بن عبد اللہ الیافعی کوہیری

۲۴ ۔ جناب محمد شعیب صاحب انجینئر حکومت آندھرا اہردیش

۲۵ ۔ جناب سید تراب الدین صاحب ۔ بی ایس ۔ سی ، بی ۔ ای (ایکزیکیوٹیو انجینئر حکومت کرناٹک)

۲۶ ۔ حضرت سید اکبر شاہ صاحب صوبہ دار نظم جمعیت بارکس

۲۷ ۔ الحاج حضرت حافظ مولانا سید حسن شاہ صاحب (مولوی کامل نظامیہ) امام وخطیب جامع مسجد چوک حیدر آباد

۲۸ ۔ جناب سید شاہ محی الدین صاحب مہتمم بازات صرفخاص (موصوف نے حضرت کی ایک تالیف کو اپنے خرچہ سے طبع کرواکر ہمارے حضرت کے حوالہ کر دیا ۔ (جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء)

۲۹ ۔ الحاج حافظ سید احمد شاہ صاحب امام و خطیب مسجد ٹیپو خان ، نیا پل حیدر آباد آپ نے قصیدہ بردہ کی ایک جماعت قائم کی جو متبرک مہینوں اور دینی محفلوں میں اس مبارک قصیدہ کو پڑھتے ہیں جس سے عاشقان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیض یاب ہوتے ہیں ۔ ہمارے حضرت سے آپ کی ایسی گہری عقیدت ہے کہ ہمارے حضرت کے روضہ میں ماہانہ فاتحہ کے موقع پر ہر ماہ ہلالی کی ۱۸ تاریخ کو یہ مبارک قصیدہ پڑھتے ہیں اور موسموں کی شدت اور رکاوٹوں کے باوجود الحمد للہ یہ مجلس آج تک ناغہ نہیں ہوئی (اللہ تعالی ان کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے)۔

۳۰ ۔ مولوی امام الدین صاحب (مولوی کامل جامعہ نظامیہ) آپ اس عاجز کے خالو تھے آپ کے ایک فرزند جناب محمد نعیم الدین صاحب ۔ ایم ۔ ایس (امریکہ) شکاگو میں مقیم ہیں ۔

۳۱ ۔ مولوی سید عبدالنعیم الدین صاحب آڈیٹر حسابات (موصوف اس عاجز کے ہم درس ہیں)۔

۳۲ ۔ سید خلیل اللہ صاحب (ایم ۔ ایس سی) آپ نورالمصابیح کے انگریزی ترجمہ میں مشغول ہیں اور شکاگو میں مقیم ہیں ۔

۳۳ ۔ جناب سید محمد عصمت جناب سابق ڈپٹی سکریٹری حکومت آندھرا پردیش مقیم شکاگو ۔

۳۴۔ جناب محمد معین الدین صاحب چیف اکاؤنٹ آفسر حکومت آندھرا پردیش

۳۵۔ جناب محمد ضیاء الدین صاحب سکریٹری حکومت آندھرا پردیش مقیم شکاگو۔

۳۶۔ سید شاہ خلیل اللہ بن مولانا سید حبیب پاشاہ مولوی کامل (نظامیہ) مقیم امریکہ، (عزیزم خلیل پاشاہ سلمہ اس عاجز کے ۱۹۹۱ء کے حج میں رفیقِ سفر رہے)۔

ہمارے حضرت کے چند خاص خادمین تھے جو دن رات ہمارے حضرت کے کاموں کے ذمہ دار تھے ان میں سے چند یہ ہیں۔ ۱۔ جناب مولوی غلام محمد صاحب معتمد انتظامی کمیٹی مسجد علی آقا حسینی علم (۲) جناب غلام محمد قریشی صاحب (۳) جناب عبدالرحمن صاحب (۴) جناب حیات علی صاحب (۵) جناب بسم اللہ خان صاحب (۶) جناب سید عابد حسین صاحب (۷) جناب سید محمد صاحب (مؤذن مسجد) (۸) جناب امین صاحب جو دن رات میں چوبیس ہزار ذکرِ اسم ذات کے پابند تھے (۹) جناب محمد شفیع الدین صاحب کوہیری (کاتب عربی) (۱۰) محمد اصغر صاحب (کاتب عربی) (۱۱) جناب محمد داود علی صاحب (کاتب اردو)

واضح ہو کہ یہ چند نام ان برادرانِ طریقت اور معتقدین کے ہیں جس سے یہ عاجز راقم واقف ہے۔ ورنہ اس شمع ولایت کے پروانے سینکڑوں نہیں ہزاروں تھے اور الحمد للہ اس وقت بھی ہیں اللہ تعالی سب کو اولیاء کرام کی سرپرستی عطا فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین۔

خلفائے عظام

حضرت محدّث دکن قدس سرہ نے اپنے وصال سے دو سال قبل یعنی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں حسب ذیل برادران طریقت کو اجازت اور خلافت عطا فرمائی۔ اور یہ فرمایا کہ اور سلاسل میں تقریب منعقد کر کے خرقۂ خلافت سرفراز کیا جاتا ہے لیکن ہمارے طریقہ میں ایسا اہتمام نہیں۔ فرمایا کہ میں ایک روز حسب معمول اپنے پیرو مرشد قدس سرہ

کی خدمت فیضدرجت کے حلقہ ذکر میں حاضر ہوا۔ حضرت مخدوم نے سند خلافت، شایہ اور عمامہ پہلے سے تیار رکھا تھا اور یہ سب چیزیں بڑی سادگی کے ساتھ مرحمت فرمادیں۔ یہ بھی فرمایا میاں! سلسلہ طریقت جاری رہنا ہے ہمارے حضرت نے ان برادران طریقت کو ارشاد فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد آپ میرے دیوان خانے پر آجائیں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فرمایا۔ ہم میں سے اکثر کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ کس کس کو یاد فرمایا ہے۔ جب سب احباب جو نامزد خلافت تھے حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان سب کو یاد فرمایا ہے ان حضرات کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ (صاحبزادہ اکبر)

۲۔ مولوی سید عبدالرؤف صاحب مسافر (خواہر زادہ و داماد)

۳۔ مولوی سید رحمت اللہ صاحب (ام۔اے۔عربی) (صاحبزادہ خورد)

۴۔ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سررشتہ دار عدالت

۵۔ قاضی مولوی محمد عبدالوہاب صدیقی (ساکن نلدرگ، عثمان آباد (مہاراشٹرا)

۶۔ مولوی محمد جعفر علی صاحب ساکن بیدر (کرناٹک)

۷۔ مولوی محمد حسین صاحب ساکن عثمان آباد (مہاراشٹرا)

۸۔ مولوی حافظ صدیق حسین صاحب، امام خطیب مسجد توپ خانہ گوشہ محل۔

۹۔ جناب عبد الرزاق صاحب، امام و خطیب مسجد شہامت جنگ موسی باؤلی، حیدر آباد

۱۰۔ جناب صاحبزادہ خواجہ لطف علی صاحب ساکن کوکہ ٹٹی (حیدر آباد)

۱۱۔ ابوالخیرات محمد عبدالستار خان (راقم الحروف عاجز عفی عنہ)

تذکرہ حضرت محدث دکن

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر　　خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

رہبر شریعت رہنمائے طریقت عارف باللہ تعالیٰ

حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی حیدرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ

کھیتی تیری امت کی کیا خوب ہری نکلی　　جو شاخ شجر پھوٹی پھولوں سے بھری نکلی

معاصرین

جلد دوم



تالیف

ڈاکٹر ابوالخیرات محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری

ایم اے - پی ایچ ڈی

سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن (انڈیا)

الممتاز پبلی کیشنز لاہور

معاصرینِ کرام (عالم عرب کے نامور علماء)

کھیتی تری امت کی کیا خوب ہری نکلی
جو شاخِ شجر پھوٹی پھولوں سے بھری نکلی

سورۃ الانبیاء پارہ (۱۷) کی آیت نمبر (۱۰۷) میں ارشاد ربانی ہے " وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مگر سراپا رحمت بناکر سارے جہانوں کے لئے) اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا "انما انا رحمۃ مھداۃ (میں وہ رحمت ہوں جس کو اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمایا ہے) روی ہذا الحدیث الدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

صدر کی اس آیت شریفہ اور حدیث مبارک کی روشنی میں یہ عرض کرنا بجا ہے کہ شانِ رحمت للعالمینی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نیک اور مقرب بندوں سے جو آفتاب نبوت اور ماہتاب رسالت کی کرنوں اور ٹھنڈک سے جگمگاتے رہتے ہیں یہ کرہ خاکی نہ کبھی خالی رہا ہے اور نہ رہے گا۔ بندگان خدا کو صراط مستقیم دکھانے کے لئے ان حضرات کرام نے توحید و رسالت کی شمعیں فروزاں فرمائیں اور قیامت تک اس سلسلہ میں سرگرم عمل رہیں گے۔

اس طرح چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) میں پورے عالم اسلامی میں اسلاف کی یادگار میں ایسے عظیم مجاہدین، علماء ربانیین اور صوفیاء کرام گذرے ہیں جنھوں نے منبر و محراب اور میدان جہاد سے امت کو منزل حقیقی کے نشان دکھائے اور سمجھائے ہیں۔ اس لئے یہ عاجز راقم۔ اللہ تعالی اس کو دارین میں عافیت سے رکھے۔ ذیل کی سطروں میں حضرت محدّثِ دکن کے جلیل القدر معاصرین کا جو عالم اسلامی میں بین الاقوامی مرتبہ کے حامل رہے ہیں تذکرہ کرنا چاہتا ہے تاکہ عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ کی روایت کے مطابقت میں (اولیاء اور صالحین کا جہاں ذکر

ہو وہاں رحمت خداوندی اترتی ہے) نزولِ رحمت ہو اور یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ حضرات علم و معرفت، رموز و حکمت، احسان و سلوک اور ریاضت و مجاہدے اور جہاد فی سبیل اللہ کے سرچشمہ تھے۔

۱۔ الامام المحقق علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۶۵ھ - ۱۳۵۰ھ / ۱۸۴۹ء - ۱۹۳۱ء)

تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں مسلمان سیاسی ادبار کا شکار تھے۔ یورپ خلافت عثمانیہ کو جو اسلام اور امت کے صدیوں سے پاسبان تھے ختم کرنے پر تلا ہوا تھا ترکی کو وہ "مردِ بیمار" کہنے لگے تھے۔ بالآخر مصطفی کمال اتاترک، عصمت انونو اور وزیر خارجۂ برطانیہ لارڈ کرزن کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہوا کہ: (۱) ترکی اسلام سے اپنا رشتہ توڑ لے (۲) اسلامی خلافت کو منسوخ کر کے سیکولر دستور نافذ کر دے۔ بحوالۂ مجلہ فلسطین شمارہ اکتوبر ۱۹۷۰ء امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین کی ڈائری) علامہ اقبال شاعر اسلام نے اسی بات کو کیا خوب فرمایا ہے:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی عباء
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ادھر برّصغیر (ہندو پاک) کے افق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ستارہ چمک رہا تھا اور مغلیہ حکومت آخری سانسیں لے رہی تھی، عالم عرب کو اندرونی کشمکش کی چکی میں پیسا جارہا تھا۔ الغرض مشرق سے مغرب تک عالَم اسلام غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا جا چکا تھا نئے حاکم بھی سوچ رہے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمان کے دل و دماغ سے مذہب کی الفت نکال دی جائے اور خصوصا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جو مسلمان کے سینہ میں ہے اس کو ختم کر دیا جائے بقول علامہ اقبال علیہ الرحمۃ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

یہ جانتے تھے کہ مسلمان اس فرمان نبوی (علی صاحبھا الصلوۃ والسلام) کو اپنا ایمان اور دین سمجھتے ہیں:

لا یؤمن احد کم حتی اکون احبّ الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین

(تم سے کوئی دولت ایمان سے سرفراز نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھے اپنے باپ، اپنے بیٹے اور ساری دنیا سے بڑھکر عزیز نہ سمجھے)

اسی نکتہ کو شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے یوں بیان کیا ہے:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفی است
آبروئے ما ز نامِ مصطفی است

اسی لئے غیروں نے سوچا، حاکموں نے غور کیا کہ عشق مصطفی علیہ التحیۃ و الثناء کی بہاریں جب تک گل فشاں ہیں تب تک ملت مسلمہ کا شیرازہ نہیں بکھر سکتا اور جب ملت منتشر ہو جائے تو پھر ان کے اقتدار کو کسی قسم کا خوف لاحق نہ ہوگا۔ اب ضروری ٹھہرا کہ ذات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو موضوعِ بحث بنائیں اور اس سلسلہ میں شکست خوردہ قوم کے کچھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا جائے۔ یہ واقعہ ہے کہ قوموں میں ایسے ذہن ہر دور میں موجود ہوتے ہیں جو موجودہ اقتدار اور وجاہت کو اپنا مرجع اور ماوی سمجھتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی تلاش میں مغربی دنیا کامیاب ہوگئی۔ اس کو عالم عرب میں بھی ایسے لوگ مل گئے اور برصغیر (ہندوپاک) میں بھی ان کی تلاش بار آور ہوئی، مسئلہ یہ اٹھایا گیا کہ کیا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب کلی حاصل تھا یا نہیں؟ جگہ جگہ اس ابلیسی نظریئے کا چرچا کیا گیا اور کہا گیا کہ جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا علم کلی نہیں تو آپ کو غائبانہ ندا بھی جائز نہ ہوگی لہذا۔ الصلاۃ والسلام علیک

یا رسول اللہ کہنا کلمہ شرک ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالی نے اپنی عبادت میں نمازیوں کو السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ کی تعلیم دی ہے۔

ستم بالائے ستم! زندہ تو ایک طرف رہے، مردوں کو بھی نہ بخشا گیا اور مزارات پر بلڈوزر چلادیئے گئے۔ یعنی بدعت یزید کا احیاء ہوا کہ اس نے شہدائے اہل بیت کے مزارات پر ہل چلادیئے تھے اور ان نئے علمبرداران مذہب نے وہی کام بلڈوزروں سے لیا۔

انبیائے کرام علیھم الصلاۃ والسلام کے حقیقی وارث اولیائے عظام علیھم الرحمۃ والرضوان ہوتے ہیں، ان کی درگاہیں وجہ اتحاد اور سکون کا مرکز ہوتی ہیں ان خانقاہ نشینوں نے علمی، اخلاقی سماجی اور تہذیبی اقدار کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور ہر آڑے وقت میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی ہے۔ یہ خانقاہیں مغربی استعمار کے لئے مصیبت گاہیں تھیں لہذا اپنے ایجنٹوں کو ان کے خلاف بھی صف آرا ہونے کا حکم دیا اور عرب و عجم میں ان ضمیر فروشوں نے اولیائے امت کے خلاف جھوٹ اور سازشوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

ان حالات میں اور اس ماحول میں اللہ بزرگ و برتر کے چند نیک بندے میدان عمل میں اترے اور اسلامی عقائد کا دفاع کیا۔ ان حضرات نے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد ایسا ہی ہالہ بنایا جیسا کہ بدر اور احد کے میدانوں میں عظیم المرتبت صحابہ کرام علیھم الرضوان نے بنایا تھا۔

ان بندگانِ حق میں زیر تذکرہ، امام شہیر، عالمِ بے نظیر علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان حضرات کرام میں قدر مشترک عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ انہوں نے استعماریت کی کج فکریوں کو میدانِ علم میں للکارا، مغرب کے دجل و فریب کا بھانڈا چورا ہے میں پھوڑا، ان کے دلائل کے پرخچے اڑادیئے اور ثابت کردیا کہ ان باطل نظریات کی اینٹوں سے تعمیر ہونے والا محل "ان اوھن البیوت

لبیت العنکبوت" کا مصداق ہے اور مکڑی کے جالے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ان حضرات نے جو کھی جنگ لڑی، ان کی زبان، ان کا قلم اور ان کی تقریر نے امت کے فکری انحطاط کو ختم کیا۔ مغربی طرزِ فکر اور مغرب کے گماشتوں کے طرز استدلال کے لئے یہ لوہے کے چنے ثابت ہوئے جنہیں چبانے سے ان کے دانت ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے اور اگر ان چنوں کو نگل لیا گیا تو ان کی آنتیں پھٹ رہی تھیں۔

حُبّ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا موضوع ہے اور اسی مرکز ارجمند کی طرف یہ دعوت دیتے ہیں جو عظمتِ نبوی کا دشمن ہے وہ ان کا دشمن ہے اور جو حُبّ نبوی سے سرشار ہے وہ ان کا محبوب ہے۔ علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علمی موضوعات پر بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں اور عالم عرب کے سب اسکالروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ آپ کی تصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے معلومات کتنے وسیع ہیں، آپ کا قلم کتنا بوقلموں ہے اور آپ کی فکر کس طرح باطل افکار کے لئے شب خون ہے۔

علامہ یوسف نبہانی خلد مکانی ساٹھ کتابوں کے مصنف ہیں۔ راقم عاجز یہاں آپ کی چند کتابوں کا تعارف قارئین کرام کی نذر کرنا چاہتا ہے۔

فنّ حدیث میں آپ کی دو کتابیں معروف ہیں ایک الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر۔ دوسری قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین۔ یہ دونوں کتابیں آپ کی تمام تالیفات میں زیادہ مفید اور بہت نفع بخش ہیں۔ پہلی کتاب چودہ ہزار احادیث کا اور دوسری کتاب تین ہزار احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گنجینہ ہے۔ علم حدیث کی تدوین، تخریج، تحقیق اور تدقیق میں یہ دونوں کتابیں شاہکار ہیں۔

۳۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (۴) وسائل الوصول الی شمائل الرسول۔
(۵) قرۃ العینین من البیضاوی والجلالین (۶) شواہد الحق فی الاستغاثہ۔ بسید الخلق

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنے کا مدلل ثبوت (٦) النظم البدیع فی مولد النبی الشفیع (۷) الرحمۃ المہداۃ فی فضل الصلوٰۃ (۸) کتاب الاذکار (۹) کتاب البرزخ (۱۰) جامع کرامات الاولیاء۔ دیگر تالیفات کے نام اور ان کے موضوعات کے لئے جامع کرامات اولیاء کا مقدمہ تحریر کردہ مولانا محمد ذاکر شاہ چشتی سیالوی کا مطالعہ فرمایا جائے اور یہ مواد اسی مقدمہ سے یہ عاجز یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، والحمد للہ علی ذلک۔

آخر میں یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ مسئلہ علم الغیب پر مولانا احمد رضا خان بریلوی کی معرکۃ الاراء کتاب "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ" پر علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے تقریظ بھی لکھی ہے۔

آئیے اب علامہ نبہانی کے حالات زندگی کا بھی مختصر سا جائزہ لے لیں۔ علامہ نبہانی کا وطن خطّہ فلسطین ہے۔ آپ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے، عربوں کے ایک معروف قبیلہ نبہان کے آپ چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار بڑے فاضل اور صاحبِ تقوی بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل فرما کر ۱۲۸۳ھ میں الجامع الازھر میں داخلہ لیا اور ساڑھے چھ سال یہاں تعلیم حاصل فرما کر ۱۲۸۹ھ میں سند فراغت حاصل فرمائی۔ علامہ نبہانی جید عالم دین، عظیم اہل قلم، صاحب طرز ادیب، لازوال مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔ سنت نبوی کے عاشق، بدعت کے دشمن، عشق نبوی کی جیتی جاگتی تصویر تھے آپ حُبّ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی کا مرکز اور ایمان کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ یہی جذبۂ صادق آپ کو بار بار کشاں کشاں بارگاہِ بے کس پناہ میں مدینہ طیبہ لے جاتا تھا۔ آپ سفید ریش تھے، نورانی چہرہ تھا جو یاد الٰہی کے جلووں سے جگمگاتا رہتا تھا، دو زانو مؤدب بیٹھنے کی عادت تھی، الحمد للہ آپ صاحب کمال تو تھے ہی اور آپ کی اہلیہ محترمہ کو سید کُل، ختم رسل، دانائے سبل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوراسی (۸۴) دفعہ اپنے جمالِ جہاں آراء کی زیارت

سے نوازا ؛ خداوندا اس فضیلت سے ہمیں بھی سرفراز فرما :

خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

علامہ نبہانی نے کافی عرصہ تک بیروت میں عہدہ قضاء کو نوازا ، سرکاری لائبریری کے مہتمم بھی رہے ، بڑی مصروف زندگی گذاری ۔ عبادت ، ریاضت ، تصنیف و تالیف ، قضاء و فتاوی اور سفرحج و زیارت مدینۃ النبی آپ کے مقدس مشاغل تھے ۔ ضرورت ہے کہ آپ کی کتابوں کا ترجمہ ہندو پاک کے برادران اسلام کے لئے کتاب " جامع کرامات اولیاء" کی طرح اردو زبان میں آجائے تاکہ اردو دان طبقہ آپ کی پر از معلومات کتابوں کا مطالعہ کر کے علم و ادب اور اخلاق حسنہ سیکھتے رہیں اور قاری کے سامنے ولایت کے گلہائے نایاب کا نکھار ہو اور اس کی عقیدت ان پھولوں کی مہک پر نچھاور ہوتی رہے (ملاحظہ ہو جامع کرامات اولیاء ص ۵۴ تا ۷۹)

۲)السید محمد عبداللہ الصومالی الصالحی الصوفی

(۱۸۶۴۔۱۹۲۰ء)

الشیخ السید محمد عبداللہ صومالی ، صومالیہ (افریقہ) کے عظیم محدّث ، فقیہ اور مجاہد ہیں آپ نے بیس برس تک انگریز اور اٹلی سے مقابلہ کیا ۔ موصوف چھ برس مکہ معظمہ میں شیخ محمد بن صالح الراشدی بانی طریقۂ صالحیہ کے زیر تربیت رہے اور طریقت میں خرقۂ خلافت حاصل ہونے کے بعد براہ عدن ۱۸۹۵ء میں صومالیہ پہونچے آپ نے فوجی تنظیم کے ذریعہ انگریز اور اٹلی کی فوج کا بڑا جانی اور مالی نقصان کیا ۔ اس طرح اپنی تہذیب ، مذہب اور اپنے اسلامی معاشرہ کی حفاظت فرمائی ، شیخ صومالی نے اپنی قوم کو ان الفاظ سے للکارا اور دشمن کے مقابلہ میں مقاومت کے لئے تیار کیا :

" منکرین خدا دور دراز مقامات سے ہمارے ملک پر حملہ آور ہیں ۔ ان کا مقصد ہمارے مذہب کو بگاڑنا اور عیسائیت کو ہمارے اوپر مسلط کرنا ہے ، ہمارا اپنے خدا پر بھروسہ ہے ان کی فوجی طاقت سے ہمیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ۔ خداوند قدوس کی

طاقت ان کی طاقت سے کہیں بڑھکر ہے ۔"

۶۵ برس کی عمر میں آپ نے انفلوئنزا سے انتقال فرمایا رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃ (ملاحظہ ہو The Reliance of Traveller ص ۱۰۹۵)

۳)السید محمد بن علوی المالکی الحسنی المکی النقشبندی القادری

السید محمد بن علوی مکہ معظمہ میں حسنی سادات گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ اپنے والد سے ابتدائی تعلیم کے علاوہ دیگر علوم اسلامیہ کی تحصیل فرمائی ۔ اوائل عمری سے آپ کے والدِ ماجد نے تدریس پر مامور فرمایا ۔ بعد ازاں جامع ازھر سے علم حدیث میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل فرمائی ، مخطوطات کے حصول اور علماء سے ملاقات کے لئے مراقش ، پاکستان ، ہندوستان اور مصر کے سفر فرمائے ۔ ٹورنٹو (کینیڈا) میں اس عاجز نے مولانا سید جعفر محی الدین القادری ، سید نعمان مالک ایشین بیکری اور برخوردار سعد اللہ خان سلمہ اللہ کے ہمراہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں ملاقات کی سعادت حاصل کی ۔ فرمایا کہ علم حدیث کی سند حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفاء افغانی حیدر آبادی سے بھی حاصل کی ہے ۔ ۱۹۷۰ء میں جامعۂ اُمّ القری مکہ معظمہ میں قانون اسلامی میں پروفیسر کی حیثیت سے تقرر کیا گیا اور والد کے انتقال کے بعد مسجد حرام میں اپنے والد کی جگہ استاذ الحرم المکیّ مقرر ہوئے ۔ نقشبندیت میں خواجہ ناظم نقشبندی قبرصی کے ارادتمند ہیں ۔ قادریت میں مولانا ضیاء الدین مدنی سے مجاز ہیں ۔ لیکن سنّیت کے علمبردار ہونے کی وجہ سے وہاں حکومت سعودیہ نے آپ کی خدمات ختم کردیں اور اب اپنے گھر واقع شارع مالکی ، رُصَیفہ مکہ معظمہ میں فقہ مالکی اور حدیث شریف کا درس دیا کرتے ہیں ۔ آپ کے مکان سے متصل آپ کا مدرسہ بھی ہے ۔ ٹورنٹو میں میلاد النبی کانفرنس میں تشریف فرما ہوئے تھے ۔ صاحبِ جود و عطا ہیں ۔ اس عاجز کو بھی اور فرزند عزیز سعد اللہ خان سلمہ کو جو اس سفر میں ہمراہ تھا شال ، عطر ، غلاف کعبۂ مبارک کا پارچہ اور اپنی تصنیفات سے مرہون کرم فرمایا ۔ عمر مبارک پچاس سال کی

ہوگی ۔ اس سال بھی ۱۹۹۶ء میں عمرہ پر حاضری کے موقع پر مکہ معظمہ میں ملاقات کا شرف حاصل رہا ۔

اللہ تعالی تا دیر سلامت باکرامت رکھے ۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین ۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں معروف الذخائر المحمدیہ ، دروع الوقایہ باحزاب الوقایہ ، تاریخ الحوادث والاحوال النبویہ ، شوارق الانوار من ادعیۃ السادۃ الاخیار اور الطالع السعید المنتخب من المسلسلات والا سانید ہیں ۔

اللہ تعالی ملت اسلامیہ کو اس بحرِ زخار سے مستفید فرمائے ۔ آمین ! (ملاحظہ ہو مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۴)

۴۔ شیخ محمد سعید بن عبدالرحمن محمد سعید الشامی الداغستانی البرہانی النقشبندی

(۱۳۱۱ھ ۔ ۱۳۸۶ھ / ۱۸۹۴ء ۔ ۱۹۶۷ء)

محدثِ ، فقیہ حنفی ، مفسرّ ، صوفی ، مجاہد ۔ ۱۹۲۰ء میں فرانس نے جب ملک شام پر اپنا تسلط قائم کیا تو آپ نے زبردست مقاومت کی اور اس جہاد میں حصہ لیا ۔ پھر دمشق واپس ہو کر اپنے والد کے علاوہ شامی علماء شیخ عبدالقادر الاسکندری ، شیخ بدرالدین الحسنی مفتی دمشق اور شیخ عطا اللہ الکسم وغیرہم سے استفادہ فرمایا ۔ علومِ اسلامیہ کی تحصیل کے بعد شیخ ابوالخیر المیدانی النقشبندی (م ۱۹۶۱ء) سے طریقت میں ربط پیدا فرمایا اور پھر باقاعدہ شیخ محمد ہاشمی (م ۱۹۶۱ء) کی ارادتمندی اختیار فرمائی ۔ دمشق کی جامع اموی جامع مسجد توبہ میں درس جاری فرمایا ۔ کئی کتابوں کی تصحیح کی اور کئی کتابوں کے حواشی لکھے جیسے فقہ حنفی میں الھدیہ العلیۃ ، شرح شطرنج العارفین وغیرہما ۔ دمشق میں ۱۹۶۷ء میں انتقال فرمایا ۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ (ملاحظہ ہو مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۸)

۵۔ شیخ محمد ابوالخیر المیدانی الحنفی النقشبندی المجددی

(۱۲۹۳ھ ۔ ۱۳۸۰ھ / ۱۸۷۵ء ۔ ۱۹۶۱ء)

عالم ربانی ، محدّث ، فقیہ ، لغوی ، شیخ الدیار الشامیہ ، صوفی ، دمشق میں تحصیل علوم کے بعد استانبول (ترکی) کے مدرسہ حربیہ میں داخلہ لیا ۔ دمشق واپس ہو کر شیخ سلیم مسوتی حنفی امام جامع مسجد توبہ سے ایک مسئلہ کی دریافت میں ملاقات فرمائی ۔ شیخ مسوتی نے علوم شرعیہ کی تکمیل پر رغبت دلائی مگر ان کی والدہ دنیوی علوم کی تکمیل چاہتی تھیں ، علامہ شیخ مسوتی نے ان کی والدہ سے مل کر واضح کیا کہ یہ ان شاء اللہ شیخ الشام ہونے والا ہے ۔ الغرض والدہ کی رضا مندی سے شیخ سلیم مسوتی سے حدیث اور فقہ حنفی کی تمام کتابیں پڑھیں ۔ اسی دوران شیخ عیسی کردی نقشبندی سے طریقت اخذ فرمائی اور سنہ ۱۳۲۴ھ میں جب شیخ مسوتی کا انتقال ہوا تو شیخ عیسی کردی کے دامن کو بڑی مضبوطی سے تھام لیا ۔ آپ کے صلاح و تقوی کو دیکھ کر شیخ عیسی کردی نے اپنا داماد بنایا اور شیخ کی وفات (۱۹۳۲ء) تک آپ اُن سے استفادہ فرماتے رہے ۔ طلبِ صادق نے دیگر علماء دمشق سے استفادہ کے مواقع بہم پہونچائے اور سب نے ہر فن اور طریقت میں آپ کو مجاز گردانا ۔ شیخ ابوالخیر میدانی کئی زبانوں : ترکی ، فارسی ، کردی ، فرانسیسی اور انگریزی میں ماہر تھے ۔ علاوہ ازیں علومِ جدیدہ طب ، فلکیات ، تعبیرِ خواب ، اور علوم سائنس میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی ۔ اس جامعیت کی وجہ سے علامہ ابوالخیر میدانی اسلاف کرام کی جیتی جاگتی تصویر تھے ۔ آپ کا انتقال یوم جمعہ ۱۶ / رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء ستاسی برس کی عمر میں ہوا اور دمشق کے عوام و خواص آپ کے جنازہ میں شریک تھے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

۶۔ شیخ محمد امین بن فتح اللہ ، اَردبیلی ، کردی ، شافعی ، نقشبندی

(م ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۴ء)

یہ پچھلی صدی کے عظیم نقشبندی شیخ ہیں ۔ آپ اپنے شیخ عمر ضیاء الدین عثمان سراج نقشبندی کے مجاز اور خلیفہ ہیں ۔ قاہرہ پہونچنے سے قبل آپ نے مکہ معظمہ میں ایک سال قیام فرمایا ۔ جامع از ھر میں آپ نے قانون اسلامی کیساتھ دیگر علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل فرمائی جو آپ کی تصنیف " تنویر القلوب فی معاملة علوم الغیوب " میں بخوبی واضح ہے ۔ آپ کی یہ تصنیف عقائد ، فقہ شافعی اور تصوف پر مستند ذخیرہ ہے اور دستاویزی حیثیت رکھتی ہے ۔

قاہرہ میں آپ کا وسیع حلقہ قائم ہوا جن میں انابت الی اللہ ، عبادت ، اخلاق اور زہد یہ تمام صفات حسنہ جو ایک مؤمن کی زندگی کا سرمایہ ہیں پیدا ہوئے ۔ آپ کے متبعین میں قرآن اور سنت نبوی کا عظیم جوہر موجود تھا (مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۶)

۷۔ شیخ محمد بن حامد بن محمد ، ابن ابو جماعہ الھاشمی المالکی الشاذلی

(۱۲۹۸ھ ۔ ۱۳۸۱ھ / ۱۸۸۰ء ۔ ۱۹۶۱ء)

عالم ربانی ، فقیہ مالکی ، مصنف ، صوفی ، شیخ طریقہ علوی درقاوی بہ دمشق الشام ۔ آپ تلمسان کے ایک قریبی شہر صبدہ (الجیریا) میں پیدا ہوئے ۔ اپنے شیخ طریقت شیخ محمد بن یلّس کے ہمراہ دمشق ہجرت کرنے سے پہلے وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی ۔ دمشق میں کئی علماء کے سامنے زانوئے ادب طے فرمایا جن میں مشہور اور معروف بدر الدین الحسنی (م ۱۹۳۵ء) شیخ محمد جعفر الکتانی ، شیخ توفیق الایوبی ہیں ۔ ان کے شیخ نے اپنی زندگی میں انہیں مجاز گردان کر مسند ارشاد پر بٹھا دیا مگر یہ اپنے شیخ کے انتقال تک شیخ طریقت کی حیثیت سے ارشاد سے رکے رہے ۔ یہاں تک کہ شیخ احمد علوی نے حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے ۱۹۳۱ء میں ان کو علوی درقاوی طریق میں کامل

تذکرۂ حضرت محدّثِ دکن

شیخ طریقت بنایا ۔ اس کے بعد ان کا حلقہ ارشاد وسیع ہوتا گیا ۔ ان کی تدریس مساجد اور اپنے گھر میں جاری رہی اور ان کی تربیت میں کئی اہل اللہ نے خرقۂ خلافت حاصل فرماکر رشد و ہدایت کے کام جاری رکھے ۔ ان کی معروف تصنیف " مفتاح الجنة فی شرح عقائد اہل السنة " بڑی معتبر اور مستند کتاب ہے ۔ آپ کے خلفاء میں "حقائق التصوف" کے مصنف شہر حلب کے شیخ عبدالقادر عیسی کے علاوہ ، شیخ محمد سعید برہانی (م ۱۹۶۷ء) اور شیخ محمد سعید الکردی ہیں ۔ شیخ سعید کردی نے شاذلیہ طریقہ کو ملک اردن میں جاری فرمایا ہے ۔ جزاھم اللہ خیرا عن اھل السنہ والجماعہ ۔

شیخ محمد ہاشمی نے شاذلیہ طریقہ کی اشاعت میں بڑی جستجو فرمائی جس کی وجہ سے آپ کے سلسلہ کا نام ہاشمی درقاوی قرار پایا (مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۷)

۸۔ شیخ محمد بدر الدین بن یوسف بن بدر الدین الحسنی الحنفی الدمشقی

(۱۲۶۷ھ ۔ ۱۳۵۴ھ / ۱۸۵۰ء ۔ ۱۹۳۵ء)

محدّث دمشق ، فقیہ حنفی ، مفسّر ، لغوی ، مفتی ، زاہد ، عابد شب زندہ دار ، آپ کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم بھی مع سند اور متن حفظ تھی ۔ علاوہ ازیں علوم اسلامیہ میں متون کے بیس ہزار اشعار بھی زبانی یاد تھے ۔ اس کے بعد اپنی زندگی کو تدریس اور عبادت کے لئے وقف فرمادیا ۔ ریاضیات ، منطق اور علم لغت میں بھی ید طولی حاصل تھا ۔ اسلاف کرام کی زندہ یادگار تھے ۔ تقریبا سارے علوم اسلامیہ میں آپ کی تصانیف ہیں آپ کے فتاوی کو شیخ شعیب ارنوط الدمشقی (ولادت ۱۹۲۸ء) اور شیخ عبدالوکیل الدروبی الحمصی (ولادت ۱۹۱۴ء) نے جمع کیا ہے ۔ شیخ بدر الدین الحنفی کا انتقال دمشق میں ۱۹۳۵ء میں ہوا ۔ رحمة اللہ رحمة واسعة ۔ (حوالہ مذکورہ ص ۱۰۴۰)

۹۔ شیخ شامل محمد داغستانی نقشبندی الغازی المجاہد

شیخ شامل داغستانی وہ عظیم نقشبندی شیخ طریقت ہیں جنہوں نے اپنے مریدین کی فوجی

تربیت اور عسکری تنظیم کے ذریعہ ۳۵ سال تک زار روس کے خلاف جہاد کیا ہے۔ آپ کے شیخ طریقت ملا محمد الغازی الکمراوی تھے۔ روس نے جب خورجستان میں عیسائیوں کی حمایت کا اعلان کیا تو مسلمانوں کی حمایت کے لئے شیخ الکمراوی کھڑے ہوگئے اور اپنی وفات یعنی ۱۸۳۲ء تک لاکھوں نقشبندی مجاہدین کو لے کر روس کو کئی محاذ پر شرمناک شکستیں دیں۔ اس جہاد کو آپ کے بعد امیر حمزہ الخانز جی نے جاری رکھا لیکن یہ اسی سال جام شہادت نوش فرمائے۔ امیر حمزہ کے بعد شیخ شامل نے مجاہدین کی سپہ سالاری قبول فرمائی اور مسلسل ۲۰ سال جہاد جاری رکھا اور داغستان کو روسیوں سے آزاد کروالیا۔ روس نے اپنی فوج میں اضافہ کر کے اس جہاد کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ شامل نے مزید ۱۵ برس یعنی ۱۸۹۵ء تک زبردست مقاومت فرمائی مگر یہ گرفتار کرلئے گئے اور ترکی شہر بدر کردیئے گئے۔ شیخ شامل ترکی سے مدینہ منورہ پہونچے تاکہ زندگی کے باقی دن مدینۃ النبی میں گذاریں اور جنت البقیع میں دفن ہوں چنانچہ شیخ شامل نقشبندی نے مدینہ پاک میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ آمین بحرمۃ سید المرسلین (مذکورہ حوالہ ۱۰۹۵)

نوٹ۔ شیخ شامل داغستانی انیسویں صدی کے نقشبندی مجاہد اور غازی ہیں مگر حضرت کا تذکرہ اس لئے کیا گیا تاکہ قارئین کو معلوم ہو کہ روس کے خلاف صوفی مجاہدین نے اپنی قوت کے مطابق جہاد کیا ہے (ابوالخیرات غفرلہ)

۱۰۔ شیخ احمد بن مصطفی، ابوالعباس العلوی الدرقاوی الشاذلی

(۱۲۹۱ھ ۔ ۱۳۵۳ھ / ۱۸۷۴ء ۔ ۱۹۳۴ء)

عالم ربانی، فقیہ مالکی، صوفی، شیخ طریقت، مجدد طریقہ شاذلیہ بنام علوی درقاوی، شاعر اور مصنف جلیل، آپ کا طریقہ طریقت خلوت، معرفت اور ذکر الٰہی پر مشتمل ہے۔

شیخ علوی درقاوی الجیریا کے شہر مستغانیم میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد درقاوی کی تعلیمات کی بنیاد حدیث جبریل ہے جس میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان، اسلام اور احسان کی ہدایت دی ہے۔ آپ کے طریقہ میں کتابوں سے زیادہ شیخ طریقت کی صحبت پر زور دیا جاتا ہے کہ سالک اور مرید اپنے پیر اور شیخ کی صحبت میں رہ کر اپنا تزکیہ کرے یہاں تک کہ خود میں شیخ کے اوصاف پیدا کرلے۔ اس کی وجہ سے آپ کا طریقہ خاص کر افریقہ اور شرق اوسط میں بخوبی پھیلا۔ آپ کا انتقال اپنے وطن ہی میں ہوا۔ (مذکورہ حوالہ ص ۱۰۹۶)

۱۱۔ شیخ اویس بن محمد بن بشیر البراوی الشافعی القادری

(م ۱۸۴۷ء ۔ ۱۹۰۹ء)

شیخ اویس البراوی صومالیہ (افریقہ) کے جنوبی ساحل پر واقع شہر براوہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن میں فقہ شافعی، تفسیر، قواعد زبان عربی اور تصوف کے تعلیمات حاصل فرمانے کے بعد بغداد پہونچے جو قادریت کا مرکز ہے تاکہ اپنی نسبت قادریت کی تکمیل کرلیں۔ یہاں کئی برس آپ نے شیخ مصطفی بن السید سلمان الجیلانی کی خدمت میں رہ کر طریقہ قادریت کی تکمیل کی اور شیخ مصطفی نے ان کو قادری طریقت میں خلیفہ اور مجاز گردانا۔ الحمد للہ شیخ اویس براوی میں ایک شیخ طریقت کے سارے کمالات، اخلاق عالیہ اور ارشاد خلق کی کامل استعداد پیدا ہوچکی تھی۔ اس استعداد کو کام میں لاکر شیخ اویس نے اپنے مریدین کو تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول فرمادیا اور ان کا طریقہ اویسی قادریہ صومالیہ کے جنوبی علاقہ اور زائر (Zaire) کی مشرقی علاقہ میں اسلام کی توسیع کا سبب بنا۔ شیخ اویس نے تبلیغی سرگرمیوں کے دوش بدوش شہر براوہ کے شمال میں ۱۵۰ میل دور بلاد الامین اور بیولے (Biolay) میں زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ ان دینی سرگرمیوں کی وجہ سے براوہ سے زنجبار اور پھر کانگو

تک یعنی تقریباً پورا مشرقی افریقہ طریقہ اویسیہ قادریہ کی عظیم مسلم تحریک کا موثر علاقہ بن گیا۔ اور اس کا سلسلہ الحمد للہ اب تک جاری ہے۔ اور جو کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ لازماً قادری ہوتا ہے۔ اس قادری شیخ طریقت اور افریقہ کے عظیم مبلغ اسلام نے ۱۹۰۹ء میں ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمائی (حوالۂ مذکورہ ص ۱۱۰۹)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ان عاشقان پاک طینت را

۱۲۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن الصدیق بن احمد الغماری الحسنی الشاذلی المالکی

(ولادت ۱۳۲۸ھ۔ ۱۹۱۰ء)

فقیہ، صوفی، لغوی، محدّث، مصنف، امام اہل السنۃ۔ شیخ عبداللہ الغماری مراقش کے شہر تنجیر میں پیدا ہوئے، ددھیال حسنی سادات ہے اور ننھیال مراقش کے صوفی ابن عجیبہ کا گھرانہ ہے۔ آپ کو مالکی اور شافعی فقہ اور اصول و لغت عربی میں ید طولی حاصل ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس صدی میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔ ابتداء آپ نے اپنے والد بزرگوار اور مراقش کے علماء جیسے شیخ عباس بنانی وغیرہ سے علوم حاصل کئے اور بعد ازاں فیز (FEZ) کے جامعہ القروین اور مصر کے جامع ازہر میں علوم کی تکمیل فرمائی جامع ازہر میں مفتی اعظم شیخ محمد بخیت المطیعی اور اپنے بھائی جلیل القدر محدّث حافظ احمد بن محمد بن صدیق سے تحصیل علوم کی۔ آپ کی معروف تصنیفات میں بدع التفاسیر اور ردالمحکم المتین ہے ردالمحکم میں آپ نے تفصیل کے ساتھ وہابی تحریک کے عقائد اور اعمال میں جو بدعتیں جاری ہیں اس کا مدلل جائزہ لیا ہے۔ اس وقت آپ طریقہ شاذلیہ کی شاخ صدیقیہ کے شیخ وقت ہیں اور اب اپنے سلسلے کی خانقاہ واقع تنجیر (Tangirs) میں درس دیا کرتے ہیں نفع اللہ الامۃ بعلومہ وفیوضہ۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

(حوالۂ مذکورہ ص ۱۰۲۵)

۱۳۔ شیخ عبدالوکیل بن عبدالواحد بن سعید الدروبی الصوفی الشاذلی

(ولادت ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء)

عالم ربانی، فقیہ شافعی، صوفی، محدّث، مفسر، امام و خطیب، شیخ طریقت، ملک شام کے شہر حمص میں پیدا ہوئے، اٹھارہ برس کی عمر میں شہر زبادانی منتقل ہوئے یہاں انہوں نے علماء وقت سے جن میں معروف شیخ طیب الغزی استاذ القانون، شیخ محمد سلیم طہ مفتی شہر زبادانی، شیخ شربینی خطیب اور شیخ ابراہیم باجوری ہیں۔ علوم اسلامیہ میں کئی کتابیں پڑھیں۔ کتاب الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع کا باقاعدہ درس لیا۔ اور جب ۱۹۵۰ء میں دمشق پہونچے تو اس علمی تبحر کی وجہ سے یہاں کی جامع مسجد درویشیہ کی امامت پر تقرر ہوا۔ شیخ عبدالوکیل الدروبی کئی معیاری کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مشہور (۱) دیوان الحقائق و مجموع الرقائق" ہے یہ شیخ عبد الغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ ۔ ۱۷۳۳ء) کا عارفانہ کلام ہے (۲) شیخ احمد علوی الشاذلی کا دیوان " المنہاج القدوسیہ " فی شرح المرشد المعین بطریق الصوفیہ (۳) ابوالمواہب شاذلی کی تصنیف "قوانین حکم الاشراق " وغیرھا۔ جناب نوح حاء میم کلر مترجم اور شارح عمدۃ السالک تصنیف ابن نقیب المصری (م ۷۶۹ھ / ۱۳۶۸ء) کا بیان ہے کہ عمدۃ السالک اعلی او۔ معیاری تصحیح کے ساتھ جو شائع ہوئی ہے وہ شیخ عبدالوکیل الدروبی کی تجویز ہے۔ شیخ دروبی کے پہلے شیخ طریقت شیخ سعد الدین الجباوی الحمصی ہیں۔ اور جب شیخ دروبی دمشق کے لئے روانہ ہوئے تو شیخ سعد الدین نے ان کو شیخ محمد الہاشمی کی خدمت میں حاضر ہونے کی تاکید کی۔ اس کی مقصد یہ تھا کہ علوم کی خدمت کے ساتھ ساتھ ایک معلم کو راہ طریقت بھی اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ اشتغال علم کے دوش بہ دوش قلب کا تزکیہ بھی حاصل ہو جائے جو عالم کو غرورِ علم سے بچاتا ہے۔ اور یہ بات دور

حاضر کے اہل علم میں مفقود ہے جس کی وجہ سے علم دین کی صحیح خدمت کماحقہ نہیں ہورہی ہے شیخ عبدالوکیل دروبی بحیات ہیں اور امت کی صحیح خدمت میں مشغول ہیں (ایضا ۱۰۲۳) امداللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین

۱۴۔ شیخ عبدالرحمن بن عبدالرحمن الصاغوری

(ولادت ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء)

فقیہ شافعی، صوفی، شاعر ملک شام کے شہر حمص میں پیدا ہوئے، نو عمری میں دمشق منتقل ہوئے اور یہاں شیخ حُسنی البغال، محمد برکات، علی الدقر، اسماعیل الطیبی اور لطفی حسنی اور دیگر علماء سے علوم اسلامیہ میں درس لیا۔ اور تصوف و طریقت میں شیخ محمد ہاشمی سے بیعت کرنے کے بعد بیس برس سے زیادہ آپ کی صحبت بابرکت میں رہے۔ اپنے شیخ طریقت کے حلقہ ذکر میں حمد و نعت کے اشعار سنایا کرتے۔ شیخ صاغوری کے سماجی خدمات بھی بیحد کامیاب رہیں۔ آپ نے ملک شام کی طرف سے "عرب مزدور یونین" کی اہم اور مرکزی کمیٹیوں میں نمائندگی بھی کی ہے۔ شیخ احمد علوی کے طریقہ پر آپ نے اپنا دیوان شعر مرتب کیا ہے۔ شیخ صاغوری علوم اسلامیہ کی تدریس کے دوش بدوش تصوف اور طریقت میں شیخ اکبر ابن العربی قدس اللہ سرہ کی فتوحات مکیہ اور شیخ ابن الفارض، شیخ ابو مدین، عبدالغنی النابلسی، احمد العلوی اور خود اپنے صوفیانہ کلام کا بھی درس دیا کرتے ہیں۔ علامہ صاغوری کے طریقہ تصوف میں ذکر کے ساتھ خلوت کا بھی لزوم ہے۔ یہ شیخ احمد العلوی کے ملک شام میں جانشین ہیں۔ دور حاضر میں دمشق کی ایک دینی اکیڈمی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین۔ (ایضا ۱۰۲۲)

۱۵۔ شیخ محمد بخیت بن حسین المطیعی الحنفی

(۱۲۷۱ھ ۔ ۱۳۵۴ھ / ۱۸۵۴ء ۔ ۱۹۳۵ء)

مفتی اعظم مصر، شیخ الفقہاء الحنفیہ، مصر کے شمالی علاقہ کے شہر مطیعہ میں پیدا ہوئے۔ جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی اور ۱۲۹۷ھ میں منصف کی حیثیت سے عدلیہ میں تقرر ہے۔ پہلے استاذ بھی رہے۔ ۱۹۱۴ء میں مفتی کے عہدہ پر ترقی دی گئی جس پر شیخ نے سات برس کام کیا۔ شیخ کو علامہ جمال الدین نعمانی سے نظری اختلاف تھا۔ آپ دور حاضر کے جلیل القدر مصنف ہیں حکومت مصر کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے خدمت افتاء سے سبکدوش ہوگئے لیکن حکومت کی غلط پالیسی کے آگے اپنا سر خم نہیں کیا۔ آپ کا انتقال ۱۹۳۵ء میں قاہرہ میں ہوا۔ (ایضا ص ۱۰۷۶)

۱۶۔ شیخ محمد علی بن عبدالغنی الدقر الدمشقی المجاہد التیجانی

(۱۲۹۴ھ ۔ ۱۳۶۲ھ / ۱۸۷۷ء ۔ ۱۹۴۳ء)

فقیہ شافعی، صوفی، عالم ربانی، عظیم مصلح، غازی، مجاہد، شیخ طریقت۔ ملک شام کے دارالحکومت دمشق کے دولتمند گھرانے کے چشم و چراغ تھے دمشق میں "الجمعیۃ الغرۃ" ایک عظیم تعلیمی اور اصلاحی ادارہ قائم فرماکر اپنے شہر میں ایک ٹھوس دینی خدمت کا احیاء فرمایا۔ اس جلیل القدر ادارہ کے تحت گیارہ دینی مدارس کام کرتے تھے جہاں دیہات سے غریب طلباء کو لاکر ان کے کھانے، رہنے اور لباس کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ اور یہ طلباء علم کی تحصیل کے بعد اپنے اپنے وطن کو واپس ہوکر علم اور دین کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ فرانس نے جب ملک شام کو اپنا مقبوضہ علاقہ بنایا تو شیخ علی الدقر نے شیخ الحدیث بدرالدین الحسنی کے ہمراہ ملک شام کے شہروں اور دیہات میں مسلمانوں میں روح جہاد پھونکی۔ آپ تیجانی طریقہ میں شیخ طریقت تھے اور عوام اور خواص میں اللہ تعالی کے ولی سمجھے جاتے تھے۔ بہرحال اپنی

جان اور اپنا مال سب اللہ تعالی کی راہ میں قربان کر دیا۔

اس عظیم عالم ربانی، غازی اور مجاہد نے دمشق میں ۱۹۴۳ء میں داعی اجل کو لبیک فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ بحرمۃ سید المرسلین آمین یارب العالمین۔ (ایضاً ۱۰۸۳)

۱۷۔ شیخ یوسف بن سید ھاشم الرفاعی الہاشمی الکویتی

(ولادت ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء)

شیخ اہل السنۃ، فقیہ شافعی، صوفی، مصنف، معلم، سابق وزیر کویت۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں شیخ احمد العقیل سے حاصل کی اور دمشق میں شیخ محمد صالح الکویتی سے اسلامی قانون میں مہارت حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد سید ھاشم الرفاعی ابتداءً جہاز کے کپتان تھے، پھر حکومت میں ایک بڑے عہدہ پر فائز ہوئے اور آخر میں کویت کی شرعی عدالت میں ایڈوکیٹ ہوئے۔ شیخ یوسف الرفاعی نسبا سادات اہل بیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں کویت کے وزیر مواصلات ہوئے اور ۱۹۷۰ء تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ شیخ یوسف الرفاعی طریقۂ رفاعیہ میں اپنے شیخ طریقت شیخ مکی الکتانی کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ اسلامی تصوف اخلاص اور روحانیت کے لئے اہم ترین ذریعہ ہے۔ آپ کی تصنیفات میں "خواطرنی السیاسۃ والمجتمع" ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ اور الرد المحکم المنیع علی منکرات و شبھات ابن منیع بے حد مشہور ہیں۔ دوسری کتاب آپ نے شیخ محمد علوی مالکی کی تائید میں لکھی ہے شیخ علوی نے مالکی نے وہابیت کا رد لکھا۔ شیخ یوسف الرفاعی کو دور حاضر میں مسلمانوں کے مسائل سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس وقت شیخ رفاعی الکویت کے الایمان اسکول کے ڈائریکٹر ہیں جس کی بنیاد ۱۹۷۳ء میں رکھی گئی۔ اور ۱۹۸۸ء میں لندن میں جو اسلامک کانفرنس منعقد ہوئی اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ھذا و امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین آمین بحرمۃ سید المرسلین! شیخ یوسف رفاعی مدظلہ سان فرانسسکو (امریکا) صوفی کانفرنس میں شرکت فرماکر ۳ اپریل ۱۹۹۵ء کو شکاگو تشریف فرما ہوئے اور مولانا سید

جعفر محی الدین قادری حفظہ اللہ، جناب بیابانی صاحب، شیخ احمد بن عمر تیجانی وغیرہم کے ہمراہ تین محفلیں ہوئیں جن میں ذکر الٰہی کے ساتھ نعتیہ کلام بھی پڑھا گیا۔ اس عاجز نے شیخ کے استقبال میں عربی میں چند اشعار سنائے جس کا مطلع ہے:

ایا من لک الحسنی و انت مدارها
الیک المعالی و المکارم تنسب

شیخ یوسف رفاعی نے حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلام بحضور خیر الانام:

مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

کو بے حد پسند فرمایا اور بحالت قیام پڑھا۔ وھابیت کے سخت مخالف ہیں، علماء کے بڑے قدر دان ہیں، فرمایا علماء کی مثال پہاڑ جیسی ہے۔ اللہ تعالی نے جس طرح پہاڑوں کو قائم فرماکر زمین کو جمائے رکھا ہے اسی طرح علماء کی وجہ سے دین کی بنیادیں استوار ہیں۔ نداء غیر اللہ کے بارے میں فرمایا کہ فرشتوں کی طرح انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ارواح ہر جگہ موجود ہیں تو پھر ایسی نداء شرک کیسے ہوسکتی ہے جیسا کہ وہابی حضرات کا خیال ہے۔

شیخ نے محفلِ ذکر کو اس طرح سجایا: ذکر کی ابتداء **استغفر اللّٰہ تبت الی اللّٰہ. نھیت نفسی عمن سوی اللّٰہ** کے کلمات سے فرمائی پھر **لا الہ الا اللّٰہ** اور اللّٰہ کا ذکر کروایا اور پھر مراقبہ موت کیا یہ مجلس تقریباً ایک گھنٹہ میں تکمیل پائی۔ مجلس سے پہلے شیخ کے سکریٹری جناب عبدالباسط نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ آیت مبارکہ **اللّٰہ نور السماوات والارض الی آخرھا** تلاوت فرمائی۔ تینوں محفلیں بڑی بابرکت اور بڑی نورانی تھیں۔ اللّٰہ تعالی ایسی محفلیں بکثرت قائم فرمانے کی مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے! آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاھرین واصحابہ الاکرمین۔

قارئین کرام کو ایک اہم واقعہ بھی سناتا چلوں کہ شیخ یوسف ہاشم رفاعی نسبا بغداد کے شیخ احمد کبیر رفاعی قدس اللّٰہ سرہ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ شیخ احمد کبیر رفاعی (م ۵۵۵ھ) جب مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو مسجد نبوی میں مواجہ شریف کے روبرو ذیل کے یہ دو اشعار عرض کئے۔

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ نوبۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

(ترجمہ) جب میں (اپنے وطن سے) دور تھا تو اپنی روح کو یہاں روانہ کرتا اور میری طرف سے نائب بن کر اس مقدس مقام کی مبارک زمین کو بوسہ دیتی تھی)۔

اور اب یہ پیکر خاکی حاضر ہے (یارسول اللّٰہ) اپنے دست فیضدرجت کو دراز فرمائیں تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی سے برکت حاصل کریں)۔

یہ شعر عرض کرنا تھا کہ دفعتاً ایسی چمک ہوئی کہ حاضرین تاب نہ لاکر بے ہوش ہوگئے اور حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی نے اپنا مقصود حاصل کر لیا۔ (ملاحظہ ہو

البنیان المشیّد از الشیخ السید احمد کبیر رفاعی)

الحمد للّٰہ مارچ ۱۹۹۶ء کے آخری ہفتہ میں شیخ مد ظلہ نے شہر سان فرانسسکو میں تیسری صوفی کانفرنس میں شرکت فرمائی، اور اس عاجز سے الحمد للّٰہ کئی ملاقاتیں رہیں اور ان شاء اللّٰہ ماہ اگست میں لاس اینجلس میں جو یونیٹی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اور جس کے صدر شیخ ہشام الکبانی ہیں مزید ملاقاتوں کا یقین ہے۔ والحمد للّٰہ علی ذلک۔

۱۸۔ شیخ محمد ھاشم بن راشد محمد بن عبداللّٰہ الخطیب القادری

(۱۳۰۴ھ۔ ۱۳۷۸ھ / ۱۸۹۰ء۔ ۱۹۵۸ء)

فقیہ شافعی، حافظ قرآن، قاری، مجاہد، غازی، مصنف، دمشق کے تقریبا اٹھائیس علماء اور شیوخ سے مختلف علوم پڑھے اور سب نے تحریراً ان علوم کی تدریس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ملک شام پر فرانس نے جب اپنا تسلط قائم کیا تو شیخ محمد ہاشم القادری نے ملک شام میں سفر کر کے مسلمانوں کو فرانس کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا۔ دمشق کی جامع مسجد اموی جامع سلیمانیہ تکیہ اور جامع قلبک جیا میں باقاعدہ تدریس جاری فرمائی۔ عصر حاضر کے مسائل پر آپ نے کئی رسالے اور کتابچے تالیف فرمائے۔ اس عالم ربانی کی دمشق ۱۹۵۸ء میں وفات ہوئی رحمۃ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ۔ (ملاحظہ ہو Reliance of Traveller ص ۱۰۵۰)

۱۹۔ شیخ یونس بن حمدان، ابو انس، الشافعی الشاذلی الاردنی

(ولادت ۱۹۴۴ء)

فقیہ شافعی، امام مسجد موقوفہ در عمان (اردن) متواضع، عالم ربانی، آپ کی ولادت شرقی عمان (اردن) کے مقام مارکا میں ہوئی اور عمان ہی میں علوم کی تکمیل فرمائی۔ وزارۃ اوقاف کی جانب سے امامت پر تقرر سے پہلے اردن کی فوج میں چار سال تک معلم کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۶۷ء میں شیخ محمد سعید کردی سے طریقت میں شاذلیہ

طریقہ اخذ فرمایا۔ فقہ شافعی کی اپنے شیخ اور مفتی اربیل شیخ برکات سے تکمیل کی اور ۱۹۸۲ء میں جامعہ اردن سے اسلامی قانون میں ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۳ء سے عمدۃ السالک کے مترجم جناب نوح حاء میم کلر کے پڑوس میں رہتے ہیں اور عمدۃ السالک کے ترجمہ کی دیگر علماء کے ساتھ نظر ثانی کی ہے۔ جناب نوح کا بیان ہے کہ تواضع، مہربانی اور صبرو تحمل میں اللہ تعالی کی ایک نشانی ہیں۔ عمان میں رہتے ہیں اور قواعد عربی، فقہ شافعی اور قرآن پاک کی تدریس میں مشغول ہیں امدّ اللہ حیاتہ للا سلام والمسلمین بحرمۃ سیدالمرسلین وآلہ الطاهرین واصحابہ الاکرمین۔(ایضاً ص ۱۱۱۲)

(۲۰) برادر یوسف طلال ڈی لورنزو

(ولادت ۱۹۴۷ء)

امریکن مسلم اسکالر، معلم، مترجم، فاضل عربی واسلامیات، جناب یوسف طلال Massachuset میں پیدا ہوئے، (۲۳) سال کی عمر میں لبنان کے شہر بیروت میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان پہونچ کر علم حدیث میں علامہ یوسف بنوری بانی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (پاکستان) کی شاگردی اختیار کی۔ چھ سال کی شب و روز محنت اور علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی مسند تدریس پر بٹھادیا، موصوف نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس مقدس فریضہ کو ادا کیا۔ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان کے اسلامی تعلیمی بورڈ کے مشیر رہے۔ سری لنکا (قدیم سیلون) کے واحد خانگی اسلامیہ کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے علامہ ابن نقیب مصری کی عمدۃ السالک کی تدریس بھی کی۔ اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامیہ یونیورسٹی میں متعدد لیکچرز دیئے، اسلام آباد کے ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے دارالترجمہ کے صدر کے فرائض انجام دیئے۔ اس طرح تقریبا بیس سال بیرون ملک مختلف علمی اور دینی مناصب پر فائز رہ کر اب International Institute of Islamic Thought واشنگٹن

ڈی سی میں (Co ordinator) ہیں۔

جناب یوسف طلال علوم اسلامیہ کے اہم متون کے جلیل القدر مترجم ہیں ان کتابوں میں جس کا انہوں نے عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب الحلال والحرام (از احیاء العلوم)، اصول الفقہ الاسلامی، الاجتهاد والتقلید فی الاسلام اور احکام القرآن للامام جصاص رازی وغیرها ہیں۔ اس وقت یہ Virginia Sterling میں رہتے ہیں۔ (ایضاً ۱۱۱۱)

۲۱۔ شیخ شعیب بن محرم بن علی، ابو اسامہ الارنوط الحنفی

(ولادت ۱۹۲۸ء)

محدّث، فقیہ حنفی، مصنف، محقق، مفسرّ، لغوی، ادیب، شہر شکوڈر (البانیہ) سے ۱۹۲۶ء میں دمشق منتقل ہوگئے انہوں نے دمشق میں علوم اسلامیہ کی شیخ عبدالرزاق الحلبی، شیخ نوح الالبانی، شیخ سلیمان الغوجی اور دیگر علماء سے تحصیل کی۔ علم اصول الحدیث شیخ عبداللہ الحبشی شیخ الخلاص سے پڑھا اور شیخ صالح الفرفور سے حاشیہ رد المحتار کی آٹھوں جلدوں اور تفسیر میں علامہ زمخشری کی کشاف اور علامہ نسفی (م ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء) کی مدارک التنزیل کا درس لیا اور یہ کام سات برس میں تکمیل کو پہونچا، ان کا علمی کارنامہ اسی (۸۰) سے زیادہ علوم اسلامیہ کے مختلف متون کی تصحیح ہے جن میں معروف ابن القیم الجوزی (م ۷۴۱ھ / ۱۳۴۰ء) کی زاد المعاد (پانچ جلدیں) امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار اور ابن حبان البستی الافغانی (م ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء) کی "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" ہیں۔ یہ تمام تصنیفات کئی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔ علامہ شعیب ارنوطی کا یقین ہے کہ یہ اور اس قسم کی علم حدیث اور فقہ میں مستند تالیفات چاروں ائمہ فقہ کے قابل استناد توضیحات ہیں ان چاروں ائمہ کے بعد ان مذاہب کے علماء اور فقہاء علم اور دین کے پہاڑ تھے اگر امت مسلم ان کتابوں سے استفادہ کرے تو ملت سارے مسائل حل ہو جائیں۔

علامہ شعیب ارنوط اس وقت شہر عمان (اردن) میں رہتے ہیں اور مؤسسۃ الرسالۃ کے شعبۂ تحقیق کے سوپروائزر ہیں ۔ امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین بحرمۃ سید المرسلین و آلہ الطاھرین واصحابہ الاکرمین ۔ (ایضاً ۱۱۱۳)

۲۲۔ شیخ نوح حاء میم کلّر الشاذلی الحنفی

(ولادت ۱۹۵۴ء)

صوفی ، فاضل عربی ، مصنف ، محقق ، فقیہ ۔ امریکن صوفی اسکالر ہیں ۔ واشنگٹن میں پیدا ہوئے ۔ امریکہ کی مختلف جامعات میں فلسفہ اور عربی زبان اور ادب کی تحصیل کی ۔ ابن نقیب مصری (م ۷۶۹ھ ۔ ۱۳۶۸ء) کی عمدۃ السالک کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ۔ یرموک یونیورسٹی میں انگریزی کے استاذ بھی رہے ہیں ۔ ۱۹۸۲ء میں شیخ عبدالرحمن صاغوری سے شاذلیہ طریقہ میں علم طریقت حاصل کیا ۔ شیخ شعیب ارنوطی سے حنفی فقہ میں مہارت حاصل کی، عمدۃ السالک کے ترجمہ میں شیخ عبدالوکیل الدروبی اور شیخ نوح علی سلمان سے استفادہ کیا ۔ یہ تمام عصر حاضر کے علماء ، محدّثین ، فقہاء ، صوفیاء اور مجاہدین کے مبارک سوانح ہیں جو الحمد للہ ہمارے حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کے معاصر ہیں ۔ موصوف کی کتاب (The Rliance of Traveller) سے ماخوذ ہیں ۔ اس امریکی مسلم صوفی اسکالر کی یہ علمی خدمت قابل رشک ہے ۔ گذشتہ سال (۱۹۹۴ء) میں چند گھنٹوں کے لئے شکاگو قیام رہا اور ہمارے احباب نے ان کی تقریر (M.C.C) میں سنی ۔ اس وقت ملک اردن کے شہر عمان میں سکونت پذیر ہیں (ایضاً ص ۱۰۹۸) ۔

اگست ۱۹۹۶ ء کے پہلے ہفتہ میں شیخ نوح نے یونیٹی کانفرنس (لاس اینجلس) میں شرکت فرمائی اور تصوف پر بڑا مدلل، فکر انگیز اور معلومات آفریں مقالہ سنایا ۔ سیدھے سادھے ، طبیعت میں دھیما پن ، بڑے متواضع امریکی مسلمان ہیں اللہ تعالی ان کے امثال کو زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے ! آمین بحرمۃ سید المرسلین!

(ابوالخیرات غفرلہ)

امداللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین ، آمین بحرمۃ سید المرسلین ۔

۲۳۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن یوسف ، ابو عبدالرحمن الھرری العبدری القادری الرفاعی النقشبندی

(ولادت ۱۳۳۹ھ ۔ ۱۹۲۰ء)

امام اہل السنۃ ، محدِث ، فقیہ شافعی ، حافظ صحاح ستہ ، محقق مفسّر ، قاری عشرہ ، صوفی ، خطیب مفتی ، عالم ربانی اپنے وطن کے علماء سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کے بعد مکہ معظمہ پہونچے اور یہاں کے علماء کرام مثلا السید علوی مالکی الاستاذ فی بیت اللہ الحرام ، الشیخ امین الکتبی ، شیخ محمد العربی التبان سے استفادہ کیا ۔ شیخ طریقت مولانا عبدالغفور الافغانی النقشبندی رحمۃ اللہ سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا ۔ یہاں سے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور یہاں شیخ محمد بن علی الصدیقی البکری الھندی الحنفی سے سند حدیث شریف حاصل فرمائی ۔ اسی طرح الشیخ المحدّث عبدالقادر شلبی اور ان کے شاگرد شیخ محدّثِ ابراہیم ختنی سے استفادہ کیا۔ شیخ عبداللہ ھرری نے جن محدّثین اور فقہاء سے سندیں لی ہیں ۔ ان کا احاطہ مشکل ہے ۔

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس حاضری دی اور پھر دمشق پہونچے ۔ ملک شام میں محدّث الشام الشیخ بدر الدین الحسنی الشافعی کے خلیفہ کی حیثیت سے آپ کو " محدّث الدیار الشامیہ " کا لقب ملا ۔ دمشق میں شیخ عبدالرحمن حموی اور شیخ طاہر الحمصی سے طریقہ رفاعیہ میں اور شیخ احمد عربینی سے طریقہ قادریہ میں اجازت اور خلافت حاصل فرمائی ۔

شیخ ھرری ایک عظیم مصنف ہیں آپ کی بیس سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں ۔ ان میں معروف حسب ذیل ہیں

۱۔ شرح الفیۃ العراقی (اصول حدیث میں)

۲۔ قصیدۃ فی الاعتقاد

۳۔ الصراط المستقیم فی التوحید

۴۔ الروائح الزکیۃ فی مولد خیر البریۃ

۵۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ

۶۔ الدر النضید فی احکام التجوید

۷۔ المقالات السنیہ فی کشف ضلالات ابن تیمیہ

شیخ عبداللہ الھرری ۔ الحمد للہ ۔ بیروت لبنان میں رہتے ہیں ۔ یورپ میں دعوت اور تبلیغ کا کام کرتے ہیں ۔ امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین

۲۴۔ شیخ نوح بن علی بن سلمان القضاۃ الشافعی الشاذلی

(ولادت ۱۹۳۹ء)

فقیہ شافعی، صوفی، امام و خطیب، مصنف، مفتی، شیخ نوح اردن کے شہر عین الجنۃ جو شہر عجلون کے قریب واقع ہے پیدا ہوئے ۔ شیخ نوح کے والد شافعی عالم تھے جنھوں نے دمشق میں شیخ علی الدقر سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ۔ انہوں نے حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ کی احیاء العلوم کو سات مرتبہ پڑھا ۔ شیخ نوح ۱۹۵۴ء میں دمشق پہونچے اور جامعۃ الغرہ میں جس کو ان کے والد کے شیخ نے قائم کیا تھا داخلہ لیا اور سات سال یہاں طالب علم رہے ۔ علوم اسلامیہ کیساتھ یہاں انہوں نے دنیوی علوم بھی حاصل کئے ۔ جن کتابوں کو انہوں نے پڑھا ان میں عمدۃ السالک، متن ابی شجاع، امام نووی کی منہاج الطالبین ہیں۔ ان کے معروف اساتذہ میں شیخ عبدالکریم الرفاعی، شیخ احمد البصراوی، شیخ عبدالرزاق الحمصی، شیخ نیف العباس، شیخ محمود الرنقوصی، شیخ محمد خیر الشماع، شیخ محمد الھاشمی ہیں ۔ شیخ محمد الھاشمی سے انہوں نے

شاذلی طریقہ کا ذکر لیا ۔ ثانوی تعلیم کے بعد جامعہ دمشق میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۵ء میں گرائجویٹ کی ڈگری حاصل کی ۔ جامعہ دمشق میں شیخ نوح نے فقہ حنفی کی متعدد کتابیں شیخ مصطفی الزرقاء، شیخ وھبی ذھیلی، شیخ عبدالرحمن الصابونی، شیخ امین المصری، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ محمد المبارک، شیخ فوزی فیض اللہ اور دیگر علماء سے پڑھیں جب شیخ نوح ۱۹۶۵ء میں اردن واپس ہوئے تو مسلم افواج میں عبداللہ محمد الاعظم کے ساتھ مامور ہوگئے اور ۱۹۷۲ء میں آپ کی جگہ مفتی کی حیثیت سے ترقی عمل میں آئی ۔ ۱۹۷۷ء میں ازہر پہونچے اور وہاں ایم اے میں داخلہ لیا ۔ ازہر کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود سے تصوف میں استفادہ کیا ۔ ازہر کے دوران قیام اپنی کتاب "قضاء العبادۃ والنیابۃ فیھا" ایم ۔ اے کے مقالہ کے لئے لکھی اور ۱۹۸۰ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۔ ۱۹۸۱ء میں جامعہ الامام محمد بن سعود میں ڈاکٹریٹ کے لئے کام شروع کیا اور مقالہ لکھا جس کا عنوان ہے "عبرۃ الذمۃ من حقوق العباد" جس پر شیخ نوح کو ڈاکٹریٹ کا مستحق قرار دیا گیا ۔

۱۹۷۲ء میں شیخ نوح کا مسلم افواج میں مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوا تو موصوف نے سینکڑوں فتاوی جاری کئے جو مسلم افواج کے میگزین "تذکرہ" میں شائع ہوتے رہے ۔ شیخ نوح فرض نمازوں کی امامت کے علاوہ قرآن، حدیث اور عقائد کا درس دیا کرتے ہیں اور فقہ شافعی میں قلیل المدتی کورس کا بھی انتظام کیا ہے ۔ اور نوح حاء میم کلر مترجم عمدۃ السالک (The Reliance of Traveller) کے ترجمہ میں ان کی علمی اعانت کی ہے ۔ اور کسی بھی علمی اعانت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں ۔ اس وقت شیخ نوح الشاذلی شہر عمان (اردن) کے ایک محلہ مرج الحمام میں مقیم ہیں ۔

(The Reliance of Traveller ص ۱۰۸۷، ۱۰۸۸)

امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین! آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاهرین واصحابہ الاکرمین!

۲۵۔ شیخ فتح اللہ یسین جزر المصری الازھری

(ولادت ۱۹۳۰ء)

شیخ فتح اللہ یسین مصر کے ایک شہر ناحیہ میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں جامع ازھر میں داخلہ لیا ثانوی اور گریجویشن کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۰ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۶۵ء میں جامعہ ازھر کی ریسرچ اکاڈمی سے وابستہ ہوگئے اور شیخ الازھر کی نگرانی میں تحقیقی کام شروع کیا۔ اس اکاڈمی کی سرگرمیوں میں مختلف اسلامی ملکوں میں تبلیغی وفود کو روانہ کرنا شامل ہے۔ یہ کام بھی ان کے سپرد رہا۔ ۱۹۷۱ء میں شیخ فتح اللہ کو طرابلس (لبنان) روانہ کیا گیا تاکہ وہاں تدریس کے علاوہ یہ تبلیغی کام بھی انجام دیں۔ ۱۹۷۷ء میں یہ مصر واپس ہوئے اور ۱۹۸۵ء میں تحقیق، تصنیف اور ترجمہ کے جنرل ڈائریکٹر مقرر ہوئے جس پر تاحال فائز ہیں۔ علامہ ابن نقیب مصری کی عمدۃ السالک کا ترجمہ The Reliance of Travellor اسی اکاڈمی کو توثیق کے لئے روانہ کی گئی اور ۱۹۹۱ء میں اس کی توثیق حاصل ہوئی (ایضاً ص ۱۰۶۴)

۲۶۔ شیخ عبداللہ الفیض الداغستانی النقشبندی

(۱۳۰۹ھ - ۱۳۹۳ھ / ۱۸۹۱ء - ۱۹۷۳ء)

سلطان الاولیاءِ زمانہ، شیخ عبداللہ الداغستانی (حال تاجکستان قدیم روس) میں پیدا ہوئے۔ آپ صحابی رسول حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ حضرت مقداد کی مبارک پشت پر سالار کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست فیضدرجت کی مبارک انگلیوں کے پانچ نشان تھے وہ وراثتاً حضرت عبداللہ داغستانی قدس سرہ تک پہونچے جس میں چمک ہوا کرتی تھی۔ آپ اپنے ماموں شیخ شرف الدین داغستانی ترکی نقشبندی کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ نو عمری میں آپ

نے اپنے شیخ کے حکم پر دو مرتبہ پانچ پانچ سال غاروں میں ریاضت فرمائی۔ ۱۸۹۰ء میں داغستان پر روس کی دھری اور لادینی حکومت کا تسلط ہوگیا تو آپ اپنے ماموں اور تمام خاندان کے ساتھ ترکی پہونچ گئے۔ دوران ریاضت آپ کو حکم تھا کہ روزانہ کم از کم سات تا پندرہ پارے قرآن پاک کے تلاوت فرمائیں، اسماء حسنی ایک لاکھ اڑتالیس ہزار بار اور درود شریف چوبیس ہزار بار پڑھا کریں۔

دوران ریاضت برائے نام سو لیا کرتے۔ اسی دوران غار حرا میں چالیس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی نیند نہیں لی۔

آپ نے اپنے شیخ کے حکم پر ترکی کے مسلح افواج میں بھی خدمت کی ہے۔ آپ کے شیخ نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل فرمایا کہ اگر موقع مل جائے تو تم ترکی چھوڑ دینا۔ چنانچہ شاہ فاروق کے انتقال کے بعد شیخ شرف الدین نقشبندی قدس سرہ کے چند مصری مریدین کا وفد شیخ عبداللہ داغستانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصر میں تشریف آوری کی درخواست کی، آپ کو اپنے شیخ کی بات یاد آئی اور آپ مصر پہونچے پھر وہاں سے حمص ہوتے ہوئے دمشق آگئے۔

شیخ عبداللہ داغستانی نقشبندی قدس سرہ نے کئی پیشین گوئیاں فرمائی جو آپ کی وفات کے بعد من و عن پوری ہوئیں اور بعض کی امید ہے جیسے کمیونزم کا ختم ہوجانا، عرب اور اسرائیل میں معاہدہ کا ہونا اور ایک عظیم جنگ کا ترکی اس کے پڑوسی ملک میں واقع ہونا اور اسی جنگ کے دوران حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور اور حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اس کے ساتھ پوری دنیا میں امن و امان کا قائم ہوجانا۔

شیخ عبداللہ داغستانی کا جب انتقال ہوا تو نماز جنازہ میں شرکت کے لئے عوام اور خواص بیروت، اردن، حلب اور دمشق کے اطراف و جوانب سے پہونچے جن کی

تعداد تقریباً چار لاکھ تھی ۔ آپ کی ایک کرامت کا سب نے مشاہدہ کیا کہ جب جنازہ اٹھایا گیا تو وہ خود بخود کندھوں سے اوپر ہوا میں معلق ہو کر لوگوں کے سروں پر چلتا رہا اور جب قبر کے پاس پہنچے تو جنازہ خود بخود نیچے آگیا ۔ یہ کرامت حضرت امام ربانی شیخ احمد سرھندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) کے پوتے حضرت شاہ سیف الدین سرھندی نقشبندی (م ۱۰۵۶ ھ) اور حضرت شاہ ابو السعد سالم (م۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء) مدفون کوئٹہ پاکستان کے جنازہ پر بھی دیکھی گئی ۔

حضرت شیخ عبداللہ داغستانی قدس سرہ کی تدفین صالحیہ (دمشق) احاطہ مسجد شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ میں عمل میں آئی ۔ اللھم اغفرلہ وارحمہٗ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ ! آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین ۔

(ملاحظہ ہو History of the Saints of Golden Chain ص ۳۴۷ ۔ ۳۷۳ by Shaikh Hisham Kabbani)

۲۷۔ علامۃ العصر سید محمد صالح فرفور حسنی قادری حنفی شاذلی نقشبندی

(۱۳۱۸ ۔ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۰۱ ۔ ۱۹۸۶ء)

عالم اسلامی کے نادرِ روزگار عالم ربانی، فقیہ جلیل، مرشد کبیر حضرت علامہ سید محمد صالح فرفور حنفی قادری ابن سید عبداللہ، فرفور دمشق کے محلہ عمارہ جوانیہ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت محبوب سبحانی سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم قدس اللہ تعالی سرہ تک پہونچتا ہے ۔ ذوق و شوق اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ فرمالیا اور درسی نصاب کی تکمیل فرماکر امتیازی حیثیت کے ساتھ بی ۔ اے کامیاب کرنے کے بعد دمشق کے طبیہ کالج میں داخلہ لینے کے ارادہ سے اپنے والد ماجد سے مشورہ فرمایا تو والد اپنے خاندان کے اکابر کا تذکرہ ۔ الضیاء الموفور فی اعیان بنی فرفور ۔ پڑھنے کا حکم دیا ۔ جب یہ تذکرہ ختم کرکے اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھوں

سے آنسو موتی کی طرح گر رہے ہیں اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرما رہے ہیں ۔

" بیٹے ! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر چلو گے ۔ اور آج سے تم علم دین کے حصول میں لگ جاؤ گے تاکہ تم آئندہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث بنو" ۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد انہوں نے حسب وعدہ علماء کرام کی مجالس میں حاضری شروع کردی یہ وہ دور تھا کہ دوسری جنگ عظیم (۱۹ویں صدی کا چوتھا دہا) نے اہل شام کی معاشی اور اقتصادی حالت تباہ کردی تھی ۔ اس معاشی زبوں حالی سے شیخ فرفور بھی محفوظ نہ رہ سکے، مجبوراً انہوں نے نجاری کے دوکان کھول لی اور رات میں کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علماء ، ادباء اور صوفیہ سے استفادہ کرنے لگے ۔ تصوف اور روحانیت میں شیخ عبدالرحمن خطیب ، ان کے بھائی شیخ محمد ہاشم خطیب اور خاص طور پر شیخ سید محمد بدر الدین حسنی (م ۱۹۳۵ء) رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا ۔ ان کے علاوہ جن علماء سے شیخ فرفور نے استفادہ کیا ان میں محدّث شام شیخ صالح اسعد حمصی (م ۱۹۴۳ء) علامہ عبدالباقی ہندی (م ۱۹۴۵ء) مقیم مدینہ منورہ ، شیخ محمد علوی مالکی مغربی مکی (م ۱۹۷۴ء) علامہ عبدالقادر شلبی طرابلسی مدنی (م ۱۹۴۹ء) علامہ عمر حمدانی محرسی (۱۹۴۸ء) علامہ علی اعظم ، علامہ عبدالقادر قصاب (۱۹۴۱ء) اور علامہ شیخ محمد ساعاتی فلکی ۔ علیہم الرحمۃ ہیں ۔ الغرض آپ نے تنگدستی کے عالم میں تحصیلِ علوم کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت بڑا کتب خانہ قائم کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ عبادت ، ریاضت اور شب بیداری بھی جاری رہی ۔

اساتذہ کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد دمشق کی مساجد میں تدریس شروع کردی جامع مسجد بنی امیہ ، مدرسہ فتحی جامع قیمریہ میں تصوف کے رسالہ قشیریہ اور احیاء

العلوم کا درس جاری کیا۔ شیخ فرفوری کی خصوصیت یہ تھی کہ طلبہ کو رائج علوم ہی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ان میں اسلامی اور روحانی جذبہ بھی پیدا کر دیتے تھے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر اصحابِ ثروت احباب کے تعاون سے ۱۹۵۶ء میں دمشق میں. جمعیۃ الفتح الاسلامی قائم کی جس کے زیر انتظام طلباء اور طالبات کے لئے مدارس کھولے گئے۔ مفتی لبنان شیخ توفیق خالد کی دعوت پر بیروت کے کلیہ شرعیہ میں بھی پڑھاتے رہے اس طرح بیروت کے بہت سے ادیب، خطیب اور مدرسین نے آپ سے سند فراغت حاصل کی۔

شیخ فرفور نے اپنے لخت جگر شیخ عبداللطیف کو تیس سال کی تعلیم اور تربیت کے بعد سند اجازت اور خلافت عطا فرمائی اور مقررہ شرائط کے مطابق طریقت کے سلسلہ شاذلیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور خلوتیہ میں اجازت دی۔ اور سند میں اپنے فرزند ارجمند کو چند ہدایات سے نوازا جن میں کچھ یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالی سے ڈرنا اور قول و فعل میں اخلاص سے کام لینا

۲۔ کسی فضیلت کا دعوی نہ کرنا اور دوسروں سے عاجزی اور انکساری سے پیش آنا

۳۔ علم کے پھیلانے میں اپنی توانائی لگانا اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا

۴۔ ہر وقت ذکر الہی میں مصروف رہنا کیونکہ ذکر الہی دلوں کو چمکا دیتا ہے

۵۔ اقوال اور افعال میں شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا

۶۔ اپنی خلوت و جلوت میں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

حضرۃ الشیخ فرفور نے ابتدائی زندگی میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی۔ جب عمر شریف پچاس سال سے متجاوز ہوئی تو مصروفیات کی زیادتی کے باوجود کئی قابل قدر کتابیں لکھیں۔ درج ذیل تصانیف ان کی یادگار ہیں:

۱۔ الضیاء الموفور فی اعیان بنی فرفور (فرفور خاندان کے آباء و اجداد کا تذکرہ)

۲۔ سلسلۃ الخلود (یہ ادبی تصنیف ہے)

۳۔ النسمات (ان احادیث شریفہ کا ترجمہ جن کی مسلمان خواتین کو ضرورت ہے)

۴۔ من مشکواۃ النبوۃ (امام نووی کی اربعین کی بسیط شرح)

۵۔ المحدّث الاکبر الشیخ محمد بدرالدین الحسنی کما عرفتہ (استاذ اور مرشد گرامی کا تذکرہ)

۶۔ الرسالۃ النافعۃ والحجۃ القاطعۃ (عقائد اسلام پر مستند تصنیف) یہ چھ تصانیف ۱۹۷۸ء تک شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ چند تصانیف یہ ہیں۔

۷۔ شرح نور الایضاح (فقہ حنفی کی مشہور کتاب کی مبسوط شرح)

۸۔ الشیخ عبدالحکیم الافغانی (تذکرہ)

۹۔ آلام و آمال۔ شعری مجموعہ (دیوان)

۱۰۔ تراجم لمن عاصرھم من العلماء (ہم عصر علماء کا تذکرہ)

فرانس کے خلاف تحریک اٹھی تو قائدین علماء کے ساتھ مل کر باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا۔ اور شوق شہادت میں خطرناک معرکوں میں کود پڑے۔

یہ تمام مواد ان کے بڑے صاحبزادے سید ابوالخیر محمد عبداللطیف کی جلیل القدر تصنیف جو اپنے والد ماجد کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ الزاھر فی الحدیث العاطر عن الوالد الفاخر العلامۃ العارف باللہ الشیخ محمد صالح فرفور الحسنی۔ سے ماخوذ ہے جیسا کہ صدیق مکرم مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ۔ لاہور نے واضح فرمایا ہے۔

علامہ موصوف کا انتقال ۵ محرم ۱۴۰۷ھ / ۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز سہ شنبہ ہوا، اور عارف باللہ شیخ ارسلان رحمۃ اللہ کے جوار میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ رحمۃ اللہ واجعل الجنۃ مثواہ (ملاحظہ ہو کتاب زندۂ جاوید خوشبوئیں ص ۲۶ تا ۳۴)

۲۸۔ شیخ محمد معصوم ضیائے نقشبندی

(ولادت۔ ۱۹۱۷ء)

شریعت اور طریقت کے بطل جلیل حضرت مولانا شاہ محمد معصوم ضیاء نقشبندی بمقام بیارہ (کردستان۔ عراق) میں پیدا ہوئے۔ تمام علوم اسلامیہ کی تحصیل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ ملا حسین مجدی، استاذ ملا محمد ماورانی۔ ملا معروف کو کہ ئی، استاذ ملا علی ولزمی، استاذ ملا شیخ حسین اور استاذ ملا عبدالکریم مدرس ہیں۔ آپ کا نسب تین واسطوں سے حضرت شیخ عثمان سراج الدین تک پہونچتا ہے۔ حضرت شیخ عثمان قدس اللہ سرہ حضرت مولانا خالد رومی عثمانی نقشبندی مجددی کے خلیفہ اجل ہیں۔ حضرت خالد رومی نے جب عراق سے ملک شام کو ہجرت فرمائی تو آپ کو عراق میں اپنا جانشین بنایا۔ چنانچہ حضرت شیخ عثمان سراج الدین علیہ الرحمۃ نے جانشینی کا کامل حق ادا فرمایا اور حاضرین کے ظاہر اور باطن کی اصلاح میں اپنی عمر عزیز لگادی۔ حضرت شیخ ضیائے نقشبندی کا علاقہ علم و عرفان کا مرکز اور مرجع خاص و عام تھا چنانچہ آپ کی تربیت خالص علمی، دینی اور روحانی گھرانے اور ماحول میں ہوئی۔ مزید تحصیل علوم کے لئے آپ نے ترک، شہرستان، کردستان کے متعدد شہروں میں کئی برس گذارے دوسری جنگ عظیم کے بعد آپ کے چچا اور پیر طریقت حضرت شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے وطن واپس ہونے کی تاکید فرمائی چنانچہ اپنے وطن مقام بیارہ واپس ہوگئے۔ آپ کے اولاد امجاد جو عرصہ سے امریکہ پہونچ چکے تھے کردستان کے حالات کے بگاڑ کی وجہ سے عراق کے کویت پر حملہ کے ایک سال پہلے امریکہ بلوایا اور اس وقت امریکہ کی ایک ریاست ڈیالس میں مقیم ہیں۔ اور طالبین روحانی استفادہ کر رہے ہیں۔ "امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین" آمین!

حضرت ضیائے نقشبندی مدظلہ العالی جناب ڈاکٹر احمد مرزا دام فضلہ مؤسس نقشبندیہ فاؤنڈیشن واقع پیوریا (الی نائی۔ امریکہ) کی دعوت پر پیرانہ سالی کے

باوجود پہلی میلاد النبی انٹرنیشنل کانفرنس (شکاگو) میں تشریف فرما ہوکر فارسی میں اپنا مقالہ پڑھا۔ اس عاجز پر بزرگانہ شفقت فرماتے ہیں۔ درخواست پر فارسی زبان میں اپنے مبارک احوال اپنے دست مبارک سے لکھ کر روانہ فرمائے اور علاوہ ازیں شجرۂ شریفہ نقشبندیہ نیز آداب طریقہ علیہ نقشبندیہ خالدیہ روانہ فرماکر ممنون فرمایا۔ ایک مرتبہ عاجز نے حضرت مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ آپ میلاد النبی کانفرنس میں اس قدر مشقت برداشت فرماکر تشریف فرما ہوئے تو جواباً ارشاد فرمایا کہ

"سر کے بل حاضر ہونے کا موقع تھا"

اس مبارک حیات کو اس شعر پر ختم کیا جاتا ہے:

آشفتگانِ شوق کی منزل ہے یہ مقام
سرچشمۂ حجاز کا جاری ہے فیض عام

۲۹۔ سید قطب مصری شہید علیہ الرحمۃ و رضوان الربّ

(۱۹۰۶۔ ۱۹۶۶ء)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مفسرّ، ادیب، مصلح، مصنف، نقاد، محقق، شاعر، شہید، عبقری۔ آپ کا اصلی نام سید ہے، قطبؔ خاندانی نام ہے۔ آباء و اجداد اصلا جزیرۃ العرب کے رہنے والے تھے، اس خاندان کے ایک بزرگ ہجرت کر کے مصر کے بالائی علاقہ میں آکر آباد ہوگئے۔ انہی کی اولاد میں سید قطب کے والد بزرگوار حاجی ابراہیم قطب تھے۔ حاجی ابراہیم قطب کے تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ ان میں سید قطب سب سے بڑے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد قطب بھی بڑے صاحب علم و فضل ہیں یہ گیارہ سے زائد ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں اور سب مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں۔ بہنیں بھی بھائیوں کی طرح علم و ادب اور جہاد کے میدان میں پیچھے نہیں رہی ہیں۔ اس طرح

اس خاندان کا ہر فرد گوہرِ یک دانہ نظر آتا ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ:

"ایں خانہ تمام آفتاب است"

سید قطب ۱۹۰۶ء میں ضلع اسیوط (مصر) کے موشا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ اور محدود ماحول میں ہوئی۔ بچپن میں والدہ مرحومہ کی دلی آرزو کے مطابق قرآن حفظ کرلیا۔ آپ کے والدین گاؤں چھوڑ کر قاہرہ کی ایک بستی حلوان میں آکر آباد ہوگئے۔ سید قطب نے فوقانی تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم قاہرہ میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۳۳ء میں بی اے۔ کی ڈگری ایجوکیشن میں حاصل کرلی اور اسی کالج میں پروفیسر بنادیئے گئے کچھ عرصہ تک اس دارالعلوم میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے رہے پھر وزارت تعلیم میں آپ کو انسپکٹر آف اسکول بنادیا گیا۔ اسی دوران حکومت کی جانب سے آپ کو جدید طریقۂ تعلیم و تربیت کے مطالعہ کے لئے امریکہ دو سال کے لئے بھیجا گیا۔ امریکہ میں ان کا قیام تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے مختلف کالجوں میں ہوا۔ امریکہ سے واپسی پر انگلستان، اٹلی اور سوئٹزر لینڈ میں بھی چند ہفتے گذارے۔ امریکہ کے قیام میں سید قطب علیہ الرحمۃ نے مادی زندگی کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جس کی وجہ سے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر مزید اطمینان ہوا اور وہ یہ یقین لے کر واپس آئے کہ انسانیت کی فلاح و کامرانی صرف اسلام اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہے۔

امریکہ سے واپس ہو کر علامہ سید قطب نے "الاخوان المسلمون" کی دعوت اور پیغام کا مطالعہ کیا اور باالآخر ۱۹۴۵ء میں اس جماعت سے وابستہ ہوگئے۔ اخوان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دو سال کے اندر اندر اس کے کارکنوں کی تعداد ۲۵ لاکھ تک پہونچ گئی۔ ارکان عام ہمدردوں اور حامیوں کی تعداد اس سے بھی دوگنی ہوگئی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء میں اخوان کے مرشد عام الاستاذ حسن البناء شہید کردیئے گئے اور

جماعت کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں فوجی انقلاب برپا ہوا جس کی وجہ سے اخوان کی آزمائش کا ایک دور ختم ہوا مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرا دور شروع ہوا اور بقول غالب:

درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

جن جان نثارانِ اسلام کو "اخوان" میں نمایاں اہمیت حاصل ہوئی ان میں شیخ حسن الھضیبی مرشد عام، عبدالقادر عودہ شھید جنرل سکریٹری اور تیسرے علامہ سید قطب شھید ہیں جنھوں نے اپنی فکرِ خداداد سے "اخوان" کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔

۱۹۵۲ء میں اخوان کی تحریک دوبارہ بحال ہوئی۔ رہنما اور کارکن جیلوں سے رہا ہوئے۔ اور سید قطب دمشق اور بیت المقدس میں اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ کئے گئے۔ جولائی ۱۹۵۴ء میں علامہ سید قطب کو جریدۃ الاخوان کا رئیس التحریر مقرر کیا گیا لیکن ستمبر ۱۹۵۴ء میں طاغوت نیل کرنل ناصر نے اس جریدہ کو بند کر دیا اور اخوان اور ناصر کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ اخوان کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ رہنما گرفتار ہوئے اور ان کو موت کی سزائیں دی گئیں۔ گرفتار شدہ رہنماؤں میں علامہ سید قطب بھی تھے۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو مصر کی "عوامی عدالت" نے سید قطب کو ۱۵ سال کی قید بامشقت سنائی۔ ابھی ایک سال گذرا تھا کہ جمال عبدالناصر کی طرف سے ایک نمائندہ سید قطب کے پاس جیل خانے بھیجا گیا کہ "آپ چند سطریں معافی نامہ کی لکھ دیں تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا" اس مردِ مؤمن نے جو جواب دیا وہ اسلامی تاریخ کے اصحاب عزیمت کی ایک عظیم مثال ہے۔ فرمایا:

"مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ مظلوم سے کہتے ہیں کہ ظالم سے معافی مانگ لے۔ اگر معافی کے چند الفاظ مجھے پھانسی سے بھی نجات دے سکتے ہوں تو میں تب بھی کہنے

کے لئے تیار نہیں ہوں گا ، اور میں اپنے رب کے حضور اس حال میں پیش ہونا پسند کروں گا کہ میں اس سے خوش ہوں اور وہ مجھ سے خوش ہو"

اہل حق کے واسطے زخمِ جگر، رنج و محن
اہل حق کے واسطے زنداں ہے یا دار و رسن

۱۹۶۴ء کے وسط تک سید قطب مصر کے مختلف جیل خانوں میں رہے ۔ ابتداء کے تین سال تو انہوں نے سخت اذیت اور عذاب میں گذارے مگر بعد میں جبر و تشدد کا سلسلہ ہلکا کر دیا گیا اور قرابت داروں کو بھی ملاقات کی اجازت مل گئی اور جیل کے اندر علمی مشاغل جاری رکھنے کی سہولت کسی حد تک مل گئی ۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھاکر انہوں نے اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" (قرآن کے زیر سایہ) کی تکمیل پر توجہ فرمائی اسی سال کے وسط میں جب کہ آپ کی قید کے دس سال ہوگئے تھے عراق کے مرحوم صدر عبدالسلام عارف نے قاہرہ کا دورہ کیا اوراس وقت صدر ناصر سے سید قطب کی رہائی کی درخواست کی ۔ آپ کو رہائی تو مل گئی مگر اس سے عملاً کوئی فرق پیدا نہ ہوا کیونکہ برابر پولیس کی نگرانی قائم رہی اور آزادانہ نقل وحرکت کی اجازت نہ تھی ۔

اس مقید آزادی پر ایک سال بھی نہ گزرنے پایا کہ سید قطب دوبارہ گرفتار کر لئے گئے ۔ ان پر الزام یہ تھا کہ وہ طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے ۔ نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے بھائی اور بہنوں اور دیگر ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا، جن میں سات سو کے قریب عورتیں تھیں ۔ اگست ۱۹۶۵ء میں صدر ناصر نے روس کا دورہ کیا اور ماسکو میں بیان دیا کہ "الاخوان" نے میرے قتل کی سازش تیار کی ہے ماضی میں میں نے انہیں معاف کیا ہے لیکن اب معاف نہیں کروں گا ۔

اس اعلان سے ایک سال پیشتر (۲۴ مارچ ۱۹۶۴ء) مصر میں ایک نئے قانون کے ذریعہ صدر کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ وہ جسے چاہے گرفتار کر سکتا ہے ، جائیداد کی

ضبطی اور دوسری انتظامی کارروائیوں کو جاری کرسکتا ہے جس کے خلاف اپیل نہیں ہوگی ۔ صدر ناصر کے اس اعلان ماسکو کے بعد گرفتاریوں کا وسیع پیمانہ پر سلسلہ شروع ہوگیا اور جیلوں میں تشدد کی بھٹیاں گرم ہوگئیں ۔ ملزموں کی طرف سے کوئی وکیل مقدمہ کی پیروی کرنے والا نہ تھا ۔ ملک کے باہر کے وکلاء نے پیروی کرنا چاہی مگر اجازت نہیں ملی ۔ فرانس ، ہیگ اور مراقش کے وکلا نے باقاعدہ اجازت طلب کی جسے رد کردیا گیا ۔ سوڈان کے دو وکیل از خود قاہرہ پہونچ گئے اور بار ایسوسی ایشن میں رجسٹری کرواکر عدالت پہنچے لیکن پولیس نے دھکے دے کر انہیں نکال دیا اور فی الفور مصر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ۔ بالآخر ظلم کی داستان اس طرح ختم ہوئی کہ اگست ۱۹۶۶ء کو سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو فوجی ٹربونل کی طرف سے موت کی سزائیں سنائی گئیں اس پر پوری دنیا کے اندر شدید رد عمل ہوا ۔ دینی رہنماؤں ، سیاسی شخصیتوں ، مذہبی اور اصلاحی تنظیموں اور اخبارات و رسائل کی طرف سے سزاؤں میں تبدیلی کی درخواست کی گئی مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی اور بالآخر ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کی صبح کو یہ سزائیں نافذ کردی گئیں اور یہ بے نظیر شخصیت جو مصر اور عرب دنیا کے الحاد پرست اور لادین عناصر کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی اپنے رب سے راضیاً مرضیا جاملی ۔

انا للہ و انا الیہ راجعون،

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

سید قطب شہید علیہ الرحمۃ مصری معاشرہ میں ایک عظیم ادیب کی حیثیت سے ابھرے سیاسی ، اجتماعی ، اور ادبی نقاد کے عنوان سے آپ نے نام پیدا کیا اور بالآخر اسلام کے عظیم مفکر ، داعی ، مصلح اور مفسرِ قرآن کے روپ میں وہ دنیا سے جامۂ شہادت پی کر اپنے خالق و مالک کے حضور پہنچ گئے ۔

مصر کے ادباء میں دو نامور ادیب دو مسلک کے پیشوا ہیں ایک ڈاکٹر طہٰ حسین جن کے بارے میں استاذ محترم پروفیسر عبدالحق علیہ الرحمۃ سابق صدر شعبہ عربی جامعۃ عثمانیہ کہا کرتے تھے کہ "وہ آنکھ کا بھی اندھا، دل کا بھی اندھا" دوسرے مصطفی صادق الرافعی جو درحقیقت بیسویں صدی کے جاحظ اور قرآنی ادیب ، سید قطبؒ نے ابتداء میں ڈاکٹر طہٰ حسین کی پیروی کی لیکن بعد میں الرافعی اور عباس محمود عقاد کے مسلک سے وابستہ ہوگئے جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان پر اپنی حکمت اور ہدایت کے دروازے کھول دیئے اور اپنی لازوال قرآنی ادبیات اور تصانیف سے یہ ثابت کر دیا کہ

جمیع العلم فی القرآن لکن

تقاصر عنہ افھام الرجال

علامہ سید قطب کے قرآنی شاہکاروں میں (۱) مشاھد القیامۃ فی القرآن (۲) التصویر الفنی فی القرآن ان دونوں کتابوں کے بارے میں مراکش کے مشہور عالم اور ادیب علال الفاسی کہتے ہیں " یہ دونوں کتابیں بتاتی ہیں کہ مصنف عربی زبان اور ادب میں بہت اونچا مرتبہ رکھتا ہے اور قرآن کے اعجازی اسلوب کا اسے پختہ مذاق حاصل ہے"۔ اسی دور میں تنقید پر بھی ان کی دو کتابیں سامنے آئیں (۱) النقد الادبی۔ اصولہ و مناھجہ (۲) طہٰ حسین کی کتاب مستقبل الثقافۃ پر تنقید (نقد کتاب مستقبل الثقافۃ) عربی ادبیات کے طالب علم کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ عربی ادب کے جدید رجحانات سے واقفیت کے لئے ضروری ہے۔

علامہ سید قطب شہید علیہ الرحمۃ کی تمام تصانیف کی تعداد (۲۲) ہے چند کا اوپر ذکر ہوچکا ہے چند معروف یہ ہیں۔

۱۔ العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اسلام کا عدل اجتماعی)

۲۔ معرکۃ الاسلام والراسمالیہ (اسلام اور سرمایہ داری کی کشمکش)

۳۔ السلام العالمی والاسلام (عالمی امن اور اسلام) اپنے موضوع پر بے نظیر اور بڑی اعلی کتاب ہے۔ مراکش کے مجاہد کبیر علال الفاسی لکھتے ہیں " اے کاش یہ میری تصنیف ہوتی"

۴۔ دراسات اسلامیۃ (اسلامی مقالات)

۵۔ کتب و شخصیات (کتابیں اور شخصیات)

۶۔ نحو مجتمع اسلامی (اسلامی معاشرہ کے خط و خال)

۷۔ امریکہ۔ التی رأیتھا (امریکہ جسے میں نے دیکھا)

۸۔ قافلۃ الرقیق (مجموعہ اشعار)

۹۔ حلم الفجر (ایضا)

۱۰۔ مھمۃ الشاعر فی الحیاۃ (زندگی میں شاعر کا حقیقی فریضہ)

علامہ سید قطب علیہ الرحمۃ نے شعر و سخن کے میدان میں بھی جوہر دکھائے ہیں۔ آپ کے اشعار کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی شاعری میں تمام اصنافِ سخن ملتے ہیں البتہ قصیدہ گوئی اور مدح سرائی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سید قطب شہید نے اپنے آخری ایام اسیری میں جو آخری نظم کہی ہے بڑی مؤثر اور دلنشین ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

اخی ! ستبید جیوش الظلام و یشرق فی الکون فجر جدید

فاطلق لروحک اشراقھا تری الفجر مشیرا من بعید

برادر من! تاریکی کے لشکر مٹ کر رہیں گے اور دنیا میں صبح نو طلوع ہوکر رہے گی تو اپنی روح کو ضوفشاں ہونے دے، دیکھ ! دور سے صبح ہمیں اشارے کر رہی ہے)

اخی ! ان ذرفت علیّ الدموع و بُللت قبری بھا من خشوع

فاوقد لھم من رفاتی الشموع وسیروا بھا نحو مجد تلید

(برادر من! اگر تو مجھ پر آنسو بہائے، اور میری قبر کو ان سے تر کردے میری ہڈیوں سے ان تاریکی میں رہنے والوں کے لئے شمع فروزاں کرنا، اور ان شمعوں کو دائمی عظمت کی طرف لے کر بڑھنا)

اخی ! ان امت دون احبابنا فروضات ربی اعدّت لنا
واطیارھا رفرفت حولنا فطوبیٰ لنا فی دیار الخلود

(برادر من! اگر میں احباب کو چھوڑ کر موت کی آغوش میں چلا جاؤں (تو کوئی خسارہ نہیں) میرے رب کے باغات ہمارے لئے تیار ہیں) اور ان کے مرغان خوشنوا ہمارے ارد گرد محو پرواز ہیں اور ہم ان ابدی دیار میں خوش و خرم ہیں

فان انا مت فانی شهید و انت تمضی بنصر جدید
قد اختارنا اللہ فی دعوته انا سنمضی علی سنّة

(اگر میں مر جاؤں تو مجھے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا، اور ان شاء اللہ تو عنقریب نئی کامرانی کی طرف رواں دواں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی دعوت کے لئے ہمارا انتخاب کرلیا ہے، اور بے شک ہم سنت الٰہی پر گامزن ہیں)۔

سافدی ولکن لرب و دین و امضی علی سنتی فی یقین
فاما الی النصر فوق الانام اما الی اللہ فی الخالدین

(میں فدا ہو جاؤں گا مگر صرف پروردگار اور دین حق پر، اور یقین واثق پر سرشار اپنے راستہ پر چلتا رہوں گا، یا تو اس دنیا میں نصرت سے بہرہ ور رہوں گا، یا اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاؤں اور حیات جاوداں پانے والوں میں شامل ہوں جاؤں)۔ حیدرآباد کے فرخندہ آباد کے ایک شاعر حضرت قاضی فرخ نگری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

قاضی فدائے یار ہوا کیا بھلا ہوا
صدقے ہوا نثار ہوا کیا بھلا ہوا

۳۰۔ شیخ محمد ناظم عادل الحقانی جیلانی نقشبندی

(ولادت ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء)

امام الطریقۃ النقسبندیہ، مجاہد، شیخ الشیوخ مولانا محمد ناظم الحقانی شہر لارنا کا قبرص میں حسنی سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا نسب حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے مولانا جلال الدین رومی تک پہونچتا ہے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق پہلے بحری غزوہ میں قبرص روانہ ہوئیں اور وہیں سواری پر سے گریں اور اسی صدمے سے انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔ حضرت خواجہ ناظم حقانی بچپن سے ان کی مزار مبارک پر حاضر رہتے اور فیض حاصل فرماتے قبرص میں ہائی اسکول کی تکمیل کے بعد ۱۹۴۰ء میں مزید تعلیم کے لئے استانبول روانہ ہوئے اور کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل فرمائی۔ اساتذہ صاحبان نے اسی لائن میں تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے کہا کہ اب میرا دل روحانیت کی طرف شدت سے مائل ہے۔ چنانچہ آپ نقشبندی سلسلہ کے شیخ سلیمان ارزروی (م ۱۹۴۸ء) سے رجوع ہوئے۔ پھر آپ غیبی اشارہ سے دمشق منتقل ہوئے۔ یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ فرانس اور انگریز بمباری کررہے تھے مگر ان حالات میں آپ صحیح و سالم شیخ عبد اللہ داغستانی قدس سرہ (م ۱۹۷۳ء) کی خدمت میں پہونچ گئے۔ خرقہ خلافت ملنے کے بعد حضرت شیخ عبداللہ داغستانی نے آپ کو اپنے وطن قبرص واپس ہونے کی اجازت دیدی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عربی میں اذان دینے پر پابندی تھی۔ آپ نے اپنے مجاہدانہ جذبہ سے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عربی میں اذان دیں۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو ایک ہفتہ کے لئے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جب یہ قید سے رہا ہوئے تو نکوشیا (قبرص) کی جامع مسجد پہونچے اور عربی میں اذان دلوائی۔ حکومت نے آپ پر مقدمہ دائر کردیا اور عدالت

میں حاضری کی تاریخ مقرر ہوگئی ۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر آپ اس شہر کے اطراف اور اکناف کی مساجد میں پہونچتے اور میناروں سے عربی میں اذان دلواتے اس طرح ایک سو چودہ (۱۱۴) مقدمے حکومت نے عدالتوں میں دائر کردیئے وکلاء نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اس عمل سے باز آجائیں مگر آپ نے ان کی نہ مانی اور کہاکہ :

"یہ میرے لئے ناممکن ہے، مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ وہ اذانوں کو عربی میں سنیں"

مقدمہ کی تاریخ آگئی اور اگر مقدمہ کی پیشی ہوجاتی تو اندیشہ تھاکہ آپ کو مدۃ العمر کال کوٹھری میں بند کردیا جاتا مگر :

"ان للدین ربا یحمیہ" (ترجمہ) "بیشک اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں"

اسی پیشی کے دن عدنان میندریس صدر مملکت ترکی انتخابات میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے پہلا کام یہ کیاکہ ساری مساجد کھلوادیں اور اذان عربی میں دینے کا حکم صادر کردیا ۔ یہ شیخ ناظم کی اولین کرامت ہے ۔ شیخ ناظم حقانی مدظلہ قبرص سے امیر الحج کی حیثیت سے متواتر (۲۷) ستائیس سال حج کعبۃ اللہ اور زیارت مدینہ پاک حجاج کے ساتھ حاضری دی ہے ۔

ایک مرتبہ آپ کے پیرو مرشد شیخ عبداللہ داغستانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایاکہ وہ دمشق سے حلب تک پیدل سفر کریں اور ہر گاؤں میں قیام کریں تاکہ نقشبندیت کی اشاعت ہو اور ذکر الٰہی کی محلفیں قائم ہوجائیں الحمدللہ چار سو کیلو میٹر آپ نے اردن کی سرحد سے ترکی کی سرحد تک جانے اور واپس ہونے میں ایک سال سے زیادہ کی مدت صرف کی، اسی طرح آپ کے شیخ نے فرمایاکہ پورے قبرص کا دورہ کریں اور لوگوں کو اسلام میں داخل کریں تو آپ نے قبرص کے ہر گاؤں میں پہونچ کر ہزاروں کو اسلام میں داخل کیا ۔ اس طرح شیخ ناظم تقریباً پچاس سال سے اسلام اور طریقت

کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں مغربی یورپ (انگلستان، جرمنی، فرانس، اسپین، اٹلی، سوئٹزر لینڈ اور ہالینڈ) بلقان، ترکی، جنوبی روس (ازبکستان، تاجکستان وغیرہ) لبنان، شام، مصر، اردن، پاکستان، سری لنکا (قدیم سیلون) ہانگ کانگ، سنگاپور، ملائشیا، انڈونیشیا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ان سارے ملکوں میں اسلامی مراکز قائم فرمائے ہیں ۔ اس طرح ایک لاکھ افراد کو اسلام میں داخل فرمایا ہے ۔ شیخ ناظم کا یہ پیغامِ اسلام اور روحانیت آپ کے جلیل القدر خلیفہ شیخ ھشام کبانی کے ہاتھوں نئی دنیا (امریکہ) میں پروان چڑھ رہا ہے ۔

شیخ ناظم نقشبندی مدظلہ نے ترکی کے کئی شہروں میں دورے کئے اور بے شمار ترکوں کو نقشبندیت میں داخل فرمایا ہے آپ کے تفصیلی حالات کتاب History of the Saints of the Golden Chain ۳۷۵ تا ۴۱۵ میں پڑھے جائیں ۔

۱۳۱ ۔ شیخ محمد ھشام الکبانی النقشبندی

رہبر شریعت، محسن ملت، مبلغ اسلام شیخ محمد ھشام الکبانی بیروت (لبنان) میں پیدا ہوئے ۔ آپ ائمہ اھل بیت قدس اللہ سرار ہم کے نامور سپوت امام جعفر صادقؓ کی اولاد امجاد میں ہیں ۔ آپ نے امریکن یونیورسٹی بیروت سے سائنس میں بی ۔ اے کیا اور بلجیم کی ایک یونی ورسٹی میں فن طب کی تعلیم حاصل کی ۔ بعد ازاں دمشق میں اسلامی قانون کی ڈگری حاصل کی ۔

دور حاضر کے نقشبندی شیوخ شیخ عبداللہ داغستانی (۱۹۷۳ء) اور شیخ محمد ناظم الحقانی دامت برکاتہ کی صحبت ابتدائے جوانی سے اختیار فرمائی ۔ ۱۹۹۱ء میں اپنے شیخ خواجہ ناظم حقانی کے حکم سے امریکہ منتقل ہوئے تاکہ نقشبندی طریقہ کو اس نئی دنیا میں رائج فرمائیں ۔ چنانچہ اس چھ سال کی قلیل مدت میں کینیڈا اور امریکہ میں الحمد للہ کئی مراکز قائم فرمادیئے ہیں ۔ جہاں روز افزوں امریکی اور افریقی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد اسلام کی دولت سے مالا مال ہوکر جادۂ طریقت پر سرگرمی سے گامزن ہیں ۔

آپ نے متعدد جامعات میں اسلام اور تصوف پر گراں قدر خطبات ارشاد فرمائے ۔ ان جامعات میں یونی ورسٹی آف شکاگو، کولمبیا، ہاورڈ، برکلے، میک گل، کان کارڈیا، ڈاسن کالج شامل ہیں ۔ علاوہ ازیں آپ نے امریکہ، یورپ، اقصائے مشرق اور شرق اوسط کے دینی اور علمی مراکز میں خطبات بھی ارشاد فرمائے ہیں

شیخ ھشام ۔ امد اللہ حیاتہ للاسلام و المسلمین ۔ کا پیام امن و طریقت یہ ہے کہ صوفی تعلیمات کو سرگرمی سے پھیلا جائے جو درحقیقت انسانی برادری اور خدائے واحد کی ذات عالی پر یقین کی دولت سے مالا مال ہے جو ہر مذہب اور روحانی طریقوں کی جان ہے ۔ مرد مؤمن جو اس کائنات کے خالق و مالک کی طرف سے متولیؔ اور خلیفہ ہے اس کا یہ فرض ہے کہ رنگ، نسل، زبان، اور دیگر اختلافات کو دور کر کے پوری انسانیت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرے جس طرح اولیاء امت نے اپنی مادر وطن کو چھوڑ کر دنیا کے ہر خطہ میں پھیل کر گمراہ انسانیت کو جنت، نیکی اور ہمدردی کے راستہ پر ڈالا تھا ۔

شیخ ہشام اپنے شیخ طریقت کی جانب سے اس بات کے مجاز قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنے ارادتمندوں کی حبِ حقیقی کی طرف رہبری کریں، شیخ ھشام کی گرانقدر تالیف انگریزی زبان میں "The Naqshbnandi Sufi Way" یا "Hitory of The Saints of The Golden Chain" (اردو میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تاریخ مشائخ چشت کی طرح) چالیس نقشبندی اولیاء کرام کے حالات اور کارناموں پر مشتمل ہے درحقیقت عہد آفریں تاریخ ساز شہ کار ہے جو یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں اور حقیقت شناس برادرانِ وطن کے لئے ایک عظیم اور نادر تحفہ ہے ۔

اس وقت شیخ ھشام کیلیفورنیا (امریکہ) میں مقیم ہیں او DETROIT (مشی گن) میں ایک عظیم خانقاہ اور مسجد تعمیر فرمادی ہے جہاں حق کے متلاشی شب و روز حاضر ہو کر اپنی روحانی تسکین کے سامان بہم پہونچاتے ہیں ۔

شیخ ھشام کو نقشبندی نسبت دہلی کے عظیم نقشبندی شیخ حضرت شاہ غلام دہلوی قدس اللہ سرہ کے رومی اور شامی خلیفہ حضرت خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے پہونچی ہے ۔ الحمد للہ راقم الحروف کے جناب شیخ ھشام سے شخصی روابط ہیں اور یہ عاجز حقانی خانقاہ مشی گن میں حاضری دیا کرتا ہے ۔

شیخ ھشام مد ظلہ اس سال شہر لاس اینجلس میں سہ روزہ یونیٹی کانفرنس منعقد فرمارہے ہیں جس میں مکہ معظمہ، کویت، ملک شام، مصر، ہندوستان اور پاکستان سے جلیل القدر صوفیاء اہل اللہ، خطباء تشریف لارہے ہیں اور اسلام اور تصوف پر کئی زبانوں میں مقالے پڑھ رہے ہیں ۔ الحمد للہ یہ عاجز بھی تصوف اور اسلام پر مقالہ پڑھ رہا ہے ۔ یہ کانفرنس ۲، ۳، ۴ اگست ۱۹۹۶ کو منعقد ہورہی ہے ۔ اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اس کانفرنس کو عظیم کامیابی عطا فرمائے ! آمین. بحرمۃ سید المرسلین ۔

اللہ تعالی اس شیخ طریقت کو عمر نوح عطا فرمائے اور دور حاضر کے مجدّدین میں آپ کا شمار ہو ۔ آمین. بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاھرین واصحابہ الاکرمین ۔

۳۲ ۔ الشیخ عبدالفتاح، ابو غُدّہ، الحلبیَ الشامی الحنفی النقشبندی

(ولادت ۱۹۱۷ء)

علامۂ دین، عظیم مصنف، امام الادب، فقہ حنفی کے متبحر فاضل، الادیب الاریب، عظیم صوفی۔

شیخ عبدالفتاح ابو غُدہ، امداللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین شہر حلب ملک شام کے متوطن تحصیل علم کے لئے مصر پہنچے اور مصر کے عظیم حنفی علامہ شیخ زاھد الکوثری سے استفادہ کیا۔ ملک شام کے حالات بگڑ گئے اور بے دین افراد نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو آپ ریاض سعودی عربیہ منتقل ہوگئے اور یہاں جامعہ الامام محمد ریاض میں کلیۃ الشریعہ میں صدر شعبہ رہے، وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد ریاض میں مقیم ہیں۔
شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے حیدر آباد کے تین سفر کئے، پہلے سفر میں حضرت پیر ومرشد محدِّث دکن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ سے ملاقات فرمائی۔ حضرت پیر و مرشد سے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے دعائیں کروائیں۔ ۱۹۹۳ میں یہ عاجز ہمارے حضرت کے نواسے عزیزم جناب سید شاہ محمد قادری حفظہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد جنید قادری کی تقریب تکمیل حفظ قرآن کی محفل شکرانہ میں ٹورنٹو حاضر ہوا تو شیخ صاحب موصوف وہاں اپنے داماد کے گھر تشریف فرما تھے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں شیخ نے اس عاجز کو اپنی تالیف قیمۃ الزمن عندالعلماء (علماء کے پاس وقت کی قیمت) ھدیۃ عنایت کی۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ء کا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ماشاء اللہ (۳۵) کتابوں کے مصنف ہیں۔ حیدر آباد کے غالبا تیسرے سفر میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعل مبارک سے توسّل کا ذکر ہوا تو شیخ محترم نے اس بارے میں دو شعر سنائے جو ارباب ذوق کے لئے یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

و نعل قد خضعنا ھیبۃ لجلالھا   ونحن متی نخضع لھیبتھا نعل
فضعھا باعلی الراس حِفظاً وَجُنَّۃً   حقیقتھا تاج و صورتھا نعل

۱۔ یہ برکت والی نعل ہے، ہم اس کے دبدبہ سے اپنے سروں کو خم کر دیتے ہیں اور جب ہم اس کی ھیبت سے سرنگوں ہو جاتے ہیں تو ہم سربلند ہو جاتے ہیں (۲) تو تم حفاظت اور ڈھال بنا کر اپنے سر پر رکھ لو، درحقیقت یہ تاج ہے اور اس کی صورت نعل شریف کی ہے۔

اس موقع کو غنیمت جان کر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون بعنوان "نیل الشفاء بنعل المصطفی" کی عبارت من وعن ملاحظہ فرمائی جائے:

نیل الشفاء بنعل المصطفی

"بعد الحمد و الصلوۃ یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے کثرت معاصی سے جو کچھ ہجوم بلیات صوریہ معنویہ ہے ظاہر ہے، اس کا علاج بجز اصلاح اعمال و توبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے۔ مگر ہم لوگوں کے قلب و زبان کی جو کیفیت ہے، معلوم ہے۔ البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضور قلب بھی میسر ہوسکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے، منجملہ ان وسائل کے تجربۂ بزرگان دین نقشہ نعل مقدّس حضور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت قوی البرکۃ سریع الاثر پایا گیا۔ اس لئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال صلی اللہ علی صاحبہ وسلم فوق عدد الرمال حسب روایت امام زین العابدین عراقی محدّث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسّل سے اپنے حاجات و معروضات جناب باری تعالی میں قبول کرائیں"۔

(۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق۔ رضی اللہ تعالی عنھم۔ حضرت ابو بکر

۳۲ ۔ الشیخ عبدالفتاح ، ابو غُدّہ ، الحلبیَ الشامی الحنفی النقشبندی

(ولادت ۱۹۱۷ء)

علامۂ دین ، عظیم مصنف ، امام الادب ، فقہ حنفی کے متبحر فاضل ، الادیب الاریب ، عظیم صوفی ۔

شیخ عبدالفتاح ابو غُدہ ، امداللہ حیاتہ للاسلام والمسلین شہر حلب ملک شام کے متوطن تحصیل علم کے لئے مصر پہنچے اور مصر کے عظیم حنفی علامہ شیخ زاہد الکوثری سے استفادہ کیا ۔ ملک شام کے حالات بگڑ گئے اور بے دین افراد نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو آپ ریاض سعودی عربیہ منتقل ہوگئے اور یہاں جامعہ الامام محمد ریاض میں کلیۃ الشریعہ میں صدر شعبہ رہے ، وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد ریاض میں مقیم ہیں ۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے حیدر آباد کے تین سفر کئے ، پہلے سفر میں حضرت پیر و مرشد محدّث دکن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ سے ملاقات فرمائی ۔ حضرت پیر و مرشد سے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے دعائیں کروائیں ۔ ۱۹۹۳ میں یہ عاجز ہمارے حضرت کے نواسے عزیزم جناب سید شاہ محمد قادری حفظہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد جنید قادری کی تقریب تکمیل حفظ قرآن کی محفل شکرانہ میں ٹورنٹو حاضر ہوا تو شیخ صاحب موصوف وہاں اپنے داماد کے گھر تشریف فرما تھے ملاقات ہوئی ۔ اس ملاقات میں شیخ نے اس عاجز کو اپنی تالیف قیمۃ الزمن عندالعلماء (علماء کے پاس وقت کی قیمت) ھدیۃ عنایت کی ۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ ء کا ہے ۔ شیخ عبدالفتاح ماشاء اللہ (۳۵) کتابوں کے مصنف ہیں ۔ حیدر آباد کے غالبا تیسرے سفر میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعل مبارک سے توسّل کا ذکر ہوا تو شیخ محترم نے اس بارے میں دو شعر سنائے جو ارباب ذوق کے لئے یہاں بیان کئے جاتے ہیں ۔

و نعل قد خضعنا هيبة لجلالها ‏ ‏ ونحن متى نخضع لهيبتها نعل

نضعها باعلى الراس حِفظاً وَجُنَّةً ‏ ‏ حقيقتها تاج و صورتها نعل

۱ ۔ یہ برکت والی نعل ہے ، ہم اس کے دبدبہ سے اپنے سروں کو خم کر دیتے ہیں اور جب ہم اس کی ھیبت سے سرنگوں ہو جاتے ہیں تو ہم سربلند ہو جاتے ہیں (۲) تو تم حفاظت اور ڈھال بنا کر اپنے سر پر رکھ لو ، درحقیقت یہ تاج ہے اور اس کی صورت نعل شریف کی ہے ۔

اس موقع کو غنیمت جان کر مولانا اشرف علی تھانوی [redacted] علیہ کے ایک مضمون بعنوان " نیل الشفاء بنعل المصطفی " کی عبارت من وعن ملاحظہ فرمائی جائے :

نیل الشفاء بنعل المصطفی

" بعد الحمد و الصلوۃ یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے کثرت معاصی سے جو کچھ ہجوم بلیات صوریہ معنویہ ہے ظاہر ہے ، اس کا علاج بجز اصلاح اعمال و توبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے ۔ مگر ہم لوگوں کے قلب و زبان کی جو کیفیت ہے ، معلوم ہے ۔ البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضور قلب بھی میسر ہوسکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے ، منجملہ ان وسائل کے تجربۂ بزرگان دین نقشہ نعل مقدّس حضور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت قوی البرکۃ سریع الاثر پایا گیا ۔ اس لئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال صلی اللہ علی صاحبہ وسلم فوق عدد الرمال حسب روایت امام زین العابدین عراقی محدّث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسّل سے اپنے حاجات و معروضات جناب باری تعالی میں قبول کرائیں " ۔

(۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ۔ رضی اللہ تعالی عنہم ۔ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں آپ کا شمار ہے نقشبندی طریقت اور نسبت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ نعل شریف کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبہ سے، شیطانِ سرکش سے، حاسد کی نظر بد سے امن و امان میں رہے۔ اگر حاملہ عورت دردزہ کی شدت کے وقت اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے بفضلہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو۔

طریق توسل۔ بہتر یہ ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے۔ اس کے بعد گیارہ بار درود شریف، گیارہ بار کلمہ طیبہ اور گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقش مبارک کو با ادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرّع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی یہ عاجز جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش نعل شریف کو سر پر لیا ہوا ہے حضور پر نور کے غلاموں کا ادنی درجہ کا غلام ہے۔ الٰہی! اس نسبت غلامی پر نظر فرما کر اس نعل شریف کی برکت سے اس عاجز کی فلاں حاجت پوری فرمایئے۔ مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر پر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بہ محبت بوسہ دے۔ اشعار ذوق وشوق بغرض از دیاد عشق محمدی پڑھے۔ ان شاء اللہ عجیب کیفیت پائے گا۔

یہ تمام مضامین کتاب القول السدید فی ثبوت استبراک نعل سید الاحرار و العبید اور کتاب المرتجی بالقبول فی خدمۃ قدم الرسول، کتاب زاد السعید تالیف مولانا اشرف علی التھانوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی کتاب فضائل درود شریف سے ماخوذ ہیں۔

اس عاجز کو ملک شام کے اس فاضل والا مرتبت مولانا عبدالفتاح مدظلہ نے ایک عظیم روحانی نسخہ شفا مرحمت فرمایا تو ضروری سمجھا گیا کہ اس بات کو عرب اور عجم کے علماء ربانیین کے اقوال اور اعمال سے پایۂ تحقیق کو پہنچایا جائے اس لئے کہ دور

حاضر میں بے تربیت، بے علم اور خودرائے افراد بے تحقیق باتوں سے امت مسلمہ کو برکات آثار مبارکہ سے محروم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق خیر سے نوازے! آمین. بحرمۃ سید المرسلین و آلہ الطاہرین و اصحابہ الاکرمین۔

پاکستان کے معاصرین علماء کرام

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلادیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسادیئے ہیں

حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کے معاصرین کرام کے عنوان سے پچھلے اوراق میں عالم عرب کے ان خیارِ امت کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے ملت اسلامیہ کے تحفظ ، سربلندی اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے دن اور رات صرف کیے ، جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان و عمل کو قوت اور تازگی بخشی ، اپنے علم و عمل سے غیر مسلم اقوام کے ذہنوں پر دین اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے ان مٹ نقوش ثبت کیے ، ان کی کیمیا اثر نگاہ سے لاتعداد غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور بے شمار گم کردہ راہِ ہدایت ربانی اور سعادت سرمدی کی شاہراہ پر آگئے ۔

سرزمین ہند و پاک میں جن علماء امت نے باوجود ناساز گار حالات کے اسلام کی شمع کو روشن رکھا ، اُس کے پرچم کو بلند رکھا اور بلا خوف و خطر باطل طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے ، ان کی یاد قیامت تک دلوں کو عزم و ہمت اور بلند حوصلہ بخشتی رہے گی ۔ پاکستان کے ان اکابر ملت میں وہ حضرات کرام بھی ہیں جنہوں نے خطہ پاک کی تحریک کو پروان چڑھایا اور کامیابی سے ہمکنار کیا ۔

اس مقصود کے لئے عاجز راقم نے (اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں عافیت سے رکھے) مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعۂ نظامیہ رضویہ لاہور ۔ امدّ اللہ حیاتہ لِلاسلام والمسلمین ۔ کی تالیف " تذکرہ اکابر اہل سنت (پاکستان) " جو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے مبارک تذکروں پر مشتمل ہے حاصل کی ۔ حضرت محدّث دکن قدس سرہ چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر محدّث ، اور عظیم شیخِ طریقت ہیں تو اس عاجز نے کوشش کی کہ ہمارے حضرت کے اس صدی کے

معاصرین کا تذکرہ جو شریعت اور طریقت میں گفتار اور کردار کے اعتبار سے نامور ہیں اور جن کا مادر وطن حیدر آباد فرخندہ بنیاد سے کسی نہ کسی حیثیت سے تعلق ہے ، ان میں سے چند کے مبارک تذکروں کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے میدان کا شہ سوار ہے جس کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے مگر بطور مثال اور نمونہ چند شخصیتوں کا تذکرہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے ۔ اس موقع پر لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر سناکر عاجز اپنے مقصود پر آئے گا :

ہمہ شہر پر زخوباں ، منم و جمالِ ماہے
چہ کنم کہ چشمِ خوش بیں ، نکند بہ کس نگاہے

اللہ ! اللہ ! ایک وہ دور تھا جب جوانوں کو علماء و صلحاء کی تلاش تھی اور یہ عجیب دور آیا ہے کہ جوان تو جوان ، بوڑھے بھی علماء اور مشائخ سے گریزاں نظر آتے ہیں ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ! ان حضرات کی صحبتیں تربیت کے مرکز تھے جہاں سے انسان بن بن کر نکلتے تھے ۔ یہ ہستیاں ملت کی آن اور مذہب کی آبرو ہیں ، ان ہی کے دم سے دین و دنیا کی رونق ہے ۔ ضرورت ہے کہ ان کو آنکھوں پر بٹھایا جائے اور دل سے لگایا جائے اور ان کی مبارک سیرتوں کو اجاگر کیا جائے ۔

حیف صد حیف فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی سیاست نے امت کو کہیں کا نہ رکھا ، ان دانایانِ فرنگ نے اس راز کو پالیا کہ علماء اور مشائخ ملتِ اسلامیہ کی جان ہیں ، انھیں کے دم سے ایمان کی حرارت باقی ہے ، ان کو امت سے توڑ دیا جائے ۔ ان فرنگیوں نے بڑی بے حیائی کے ساتھ حقیقتوں پر پردہ ڈال دیا ، بے گناہ کو مجرم بنایا ، مجاہد کو غدار ، مصلح کو مفسد ، عالم کو جاہل ، شہید کو مقتول قرار دیا ۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے :

عالم ہمہ ویرانہ از چنگیزیِ افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

ذیل کے اوراق میں چند عظیم دانشور، جلیل القدر اہلِ دل جو اہلِ قلم بھی ہیں ان کی مبارک سیرتوں کا تذکرہ پیش ہے اسے مطالعہ فرما کر اپنی زندگی کے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ بلا شبہ ان کی پاک سیرتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ ہیں اور آیۂ کریمہ "ورفعنا لک ذکرک" کی جیتی جاگتی تصویر!

۱۔ مفکرِ اسلام مولانا محمد ابراہیم علیہ چشتی فاروقی فریدی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۳۵۔ ۱۳۸۸ھ / ۱۹۱۷۔ ۱۹۶۸ء)

عظیم دانشور، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی لاہور میں پیدا ہوئے، آپ کا ددھیال اور ننھیال علمی، مذہبی اور روحانی روایات سے مالا مال تھا۔ آپ کے نانا حضرت خواجہ مستان شاہ کابلی اپنے دور کے قطب شمار ہوتے تھے۔ امیر عبدالرحمن خان والیٔ کابل آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ آپ نے بابا بلند کوہی زابلستانی کے نام سے مسلم لیگ کی پر زور حمایت کی۔ آپ کے اثر اور رسوخ سے پنجاب کے اہم طریقت کے گھرانوں۔ تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف نے مسلم لیگ کی حمایت پر اپنے اپنے ارادتمندوں کو مائل کیا جس کیوجہ سے قیامِ پاکستان عمل آیا۔ مولانا ابراہیم علی چشتی علیہ الرحمۃ حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی اور مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہم الرحمۃ کے مسلک پر سختی سے پابند تھے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کا یہ لختِ جگر ۱۹۶۸ء میں داعیٔ اجل کو لبیک فرمایا۔ مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی قطعہ تاریخ لکھا جس کے آخری اشعار حسب ذیل ہیں:

زاولادِ آں فردِ مسعودِ دیں — شکر گنج قطبِ زمان و زمیں
بد از عاشقانِ بزرگانِ چشت — خداوند جائش کند در بہشت

سنِ رحلتش گویم از لطفِ شاہ — سراجِ ہدایت مروت پناہ
ز سالِ مسیحی چو خواہی نشاں — بداں خسروے منتخب بہر آں
۱۹۶۸ء

(ملاحظہ تذکرۂ اکابر اہلِ سنت پاکستان، ص ۲۹)

۲۔ مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری صدیقی نقشبندی

(۱۳۳۱ھ۔ ۱۳۷۹ھ / ۱۹۱۴ء۔ ۱۹۶۰ء)

خطیبِ اہلِ سنت، عالمِ با عمل، پیکرِ اخلاص و ایثار، مجسمۂ حلم و شفقت حضرت مولانا قاری احمد حسین ابن جناب عبدالصمد، موضع گومتی، تحصیل جھجھر ضلع رہتک میں پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، مزید تحصیلِ علوم کے لئے دہلی پہونچے اور مشہور نعت گو شاعر مولانا صابر حسین سے مختلف فنون میں استفادہ کیا۔ اور مولانا قادری شبیر حسین سے تجوید اور قراءت سیکھی۔ اللہ تعالی نے لحن داودی عطا کیا تھا اور آواز بھی پر سوز تھی۔ وعظ و تقریر کی طرف میلان ہوا۔ نقشبندیت کی نسبت ہشیار پور کے حضرت خواجہ عبدالخالق سے حاصل کی۔

حضرت قاری صاحب نے تحریکِ پاکستان اور جہادِ کشمیر میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ آپ کی شخصیت گویا ایک انجمن اور جامعِ اجلاس تھی۔ تلاوت، نعت، تقریر اور سلام و دعاء ساری چیزیں تنہا انجام دیتے۔

اللہ تعالی نے قاری صاحب کو غضب کی آواز اور بلا کا سوز عطا فرمایا تھا مولانا روم، مولانا احمد رضا بریلوی اور علامہ اقبال کا کلام پڑھتے تو مجلس پر ایک کیف طاری ہوجاتی تھی۔

سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور یاد میں شب و روز محو رہتے۔

آپ کو بار ہا خواب میں اور عالم بیداری میں بھی جمالِ جہاں آراء کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ۔ نو عمری میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں اور ایک نئی نعت سنانے کا شرف حاصل کر رہے ہیں ۔ بعد میں دیکھا کہ وہ نعت حدائقِ بخشش دیوانِ مولانا احمد رضا بریلوی کا ہے تو حضرت فاضل بریلوی سے بے انتہا محبت ہوگئی اور اسی عقیدت کی بناء پر بریلی حاضر ہوئے اور حضرت کی مزار پر حاضری دی ۔

۳ / ذوقعدہ / ۱۳۷۹ ھ = ۳۰ / اپریل ۱۹۶۰ ء کو جب انتقال ہوا تو زبان مبارک پر "ادررکنی یا رسول اللہ " جاری تھا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ۔ جناب مظفر نظامی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی :

خوبصورت نیک سیرت ، بے ریا عابد و زاہد امام الصالحین
گفت تاریخش غلام قادری مہر تاباں رفت از چشم بہ بیں

۱۳۷۹ ھ

گفت ہائے بلبل باغِ رسول بار دیگر با مظفر دل حزیں

۱۳۷۹ ھ

(ایضاً ص تذکرہ ۹۳)

۴۔ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۲۴ ھ ۔ ۱۳۹۱ ھ / ۱۹۰۶ ۔ ۱۹۷۱ ء)

شیخ التفسیر مولانا مفتی احمد یار خان بن مولانا محمد یار خاں ضلع بدایون کے دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی ۔ پھر مدرسہ شمس العلوم بدایون میں تین سال درسیات پڑھا ۔ اسی زمانے میں بریلی شریف جاکر مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ۔ بعد ازاں جامعہ نعیمیہ

مراد آباد (ہندوستان) میں داخلہ لیا اور یہاں مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور علامہ مشتاق احمد کانپوری سے درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۲۵ ء میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی ۔ پھر آپ نے عملی زندگی کا آغاز جامعۂ نعیمیہ مراد آباد ، مدرسہ مسکینیہ کاٹھیاواڑ سے کیا جہاں تدریس کے علاوہ فتوی نویسی کا کام بھی کرتے رہے ۔ اس کے بعد مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابو البرکات کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور مختلف دینی جامعات میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے ۔

حضرت مفتی صاحب اگر چہ درس و تدریس اور تبلیغ کے میدان کے آدمی تھے تاہم مختلف مواقع پر ملی اور سیاسی تحریکوں میں بڑا حصہ لیا ۔ ۱۹۴۶ ء میں نظریہ پاکستان کی تائید کے لئے بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ پنجاب کے علماء اور مشائخ کے عظیم وفد میں شامل تھے ۔

حضرت مفتی صاحب پانچ دفعہ حج اور زیارت سے مشرّف ہوئے اور تقریباً نصف صدی خدمت دین میں صرف کی ۔ ہروقت درود شریف پڑھتے رہتے ۔ سینکڑوں علماء کو فیض یاب فرمانے کے ساتھ ساتھ علمی یاد گاروں کا کافی ذخیرہ چھوڑا جس سے مسلک اہل سنت و جماعت کو نہایت تقویت ملی ۔

تصانیف کے نام درج ذیل ہیں :

۱۔ تفسیر نعیمی گیارہ پارے
۲۔ نعیم الباری فی انشراح البخاری (حاشیہ عربی بر بخاری)
۳۔ شرح مشکاۃ (اردو) آٹھ جلدیں
۴۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن
۵۔ جاء الحق (دو جلد)
۶۔ شان حبیب الرحمن من آیات القرآن وغیرہ

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یارخان علیہ الرحمۃ کا انتقال ۳ / رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ/ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ہوا اور گجرات (پنجاب) میں آرام فرما ہیں۔

(ایضاً ص ۵۴)

۴۔ سحبانِ عصر علامہ اصغر علی روحی رحمۃ اللہ تعالی

(۱۲۸۴ھ - ۱۳۷۳ھ / ۱۸۶۷ء - ۱۹۵۴ء)

مولانا اصغر علی روحی دریائے چناب کے کنارے واقع قصبہ کٹھالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آئے اور اپنے دور کے ممتاز فضلاء مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مفتی عبداللہ ٹونکی، مولوی عبدالحکیم کلانوری اور مولوی قاضی ظفر الدین علیہم الرحمۃ سے استفادہ کر کے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کر کے ایم ایل کے ڈگری حاصل کی۔ علامہ روحی اورینٹل کالج، لاہور کے پروفیسر رہے پھر ۱۸۹۲ء سے ۱۹۴۱ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں شعبہ عربی کے پروفیسر رہے۔ زندگی بھر شریعت مبارکہ کے پابند رہے۔ عربی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں بلا تکلف شعر کہتے تھے۔ نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

اے کہ از فیضِ لبت تسنیم و کوثر ساختند　　روحی تشنہ لب را دریاب اے ابرِ کرم

زانکہ داغِ عشقِ تو از آتشِ دل ساختند　　سوز او از سوختن دیگر نبیند چارہ ای

از پی اجمالِ یک، تفصیلِ دیگر ساختند　　نعت احمد و صفِ قرآن ہر دو در معنی یکے ست

بڑے بڑے اہل علم کے آپ سے نیاز مندانہ تعلقات تھے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال بھی آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ مرزا قادیانی نے غلط سلط عربی میں نام نہاد قصدہ اعجازیہ لکھ کر ڈینگیں مارنا شروع کیں تو علامہ روحی نے اس کا جواب لکھ کر شائع کر دیا۔

علامہ اصغر روحی نے تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، فارسی دیوان ہزاروں اشعار پر اور عربی دیوان سینکڑوں اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق ادب عربی کے فاضل ہیں اور اپنے والد گرامی کے علمی کارناموں کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ بیشتر تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ (ایضاً ص ۶۰)

۵۔ فقیہ العصر مولانا مفتی اعجاز ولی خان رضوی قدس سرہ

(۱۳۳۲ھ - ۱۳۹۳ھ / ۱۹۱۴ء - ۱۹۷۳ء)

استاذ العلماء، مولانا مفتی اعجاز ولی خان بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا شاہ احمد رضا خان اور دیگر اہل علم سے حاصل کی۔ مولانا مصطفی رضا خان مفتی اعظم ہند سے سند حدیث حاصل کی۔ تحصیل علوم کے بعد اعلی حضرت سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور آپ کے فرزند ارجمند رضا بریلوی سے سلسلہ قادریہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ تکمیل علوم کے بعد کئی مدارس میں تدریس جاری رکھی اور متعدد دینی جامعات میں شیخ الحدیث و الفقہ کی حیثیت سے بخوبی اپنے فرائض انجام دیئے۔

ملک کی سیاسیات میں تحریکِ مسلم لیگ کی حمایت میں دورہ کر کے ملت کی خدمات انجام دیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن اخلاق، ایثار و قربانی، حق گوئی، صلابت رائے، تاریخ دانی میں اپنی آپ مثال تھے۔ مختلف کتابوں پر مقدمے اور بے شمار فتاوی جاری کرنے کے علاوہ بیش بہا تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر نے درج ذیل تاریخ وصال کہی:

بوجھل ہوئی زمیں تو فلک غم سے ہے نڈھال　　رخصت ہوا جہاں سے یہ کون باکمال

"از عاقبت بخیر" اس کا سنہ وصال　　عقبی کی فکر، دین کا جس کو رہا خیال

۱۳۹۳ھ

مولانا کی آخری آرام گاہ میانی صاحب، بہاولپور روڈ لاہور میں مولانا غلام محمد ترنم کے سرہانے بنی۔ رحمۃ اللہ و عفرلہ۔ (ایضاً ص ۶۳)

۶۔ واعظ الاسلام مولانا سید محمد اکرام الدین بخاری

مولانا سید محمد اکرام الدین جید عالم دین اور مقبولِ زمانہ واعظ تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ نے ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء درج ذیل الفاظ میں اجازت مرحمت فرمائی۔

"اللہ اکبر

از فضلِ رحمن

اما بعد الحمد للہ میاں خواجہ اکرام الدین بخاری کہ مرید این فقیر است اجازت طریقت نقشبندیہ وقادریہ دادم کہ بمردماں تعلیم نمایند ثم السلام والدعاء"۔

نیز حضرت مولانا عمر ضیاء الدین عثمانی خالدی کردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ وقادریہ کی اجازت عطا فرمائی۔

مولانائے ممدوح نے ۱۳۴۱ / ۱۸۹۶ء میں حضور سید ناغوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضری دی اور ہدیہ عقیدت پیش کیا، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بدرگاہِ جنابت آمدم یا شاہِ جیلانی   منور شد دلم از پر تو انوار ربانی
غریبم، بے نوا افتادہ ام، بیمار درکویت   نظر فرما بحالم حضرتِ محبوب سبحانی

آپ شعر و سخن کا بہترین ذوق رکھتے تھے اور اختر تخلص کرتے تھے، درج ذیل مشہور قصیدہ نعتیہ آپ ہی کے فکر عالی کا نتیجہ ہے:

تری الفت میں مرمٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں   ترے کوچہ میں دفن ہونا، جنت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا، تیری ہی سننا، تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت، اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں ترے رہنا، عبادت اس کو کہتے ہیں
ترا مفتون، جاں دادہ، ترا عاشق، ترا شیدا   ترا مضطر، ترا اختر ہدایت اس کو کہتے ہیں

مولانا عبدالحکیم شرف قادری دام فضلہ نے اسی قدر آپ کے مبارک احوال تذکرۂ اکابر اہل سنت میں جمع فرمائے اور معذرت بھی کی کہ مزید حالات نہیں مل سکے۔ (ایضاً ص ۶۹)

۷۔ حضرت مولانا الحاج ابو الحقائق پیر سید امانت علی شاہ کاظمی نظامی

(۱۳۲۲ھ - ۱۳۹۱ھ / ۱۹۰۱ء - ۱۹۷۱ء)

حضرت پیر سید امانت علی شاہ کاظمی نظامی موضع گھوٹی ضلع فیروز پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم قدس سرہ سے جاملتا ہے۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے تایا زاد بھائی حضرت پیر سید نادر علی شاہ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہوئے اور پھر ظاہری اور باطنی علوم میں درجہ کمال کو پہونچے، آپ کو وعظ و ارشاد میں ید طولی حاصل تھا۔ وحدۃ الوجود کے نہ صرف قائل بلکہ بڑے مبلغ بھی تھے۔ مثنوی شریف پر بھی بڑا عبور تھا۔ اور اشعار پڑھنے کا انداز سامعین میں کیف و مستی پیدا کرتا تھا۔ آپ کی تقریر اسرار تصوف کی آئینہ دار ہوتی تھی۔

حضرت پیر سید امانت شاہ عابد شب زندہ دار بزرگ تھے، نماز تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے اور شریعت ظاہرہ کی پیروی کی ہر وقت پیش نظر رکھتے، کسی حالت میں بھی نماز قضاء ہونے نہ دیتے۔ ہر جمعرات کو حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے اور ایک عرصہ تک ہر نو چندی جمعرات کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے رہے، بزرگان سلسلہ اور مشائخ کے عرس بڑے اہتمام سے مناتے۔ لاہور کے چند احباب کے پیہم اصرار پر جامع مسجد شاہ کمال کی خطابت قبول فرمائی۔ یہ مسجد پہلے مختصر تھی آپ کے تشریف لانے کے بعد

خاصی وسیع اور عریض اور خوبصورت بن گئی۔ آپ تا دمِ واپسیں اسی مسجد میں اپنے ارشادات اور مواعظ سے دلوں کی دنیا کو روشن کرتے رہے۔

حضرت پیر صاحب شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور نظامی تخلص کرتے تھے ۱۹۵۶ء میں مع اہل و عیال حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے دربار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منظوم ہدیہ عقیدت پیش فرمایا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

السلام اے مبتدا و منتہی   السلام اے مقتدا و پیشوا
السلام اے واقفِ علمِ لدن   السلام اے مظہرِ علم و شہود
السلام اے ناظرِ قلبِ حقیر   این نظامی گنہ گار و فقیر

۱۹۵۸ء میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا چند اشعار ملاحظہ ہوں:

السلام اے مطلعِ انوارِ چشت   السلام اے رہبرِ اہلِ بہشت
السلام اے ساقیٔ جامِ الست   السلام اے از جمالِ یار مست
السلام اے پیکرِ حسن و جمال   السلام اے ماحیِ کفر و ضلال
ہو قبول اب تو نظامی کا سلام   آپ کا ہے یہ غلامان غلام

الحمد للہ آپ نے شعر و سخن میں خواب طبع آزمائی کی ہے لیکن آبروئے قلم کو کسی دنیا دار کی مدح و ثناء سے ملوث نہیں ہونے دیا، صرف بزرگانِ دین سے اظہار عقیدت کے لئے اشعار کو وسیلہ بنایا۔ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ کی منقبت میں فرماتے ہیں:

رہا عمر بھر ہی مجھ کو تیرے نام کا سہارا   اسی طرح رات گذری، اسی طرح دن گذارا
سخی اور بھی ہیں بیشک، یہ جہان چھان مارا   ہوا منگتوں کا آخر، تیرے در پہ ہی گذارا
کھڑا دیر سے ہوں در پر، مجھے بھیک دو خدا را   یہ ہے لاج بھی تمہاری، ہے فقیر بھی تمہارا

تیرے در سے پل رہے ہیں، کئی شاہ اور گدا بھی   چہ شود اگر نوازی، ز نگاہ ایں گدا را
ذرا دیکھ اے نظامی، کہاں خاک بوس تو ہے   تری ہے بلند قسمت، ہے عروج پر ستارا

حضرت شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کی شان میں فرماتے ہیں:

رہے آستان سلامت، رہے برقرار شاہی   کہ تمہارے نام پر ہے یہ ہماری کج کلاہی
تیرے در پہ سرنگوں ہیں، شاہوں کے تاج شاہی   ترے فقر پر تصدق ہے ہزار بادشاہی
تیرا نعرۂ فریدی، ہے قبول بارگہ میں   میرے کان میں ہے آتی، یہ صدائے صبح گاہی
ذرا دیکھ اے نظامی، یہ ہے درگہِ فریدی   کہیں بٹ رہی ہے جنت، کہیں بٹ رہی ہے شاہی

آپ کے مواعظ اور خطبات مختلف عنوانات کے تحت طبع ہو چکے ہیں، آپ کے مریدین اور معتقدین کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔

۷ محرم الحرام، ۷ مارچ (۱۳۹۱ھ - ۱۹۷۱ء) بروز جمعہ ۱۰ بجے دن آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ مزار لاہور میں ہے جس پر خوبصورت گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔

مولانا شرافت نوشاہی نے قطعہ تاریخ وصال کہا ہے:

جناب پیر امانت علی وحیدِ زماں   رفیقِ مجلس آں فخرِ انبیاء آمد
چو سال رحلت شیخ زماں شرافت جُست   شہیدِ عشق امانت علی، ندا آمد

۱۳۹۱ھ

(ایضاً ص ۹۰ تا ۹۳)

۸۔ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ، محدّثِ علی پوری نقشبندی قدس سرہ

(۱۲۵۷ھ - ۱۳۷۰ھ / ۱۸۴۱ء - ۱۹۵۱ء)

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ابن سید کریم شاہ علی پوری۔ علی پور سیداں۔ ضلع سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین، شیراز کے سادات گھرانے کے نامور جدّ اعلیٰ حضرت سید محمد مامون معروف قطب شیرازی کی اولادِ امجاد سے

تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۸ واسطوں سے امیرالمؤمنین حضرت، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔ بچپن میں قرآن پاک حفظ فرمایا، ابتدائی تعلیم کے بعد ہند و پاک کے نامور علماء مولانا غلام قادر بھیروی (م۔ ۱۹۰۹ء) مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء لکھنو، علامہ مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا قاری عبدالرحمن پانی پتی سے علمی استفادہ کیا۔ حدیث شریف کی سند مولانا عبدالحق مہاجر مکی اور حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہم سے حاصل کی۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ فقیر محمد معروف باباجی علیہ الرحمۃ (چورہ شریف) بعد تکمیلِ سلوک خلافت و اجازت سے مشرّف ہوئے۔

آپ نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں، اسلام کا پیغام پاک و ہند کے کونے کونے تک پہونچایا۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا، ہزارہا عیسائیوں اور ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ شدھی تحریک (مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور آگرہ میں تبلیغی مرکز قائم کرکے طوفانی دورے کئے، مرزا قادیانی کے باطل دعووں کی زبردست تردید کی، شاہی مسجد لاہور میں مرزا کی موت کی پیش گوئی کی جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت (۲۱۔۱۹۲۰) کے نقصانات سے مسلمانوں کو پوری طرح باخبر کیا۔ ۱۹۳۵ میں مسجد شہید گنج کی تحریک کے وقت شاہی مسجد لاہور میں ولولہ انگریز تقریر کی جس کی بناء پر انگریز حکومت کی ایک نہ چلی اور آپ کو امیر ملت کا خطاب دیا گیا۔ آپ کے لاکھوں مریدین پاک و ہند اور دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور تمام مریدین کو مسلم لیگ کی

حمایت کرنے کی پُر زور تلقین کی۔ دینی مدارس کی امداد کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید خان کی اپیل پر آپ نے حجاز ریلوے فنڈ میں اپنے متوسلین کی طرف سے چھ لاکھ روپے جمع کروائے ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ کالج کو یونی ورسٹی بنانے کی غرض سے نواب وقار الملک نے امداد کی اپیل کی اور یقین دلایا کہ دینیات کی تعلیم لازمی ہوگی اور یونیورسٹی کی مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کی حاضری تمام طلبہ پر لازمی ہوگی تو لاکھوں روپیہ اپنے حلقہ ارادت سے جمع کروایا۔

علامہ اقبال الرحمۃ آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے جلسہ کی صدارت کر رہے تھے کہ علامہ اقبال آکر آپ کے قدموں میں بیٹھ گئے اور کہا کہ بزرگوں کے قدموں میں بیٹھنا سعادت ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا "اقبال جس کے قدموں میں ہو اسے اور کیا چاہیئے؟ ایک موقع پر پیر صاحب نے ازراہ عنایت فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کا یہ شعر ہمیں بھی یاد ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے، اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس پر علامہ اقبال نے کہا:

"میری نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کو میرا یہ شعر یاد ہے"

آپ کے مریدین اور خلفاء میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقہ شامل ہے۔ آپ نے بے شمار حج کئے، کم و بیش پچاس مرتبہ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دی، سینکڑوں مسجدین تعمیر کرائیں۔ متعدد مدرسے جاری کیئے ۱۹۰۴ میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد لاہور میں رکھی جس نے دینی اور ملی کارہائے نمایاں انجام دیئے کئی رسائل آپ کی سرپرستی میں شائع ہوتے رہے۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ لاہور، ماہنامہ لمعات الصوفیہ سیالکوٹ۔ یہ رسائل بڑے وقیع مضامین پر مشتمل ہوتے تھے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں بحثیت سرپرست شریک ہوئے۔ غرض آپ

کے کارہائے نمایاں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

الحمد للہ جناب پروفیسر محمد طاہر فاروقی (صدر شعبہ اردو ، پشاور یونیورسٹی) نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ضخیم سوانح بنام " سیرت امیر ملت " مدون فرمائی ہے۔

آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا ایک عالم میں چرچا تھا، کوئی سائل آپ کے دربار سے خالی نہ جاتا تھا، خاص طور پر عربوں کی بہت عزت اور تکریم فرماتے چنانچہ اہل عرب آپ کو ابوالعرب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

امیر ملت ، ابو العرب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کا وصال شب جمعہ ۲۷ / ذوالقعدہ ۱۳۷۰ / ۳۰ اگست ۱۹۵۱ کو ہوا۔ آپ کا مزار پُر انوار علی پور سیداں میں مرجع خلائق ہے۔ ہر سال نہایت شان و شوکت سے آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں مریدین شرکت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد حسن قادری ، استاذ شعبہ اردو لندن یونیورسٹی نے کئی مادہ ہائے تاریخ نکالے ہیں ان میں سنہ ہجری و عیسوی کے دو تاریخیں درج ذیل ہیں۔

ولی زمانہ ، فرزند ختم المرسلین

۱۹۵۱ء

شب جمعہ المبارک آرامیدہ

۱۳۷۰ھ

حضرت سید پیر جماعت علی شاہ نقشبندی قدس سرّہ ہند و پاک کے گوشہ گوشہ میں شریعت اور طریقت کے استحکام میں جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب کا حیدر آباد کے مسلمانوں پر بڑا کرم تھا اور اپنے مواعظ سے مسلمانان دکن کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ سلطنت آصفیہ کے آخری تاجدار نواب میر عثمان علی خان بہادر سے

بھی مراسم تھے اور اظہار حق میں ان کے روبرو ان کی بادشاہت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ ان حالات کو یہ عاجز " سیرت امیر ملت " سے من و عن ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

بندہ مؤمن کا دل بیم و رجا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے
(علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

دکن میں تبلیغ وارشاد

حضرت پیر خیر شاہ صاحب امرتسری خلیفۂ مجاز حضرت امیر ملت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق تبلیغ کے لئے ہندوستان کے دورے پر نکلے تو دکن میں کوہ نیل گڑھی پہنچ گئے وہاں حضرت قبلہ عالم کے حکم کے مطابق آپ نے قیام کیا۔ کئی دفعہ واپسی کا ارادہ کیا مگر حضرت نے خط یا تار کے ذریعے روک دیا۔ اور حکم فرمایا کہ ابھی وہیں کام جاری رکھو۔ اس دوران مولانا خیر شاہ صاحب کی مخالفت ہونے لگی جس کے بانی مبانی قاضی عبدالغفار اور ان کے رفیق پیر حیدر شاہ المعروف کالا پیر تھے۔

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ کا نیل گڑھی جانا

نیل گڑھی کے بعض معتقدین نے سعی بلیغ کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں بلایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ تو دین اور ترویج سلسلہ نقشبندیہ کو قوت حاصل ہوئی۔ اور حضرت کے اثر سے لوگ کثرت سے داخل سلسلہ ہونے لگے۔

قاضی عبدالغفار اور کالا پیر کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ پابند شریعت بن گئے اور ان کو شرعی مسائل معلوم ہوگئے تو ان کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اور لوگ ان کے ڈھونگ سے باخبر ہوکر ان سے برگشتہ ہو جائیں گے جس سے ان کی آمدنی میں خلل آئے گا۔ ان دونوں نے کچھ سر پھرے بیہودہ لوگوں کو ساتھ ملا کر مخالفت تیز کردی۔ مگر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق پروانہ کی اور لوگ بھی

زیادہ سے زیادہ داخل سلسلہ ہوتے رہے۔

حضرت کی مخالفت

نیل گڑھی سے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ میسور اور پھر بنگلور تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے اپنی مخالفت جاری رکھی۔ بنگلور میں ان کا کافی اثر تھا۔ وہاں انھوں نے اشتہارات چھپوا کر تقسیم کئے اور الزام لگایا کے یہ پیر صاحب نہ کسی کے مرید ہیں نہ خلیفہ، نہ حافظ قرآن ہیں نہ عالم دین نہ سید بس صرف مسمریزم جانتے ہیں۔ حلقہ میں اس کے اثر سے بیہوش کردیتے ہیں۔ کوئی ان کے پاس نہ جائے، نہ ان کا وعظ سنو اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھو۔

مخالفین کے یہ دونوں سرغنہ علوم شرعی سے بالکل ناواقف تھے۔ اور ان کے اعمال بھی خلاف شریعت تھے لیکن انھوں نے ایک ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ جس سے ان کا جتھا بن گیا تھا۔ لوگ انھیں اپنا پیرو مرشد سمجھتے اور ان کا حکم بجالاتے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کی، وعظ کہے اور مسائل شرعیہ بیان کئے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ اگر عوام دین و شریعت سے واقف ہوگئے تو ہماری بات کون مانے گا۔ غرض ان دونوں مفسدوں نے اپنے جاہل مریدوں کو ورغلا کر حضرت کی خوب مخالفت کی۔ حضور کی ایذارسانی کی راہیں پیدا کیں۔ آپ کے جلسوں میں اینٹ پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کے مارنے کے درپے ہوگئے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اس دور افتادہ مقام پر بالکل بے یارو مدد گار تھے۔ سوائے ذات الٰہی کے کسی پر بھروسا نہ تھا آپ تمام تکلیفیں بخوشی برداشت کرتے۔ اور بارگاہ رب العزت میں دعا فرماتے کہ "خدا ان کی ہدایت فرمائے" آخر حالات سے مجبور ہوکر حضور کو شہر چھوڑ کر باہر قیام کرنا پڑا۔ مگر سچ یہ ہے کہ۔

چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد
اگر گیتی سراسر باد گیرد

غیبی امداد

عباس خان صاحب بلدیہ میسور کے سربراہ تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ "ایک رات میں سو رہا تھا۔ کہ خواب میں مجھ سے کہا گیا کہ تو آرام سے گھر میں سو رہا ہے۔ اور ایک سید آلِ رسول، مسافر بے یار و مدد گار کو کچھ بد بخت جاہلوں نے سخت تنگ کر رکھا ہے۔ میں اس بات کو خواب و خیال سمجھ کر پھر سو گیا۔ دوبارہ خواب میں کسی نے پھر مجھ سے یہی کہا۔ میں نے اب کے بھی پروانہ کی اور سو گیا۔ تیسری دفعہ کسی نے میرے چپت رسید کیا اور کہا کہ تو سوتا ہی رہے گا"۔

عباس خان صاحب کہتے تھے کہ "اب تو میں سخت حیران پریشان ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری بیوی نے دریافت کیا کہ "معاملہ کیا ہے۔ آج آپ کو نیند کیوں نہیں آتی" میں نے انھیں خواب کا سارا واقعہ سنایا۔ وہ بھی سن کر حیران ہوئیں۔ مگر سوچ کر کہا کہ اپنے کوچوان کو بلا کر دریافت کرو۔ ممکن ہے اسے کچھ خبر ہو۔ میں نے کوچوان کو بلایا اور پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ "پنجاب سے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ یہاں لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور انھیں ستایا ہے۔ ممکن ہے یہ اشارہ اسی طرف ہو" میں نے اسی وقت گاڑی جوتنے کا حکم دیا۔ اور کوچوان کی رہنمائی میں سحری کے وقت حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایسے نا وقت حاضری کا سبب دریافت کیا تو میں نے عرض کیا "آپ کو گھر لے چلنے کے لیے حاضر ہوا ہوں" فرمایا خان صاحب! میں آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ میں تو مسافر ہوں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا بسر کروں گا۔ میری وجہ سے آپ کیوں تکلیف برداشت کریں"۔

"جب میرے بہت اصرار کرنے پر بھی حضور راضی نہ ہوئے، تو مجبوراً میں نے خواب کا تمام واقعہ بیان کیا۔ اور کہا کہ میں تو حکماً بھیجا گیا ہوں۔ اگر آپ میرے ساتھ جانا پسند نہ فرمائیں گے تو میں یہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہوں گا۔ غرض

بڑی منت سماجت کے بعد حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ان کیساتھ چلنے پر راضی ہوئے تو وہ بصد عزت و احترام حضور کو گھر لائے اور اس خوش نصیبی پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر بجالائے۔

مہاراجہ میسور کا حضرت کے پیغامِ حق سے متأثر ہونا

عباس خان صاحب کہتے تھے کہ " پھر وہ مہاراجہ کی خدمت میں گئے۔ اور اُن سے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی پنجاب سے وعظ وارشاد کے لئے تشریف آوری، غنڈوں کا آپ کو ستانا، آپ کا شہر سے باہر جانا، خواب میں ان کو تنبیہ کیا جانا، ان کا حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ہمراہ گھر لانا، ساری تفصیلات بیان کیں۔ مہاراجہ نے ڈی سی کو حکم دیا۔ اور مجھے ہدایت فرمائی کہ میں ساری تفصیلات اس کے گوش گزار کروں۔ ڈی سی نے پولیس کپتان کو طلب کر کے سارا واقعہ سنایا۔ غرض اس طرح ریاست کے افسران کی امداد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی۔ شرپسندوں کو اب کیا ہمت ہوتی کہ کھلم کھلا مخالفت کرسکتے"۔

مہاراجہ نے خود خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی حضرت کا وعظ سننا چاہتا ہے۔ تو ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو عمائد و اکابر بھی شریک ہوئے اور خود مہاراجہ نے بھی شرکت کی۔ عباس خان صاحب کو حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں سے آپ کی حق گوئی اور بے باکی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ " حضرت! مہاراجہ ہندو ہے اور یہ ریاست بھی ہندوؤں کی ہے۔ اگر آپ ان کے مذہب کے خلاف کوئی بات نہ کہیں تو اچھا ہے"۔

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ فرمایا تو اسلام کی حقانیت ثابت کی۔ اور دلائل سے جملہ مذاہب باطلہ کی تردید فرمائی۔ آپ کے بیان کا معجزہ نما اثر یہ تھا کہ بعد میں مہاراجہ نے عباس خان صاحب سے کہا کہ " آپ کے پیر صاحب یقینا خدا کے نیک بندے ہیں۔ تب ہی تو ان میں یہ جرأت ہے کہ ہمارے سامنے بیباکی کے

ساتھ ہمارے مذہب کے خلاف تقریر کرتے ہیں"۔ چنانچہ مہاراجہ نے حکم دیا کہ آپ کا وعظ روز کرایا جائے۔ اور افسران کو ہدایت کی کہ " معقول انتظام کیا جائے تاکہ شرپسند کسی قسم کا فساد کھڑا نہ کرسکیں۔ ایسے نیک انسان اب دنیا میں کہاں ملتے ہیں، جو مخالف موافق کی پروا کئے بغیر حق گوئی کریں۔ اور بندگان خدا کی رہنمائی کے لئے اتنا دور دراز سفر اور راہ کی صعوبتیں برداشت کریں"۔

مہاراجہ کی موافقت کی وجہ سے اب کس کی مجال تھی کہ مخالفت کرتا۔ چنانچہ آپ کے وعظ بکثرت ہونے لگے۔ زائرین ہمہ وقت حاضر رہنے لگے۔ آپ کا علم و فضل، اور زہد و تقوی اور دور دور مشہور ہونے لگا۔ روزانہ علماء، عہدہ دار، تاجر، فوجی، ملازمت پیشہ ہر طرح کے لوگ حاضر ہونے لگے۔ سلسلہ عالیہ میں لوگ جوق در جوق داخل ہوتے تھے۔ اور پند و نصائح سن کر اتباع شریعت میں سرگرم ہوتے تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی کثرت سے حلقہ ارادت میں شامل ہوئیں۔ ہر روز مغرب و عشاء کے درمیان محلہ نعل بند واڑی میں صوبیدار سید محمد صاحب کی حویلی میں ذکر کا حلقہ منعقد ہوتا تھا۔

بنگلور، میسور، نیل گڑھی وغیرہ میں آپ کا قیام گیارہ مہینے تک رہا۔ آپ کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آتے تھے اور داخل سلسلہ ہو کر فیض پاتے تھے۔ چناپٹن، منڈا، مدھور، کنور، ہیرٹوڑ، ننجن گڈہ، گگے سری، نوی پیٹ، پھکیشوان، صالح گرام، گنجام، سرنگا پٹم وغیرہ دور دور سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ غرض بیس پچیس ہزار خلق خدا اس زمانے میں آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئی۔

انھیں دنوں مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اشتہارات بنگلور میں حضرت کے پاس پہنچے۔ جن میں آپ کے نام نامی کے ساتھ " مولانا مولوی محدّث زبدۃ العارفین قدوۂ سالکین حاجی حافظ " القاب چھپے ہوئے تھے۔ یہ اشتہار اہلِ بنگلور نے دیکھے اور جانا کہ

حضرت ندوۃ العلماء کے صدر ہیں تو مخالفین و مفسدین کو اور زیادہ منہ کی کھانی پڑی۔ اور اہلِ میسور پر ان کا دروغ و فساد اور زیادہ روشن ہوگیا۔ سچ ہے۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

حیدر آباد دکن کے پہلے سفر کا سبب

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلی دفعہ حیدر آباد (دکن) میں ورود مسعود کا واقعہ بے حد پر لطف اور دلچسپ ہے۔ غلام جیلانی کلیم حیدر آبادی جماعتی (حال سیالکوٹی) نے بتایا کہ ان کے والد ماجد حضرت حاجی غلام احمد ارشاد (خلف و جانشین حضرت الحاج غلام محمد صاحب رکن صدیقی نقشبندی خلیفہ مجاز حضرت مسکین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے بیان کیا تھا کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ العزیز مدینہ منورہ سے واپسی کے واقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سلام پیش کرنے کے بعد آپ نے اجازت چاہی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ہندوستان پہنچ کر حیدر آباد (دکن) میں مولوی خیر المبین صاحب (خلیفہ مجاز حضرت مسکین شاہ صاحب رحمۃ اللہ) کو ہمارا سلام پہنچاؤ"۔

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے قیام و زیارت اور مکہ معظمہ میں مناسک حج ادا کرنے اور اقامت فرمانے کے بعد براہ بمبئی مراجعت فرما ہوئے۔ تو بمبئی سے سیدھے حیدر آباد تشریف لے گئے۔ یہاں کسی سے آپ کی واقفیت نہ تھی۔ اسٹیشن سے تانگہ میں سوار ہو کر محلہ پتھر گٹی میں مولوی خیر المبین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فرود گاہ موسوم بہ نبی خانہ پہنچ گئے۔ جس وقت حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے ہیں محفل سجی ہوئی تھی۔ آپ کا لباس اور انداز قطعا اجنبیانہ تھا۔ لوگ حیرت میں تھے کہ آج یہ کون نئے صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اہل محفل کو

سلام علیک کی اور سیدھی مولوی خیر المبین صاحب کی طرف بڑھے۔ مولوی صاحب نے سلام کا جواب دے کر بیٹھے ہی بیٹھے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آنا ہوا۔ حضور نے فرمایا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آنحضرت کا سلام آپ کو پہنچانے آیا ہوں۔ مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ سنکر عجب کیفیت طاری ہوئی۔ چند منٹ کیلئے مدہوش سے ہوگئے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو کھڑے ہو کر معانقہ اور مصافحہ کیا۔ اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قریب مسند پر بٹھایا۔

حیدر آباد میں قیام

پہلی بار اس طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد تشریف لے گئے تھے۔ پھر آپ نے کئی دن وہاں قیام فرمایا۔ جمعہ آیا تو نماز جمعہ کے بعد حاضرین کو مواعظ حسنہ سے مستفید فرمایا۔ مولوی خیر المبین صاحب نے آپ کو کئی دن مہمان رکھا اور ضیافت و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ آپ اس کے بعد بھی جب حیدر آباد تشریف لے جاتے نبی خانہ ہی میں قیام فرماتے تھے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ حضور نظام کی دعوت پر حیدر آباد گئے ہیں۔ اسٹیشن پر شاہی سواریاں اور شاہی مہماندار اور حکام استقبال کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ مگر آپ سیدھے نبی خانہ گئے اور وہاں تھوڑی دیر قیام کیا۔ اس دوران شاہی مہمان دار سخت پریشان ہوتے اور بار بار خوشامدانہ عرض کرتے کہ ہم سے جواب طلبی ہوگی۔ ہم کو عتاب شاہی سے بچائیے۔ وہاں انتظار ہوگا۔ جلد تشریف لے چلئے۔ ان کی منت سماجت پر آپ نبی خانہ سے حضور نظام کے مہمان خانے میں چلے جاتے۔ حضرت مولوی خیر المبین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ جناب قاری شہاب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فرود گاہ پر قیام فرماتے رہے۔ اور آخری سفر تک یہی معمول رہا۔

حیدر آباد کے معمولات

حیدر آباد کا قیام کئی بار مہینوں طویل ہوجاتا تھا۔ دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی شبانہ روز خلقِ خدا کی رہنمائی اور ہدایت میں مصروف وقت گزرتا۔ اکثر نبی خانہ یا دوسرے مقامات پر عام جلسوں میں رات کو ایک بجے تک وعظ فرماتے تھے۔ تھوڑی دیر آرام فرماکر تہجد کے لئے بیدار ہوتے، اور سب یارانِ طریقت کو بھی نماز کے لئے اٹھاتے۔ پھر تمام دن وعظ و نصیحت کا سلسلہ لگا رہتا۔ پنجاب سے آپ کے ہمراہ کئی اور علماء بھی آیا کرتے تھے۔ ان کے جملہ اخراجات کے آپ کفیل ہوتے۔ ان علماء کے مواعظ حسنہ سے بھی خلق خدا فیض یاب ہوتی تھی۔ مگر بذاتِ خود بھی ہر روز ضرور وعظ فرمایا کرتے تھے۔ نبی خانہ میں دیگر عمائد و اکابر کے علاوہ خود حضور نظامِ دکن بھی حاضر خدمت ہوئے ہیں۔

حضرت قبلہ اور حضور نظام کے مراسم

ایک بار مسجد باغ عامہ میں نماز جمعہ کے بعد حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے۔ نظام دکن بھی تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے دورانِ وعظ عورتوں کے پردے کا مسئلہ قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت کیا۔ اور بر ملا کہا کہ "جب مسلمانوں کے بادشاہوں کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بے پردہ باہر نکلنے دیں، اور اپنے ساتھ باہر پھرائیں، تو رعایا کا اللہ حافظ ہے" سب جانتے تھے کہ نظامِ دکن کی دو لڑکیاں جو جوان العمر تھیں ان کے ساتھ باہر آتی جاتی ہیں۔ مخالفین کو ایک شوشہ ہاتھ آیا۔ انھوں نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت کی اور باقاعدہ تحریری درخواست پیش کی کہ "اس طرح سرکار کی توہین ہوئی ہے، جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے" نظام دکن نے اسی درخواست پر لکھ دیا کہ "مولانا مرد مؤمن ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف آپ ہی کو دیکھا کہ بر ملا حق بات کہنے میں باک نہیں کرتے۔ انھوں نے قرآن مجید اور حدیث شریف سے مسئلہ بیان کیا ہے، جو یقیناً

درست ہے"۔

ایک بار حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے کہ دورانِ وعظ حضور نظام دکن کا آدمی آیا، اور اس نے کہا کہ "سرکار نے آپ کو طلب کیا ہے"۔ فرمایا "میں اس وقت ان سے بڑی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوں، نہیں آسکتا" نظام دکن یہ جواب سنکر خوش ہوئے۔ اور پھر کبھی مصروفیت کے وقت میں آپ کو طلب نہیں کیا۔

ایک دفعہ حیدر آباد دکن سے کچھ منافقین نے وائسرائے ہند کے پاس نظامِ دکن کی شکایتیں پہنچائیں۔ معاملہ پیچیدہ ہوگیا۔ تو حضور نظام نے اپنا ایک خاص ایلچی علی پور سیداں بھیج کر دکن طلب کیا۔ آپ نے دعوت قبول نہ کی۔ ایلچی دربار شریف بہت دن حاضر رہا اور حضور کی منت سماجت کرتا رہا۔ آخر آپ کو راضی کرکے حیدر آباد لے گیا۔ نظام دکن نے قضیہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا "آپ وائسرائے سے کہیں کہ معاملہ کے تصفیہ کے لئے فریقین کی موجودگی ضروری ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں سامنے ہوں تو بات آسانی سے صاف ہوسکتی ہے"۔ چنانچہ نظامِ دکن نے آپ کے مشورے کے مطابق عمل کیا۔ سامنے آکر کسے مجال تھی کہ شکایات پیش کرتا چنانچہ معاملہ بڑی سہولت سے نظام کے حق میں فیصل ہوگیا۔

ایک بار حضور نظام کی صاحبزادی بیمار تھیں۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ "حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں۔ اور آپ نے مجھ پر دم کیا ہے۔ میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے مجھے پانچ روپے عطا فرمائے۔ ان دنوں آپ حیدر آباد (دکن) میں قیام فرما تھے۔ اگلے دن آپ شاہی محل گئے تو لڑکی کی عیادت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے صاحبزادی پر دم فرمایا اور پانچ روپے مرحمت کئے۔ لڑکی نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "یہ تو مطلب کا سلام ہے" حضور نظام نے کہا "یہ بچی اپنا خواب سچا کر رہی ہے"۔ آپ نے پانی پر دم کیا۔ اور ہدایت فرمائی کہ اسے یہی پانی پلایا جائے۔ خدا کے فضل سے وہ لڑکی بالکل صحت یاب ہوگئی۔

ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نظامِ دکن کو دو تیتر بطور تحفہ بھیجے۔ سب حیران تھے کہ ایسا معمولی تحفہ بادشاہ کی خدمت میں کیوں بھیجا گیا۔ ایک دن قاری شہاب الدین صاحب مرحوم نظامِ دکن سے ملنے گئے تو انھوں نے کہا "میں حیران تھا مولانا یہ تیتر میرے لئے کیوں ارسال کئے ہیں؟ چند روز گزرنے پر پتہ چلا کہ یہ تیتر سحری کے وقت "سبحان تیری قدرت" کی رٹ لگاتے ہیں تو میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور میں نماز تہجد ادا کر لیتا ہوں۔ ورنہ مجھے تہجد کی عادت نہ تھی۔

ایک بار نظامِ دکن حاضر خدمت ہوئے تو کہا کہ "میں ایک بار اور اس طرف سے گزرا تھا، اور حاضری کا خیال بھی کیا۔ لیکن اس وقت نصف آستین والی قمیص پہنے ہوئے تھا، اس لئے مناسب نہ سمجھا۔" ایک مرتبہ شاہی محل کی ایک خاتون خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ نصف آستین کی قمیص پہنے ہوئے تھی۔ آپ اس پر سخت ناراض ہوئے اور کہا "تمہیں ایک بالشت کپڑا اور نہ مل سکا جو آستین پوری کر لیتیں" اور نماز ادا ہو جاتی۔ یاد رکھو، عورتوں کے لئے اپنے بازو کو ننگا رکھنا حرام ہے" اس خاتون نے اسی وقت توبہ کی، اور عہد کیا کہ آئندہ پوری آستین کی قمیص پہنا کروں گی۔

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے ایک مخلص ارادتمند جناب ڈاکٹر احمد مرزا صاحب ساکن پیوریا نے جو شکاگو سے دو سو میل دور ایک شہر ہے نقشبندیہ فاونڈیشن قائم کیا اور اس عاجز کو فاونڈر ممبر بنایا۔ گذشتہ سال شکاگو میں پہلی انٹر نیشنل میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کانفرنس منعقد کی اور اس عاجز کے ذمہ خطبۂ استقبالیہ کیا۔ یہ کانفرنس صبح سے شروع ہو کر رات دیر گئے ختم ہوئی۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۴ء کی یہ کانفرنس بڑی کامیاب رہی، پاکستان اور خصوصاً امریکن مسلم اصحابِ فضل، و اربابِ علم و ادب نے تحقیقی اعلیٰ، معیاری مقالے سنائے۔ الحمد للہ گھرانے جو برسوں سے وہابیت کے رنگ میں ڈوب گئے تھے اس میلاد النبی کانفرنس کی برکت سے الحمد للہ خوش عقیدہ اور اہل السنت والجماعت کے صحیح

مسلک پر واپس ہوئے۔

یہ صدقہ جاریہ ہے حضرت امیر ملت کا کہ آپ کے وصال کے پچاس برس بعد اس نئی دنیا میں سلسلہ سے وابستہ ایک فرد نے تنہا ہزاروں ڈالر خرچ کر کے اتنا عظیم الشان کام انجام دیا اور اس کی برکات امریکی اصحاب دیکھ رہے ہیں۔ الحمد للہ اس سال ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء کو دوسری میلاد النبی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو بھی کامیاب فرمائے آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔ اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ ایسے علماء ربانیین اور اولیاء امت کے برکات قیامت تک جاری رہیں گے۔

چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد
اگر گیتی سراسر باد باشد

(ملاحظہ ہو سیرت امیر ملت)

۹۔ امام المحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رضوی الوری

(۱۲۷۳ھ - ۱۳۵۴ھ / ۱۸۵۶ - ۱۹۳۵ء)

مرجع الفقہاء و المحدثین مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی محلہ نواب پورہ، الور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے عم مکرم، بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ علیہ الرحمہ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی ولادت سے قبل بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔

"بیٹی تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفوی کو روشن کرے گا، اس کا نام دیدار علی رکھنا"۔

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، آپ کے آباء و اجداد مشھد (قدیم طوس) سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے الور میں ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا کرامت اللہ خان سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی، فقہ و منطق مولانا ارشاد حسین رام پوری سے، سندِ حدیث مولانا

احمد علی سہارنپوری، اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی سے حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدّث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے، سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کچھوچھوی اور سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ اور مجاز ہوئے۔

ہندوستان کے مختلف مدارس، جامعات میں تدریسی خدمات انجام دے کر لاہور تشریف لائے اور مسجد وزیر خان میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۲۵ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سینکڑوں علماء فضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے۔ پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔

حضرت کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں، بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی مخالفتوں کے طوفان آپ کے پایۂ ثبات کو جنبش نہ دے سکے علم و فضل کے گویا سمندر تھے، کسی مسئلہ پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا۔ سورۂ فاتحہ کا درس ایک سال میں ختم ہوا۔

آپ کے بے شمار تلامذہ میں بعض علماء نے ملک کے طول و عرض میں بڑا نام پیدا کیا ہے خصوصاً مولانا رکن الدین الوری نقشبندی نے رسالہ دینیات موسوم بہ "رکن دین" لکھ کر ہندو پاک کے اردو دان مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ آپ کی یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں مسائل کے لئے مرجع بنی ہوئی ہے۔ دوسرے جلیل القدر عالم مولانا عبدالقیوم ہزاروی امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین ناظم جامعۂ نظامیہ رضویہ اندرون لاہوری گیٹ لاہور (پاکستان) سے ۱۹۹۱ء میں ملاقات رہی۔ ماشاء اللہ عالم

باعمل ہیں اور ایک عظیم دینی جامعہ کے سربراہ ہیں۔ کثّر اللہ امثالہم۔

حضرت سید دیدار علی شاہ نے محققانہ تصانیف چھوڑے ہیں۔ تحقیق المسائل بڑی معرکۃ الآراء کتاب ہے جو مولانا رشید احمد گنگوھی سے بعض فقہی مسائل کے سلسلہ میں خط و کتابت کا مجموعہ ہے جن میں مولانا گنگوھی عاجز آگئے تھے۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ کو آپ اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں محو خواب ہیں رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔ قطعہ تاریخ ہے۔

حافظ پسِ سر کوبی اعداءِ شریعت　　دیدارِ علی یافتہ دیدارِ علی گفت

۱۳۵۴ھ

۱۰۔ محدّثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قدس سرہ

(۱۳۲۲ھ - ۱۳۸۲ / ۱۹۰۴ء - ۱۹۶۲ء)

شیخ الحدیث والتفسیر، جامع شریعت وطریقت مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد ابن چوہدری میراں بخش موضع دیال گڑھ ضلع گرداسپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مزید تعلیم کے لئے لاہور آئے۔ انہی دنوں مسجد وزیر خان میں مرکزی انجمن حزب الاحناف کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا اور پاک وہند کے کثیر التعداد علماء اور مشائخ شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی بھی شریک ہوئے۔ مولانا سردار احمد صاحب نے آپ کی شخصیت سے متأثر ہو کر انگریزی تعلیم کو خیر باد کہا اور بریلی شریف چلے گئے۔ وہاں مولانا مصطفی رضا خان بریلوی سے استفادہ کیا اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی مصنف "بہارِ شریعت" کی خدمت میں رہ کر جامعہ معینیہ اجمیر شریف سے سند فراغت حاصل کی۔

آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ سراج الحق چشتی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مولانا حامد رضا خان بریلوی سے بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے تکمیلِ

علوم کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں تدریس فرمائی اور علم حدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بے شمار اہل علم نے فیض حاصل کیا۔

قیامِ بریلی کے دوران حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت پر ایک معروف دیو بندی عالم سے مولانا سردار احمد صاحب نے کامیاب مناظرہ کیا یہ مناظرہ چار دن جاری رہا اور فریق مخالف کو زبردست شکست ہوئی چوتھے دن معروف دیو بندی عالم نے بے باکی کی انتہا کر دی اور کہا "میں فاتحہ کو بدعت کہتا ہوں اور ماہ محرم میں سبیل لگانے اور دودھ یا شربت پلانے کو حرام کہتا ہوں اور اس وجہ سے میں کم بخت ہوں تو میں ایسا کم بخت ہی اچھا ہوں، میں بھی بھوکا مرتا ہوں اور میرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بھوکے مرا کرتے تھے، جو حشر میرا وہ ان کا" (العیاذ باللہ)

یہ عاجز مذکورہ عبارت کے بارے میں کیا کہے، بجزاس کے کہ تعصب اور عصبیت اور گروہ بندی کا نعرۂ باطل ہے کیا سورہ فاتحہ کسی وقت بھی پڑھا جائے بدعت ہوسکتا ہے؟ جبکہ ارشاد ربی ہے "فاقرؤا ما تیسر منہ (پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو) اسی طرح دودھ یا شربت کسی وقت بھی پلایا جائے حلال ہے، کیا کسی شخص کو حلال کو حرام قرار دینے کا حق ہے؟ پھر اس فقرہ کی آخری عبارت پر غور کرنے والا غور کرے کتنی بڑی گستاخی ہے شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جبکہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الفقر فخری (فقر و فاقہ میرا فخر ہے)

یہ امت کا المیہ ہے کہ ایک گروہ حلال کاموں کو حرام، بدعت بلکہ شرک کہنے سے بھی درگذر نہیں کرتا حالانکہ کتنے مسنون کاموں کو انہی حضرات نے چھوڑ دیا ہے جیسے عمامہ کی بجائے دوپلی، اپنے اداروں کے جشن منانا وغیرہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں موجود نہ تھے۔ بس اتنا کہہ کر یہ فقرہ ختم کرتا ہوں۔ **کل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا** (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۴) (آپ فرمادیں ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے، تمہارا

پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون صحیح تر راستہ پر ہے؟)

یہ تو قول کا جواب قول سے ہوا۔ اب اس زمانہ کے نقشبندیت کے شیخ الشیوخ اور ان کے خلیفہ خواجہ ناظم جیلانی نقشبندی قبرصی اور شیخ ہشام الکبانی الصادقی اور شیخ یوسف ھاشم الرفاعی الکویتی (امد اللہ حیاتھم للاسلام والمسلمین) جو اس وقت لاکھوں ارادتمندوں کے طریقت میں سربراہ ہیں اپنی مجالس دینی کا آغاز "فاتحہ" سے کرتے ہیں اور اختتام بھی فاتحہ پر ہوتا ہے۔ اور یہی عمل ہمارے حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ اور حضرت مولانا ابو الوفاء الافغانی، فقیہ عصر کا تھا تو کیا یہ عظیم محدّثِ اور جلیل القدر فقیہ سب بدعتی ہیں؟ اللہ تعالی امت مسلمہ کو راہ راست پر گامزن فرمائے اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھے آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔

یہ فقرہ معترضہ تھا اب پھر مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ کا بقیہ تذکرہ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد سردار احمد چشتی تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان تشریف لے آئے اور بے سروسامانی کے عالم میں درسِ حدیث دینا شروع فرمایا اور لائل پور کی کایا پلٹ دی۔ لائل پور کا گوشہ گوشہ صلاۃ و سلام کی روح پرور صداؤں سے گونج اٹھا، ہزاروں افراد حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سینکڑوں علماء درسِ حدیث لے کر پاکستان کے طول و عرض بلکہ دیگر ممالک میں دینِ متین کی تبلیغ میں سرگرم ہیں لائل پور کی یہ عظیم درس گاہ اور سب سے بڑی مسجد جامع مسجد سنی رضوی آپ کی عظمت کی یادگار ہیں۔ آپ کی شخصیت اس قدر پر کشش تھی کہ ایک دفعہ حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے دامِ محبت اور عقیدت میں گرفتار ہو جاتا کئی دیوبندی علماء آپ کے درس حدیث میں شامل ہوئے اور آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے اہل سنت کے پُرزور دلائل سن کر تائب ہو کر اہلِ سنت کے مبلغ بن گئے۔

آپ کا انتقال یکم شعبان ۲۹ دسمبر. جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کراچی میں ہوا اور شاہین اکسپرس ذریعہ جسدِ مبارک لائل پور لایا گیا اسٹیشن سے مدفن یعنی جامعہ

رضویہ تک ہزار ہا افراد نے دیکھا کہ جنازہ پر نور کی پھوار پڑ رہی ہے۔ نماز جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔

عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا

مولانا حضرت شاہ مصطفی رضا خان مفتی اعظم ہند نے پُر درد احساسات کو اس طرح منظوم فرمایا:

کیا کہوں میں ہائے کیا جاتا رہا — آہ دل کا حوصلہ جاتا رہا
سنّیوں کا دل نہ بیٹھے کس طرح — زور ان کے قلب کا جاتا رہا
موت عالم کی جہاں کی موت ہے — زندگانی کا مزا جاتا رہا
اس زمانہ کا محدّث بے مثال — جس کا ثانی ہی نہ تھا جاتا رہا
غوثِ اعظم قطبِ عالم کا غلام — نائبِ شاہ رضا جاتا رہا
مرگیا فیضان جس کی موت سے — ہائے وہ "فیض انتما" جاتا رہا

۱۳۸۲ھ

دیو کا سر کاٹ کر نوری کہو — چاند روشن علم کا جاتا رہا

(ایضاً ص ۱۴۹ تا ۱۵۶)

۱۱۔ عارفِ کامل مولانا سید امیر علوی اجمیری قدس سرہ العزیز

(۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء، ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا سید امیر علوی اجمیری ابن حافظ رسول (قدس سرہما) بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ چونکہ وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۹۷ سال تھی اس لئے غالب گمان ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۹۰ھ ۔ ۱۸۷۳ء میں ہوئی ہوگی۔ سات سال کی عمر میں خاموشی سے ملتان روانہ ہوگئے اور گھوٹہ ضلع ملتان میں ایک بزرگ حضرت مولانا حافظ جمال الدین قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر کئی سال تک صرف و نحو کی تکمیل کی اور استاذ گرامی سے امام النحو کا لقب حاصل کیا۔

کچھ عرصہ گھر رہنے کے بعد پھر ملتان شریف چلے گئے اور غوثِ عالم حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا قدس سرہ کے مزار اقدس پر باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے۔ یہ معمول بارہ سال تک جاری رہا۔ اسی اثناء میں ایک نابینا متبحر عالم سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو نحو کی ایک کتاب پڑھا دیں۔ میں آپ کو فلاں کتاب پڑھا دوں گا پھر انہی کے ایماء پر اجمیر شریف حاضر ہو کر مدرسہ معینیہ میں مولانا علامہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالی سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اسی مدرسہ میں مدرّس مقرر ہوگئے۔

ایک سال بعد جذبۂ محبت الٰہیہ کی فراوانی کی بناء پر تمام مصروفیات سے دستبردار ہو کر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ اقدس میں گوشہ نشین ہوگئے۔ ۳۵ سال تک یہ معمول رہا کہ خواجہ کی چوکھٹ پر نگاہ جمائے مختصر حجرے میں بیٹھے رہتے اور حضرت خواجہ کے انوار و برکات سے بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔ سلسلۂ طریقت میں امام العارفین حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ کے مرید تھے۔ آپ کے تلامذہ میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

۱۔ محدّثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی دار العلوم مظہر الاسلام لائل پور۔

۲۔ حضرت محقق علامہ مولنا سید غلام جیلانی مدظلہ العالی صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ میرٹھ (بھارت)

حضرت مولانا سید امیر اجمیری قدس سرہ نے تبلیغ اسلام، اصلاح عقائد اور بدمذہبوں کے ردّ میں متعدد رسائل تالیف فرمائے بعض کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ بیعت مشائخ ۲۔ اہلاک الوہابین ۳۔ کشف القناع عن وجہ السماع ۴۔ رسالہ نور ۵۔ راہ حق نما ۶۔ مسئلہ وحدۃ الوجود والشہود ۷۔ سماع موتی ۸۔ آداب زیارت (قبور) ۹۔ ارشاد الحق ۱۰۔ رسالۂ حاضر و ناظر ۱۱۔ کلمۃ الحق ۱۲۔ کشف الحجاب عن مسئلۃ ایصال

الثواب وغیرہ وغیرہ

قیام پاکستان کے بعد آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے چلے گئے اور واپسی پر چھپڑ شریف میں قیام پذیر ہوگئے۔ آپ نے تین مسجدیں تعمیر کرائیں اور خوشاب میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

حکیم اہل سنت مکرمی حکیم محمد موسی امرتسری مدظلہ راوی ہیں کہ غالبا جنوری ۱۹۶۲ء کو خبر ملی کر حضرت مولانا بعارضہ فالج بیمار ہیں۔ نومبر ۱۹۶۲ء کو اچانک میرے پاس تشریف لے آئے، غور سے دیکھنے کے باوجود جسم کے کسی حصہ پر فالج کا اثر نظر نہ آیا البتہ زبانی گفتگو کی بجائے اشاروں سے بات چیت کر رہے تھے۔ کاغذ اور قلم پیش کیا لیکن گرفت بالکل صحیح ہونے کے باوجود ایک لفظ بھی نہ لکھ سکے۔ میں نے (حکیم صاحب زید مجدہ نے) پوچھا کہ حضرت کسی وقت کوئی لفظ زبان سے ادا ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ تو آپ نے بغیر کسی لکنت کے صاف طور پر پڑھا:

"الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وسلّم علیک یا حبیب اللہ"

گویا اللہ تعالی نے ان کی زبان کو اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلّم کے ذکر مبارک کے لئے مختص فرما دیا تھا ورنہ اگر مرض ہوتا تو دنیاوی باتوں کی طرح درود شریف کی ادائیگی پر بھی قدرت نہ ہوتی، اور یہ حالت آخری دم تک رہی۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کی مجلس میں بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے اور سکون قلب نصیب ہوتا ہے۔

۴ شعبان المعظم ۶ اکتوبر (۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) بروز منگل نماز ظہر کے بعد نفل پڑھتے ہی سفر آخرت فرمایا۔ مرکزی مجلس رضا لاہور کے سرپرست مکرمی حکیم محمد موسی امرتسری مدظلہ نے تاریخ وصال کہی۔ "شمع ہدی خموش ہے"

۱۳۹۰ھ

(ایضاً ص ۱۷۲ تا ۱۷۴)

۱۲۔ آفتابِ ولایت حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ العزیز

(۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء، ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء)

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری ابن حضرت میاں عزیز الدین شرقپوری قدس سرہما ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء میں شرقپور شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے پہلے حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ (پیر و مرشد حضرت میاں صاحب) نے شرقپور میں آمدرفت شروع کردی تھی کیونکہ انہیں کشف سے معلوم ہوگیا تھا کہ اس جگہ ایک ولی اللہ پیدا ہوگا۔ بچپن ہی میں آپ پر محبت الہیہ کا غلبہ تھا۔ حیا کا یہ عالم تھا کہ گلی کوچے میں چادر اوڑھ کر گزرتے محلے کی عورتیں کہا کرتی تھیں ہمارے محلہ میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ ختمِ قرآن پاک کے بعد مڈل سکول شرقپور میں پانچ جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ سکول سے واپس آکر مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ جاتے اور ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔ بعد ازاں فارسی کی کچھ کتابیں اپنے چچا حضرت حافظ حمید الدین سے پڑھیں، حکیم شیر علی سے بھی کچھ پڑھا۔ پھر خوشنویسی کا شوق پیدا ہوا اور اس فن میں کمال حاصل کیا۔ کئی قرآن پاک جن کے ابتدائی اور آخری پارے بوسیدہ ہوگئے تھے انہیں خود لکھ کر مکمل کیا۔

ظاہری طور پر صرف اسی قدر تعلیم حاصل کی لیکن قدرت ایزدی نے آپ کو علم لدنّی کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تو خمیدہ سر، دو زانو ہو کر بیٹھتے اور آپ کے علوم و معارف سے مستفید ہوتے۔

جو دو سخا کی یہ کیفیت تھی کہ جو ضرورتمند حاضر ہوتا اس کی حاجت روائی فرماتے حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ تعالی کوٹلہ شریف کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں اجازت و خلافت سے مشرّف ہوئے۔

حضرت میاں صاحب قدس سرہ کی پُرکشش شخصیت سے فیضیاب ہونے کے لئے

دور دراز سے لوگ حاضر ہوتے اور شاد کام واپس جاتے ۔ آنے والے ہر عقیدت مند کو شریعت مطہرہ کی پیروی کا حکم دیتے ۔ بعض اوقات خلاف شریعت صورت و سیرت رکھنے والے افراد کو صرف زبانی سمجھانے پر اکتفانہ کرتے بلکہ تھپڑ تک رسید کر دیتے، کیا مجال کہ کوئی اف بھی کر جائے، ایسے افراد نادم ہو کر تائب ہو جاتے اور عمر بھر میاں صاحب کے ممنون رہتے، حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری لکھتے ہیں۔

" پھالیہ کے غلام رسول صاحب نے اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا کہ ۱۹۲۴ء میں سرہند شریف جاتے ہوئے حضرت میاں صاحب کی زیارت کے لئے شرقپور شریف حاضر ہوا، کچھ اور افراد بھی موجود تھے، ان سے گفتگو فرمانے کے بعد مجھ سے پوچھا:

یہ بزرگ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا پھالیہ سے، فرمایا مویشیوں میں وقت گزارتے ہو لیکن نماز کا خیال تک نہیں کرتے، میرا نام پوچھ کر فرمایا، کیسا اچھا نام ہے اور شکل کیسی بنا رکھی ہے؟ پھر فرمایا چھوٹے بھائی کا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا "نبی بخش! اس پر بندہ کو ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا پھر آؤ تو غلام رسول بن کر آنا! نماز پابندی سے ادا کیا کرو (کچھ وظائف بتا کر) اسلام کی پہلی کتاب (تالیف لطیف مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ) اور تواریخ حبیب الہ (تالیف مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی قدس سرہ) کے مطالعہ کی تاکید کی اور رخصت عطا فرمائی"

حضرت مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری (مرید اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) جامعۂ نعمانیہ میں مدرس تھے۔ انہوں نے حضرت میاں صاحب کا بڑا چرچہ سنا پھر یہ بھی پتہ چلا کہ امام المحدّثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرّہ ان کی ملاقات کیلئے گئے تھے، واپسی پر ان سے بھی میاں صاحب کی تعریف سنی تو زیارت کا شوق لئے شرقپور شریف پہنچ گئے مشتاقان زیارت پہلے سے موجود تھے یہ بھی بیٹھ گئے، اس سے پہلے میاں صاحب کی زیارت نہیں کی تھی چنانچہ جب میاں صاحب تشریف لائے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی درویش ہوں گے۔ میاں

صاحب نے پوچھا، آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیا شغل ہے؟ مفتی صاحب نے بتایا لاہور سے آیا ہوں اور جامعۂ نعمانیہ میں پڑھاتا ہوں۔ میاں صاحب نے فرمایا کیسے آئے؟ عرض کی، قبلہ میاں صاحب کی قدم بوسی کو آیا ہوں۔ فرمایا میاں صاحب کو مل کر کیا کرو گے تم خود عالم ہو، تمہیں فقیروں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟ مفتی صاحب نے غصے میں پوچھا کیا فقیروں کو ملنا گناہ ہے؟ تم فقیروں کے پاس رہ کر ایسے گمراہ ہو کہ فقیروں سے ملنا گناہ سمجھتے ہو، میاں صاحب نے فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ لاہور) اور مولوی غلام مرشد کیسے ہیں؟ مفتی صاحب نے کہا، وہ بھی تمہاری طرح گمراہ ہیں جو فقراء کے قائل نہیں۔ فرمایا تو تم غصے میں آگئے ہو۔ مفتی صاحب نے کہا تم خود غصے کی باتیں کر رہے ہو، میاں صاحب سے عرض کروں گا کہ آپ نے ایسے گمراہ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

میاں صاحب آگے بڑھ گئے اور ایک داڑھی منڈے سے فرمایا تم نے داڑھی کیوں منڈوائی ہے، اگر تیری بیوی کا سر مونڈھ دیا جائے تو اچھی معلوم ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، اور شرمسار ہو کر داڑھی نہ منڈوانے کا عہد کیا۔ اسی طرح میاں صاحب ایک ایک آدمی کو ہدایت کرتے گئے، اتنے میں کسی نے مفتی صاحب کو اشارہ سے بتادیا کہ یہی میاں صاحب ہیں۔ مفتی صاحب کو بڑی ندامت ہوئی اور رقت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد میاں صاحب تشریف لائے اور کشف المحجوب لا کر دی جس میں تین جگہ نشانی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت میاں صاحب گھر تشریف لے گئے اور واپسی پر مفتی صاحب کے لئے تقریباً آدھ سیر کھجوریں لے آئے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں جن تین عقدوں کے حل کے لئے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کشف المحجوب کے مطالعہ سے تینوں حل ہو گئے۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ ان باتوں کو یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا۔ پھر فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ لاہور) گزشتہ جمعہ کو یہاں آیا تھا۔ وہ یہاں جمعہ پڑھانا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی بد عقیدگی کی

بناء پر پڑھانے نہیں دیا، واپسی پر جب مفتی صاحب بس پر سوار ہوئے تو دیکھا رومال کے کونے میں ایک روپیہ بندھا ہوا تھا جو آمد و رفت کا کرایہ تھا۔

حضرت میاں صاحب قدس سرہ دور آخر میں صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی بہت بڑی کرامت یہ تھی کہ بیشمار افراد آپ کی ہدایت پر صورت و سیرت میں متبعِ شریعت بن گئے۔ آپ کے مریدین اور معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ نے کئی کتابیں چھپواکر تقسیم کیں اور متعدد مسجدیں بنوائیں۔

آپ کے بعد آپ کے برادر حقیقی حضرت ثانی لا ثانی۔میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرّہ جانشین ہوئے، انہوں نے میاں صاحب کی روایات کو پوری آب و تاب سے باقی رکھا۔ اب حضرت ثانی لا ثانی کے فرزند ارجمند حضرت الحاج میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ زیب سجادہ ہیں، مسلکِ اہل سنّت اور سلسلہ عالیۂ نقشبندیہ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۳ ربیع الاول، ۲۰ اگست ۱۳۴۷ھ۔ ۱۹۲۸ء بروز جان افروز سوموار شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ کا وصال ہوا۔ شرقپور شریف میں آپ کے مزار پُر انوار پر گنبد تعمیر ہو چکا ہے، ہر سال بڑے اہتمام سے آپ کا عرس ہوتا ہے۔

قطعہ تاریخ وصال یہ ہے:

چو مولانائے قبلہ شرقپوری ز دنیا شد رواں با کام و آرام
وصالِ شیرِ حق ، شیر محمد شدہ سالِ وصالش ، اے نکو نام

۱۳۴۷ھ

(تذکرہ ص ۱۸۰ تا ۱۸۳)

۱۳۔ مجاہد اسلام حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ

(۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء، ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)

شیخ طریقت، مجاہد جلیل حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ابن حضرت خواجہ محمد الدین ابن حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی (قدست اسرار ہم) ۱۳۰۴ھ / ۷۔۱۸۸۶ء میں سیال شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ "منظور حق" (۱۳۰۴ھ) مادۂ تاریخ ہے۔ آپ کو بچپن ہی سے علوم دینیہ کا بے حد شوق تھا۔ قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد ممتاز افاضل سے علم دین کی تعلیم حاصل کی اور والد ماجد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ بائبل پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ مطالعۂ کتب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اکثر و بیشتر شام کا کھانا رات کے دو تین بجے تناول فرماتے، ملک اور بیرون ملک سے کتب دینیہ کا بہت بڑا ذخیرہ منگواکر کتب خانہ میں خاصی توسیع کی، آستانۂ عالیہ پر قائم شدہ دارالعلوم کو خاطر خواہ ترقی دی۔ علامۂ زماں مولانا معین الدین اجمیری اور ان کے جلیل القدر شاگرد مولانا محمد حسین اور دیگر اجلۂ فضلا کو آپ ہی کی کشش سیال شریف کھینچ لائی تھی، علم دوستی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند ارجمند شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین مدظلہ العالی کو تحصیل علوم کے لئے اجمیر شریف، مولانا معین الدین اجمیری کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کا کمالِ علمی اور علومِ دینیہ سے لگاؤ آپ ہی کا مرہونِ نظر ہے۔

آپ کے دل میں ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد اور مکار فرنگی سے حد درجہ تنفر تھا۔ آپ نے تمام عمر انگریز کو زمین کا لگان نہ دیا، ملت مسلمہ کی اس خیر خواہی اور انگریز دشمنی کے تحت آپ نے "تحریک ترک موالات" کی حمایت کی اور تین سال تک فوج اور پولیس میں ملازم مریدین سے نذرانہ قبول نہ کیا۔ آپ نے نہ صرف خود انگریز کی مخالفت میں حصہ لیا بلکہ دیگر مشائخ کو بھی اس مخالفت میں بھرپور حصہ

لینے کی طرف رغبت دلائی۔ آپ نے ۱۹۳۴ء میں دربار رسالت میں منظور استغاثہ پیش کیا جس کے ایک ایک مصرعہ سے درد وکرب کا اظہار ہوتا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آپ کی امت سا دنیا میں نہیں کوئی ذلیل / ایں سزائے آنکہ اوشد بے خبر زام الکتاب
قوم مسلم وہن کی علت میں ہے اب مبتلا / اسقنا کاسا شفاءً من لدنک یاسحاب
عقل مسلم کی ہوئی گم، اس کا سزا ایسا پھرا / نیک رابدی شمارد، قبح را داند صواب
رحم کر ہم پر جو ہے تو رحمۃ للعالمین / چہرۂ پُر نور تاباں را نمائی بے نقاب
اے خدایا بخش دے ہم کو ضیاء شمس دیں / سرخرو باشیم و شاداں پیش تو یوم الحساب

ایک مرتبہ انگریز کمشنر نے حاضر ہوکر ۳۵ مربع اراضی کی لنگر کے لئے پیشکش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس پیکش کو ٹھکرا دیا کہ اگر انگریز اپنی تمام حکومت بھی مجھے دیدے تو میرا ایمان نہیں خرید سکتا، فقیر شاہی خزانہ کا مالک ہے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے"۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں / کانجا ہمشیہ باد بدست است دام را

تحریک خلافت کے سلسلے میں جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ضلع سرگودھا کے قریبا ۱۵۶ افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں سیال شریف کے دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد حسین اور دیگر علماء بھی تھے۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین قدس سرہ کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہوئے لیکن ٹوانہ قوم کے رؤسا نواب اللہ بخش اور خدا بخش وغیرہما نے انگریز کمشنر کو واشگاف الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر حضرت کی طرف بری نگاہ سے دیکھا گیا تو ان سے پہلے ہم جیل میں جائیں گے اور گورنمنٹ کے مخالف ہو جائیں گے، چنانچہ حالات کے خطرناک تیور دیکھ کر آپ کو گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آپ نے سُون سکیسر کے پہاڑی علاقہ سے وہ پتھرا کھیڑ کر پھینک دیا جس پر ترکوں کے خلاف دادِ شجاعت دینے والے فوجیوں کے نام کندہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

"ہم ان بدبختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں"۔

آپ نے ردّ مرزائیت میں ایک رسالہ معیار المسیح تحریر کیا جو ۱۳۲۹ھ میں چھپا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالی کے آپ کے ساتھ بڑے والہانہ تعلقات تھے، عید کے موقع پر آپ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

عید شد، ہرکس زیارے عید پئے دارد ہوس / عیدِ ما و عیدیٔ ما دیدن روئے تو بس
عید مردم دیدنِ مہ، عیدِ ما دیدارِ تو / ایں چنیں عیدے نہ بیند درد و عالم ہیچ کس

۱۳ محرم الحرام ۲۲ جون (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) کو آپ کا وصال ہوا۔ اور آپ سیال شریف میں اپنے جدامجد حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے پہلو میں محواستراحت ہوئے۔ موجودہ زیب سجادہ عالیہ سیال شریف شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین دام ظلہ الاقدس، تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد، اسلاف کی یادگار اور موجودہ دور کے اعتقادی فتنوں کے لئے شمشیر براں ہیں، مولائے کریم قوم کو ان سے بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (تذکرہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۳)

۱۴۔ استاذ الافاضل مولانا سید ضیاء الدین سلطان پوری قدس سرہ

(۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

عالم باعمل، فقیہِ زماں مولانا سید ضیاء الدین ابن مولانا سید حمید شاہ قدس سرہما قریباً ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں سلطان پور ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علم وفضل اور تقوی و پرہیزگاری میں مشہور معروف تھا۔ الحمد للہ یہ خاندان آج بھی اسی بزرگی اور فضلیت کا حامل ہے آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا احمد دین قدس سرہ (والد ماجد استاذ الاساتذہ مولانا محبّ النبی دامت برکاتہم العالیہ) سے حاصل کی۔ ترکیب پڑھنے کے لئے موضع شاہراں (ضلع کیمبلپور) میں صرف و نحو کے مشہورِ آفاق استاذ

(نام معلوم نہیں ہوسکا) کی خدمت میں حاضر ہوئے بعد ازاں مختلف اساتذہ سے استفادہ کرتے ہوئے اہل سنت کے مایۂ ناز فاضل مولنا مشتاق احمد کانپوری ابن مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہما خدمت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور معقول ومنقول کی منتہی کتب کا درس لیا۔ دورۂ حدیث شریف دہلی میں غالبا جامعہ امینیہ میں پڑھا۔ مولانا سید ضیاء الدین حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما کے مخلص مریدین میں سے تھے۔ بارہا سیال شریف کے سفر میں حضرت پیر صاحب کے ہم سفر رہے۔

حضرت مولانا سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالی نے فراغت کے بعد ۱۳۳۶ھ میں سلطان پور میں دارالعلوم حمیدیہ کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا اور وصال سے دو تین سال پہلے تک علوم دینیہ کا درس فی سبیل اللہ دیتے رہے۔ ویسے تو تمام علوم میں دسترس رکھتے تھے لیکن فقہ، اصول فقہ اور میراث میں خاص طور پر ید طولی حاصل تھا۔ استاذ الاساتذہ مولانا محبّ النبی دامت برکاتہم العالیہ ان کی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے فقہی جزئیات کا ایسا ماہر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ علم وفضل کے باوجود آپ سراپا اخلاق، پیکر شفقت، متواضع اور حلیم الطبع شخصیت کے مالک تھے، سحری کے وقت طلباء کو درس دیتے اور نماز کے بعد ہل چلاتے، آخر دم تک نماز با جماعت ادا کرتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

۱۔ مولانا سید غلام محی الدین مدظلہ مہتمم ضیاء العلم جامعہ رضویہ سبزی منڈی راولپنڈی

۲۔ مولانا سید عبدالرحمن شاہ مدظلہ خطیب رحمانیہ جامع مسجد ہری پور۔

۳۔ مولانا سید حسین الدین شاہ ناظمِ اعلی ضیاء العلوم جامعہ رضویہ سبزی منڈی راولپنڈی

۴۔ مولانا عبدالحق مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم بنگئی (حضرو)

۵۔ مولانا حافظ عبدالغفور مہتمم جامعۂ غوثیہ بھابڑہ بازار راولپنڈی (وغیرہم)

اول الذکر تین حضرات مولانا سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالی کے فرزندان گرامی ہیں، ان کے افکار وکردار کی بلندی کو دیکھ کر ان کے والد ماجد کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جن کے فیض تربیت سے تینوں صاحبزادے آج دنیائے سنیت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ راولپنڈی کی مشہور دینی درس گاہ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ (سبزی منڈی) مولانا سید ضیاء الدین قدس سرہ کے نام ہی سے منسوب ہے۔

۱۷ جمادی الثانیہ ۱۹ جولائی (۱۳۹۳ھ۔۱۹۷۳ء) بروز جمعرات حضرت مولانا سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالی کا وصال ہوا، دوسرے دن بارش کے باوجود جم غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی، سلطان پور میں آپ کے آبائی قبرستان میں آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ راقم الحروف (مولاناعبدالحکیم شرف قادری) ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔

۱۵۔ حضرت ابو مخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ جیلانی قدس سرہ

(۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)

حضرت ابو مخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ اشرفی جیلانی ابن حضرت سید حسین اشرف شاہ جیلانی قدس سرہما (م ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) ۱۲ ربیع الاول ۲۸ نومبر ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت والد ماجد سے حاصل کی۔ تزکیۂ نفس کے ابتدائی مراحل بھی انہی سے طے کئے والد گرامی کے وصال کے بعد جامع فتحپوری سے ملحقہ مدرسہ میں مولانا مفتی غلام حبیب احمد علوی سے دینی علوم کی تکمیل کی مفتی صاحب نے آثار نجابت وسعادت دیکھتے ہوئے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا،

اسی دوران ایک بزرگ کمبل پوش نے باطنی تربیت میں آپ کی رہنمائی فرمائی لیکن بیعت نہیں کیا بلکہ مرشد کامل کے ملنے کی بشارت دی۔ چنانچہ مرجع المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین شاہ اشرفی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تو آپ کو بیعت کیا، سلسلۂ عالیہ قادریہ، سراجیہ اشرفیہ، میں اجازت و خلافت سے مشرّف فرمایا۔

مرشدِ کامل کے ارشاد پر عازمِ کشمیر ہوئے اور بارہ سال تک ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے۔ واپس تشریف لانے پر لاکھوں مسلمان آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اور صدہا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ چار دفعہ حرمین شریفین کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک پر اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے۔ ابتداءً کمبائنڈ ملٹری ہاسپٹل کی بارکوں میں قیام رہا بعد ازاں فردوس کالونی میں مسکنِ ساداتِ اشرفیہ کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی طبیعت سادگی اور نفاست کا بہترین مرقع تھی۔ اقوال و افعال اور نشست و برخاست میں سنت مبارکہ کی پیروی کو مد نظر رکھتے۔ آپ کے مریدین کا وسیع سلسلہ پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ ہر شخص کی بات پوری توجہ سے سنتے اور اس کی تسکین کے لئے ہر امکانی سعی فرماتے یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے آپ کا عقیدت کیش بن جاتا تھا۔

اوراد و وظائف ادا کرنے کے علاوہ پابندی کے ساتھ تبلیغ وارشاد کی محفل منعقد فرماتے۔ دعا، تعویذ اور دم کے ذریعے اہل حاجت کی دستگیری فرماتے۔ آپ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ آپ کلکتہ میں تشریف فرما تھے کہ بستی دیگونہ (صوبہ بہار) کے چند سرکردہ افراد نے آکر ایک ہندو جادوگر کے مظالم کی داستان سنائی اور اس کا شر دفع کرنے کی درخواست کی۔ آپ اس بستی میں تشریف لے گئے۔ جادوگر کو پتہ چلا تو ایسا افسون پھونکا کہ بستی کے گرد شعلے بھڑکنے لگے۔ لیکن آپ کی برکت

سے کوئی نقصان نہ ہوا، جادوگر نے آپ کو چیلنج کیا کہ اگر کوئی کمال ہے تو دکھاؤ آپ نے فرمایا ہم کوئی جادوگر نہیں ہیں، البتہ اللہ تعالی کے نام کی برکت سے تمہارا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوگا۔

آپ نے کھیت میں ایک چار پائی بچھوائی اور اسے وار کرنے کے لئے کہا۔ اس کے جادو سے ایک آتشیں دائرہ پیدا ہوا جس کی تپش دور دور تک پہونچتی تھی، آپ کے سر پر جاکر شعلہ بار ہوا۔ آپ نے انگلی کا اشارہ کیا تو وہ آتشیں دائرہ جادوگر کی طرف پلٹا اور بم کی طرح زمین میں دھنس گیا جہاں سے پانی ابل پڑا۔ یہ صورت حال دیکھکر نہ صرف وہ جادوگر مسلمان ہوگیا بلکہ اس آبادی کے پانچ چھ ہزار غیر مسلم دولتِ اسلام سے مشرف ہوگئے۔

آپ کے ایک صاحبزادے مخدوم اشرف شاہ جیلانی آپ کی زندگی ہی میں وصال فرماگئے تھے، آپ نے وصال کے وقت دو صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے یادگار چھوڑے صاحبزدگان کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابو محمد سید احمد اشرف جیلانی، سجادہ نشین درگاہ عالیہ اشرفیہ

۲۔ سید طیب اشرف جیلانی

۳۔ سید مظاہر اشرف جیلانی

۱۷ جمادی الاولی ۲۷ اکتوبر (۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) کو حضرت سید محمد طاہر اشرف جیلانی قدس سرہ کا وصال ہوا اور فردوس کالونی (کراچی) میں محو استراحتِ ابدی ہوئے۔

مولانا سید حامد حسن قادری نے قطعہ تاریخ وفات لکھا:

مخدوم جناب طاہر اشرف — دین و دنیا میں فردِ کامل
اشرفی و قادری و چشتی — اہلِ تقوی و صاحبِ دل
پردہ فرما کے اس جہاں سے — اب ہو گئے اپنے رب سے واصل
ہو روح پہ ان کی رحمت حق — گلزار ہو ان کی پہلی منزل

تاریخ: یہ قادری نے لکھی جاوید وصالِ ذات حاصل

۱۳۸۱ھ

(تذکرہ ص ۱۹۵۔۱۹۷)

حضرت موصوف قدس سرہ کے قریبی عزیز مولانا سید محمد جیلانی اشرفی معروف بہ مولانا مدنی میاں خطیب اہل سنت امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین ہند و پاک کے گوشے گوشے میں دینِ متین کی تبلیغ میں مصروف ہیں، جامع شریعت و طریقت ہیں، مقبول ترین واعظ ہیں، حیدر آباد دکن میں وہابیوں نے سر اٹھایا تو آپ کے حقیقت افروز مواعظ سے وہابیت مردہ ہوگئی۔ شکاگو بھی تشریف لاتے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں میلاد النبی کی مجلسیں آپ کی تشریف آواری پر سجائی گئیں۔ اس عاجز سے الحمد للہ مضبوط روابط ہیں۔ آپ کے برادر عم زاد پروفیسر سید وحید اشرف حفظہ اللہ سابق صدر شعبہ عربی، فارسی، اردو مدراس یونی ورسٹی سے بھی اس عاجز کے برادرانہ روابط ہیں۔ آپ ہی نے اس عاجز کے عزیز شاگرد ڈاکٹر محمد مصطفی شریف سلمہ لیکچرار عربی مدارس یونی ورسٹی کے تقرر میں دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء (ابو الخیرات عفرلہ)۔

۱۶۔ حضرت مولانا پیر سید ظہور شاہ رحمۃ اللہ تعالی

(۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء، ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء)

مجمع جمالِ صوری و معنوی، صاحب کمالِ ظاہری و باطنی، حضرت مولانا پیر سید ظہور شاہ ابن مولانا پیر سید محمد شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالی جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے آپ کے اجداد کشمیر سے آکر جلال پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب سنّ شعور کو پہنچے تو قرآن پاک مولانا حافظ نورالدین رحمہ اللہ تعالی سے جلال پور میں پڑھا اور کچھ درسی کتابیں بھی انہی سے پڑھیں، بعد ازاں کچھ عرصہ

تک برادر مکرم مولانا سید اعظم شاہ رحمۃ اللہ تعالی کے پاس جموں میں استفادہ کرتے رہے، پھر کچھ وقت پشاور میں رہے اور آخر میں بریلی شریف جاکر کسبِ فیض کیا اور فراغت حاصل کی۔ اپنے والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرّف ہوئے۔ ان کے علاوہ شیرِ ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ تعالی سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت پیر صاحب اپنے دور کے مقبول ترین مقرّر تھے۔ آپ جہاں وعظ فرماتے ہزاروں کا اجتماع ذوق و شوق سے شریکِ مجلس ہوتا۔ آپ کا خصوصی وصف یہ تھا کہ عوام الناس کو اصلاح عقائد، اعمال اور اخلاق کی بھرپور تلقین کے ساتھ ساتھ کلمہ طیبہ کا ذکر کرایا کرتے تھے، جس کا حاضرین کے دل پر نہایت خوشگوار اثر پڑتا تھا اور بہت سے لوگ راہ راست پر آجاتے تھے۔ قدرتِ ایزدی نے آپ کو زورِ بیان، وجد آور خوش الحانی اور حسن سیرت و صورت کا حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔

آپ مسلک اہل سنت و جماعت کو بڑے مدلّل طریقے سے بیان فرمایا کرتے تھے اور عقائدِ باطلہ خاص طور پر اہل تشیّع کا ردّ بڑی خوبی سے فرمایا کرتے تھے، انسان تو انسان، حیوان بھی آپ کے حسنِ بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

ایک دفعہ موضع کندوال (ضلع جہلم) میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے کہ ایک اونٹ سوار آکر محفل میں شریک ہوا، جب اس نے اونٹ کو باندھنا چاہا تو اس نے شور مچادیا، حضرت پیر صاحب نے فرمایا۔

"اسے چھوڑ دو، یہ بھی کالی کملی والے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر سننا چاہتا ہے"۔

چنانچہ وہ اونٹ خاموشی سے بیٹھ گیا اور جب تک تقریر جاری رہی خاموشی سے بیٹھا سنتا رہا۔

حضرت پیر صاحب شریعتِ مطہرّہ کی سختی سے پابندی فرمایا کرتے تھے، کوئی کام خلاف شریعت دیکھتے تو بر وقت اس کی ممانعت کرتے موضع بوچھال کلاں (ضلع جہلم) میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے کہ انگریز ڈپٹی کمشنر سر راہ گزرتے ہوئے انبوہ کثیر دیکھ کر رک گیا اور جلسہ گاہ میں جاکر مجمع کی تصویر اتارنے لگا۔ آپ نے فورا منع فرما دیا اور فرمایا ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وعظ ختم ہونے پر وہ انگریز آپ کی خدمت میں بڑے احترام سے حاضر ہوا اور معذرت کر کے رخصت ہوا۔

آپ نے تقریباً چالیس برس تک وعظ و ارشاد کے ذریعے عوام الناس کے دلوں کو نور ایمان سے گرمائے رکھا اور دور دراز علاقوں میں جاکر دین کا پیغام لوگوں تک پہنچایا خاص طور پر جہلم، گجرات اور سرگودھا کے قصبوں اور دیہاتوں میں آپ کا دورہ اکثر ہوا کرتا تھا۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں آپ نے بڑی بڑی صعوبتوں کو برداشت کیا اور کسی بھی موقع پر آپ کے عزم میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ ایک شیعہ نے آپ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور الزام لگایا کہ یہ اہل تشیع کو برا بھلا کہتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کے صاحبزادے سید فخر الزماں شاہ قادری (جن کی عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی) نے جب آپ کو ہتھکڑی پہنے ہوئے دیکھا تو رو دیئے اور پوچھا: آپ کو یہ زنجیر کس نے لگائی ہے؟ آپ نے انہیں دلاسہ دیا اور فرمایا۔ بیٹا۔ یہ اسلام کی خاطر میرا زیور ہے۔ یہ کیس تین ماہ تک چلتا رہا۔ بالآخر ہندو جج کنول نین نے آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا، اور فیصلے میں لکھا کہ میں ایسے شخص کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کسی کو گالی دے، یا خلاف شائستگی کوئی بات زبان پر لائے۔

حضرت پیر صاحب کامیاب مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے۔ آپ کے کلام میں بلا کا اثر تھا آپ کے کلام کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دیہاتی عورتیں بھی

دودھ بلوئی اور پیستی ہوئی آپ کے اشعار پڑھا کرتی تھیں، اور کلمہ طیبہ کا ورد کیا کرتی تھیں۔

آپ نے وعظ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور نہایت مفید اور مقبول عام تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا جن میں اصلاحِ اعمال کے علاوہ عقائدِ باطلہ خاص طور پر مرزائیت اور تشیع کی مدلل تردید کی ہے۔ آپ کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ظہورِ صداقت و ردِّ مرزائیت ۲۔ قہرِ یزدانی بر سرِ دجال قادیانی ۳۔ نور ہدایت ۴۔ ظہور ہدایت ۵۔ شمشیر پیر برگردن شریر ۶۔ وظائف حضوری ۷۔ چرخۂ ظہوری ۸۔ خطبات ظہوری ۹۔ سیف مرید بر فرقہ یزید ۱۰۔ صمصام حنفیہ ۱۱۔ سیف الخادمین علی رؤس الفاسقین ۱۲۔ مرغوب الواعظین المعروف بہ محبوب العاشقین ۱۳۔ ظہور کرامت وغیرہ وغیرہ

آپ کے ہاں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے سید قمر الزماں شاہ، سید فخر الزماں شاہ (فاضل حزب الاحناف لاہور سجادہ نشین دربار شریف ظہوری منارہ ضلع جہلم)، سید محبوب الزمان شاہ اور سید عادل مسعود شاہ تولد ہوئے۔

حضرت پیر سید ظہور احمد شاہ رحمۃ اللہ تعالی نے ۲۲ جمادی الاولی ۸ فروری (۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء) اتوار اور پیر کی درمیانی رات کو وصال فرمایا۔ مزارِ انور منارہ ضلع جہلم میں ہے۔ آپ کے خلف الرشید مولانا سید فخر الزمان شاہ قادری مدظلہ، ہر سال آپ کا عرس باقاعدگی سے کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۱۹۸)

۱۷۔ مولانا حکیم سید ظہور اللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالی

واعظ خوش بیان، طبیب حاذق مولانا حکیم سید ظہور اللہ ابن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے علوم دینیہ کی تکمیل اپنے برادر معظم

مولانا حافظ سید عبداللہ شاہ سے کی، فنِ طب کی تکمیل حکیم فضلِ دین سیالکوٹی سے کی آپ بہترین خوشنویس اور جید عالم دین تھے۔ پندرہ سولہ سال تک جامع مسجد دربار امام علی الحق قدس سرہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مولانا سید نور محمد قادری مدظلہ العالی کے پاس آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حمائل شریف موجود ہے، جو آج سے ستر سال پہلے اتحاد پریس سیالکوٹ میں طبع ہوئی تھی۔

عارف و طبیب مولانا حکیم خادم علی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے آپ کے مخلصانہ روابط تھے۔ ١٣٦٦ھ / ١٩٤٦ء میں جب آپ کا وصال ہوا تو متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، حضرت حکیم خادم علی قدس سرہ کے مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سیدِ والا حسب عالی نسب	صاحب زہد و ورع، علم و ادب
وہ طبیبِ حاذق و مردِ خلیق	تھا غریبوں کا بہی خواہ اور رفیق
تھا وہ شاگردِ حکیم فضل دیں	طب و حکمت میں جو تھا مردِ گزیں
اس کی فرقت میں ہے اب شام و پگاہ	زار نالاں شاہ نور اللہ شاہ
وہ رہا یادِ خدا کے شوق میں	عمر ساری کی بسر اس ذوق میں
مرنے والے کا ہو جنت میں مقام	صبر کی دولت سے ہوں سب شاد کام
ختم کر خادم دعا پر اب یہیں	اس کو بخشے ذاتِ رب العالمیں

آپ حضرت شاہ شیدا پیر و مرشد حضرت شاہ دولہ دریائی قدس سرہما کی درگاہ میں مدفون ہیں۔ (تذکرہ ص ٢٠١)

١٨۔ مجاہد ملت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی قدس سرہ

تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی ابن مولانا حکیم عبدالقیوم شہید (م ماہ رجب ١٣١٨ھ) ابن مولانا حافظ فرید جیلانی ابن مولانا محی الدین ابن مولانا سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی قدست اسرارہم (١٣١٨ھ / ١٩٠٠ء) میں دہلی میں اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوئے۔ محمد

ذوالفقار حق (١٣١٨ھ) تاریخی نام تجویز ہوا۔ ابھی آپ کی عمر بیس دن ہی کی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے وصال کا واقعہ بڑا روح پرور ہے۔ پٹنہ، بہار میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہو رہا تھا جس میں شرکت کے لئے آپ تین سو علماء کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک اسٹیشن پر عصر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں گاڑی چل دی، آپ سوار ہوتے ہوئے پہیوں میں پھنس گئے، زخم اس قدر تھے کہ ستر ٹانکے لگائے گئے، اسی حالت میں اجلاس میں شریک ہوئے تمام تقریریں سنیں، اختتام پر صلوۃ و سلام پڑھنے کے لئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے، رقت کے عالم میں ٹانکے ٹوٹ گئے اور صلوۃ و سلام پڑھتے ہوئے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

آپ کا خاندان شریعت و طریقت کے اعتبار سے نہ صرف بدایوں بلکہ پورے ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت اور فِرَق باطلہ کی تردید میں اس خاندان کی مساعی جمیلہ نا قابل فراموش ہیں۔

مولانا عبدالحامد بدایونی اور ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی کی تعلیم و تربیت کا تمام تر انتظام ان کی والدہ ماجدہ (سید بہاء الدین دہلوی کی ہمشیرہ) نے کیا۔ ابتداءً اپنے آبائی مدرسہ، مدرسہ قادریہ میں تعلیم حاصل کی، آخری دو سال الٰہیات کی تکمیل اور فنّ قراءت کی تحصیل کے لئے مدرسہ الٰہیہ کانپور میں رہے۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے مرشد برحق حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی قدس سرہ کے علاوہ حضرت مولانا محبّ احمد قادری، مولانا حافظ بخش بدایونی، مولانا قدیر بخش بدایونی، مولانا مفتی محمد ابراہیم، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا واحد حسین اور مولانا عبدالسلام فلسفی کے نام ملتے ہیں۔

تکمیل کے بعد مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے نائب مہتمم مقرر ہوئے اور تین سال تک مدرسہ کے انتظام و انصرام اور ترقی میں کوشاں رہے۔ اسی زمانے میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے لکھنو سے مولانا محمد علی جوہر اور

مولانا شوکت علی کو حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی کی خدمت میں بدایوں بھیجا ، انھوں نے مہمانوں کی خوب خاطر مدارت کی اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو عموما اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو اور مولانا عبدالماجد بدایونی کو حکم دیا کہ انگریزی استعمار کے خاتمے کے لئے علی برادران اور ان کے رفقاء کا ساتھ دیں ، پیر و مرشد کے حکم کے مطابق مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جاکر تحریک خلافت کا پیغام پہنچایا ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی ، ڈسٹرکٹ خلافت کمیٹی ، بدایوں کے جنرل سیکرٹری رہے ، خلافت پراونشل کمیٹی اور سنٹرل خلافت کمیٹی ، بمبئی کی مجلس عاملہ کے رکن رہے ۔

گاندھی نے تحریکِ خلافت میں شریک ہو کر قائدانہ پوزیشن حاصل کر لی تھی، مسلمان اپنی سادہ لوحی کی بنا پر ہندوؤں کو اپنا ہمدرد تصور کر بیٹھے تھے لیکن شدھی تحریک شروع ہونے پر منکشف ہوا کہ ہندو کے عیّار ذہن میں مسلمانوں کے خلاف کیا کیا منصوبے پرورش پا رہے ہیں ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی شدھی تحریک کے شروع ہوتے ہی کانگریس سے الگ ہوگئے اور مرکزی تبلیغ الاسلام ، انبالہ اور آگرہ میں شریک ہوکر ہر اس جگہ میں پہنچے جہاں شدھی تحریک کام کر رہی تھی ۔

ہندوؤں کی تنگ نظری اور اسلام دشمنی کے پیشِ نظر ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کی الگ جماعت قائم ہونی چاہیئے چنانچہ جب مسلم کانفرنس قائم کی گئی تو مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریکِ خلافت کے اکثر مسلم رہنما کانفرنس میں شریک ہوگئے ، لندن کانفرنس کے بعد دہلی میں مولانا شوکت علی کی قیام گاہ پر مسلم زعماء کا اجلاس ہوا تو مولانا عبدالحامد بدایونی نے بھی اس میں شرکت کی ، اس اجلاس میں طے ہوا کہ آئندہ انتخابات میں صرف مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرے گی ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے یو پی ، سی پی ، بہار ، اڑیسہ ، بنگال ، آسام ، بمبئی ، کراچی ، سندھ ، بلوچستان اور پنجاب کے دور افتادہ علاقوں میں جاکر عامۃ المسلمین

کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے پر تیار کیا ۔ پیر صاحب مانکی شریف کے ایماء پر قائد اعظم نے انہیں صوبہ سرحد میں بھیجا ، جہاں آپ نے خان برادران کے اثرات کو زائل کر کے مسلم لیگ کی مقبولیت کو چار چاند لگادئے ، انہی خدمات کی بنا پر آپ کو فاتح سرحد کا لقب دیا گیا تھا ۔ سلہٹ اور بنگال میں مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا بڑا اثر و رسوخ سمجھا جاتا تھا ، مولانا بدایونی کی ولولہ انگیز تقریروں نے کانگریسی طلسم کو توڑ کر مسلم لیگ کے نمائندہ کو کامیاب کرایا ۔

حافظ بشیر احمد غازی آبادی لکھتے ہیں ۔

" آج کے بہت سے (کانگریسی) علماء جو پاکستان میں نظریہ پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں اور مختلف سیاسی پلٹ فارموں سے اپنی حبّ الوطنی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں ، آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ہمنوا تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح کے مقابلے میں حریفانہ سیاسی چالیں چل رہے تھے ، خدا مولانا عبدالحامد بدایونی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ، انہوں نے اس محاذ پر نیشنلسٹ علماء کا مقابلہ کیا اور مسلم لیگ میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں " ۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ ء کو منٹو پارک ، لاہور کے تاریخی اجلاس میں قرار داد پاکستان پیش کی گئی تو مولانا محمد عبدالحامد بدایونی مسلم لیگ کے ان زعماء میں شامل تھے جنھوں نے قرار داد کی تائید میں تقریر کی ۔ ۳۰ اگست ۱۹۴۱ ء کو لدھیانہ میں آپ کی صدارت میں پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی ، اس کانفرنس میں آپ نے پاکستان کے حق میں بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو بعد میں نظامی پریس ، بدایوں سے چھپ کر ملک بھر میں تقسیم ہوا ۔ ۱۹۴۵ میں قائد اعظم اور میر عثمان علی خان فرمانروائے دکن کے باہمی اختلافات نازک صورت اختیار کر گئے تو قائد ملّت خان لیاقت علی خان نے مولانا عبدالحامد بدایونی کو منتخب کیا تاکہ اختلافات ختم کرانے کے لئے دونوں راہنماؤں کی ملاقات کا راستہ ہموار کریں ۔ والی دکن مولانا بدایونی کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور

انہیں دینی جلسوں میں تقاریر کے لئے مدعو کیا کرتے تھے مولانا نے فرمانروائے دکن سے ملاقات کی اور طویل گفتگو کے بعد انہیں قائد اعظم سے ملاقات کرنے پر آمادہ کیا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا کانفرنس، بنارس میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اسے کامیاب بنانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۶ء میں علماء کا ایک وفد حجاز مقدس گیا جس کے قائد مبلّغِ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور جنرل سیکریٹری مولانا بدایونی تھے۔ اس وفد نے نہ صرف حجاج پر عائد کردہ ٹیکس ختم کرنے کے سلسلے میں حکومت سعودیہ سے مذاکرات کئے بلکہ عالمِ اسلام کے دینی اور سیاسی راہنماؤں کے سامنے نظریۂ پاکستان کو موثر طور پر پیش کر کے پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لائے تو زعماء پاکستان کے اصرار پر مستقل طور پر یہیں قیام پذیر ہوگئے۔

جب آپ نے دیکھا کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان کسمپرسی میں مبتلا ہیں تو آپ نے ایک اجلاس میں ہندوستان کے تمام صوبوں اور مقامی نمائندوں پر مشتمل " مرکزی مہاجرین کمیٹی " کی بنیاد ڈالی جو عوامی اور سرکاری سطح پر مہاجرین کی آباد کاری اور ان کی ضروریات کی فراہمی کے لئے مسلسل کوشش کرتی رہی۔

۱۹۴۷ء میں آپ کی تحریک پر ویدر ٹاور، کراچی سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان جلوس نکالا جس میں اس وقت کے وزیرِ اعلی سندھ محمد ایوب کھوڑو بھی پا پیادہ شریک ہوئے، اس کے علاوہ خلفاء راشدین اور امام حسین رضی اللہ تعالی عنہم کے ایام شان و شوکت سے منانے کا اہتمام بھی آپ نے شروع کیا، ان اجتماعات میں پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم نے بھی شرکت کی۔

۱۹۴۸ء میں مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی کی قیادت میں سندھ کے علماء مشائخ کے ایک

وفد نے قائد اعظم سے ملاقات کی جس میں مولانا بدایونی بھی شریک تھے اور تفصیلی یادداشت پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا۔

" ملکِ پاکستان کا دستور کتاب و سنت کی روشنی میں تیار کیا جائے اور دیگر اسلامی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی وزارت امور مذہبیہ قائم کی جائے "۔

جمعیۃ العلماء، پاکستان کے قیام اور استحکام کے لئے ابتداء ہی سے آپ نے اپنی کوششیں وقف کر رکھی تھیں، حضرت علامہ ابوالحسنات قادری کے وصال کے بعد جمعیۃ کے مرکزی صدر بنے اور اپنی شبانہ روز محنت سے جمعیۃ کو چار چاند لگادیئے، مولانا ان علماء میں شامل تھے جنہوں نے ۲۲ نکات پر مشتمل دستوری خاکہ مرتب کیا تھا، ۱۹۶۲ء میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں آپ نے کھل کر حصہ لیا اور انتہائی علالت کے باوجود فروری ۱۹۵۳ء سے جنوری ۱۹۵۴ء تک کراچی اور سکھر کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

۱۹۲۶ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن نامزد ہوئے۔ اس ضمن میں انہوں نے کونسل کو اہم سفارشات پیش کیں، ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ چھڑی تو آپ نے علماءِ اہل سنت کی ایک جماعت کے ساتھ ملک بھر کا دورہ کیا اور تین لاکھ روپے کے کپڑے اور دیگر ضروری ساز و سامان مہاجرینِ کشمیر میں تقسیم کیا۔

مولانا عبدالحامد بدایونی نے قدیم اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ دنیا کی اہم زبانوں کی تعلیم کے لئے کئی لاکھ روپے صرف کر کے منگھو پیر روڈ، کراچی میں جامعۂ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے عظیم درس گاہ قائم کی، آپ کی اپیل پر صدر مملکت اور اسلامی ممالک کے سربراہوں نے دل کھول کر امداد کی، یہ ادارہ آج بھی علوم دینیہ کی خدمت میں مصروف ہے۔

آپ چین، روس، مصر، ترکی، تیونس، نائجیریا، کویت، عراق، ایران اور حجاز

مقدس گئے اور مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو واضح کیا ۔ آپ نے بائیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت حاصل کی آپ کے شاہ فیصل، صدر ناصر، ڈاکٹر محمد حمتی، عبدالسلام عارف (عراق) مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی اور مسلمانانِ روس کے مفتی اعظم سے ذاتی مراسم تھے اور ان حضرات نے آپ کی دینی اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔

آپ نے بے اندازہ ملکی مشاغل کے باوجود قابل قدر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ فلسفۂ عبادت اسلامی ۲۔ تصحیح العقائد ۳۔ نظامِ عمل ۴۔ کتاب و سنت غیروں کی نظر میں ۵۔ اسلام کا زراعتی نظام ۶۔ اسلام کا معاشی نظام ۷۔ مرقع کانگریس (مطبوعہ ۱۹۳۸ء) ۸۔ مشرق کا ماضی و حال ۹۔ انتخابات کے ضروری پہلو ۱۰۔ الجواب المشکور (عربی) ۱۱۔ اسلامک پریئیرز (انگریزی) ۱۲۔ حرمتِ سود ۱۳۔ تاثرات دورۂ روس

۱۴۔ تاثرات دورۂ چین ۱۵۔ مشیر الحاج

بحمدہ تعالیٰ کراچی میں مولانا بدایونی اکیڈمی قائم ہو چکی ہے ۔ امید ہے کہ آپ کی تصانیف کو از سرِ نو شائع کرنے کو اولیت دی جائے گی۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۲۰ جولائی (۱۳۹۰ھ ۔ ۱۹۷۰ء) کو تحریکِ پاکستان کے صف اول کے مجاہد، عالم با عمل مولانا شاہ محمد عبدالحامد بدایونی قادر قدس سرہ کا جناح ہسپتال، کراچی میں وصال ہوا ۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعۂ تعلیمات اسلامیہ، منگھو پیر روڈ، کراچی کے احاطہ میں بنی ۔ پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، دو صاحبزادے جناب محمد عابد القادری (جنہوں نے مولانا کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں بڑا کرم فرمایا، راقم (مولانا شرف قادری) ان کا شکر گزار ہے اور جناب محمد زاہد القادری اور ایک صاحبزادی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کے وصال پر سفیر عراق نے یہ پیغام تعزیت بھیجا۔

" مولانا بدایونی کے اچانک انتقال کی خبر مجھے ابھی ابھی معلوم ہوئی ہے، مولانا بدایونی علیہ الرحمۃ جید عالم و فاضل تھے اور مسلمان قوم میں ان کا بہت بڑا مقام تھا، خدائے تعالیٰ مولانا کی روح پُر فتوح پر اپنے فضل و کرم کی بارش کرے"۔

حضرت مولانا فضل الرحمن مدظلہ العالی ابن حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین دامت برکاتہم العالیہ نے مدینہ منورہ سے برقی پیغام بھیجا۔

" افسوس کہ پاکستان اور پاکستانی قوم ایک مقتدر مذہبی پیشوا اور جیّد عالم اور فاضل سے محروم ہو گئی، باری تعالیٰ مولانا علیہ الرحمۃ کے خاندان کو یہ غیر معمولی صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے اور مرحوم پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرمائے آمین"۔

مولانا جمال میاں فرنگی محلی ابن حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی (قدس سرہ) نے ان الفاظ میں تعزیت کا پیغام بھیجا:

" علامہ مولانا عبدالحامد القادری البدایونی کے انتقال کی خبر سے میں غیر معمولی طور پر قلبی صدمہ محسوس کرتا ہوں ۔ یہ حادثہ نہ صرف میرے لئے بلکہ پوری ملت پاکستان کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے"۔

جناب سید سیفی ندوی نے قطعۂ تاریخ کہا:

عبد حامد سراپائے جہد و یقیں　　عالمِ دین و سرمایۂ اہل دیں
سرفرازے کہ ملت ازو سر بلند　　داشت بر آستان محمد جبیں
خوش برفت از جہاں سوئے دارالبقا　　شد جہاں از جدائی ذاتش غمیں
ہاتفم گفت سیفی ز سال وصال　　" منبر عبد حامد بہشت بریں "

۱۳۹۰ھ

جناب صابر براری قادری نے عیسوی سن قلمبند کیا:

سال رحلت کو ہے صابر سبز گنبد کی صدا
" عالمِ مشہور ، حامد ، عازمِ باغِ جناں "

۱۹۷۰ء

۱۹۔ استاذ الافاضل حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ حقانی قدس سرہ

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحفیظ حقانی ابن مولانا عبدالمجید قدس سرہما محلہ مداری دروازہ ، بریلی میں پیدا ہوئے ، تاریخی نام حفظ الرحمن (۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) تجویز ہوا ، ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے وطن آنولہ میں ہوئی ، قرآن پاک کی تعلیم استاذ الحفاظ مولانا حافظ محمد عوض مرحوم سے حاصل کی ، بعد ازاں والد ماجد سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی ۔ ۱۹۱۳ء میں والد ماجد کے ہمراہ ٹانڈہ چلے آئے ۔ والد ماجد اس قدر محنت سے پڑھاتے کہ ریل کے سفر کے دوران بھی سبق جاری رہتا ۔ مولانا اکثر و بیشتر علوم و فنون کی تحصیل کر لی ، کچھ عرصہ لکھنو میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر سراجی ، شرح چغمینی اور منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں ۔

۱۹۲۰ء میں حضرت مفتی صاحب مبارک پور ، اعظم گڑھ کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے ۔ ۱۹۲۴ء میں آپ کی شادی بدایوں میں ہوئی ، اسی سال والد ماجد نے مدرسہ منظر حق ، ٹانڈہ میں اپنے پاس بطور مدرس بلا لیا ۔ ۱۹۶۲ء میں مدرسہ حمیدیہ بنارس میں صدر مدرس مقرر ہوئے ، ۱۹۳۰ء میں بعض احباب کی درخواست پر قصور (پنجاب) چلے آئے ۔ ۱۹۳۴ء میں انجمن تبلیغ الاحناف کی دعوت پر امرتسر تشریف لے گئے اور مسجد سکندر خان ، ہال بازار میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ اس علاقہ میں مرزائیوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں ، مفتی صاحب نے ان کے رد میں ایک جامع کتاب السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ تحریر فرمائی ، دوسرا رسالہ " الحسنی والمزید لمحب التقلید " لکھا جس میں تقلید شخصی کے وجوب پر بہترین

انداز میں گفتگو فرمائی ۔

اسی زمانہ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد سے آپ کا مناظرہ ہوا جس میں آپ کو نمایاں کامیابی ہوئی ، اسی دوران ملتان میں شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ تعالی کا مناظرہ مولوی ابوالوفاء شاہجہانپوری سے ہوا ۔ اہل سنت کی طرف سے مولانا محمد عبدالحفیظ رحمۃ اللہ تعالی اور دیو بندیوں کی طرف سے مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری صدر تھے ۔ اس مناظرہ میں بھی مخالفین کو شکست ہوئی ، اس کامیابی پر مخدوم صدر الدین سجادہ نشین درگاہ حضرت حافظ جمال الدین موسی پاک شہید قدس سرہ (ملتان) نے آپ کو ایک قیمتی تحفہ عطا فرمایا ۔

۱۹۳۶ء میں حضرت مفتی عبدالحفیظ رحمۃ اللہ تعالی مدرسہ نعمانیہ ، فراش خانہ دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے ۔ اگست ۱۹۳۹ء میں آپ جامع مسجد آگرہ کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے اور ۱۹۵۵ء تک وہیں رہے ۔

آپ کو قدرت نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا ، تقریر فرماتے تو دلائل کے انبار لگادیتے ، تدریس کے وقت علم و فضل کے دریا بہادیتے ، حکیم عبدالغفور مؤلف سوانحات المتاخرین ، آنولہ لکھتے ہیں :

(مولوی عبدالحفیظ) مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم کے کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ہر بات میں باپ پر سبقت ہے ۔ علم میں ، وعظ گوئی میں ، جسم کی زینت میں ، خوبصورتی میں ، غرضیکہ ہر بات میں باپ پر فوقیت حاصل ہے " ۔

حضرت مفتی صاحب نے تدریس ، خطابت اور مناظرہ کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے ۔ تصانیف درج ذیل ہیں :

۱۔ تکمیل ایمان ۔ عقائد اہل سنت پر مختصر رسالہ (چھپ چکا ہے)

۲۔ **السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ** ۔ رد قادیانیت پر مدلل کتاب (امرتسر اور لاہور سے چھپ چکی ہے)

۳۔ الحسنی و المزید لمحبّ التقلید۔ تقلید شخصی کے وجوب پر بہترین رسالہ (امرتسر سے شائع ہوا)۔

۴۔ علم غیب۔ طبع ہو چکا ہے۔

۵۔ کلمہ اسلام کلمہ طیبہ کی شرح و تفصیل۔ (انجمن اصلاحی جماعت، آگرہ کی طرف سے شائع ہونے والا پہلا رسالہ جس کے صدر پروفیسر حامد حسن قادری اور نائب صدر مفتی صاحب تھے)۔

۶۔ عبادت اسلام۔ اصلاحی جماعت آگرہ کی طرف سے شائع ہونے والا دوسرا رسالہ جس میں نماز روزہ حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے۔

۷۔ تہانۃ الوہابیۃ (وہابی اور دیو بندی معتقدات کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کی روشنی میں باطل و مردود قرار دیا ہے، یہ مفید کتاب اخبار پریس، آگرہ سے طبع ہو چکی ہے)۔

۸۔ ریڈیو کے اعلان کا شرعی طریقہ (رؤیت ہلال کے بارے میں مشروط طور پر تائید فرمائی ہے۔ اسی کے ساتھ دوسرا رسالہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال تحریر فرمایا ہے۔ یہ دونوں رسالے غیر مطبوعہ ہیں)۔

۹۔ صیانۃ الصحابہ عن خرافات بابا (بابا خلیل داس سوانی نے چند چھوٹے چھوٹے رسائل لکھے ہیں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں سوء ظنی کا اظہار تھا، مفتی صاحب نے ان رسائل کی تردید فرمائی ہے، یہ قابل قدر کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

۱۰۔ متروکہ جائیداد پر مساجد (مضمون کتاب نام سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے)۔

۱۱۔ مجموعہ فتاوی۔ (قیام کراچی کے دوران جو فتاوی آپ نے قلمبند فرمائے ان کا یہ مجموعہ بھی چھپ چکا ہے)۔

۱۲۔ ارغام باذر۔ ماہر القادری نے ماہنامہ فاران، کراچی کے توحید نمبر اور خاص طور پر اس کے اداریہ میں بڑے شد و مد سے مسلک اہل سنت وجماعت کی مخالفت کی، حضرت مفتی صاحب نے اس کا جواب لکھا تھا جسے ملتان سے شائع کیا گیا۔

۱۳۔ مرزائیت پر تبصرہ۔ خاتم النبین کا صحیح مفہوم، یہ رسالہ مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کی طرف سے شائع ہوا، راقم الحروف (مولانا شرف قادری) کی نظر سے گزرا ہے۔

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف میں شمع ہدایت اور مودودی پر تنقید کے نام بھی ملتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب ۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لائے۔ ابتداءً جناح مسجد میں مفتی وخطیب رہے پھر مدرسہ دار العلوم مظہریہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۵۷ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لے گئے۔

۱۹ جون ۱۹۵۸ء کو جامعہ نعیمیہ، لاہور کے افتتاحی جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ ۲۲ جون کو واپسی ہوئی، راستہ ہی میں ریاحی درد شروع ہو گیا، ۵ ذوالحجہ ۲۳ جون (۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) کو مفتی آگرہ حضرت مولانا محمد عبدالحفیظ قدس سرہ کا وصال ہوگیا۔ ملتان میں قبرستان حسن پروانہ میں دفن ہوئے۔ حضرت مولانا محمد حسن حقانی مہتمم دار العلوم امجدیہ کراچی۔ ایم پی۔ اے صوبہ سندھ آپ ہی کے فرزند ارجمند اور اہل سنت کے مایۂ ناز عالم دین ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابو البرکات مدا للہ ظلہ الاقدس نے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا:

"حضرت مولانا مولوی عبدالحفیظ صاحب رحمۃ اللہ تعالی کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر سے بے حد رنج و ملال لاحق ہوا۔ مولی تعالی مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ اس پُر فتن اور پُر آشوب زمانہ میں مولانا کا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا

ہوجانا ناقابل تلافی نقصان ہے"۔

"آہ! آپ مولوی عبدالحفیظ! آپ کی ایمان افروز اور ضلالت سوز تقریریں یاد آکر دل کو بے چین کرتی ہیں، آپ کی سالہا سال کی محبت بھری صحبتیں یاد آکر دل کو تڑپاتی ہیں"۔

پروفیسر حامد حسن قادری رحمۃ اللہ تعالی نے قطعہ تاریخ کہا:

مفتی عبدالحفیظ صاحب آج — پردہ فرما کے حق سے ہیں واصل
نیک دل، نیک طبع، نیک اوصاف — سربسر پاک جان و روشن دل
واعظ خوش بیان و بحرِ علوم — صاحبِ فیض و فاضل و کامل
تربتِ پاک ان کی نورانی — رشکِ خلد ان کی اولیں منزل
قادری نے بھی ان کا سالِ وصال — لکھدیا "وصلِ ذات کا حاصل"

۱۹۵۸ھ

مادۂ دیگر:

ذو فضل علی العالمین

۱۹۵۸ھ

(ملاحظہ ہو تذکرہ ص ۲۱۰)

۲۰۔ فاضلِ متبحر مولانا مفتی عبدالحمید قادری قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید قادری ابن استاذ الحفاظ عبدالمجید قادری ۲۰۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں قصبہ آنولہ (ضلع بریلی۔ یو۔ پی) میں پیدا ہوئے، قرآن پاک والد ماجد سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا برکت اللہ اور مولانا رحیم بخش (م ۱۹۲۰ء) سے پڑھیں، بعد ازاں بریلی شریف جاکر مولانا رحم الٰہی، مولانا عبدالعزیز خان، مولانا عبدالمجید آنولوی، اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی

قدس سرہ (شہزادہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ) سے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔

مولانا مفتی عبدالحمید قادری قدس سرہ نے کچھ عرصہ بریلی شریف میں سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھا، بعد ازاں جامعۂ حنفیہ رضویہ، بنارس میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے، تقریر و تحریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے، کتب درسیہ میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ دین پوری بے باکی سے انجام دیتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشہور اجلاس کے انعقاد میں حصہ لیا اور اس کے سرگرم رکن رہے، کانگرس کا ردّ نہایت شدت سے کرتے تھے۔ غیر مقلدین کے ردّ میں چند رسائل سپردِ قلم کئے۔

۱۹۵۰ء میں پاکستان آکر شہداد پور (سندھ) میں قیام پذیر ہوگئے اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، آخر میں جامع مسجد نواب شاہ میں خطیب اور مفتی مقرر ہوگئے، ۴/ ربیع الثانی، ۷/ مئی (۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء) بروز پیر مولانا عبدالحمید قادری رحمۃ اللہ کا نواب شاہ میں انتقال ہوا۔

۲۱۔ مجاہد اعظم حضرت پیر عبدالرحمن بھرچونڈی شریف قدس سرہ

مجاہد ملت، ناصر تحریکِ پاکستان، شیخ ثالث حضرت مولانا پیر عبدالرحمن ابن حضرت حافظ محمد عبداللہ قدس سرہما ۱۳۱۰ھ/ ۳۔ ۱۸۹۲ء میں بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید پڑھنے کے بعد سراج العلماء مولانا سراج احمد خان بیلوی ثم خانپوری قدس سرّہ سے نحو اور فقہ حنفی کی کتابیں پڑھیں اور بقیہ تعلیم مولانا عبدالکریم ساکن میانوالی سے مکمل کی چونکہ آپ کو بچپن ہی سے ایسا ماحول میسر آیا تھا جو شریعت و معرفت کے انوار اور ذکر و فکر برکات سے معمور تھا اور پھر ولی کامل والد ماجد کی کیمیا اثر صحبت سے آپ پوری طرح مستفید ہوئے تھے اس لئے آپ کے کمالات و درجات کا اندازہ لگانا نظر ظاہر بین کے بس کی بات نہیں ہے۔

۱۳۴۶ء میں والدِ ماجد کے وصال کے تیسرے روز خانقاہی دستور کے مطابق آپ کی

دستار بندی کرائی گئی ۔ آپ نے مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہو کر وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے جو تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔

حضرت شیخ ثالث حد درجہ پابند شریعت تھے ، نماز با جماعت کے ایسے پابند تھے کہ عمر بھر میں شاید ہی کوئی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہو ، اذان کے دوران گفتگو کرنے کو سخت نا پسند رکھتے تھے ۔ تقبیلِ ابہامین کو مستحسن سمجھتے تھے ، نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے ، ظاہری کروفر سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے ، ان کے ہر کام میں للّٰہیت جلوہ گر ہوتی ، ان کی نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی کچھ وقعت نہ تھی ۔ ایک مرتبہ سردار شیر محمد خان مرحوم نے عرض کیا کہ میں قومی اسمبلی کا امیدوار ہوں ، جیکب آباد میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں لہذا آپ تشریف لے آئیں اور جماعت کو حکم دیں کہ مجھے کامیاب کرائے ۔ آپ ازراہ کرم تشریف لے گئے ۔ بنگلے پر پہنچکر اس نے تین ہزار روپے لنگر کے مصارف کے لئے پیش کیئے ۔ آپ نے یہ پیشکش ٹھکرادی اور واپس آگئے فرمایا: خان مجھے دامِ دولت میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔

آپ کے خلوص اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مدرسۂ انوار العلوم ملتان جلسہ میں رونق افروز تھے ، حضرت علامہ شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کے لئے چندہ کی اپیل کی ، کوئی سو روپیہ ، کوئی دو سو روپیہ اور کوئی پانچسو روپیہ دے رہا تھا اور اس کا اعلان کیا جا رہا تھا ، دریں اثناء حضرت ممدوح نے ایک روپیہ عنایت فرمایا ، اس کا اعلان بھی کر دیا گیا ، لوگ تعجب خیز نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ اس طرح اطمینان سے تشریف فرما تھے کہ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو ، تین دن بعد جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ سے اجازت چاہی اور خلوت میں مدرسہ کیلئے ایک ہزار روپے کی خطیر رقم عطا فرمائی ۔ آج بے نفسی کی ایسی مثالیں شاید ہی کہیں دیکھنے میں آتی ہوں۔

حضرت شیخ ثالث مولانا عبدالرحمن قدس سرہ کو سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت تھی ۔ جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ کا ذکر شریف سنتے تو گویا آنکھوں سے سیلاب امڈ پڑتا ۔ شیخ اعظم حضرت مولانا محمد صدیق بانی بھر چونڈی شریف کا یہ معمول تھا اور حضرت شیخ ثالث نے بھی اسے جاری رکھا کہ ربیع الاول شریف کا پورا مہینہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منایا کرتے تھے ، کھانے سے پہلے اور بعد خود تمام لوگوں کے ہاتھ دھلاتے اگر چہ حاضرین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی۔

حضرت ممدوح ان گنت خوبیوں کے مالک تھے ، اگر ایک طرف آپ کے فیضِ صحبت سے دلوں کی دنیا نور عرفان سے منور تھی ، ہزاروں افراد حلقہ ذکر و فکر میں شامل ہو کر منازل سلوک طے کرتے تھے تو دوسری طرف اعتقادی فضا کو عقائد باطلہ کے مسموم اثرات سے پاک کرنے کے لئے جید علماء کی جماعت ساتھ لیکر جگہ جگہ کے دورے کرتے ، وعظ و ارشاد کی محفلیں منعقد فرماتے اور ضرورت پڑنے پر اعلاءِ کلمۃ الحق کی خاطر مناظروں میں شرکت فرماتے تھے۔

آپ اپنے دور کے سیاسی حالات سے بھی پوری طرح باخبر تھے اس لئے جب آپ نے دیکھا کہ اراکین اسمبلی ووٹ لینے کے لئے بڑے لمبے چوڑے وعدے کرتے ہیں لیکن ایوان میں چلے جانے کے بعد سب کچھ بھول جاتے ہیں تو آپ نے صوبۂ سندھ کے باخبر افراد کو جمع کر کے انجمن احیاء الاسلام قائم کی جس کا مقصد قوانین شرعیہ کا نفاذ، چوری ، ڈکیتی اور تمام غیر شرعی امور کا انسداد اور ملک و ملت کے خیر خواہ ممبروں کو کامیاب کرانا تھا ۔ اتفاق رائے سے آپ کو اس انجمن کا صدر منتخب کیا گیا ۔ جماعت کی طرف سے ایک اخبار الجماعۃ جاری کیا گیا ، سندھ کے طول و عرض میں جا بجا شاخیں قائم کیں ، طوفانی دورے کئے گئے اور انجمن کے مقاصد سے عوام الناس کو روشناس کرانے کے لئے بھرپور کوشش کی گئی ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں افراد انجمن

کے ممبر بن گئے۔

یہ وہ دور تھا جب سندھ میں کانگریس کی طوطی بول رہی تھی۔ مسلم لیگ نے ابھی تک اس صوبے میں قدم نہیں جمائے تھے۔ انجمن احیاء الاسلام اور حضرت پیر صاحب کی ساعی جمیلہ کے نتیجے میں کانگرس کا فسوں ٹوٹ کر رہ گیا اور پاکستان کی والہانہ محبت لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ انجمن احیاء الاسلام کی قوت و مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سندھ اسمبلی کے آٹھ ممبر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے جن میں سے پانچ وہ تھے جنہیں حضرت پیر صاحب نے احیاء الاسلام کی طرف سے کامیاب کرایا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ مقصد تو دین کی خدمت، ملک کی اصلاح اور اسمبلی میں ہنود و عنصر کا زور توڑنا ہے لہذا کیوں نہ ہم مسلم لیگ کو کامیاب کرائیں، اس طرح آپ نے تحریکِ پاکستان کو مؤثر اور مضبوط بنانے کے لئے زبردست کردار ادا کیا۔

۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور خطیب عصر مولانا سید محمد محدّث کچھوچھوی کی کوششوں سے آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس سے دو قومی نظریہ کو صحیح طور پر عوامی مقبولیت حاصل ہوئی، حضرت شیخ ثالث اس فقید المثال کانفرنس میں ڈیڑھ سو رفقاء کی معیت میں شریک ہوئے اور کانفرنس کو کامیاب کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔ حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے مجاہدانہ کارناموں اور خاص طور پر تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں آپ کی مساعی جمیلہ کو آب زر سے لکھا جائے۔

آپ نے مسجد منزل گاہ سکھر کو ہندوؤں کو قبضہ سے آزاد کرانے کے لیۓ بھرپور جدوجہد کی اور اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتوں کو بھی برداشت کیا، آپ جیل میں کیا گئے کہ وہاں ایک دبستانِ معرفت کھل گیا، جرائم پیشہ لوگ آپ کے فیضِ صحبت سے متقی اور پرہیزگار بن گئے۔ ویسے آپ کی تبلیغِ اسلام اور پرکشش

شخصیت کا یہ اثر تھا کہ آپ کی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا دن گزرتا تھا۔ جب کوئی غیر مسلم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام قبول نہ کرتا ہو۔

حضرت شیخ ثالث صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے اپنی تمام عمر اشاعت اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھی، علم اور اہل علم کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے فتاوی رضویہ جلد اول اور بہار شریعت کی اشاعت آپ ہی کی تحریک پر کی تھی۔

آخر اسلام کا یہ عظیم مجاہد، سنیت کا بطل جلیل اور سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ کا عظیم مقتدا ۹ جمادی الاولی ۳۰ اکتوبر (۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء) بروز اتوار اپنے ربّ کریم کے دربار میں حاضر ہوگئے اور اپنے پیچھے لاکھوں معتقدین کو سوگوار چھوڑ گئے۔ آپ کا مزارِ پُرانوار بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) میں مرجع خلائق ہے۔

(تذکرہ ص ۲۱۸)

۲۲۔ مجاہدِ ملت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید قدّس سرہ (بھرچونڈی شریف)

پیکرِ عزم و استقامت، منبع رشد و ہدایت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید ابن حضرت مولانا عبدالرحمن ابن حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ (قدّست اسرارہم) ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۰ء میں بھرچونڈی شریف، ضلع سکھر میں پیدا ہوئے۔ ساتویں دن جدّ امجد نے عبدالرحیم نام تجویز کیا۔ کسی نے پوچھا حضرت صاحبزادے کا نام کیا تجویز کیا؟ فرمایا ہم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پورا کیا ہے، وہ اس طرح کہ اپنا نام عبداللہ، صاحبزادے کا نام عبدالرحمن اور پوتے کا نام عبدالرحیم، تینوں ناموں سے لفظ "عبد" ہٹانے سے بسم اللہ شریف پوری ہو جاتی ہے۔

جدّ امجد حضرت شیخ ثانی کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اکثر آپ دادا جان کے سینے پر کھیلتے رہتے تھے۔ آپ ابتداء ہی سے غیر معمولی ذہین تھے، جو سبق دوسرے طالب علم

گھنٹوں میں یاد کرتے اسے آپ منٹوں میں یاد کر لیتے۔ قرآن مجید کی تعلیم شروع ہوئی، پندرہ پارے حفظ اور پندرہ ناظرہ پڑھے۔ درسی کتابیں پہلے حضرت مولانا عبدالکریم (ساکن میانوالی) سے، پھر سراج الفقہاء مولانا سراج احمد (قدس سرہ) خانپوری سے پڑھیں اور آخر میں حضرت علامہ سید مغفور القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ (شاہ آباد شریف، ضلع رحیم یار خان) سے پڑھنا شروع کیا، شرح جامی، شرح وقایہ اور مشکوۃ شریف تک کتابیں خود سمجھ کر پڑھیں حتی کہ دوسری کتابوں کے سمجھنے کا خاصا ملکہ پیدا ہوگیا۔

حضرت پیر صاحب نہایت بلند ہمت اور بے باک شخصیت کے مالک تھے، اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ اور سر بلندی کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے کہ ہندوؤں نے نو مسلم عورتوں کو قید کر کے ارتداد پر مجبور کیا پیر صاحب کسی خطرے کو دل میں نہ لاتے ہوئے میدان میں آگئے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک ان نو مسلم خواتین کو آزاد نہ کرایا۔

اپنے والد ماجد مجاہد اعظم حضرت مولانا عبدالرحمن قدس سرہ کے زیر سایہ رہ کر انجمن احیاء الاسلام اور تنظیم المشائخ کی بے مثال خدمات انجام دیں اور اس دور میں جب کہ کانگریس پوری طرح صوبہ سندھ پر چھائی ہوئی تھی۔ آپ نے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کی بھرپور اشاعت و حمایت کی یہ انہی مشائخ کی قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ صوبہ سندھ کی رائے عامہ مسلم لیگ کے حق میں ہموار ہوگئی اور عوام الناس نے بڑے جوش و خروش سے نظریۂ پاکستان کو اپنایا۔

۱۹۴۶ء میں والدِ ماجد کی قیادت میں ڈیڑھ سو افراد کی جماعت کیساتھ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور قیام پاکستان کی پُر زور تائید کی۔ اہلِ سنت کی اس نمائندہ کانفرنس میں متحدہ پاک و ہند کے تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ کا قیام پاکستان کی خاطر اپنی تمام کوششوں کو صرف کر دینے کا عہد ایک ضرب کاری تھی جس نے کانگریس کے سامریوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا۔ احیاء الاسلام اور تنظیم المشائخ

کے بعد آپ جمعیۃ علماء پاکستان، سندھ کے نائب صدر منتخب ہوئے اور جس جرأت و ہمت اور خلوص و ایثار سے جمعیت کی سرگرمیوں میں حصہ لیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

۱۹۶۰ء میں شیخ ثالث حضرت مولانا عبدالرحمن قدس سرہ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو آپ کی مصروفیات میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا لیکن جس حسن و خوبی سے آپ نے ذمہ داریوں کو نبھایا، موجودہ دور میں اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ آپ کے دل میں دین و ملت کا بے پناہ درد تھا۔ اگرچہ آپ پر قاتلانہ حملے کئے گئے، طرح طرح سے آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن اس مردِ خدا کے قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے ہمیشہ آگے ہی بڑھتے رہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں راجستان سیکٹر میں عملی طور پر حصہ لیا، اپنے مریدین حرُ مجاہدین کے کئی دستے مسلح کر کے محاذ پر بھیجے اور انہیں تمام ضروریات پہنچانے کا باقاعدہ انتظام کیا اور دو دفعہ خود محاذ پر تشریف لے گئے۔

حضرت پیر صاحب نظریہ اسلام کے زبردست حامی تھے۔ ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان کے صوبہ سندھ کے نائب صدر ہونے کی حیثیت سے علی الاعلان اسلامی قوتوں کا ساتھ دیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ عوام کے اذہان میں صحیح اسلامی اقدار کو اس قدر راسخ کر دیا جائے کہ وہ نظریۂ اسلام کے علاوہ کسی نظریئے اور ازم کو قبول نہ کریں۔

اسلام دشمن عناصر حضرت پیر صاحب کی باثر شخصیت کو اپنے راستے میں بڑی رکاوٹ یقین کرتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں جب سندھ میں فتنہ دہریت عروج پر تھا، پیر صاحب اس فتنہ کے خلاف سینہ سپر ہوگئے اور لاہور میں یوم محمد بن قاسم کے اجلاس کی صدارت کی۔

۳۰ رجب المرجب، ۲۱ ستمبر (۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کی شام کو جب حضرت پیر صاحب چار

غیر مسلح آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے، مخالفین نے فائرنگ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔
آپ کے جنازہ میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی، آپ کی آخری آرام گاہ بھر چونڈی شریف میں ہے، آپ کی شہادت سے ملّتِ اسلامیہ ایک عظیم مجاہد سے محروم ہوگئی۔ (تذکرہ ص ۲۲۲)

۲۳۔ مولانا ابو رشید مفتی محمد عبدالعزیز چشتی قدس سرہ

(مزنگ، لاہور)

مولانا مفتی ابو رشید محمد عبدالعزیز ابن میاں محمد فضل الدین (یکم صفر ۶ نومبر ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) ابن محمد عطاء اللہ ابن میر عبدالحکیم ابن میر قائم ابن میر شرف اللہ ابن میر زمان اللہ (یکے از خلفائے بابا نصیب الدین غازی) موضع چانگا نوالی (مضافات جلال پور جٹاں ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں مولانا محمد عالم سے استفادہ کیا، کچھ عرصہ مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں بھی تعلیم حاصل کی۔ مولانا کریم بخش (والدِ ماجد مولانا فضل میراں متوفی ۶ ربیع الاول اپریل ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) سے فیضیاب ہوئے پھران کے صاحبزادے ادبِ عربی کے مایۂ ناز فاضل مولانا فضل میراں پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی خدمت میں دس بارہ برس رہ کر ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔ مفتی صاحب مولانا فضل میراں کے قابل فخر شاگرد اور داماد تھے، مزنگ میں مرزا محمد بیگ سے جلد سازی کا کام سیکھا، تکمیل کے بعد مسجد چاہ ٹھنڈی والی میں امام مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جہاں سے مزنگ کے کئی علماء فیضیاب ہوئے، اس کے بعد عرصہ دراز تک مسجد قلعہ مادھو مزنگ اور جامع مسجد جنازہ گاہ میں بلا مشاہرہ خطیب رہے۔ انجمن اسلامیہ مزنگ کی بنیاد رکھی اور مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے تشریف لیجاتے رہے حکومت برطانیہ کے عہد میں آپ سینٹرل جیل میں جاکر تبلیغ کیا کرتے تھے جس سے متاثر ہوکر کئی ہندو اور سکھ مشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ آپ حضرت پیر قربان علی شاہ

(آدم پور دوآبہ ضلع جالندھر) کے مرید تھے۔

آپ مرنجان مرنج انسان تھے، والدۂ ماجدہ کی بیحد خدمت کی اور دعائیں لیں۔ آپ کا ذریعہ معاش تصحیح کتب تھا، ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور اور متعدد ناشرین کی اکثر وبیشتر مطبوعات کی تصحیح کتابت آپ ہی کرتے تھے چنانچہ بہار شریعت (۷ حصے)، تجرید الاحادیث، اور تجرید البخاری وغیرہ کتب پر بحیثیت مصحح آپ ہی کا نام ملتا ہے۔
آپ ہروقت مطالعۂ کتب تصحیح، فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے، اس دوران اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو کتبِ معتبرہ کے حوالہ سے جواب دیتے اور کسی کو مایوس نہ کرتے، بچے سلام کرنے حاضر ہوتے تو انہیں شیرینی عنایت فرماکر خوش کردیتے۔ آپ کثیر التصانیف عالمِ دین تھے، چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ الافتاء فی جواب الاستفتاء۔ (اہل سنت کے عقائد اور معمولات کو دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے)۔

۲۔ عزیز المعظم فی اکرام المکرم (اس بارے میں کہ سیدہ کا نکاح غیر سید سے نہیں کرنا چاہیے)۔

۳۔ آفتابِ ہدایت۔ ردّ روافض میں، حج کی دعائیں

۴۔ عزیز البیان فی تفسیر القرآن۔ یہ تفسیر مستند تفاسیر کا خلاصہ مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ کے ساتھ حاشیہ پر چھپی ہے، اس تفسیر میں مفتی صاحب کے ساتھ مولانا ابو المظفر فضل الرحمن شریک تھے۔

۵۔ عہد نامہ مترجم۔ (مطبوعہ ملک سراج دین لاہور)

۶۔ اربعین عزیزی المعروف بہ احسن الاقوال فی احوال الابدال اس میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے، اس میں ستر کتب معتبر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۷۔ سیرۃ النبی الخلیل صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم (سوانح عمری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۸۔ عزیز المجلی (ترجمہ و تشریح منیۃ المصلی المعروف بہ تکمیل صلوۃ الرحمن)

۹۔ قربانی کے احکام

۱۰۔ مسائل زکوۃ

۱۱۔ نسب نامہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

۱۲۔ زاد الآخرۃ فی مسائل الجنازہ

۱۳۔ تصحیح و تحشیہ عزیز المرقاۃ الی مطالب مشکوۃ

آپ کی تصانیف دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ دینی اور فقہی معلومات کے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تھے۔ ذوالحجہ، فروری (۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء) میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ الحاج مولانا میاں محمد حسین نقشبندی مجددی (ف ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء) ساکن جھگیاں ناگرہ کلاں (مضافات لاہور) حضرت مفتی صاحب کے شاگرد اور صاحب دل بزرگ تھے۔

مفتی صاحب نے ۳۰ رجب المرجب، ۱۶ دسمبر ۱۳۸۳ھ ۔ ۱۹۶۳ء کو دار فانی سے انتقال فرمایا۔ مکرمی حکیم محمد موسی امرتسری مدظلہ نے یہ تاریخ وصال نکالی ہے:

آہ خوش سیر عبدالعزیز

۱۳۳۸ھ

(ملاحظہ ہو تذکرہ ص ۲۳۲)

۲۴۔ فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز قدس سرہ (مفتی الگوں)

اپنے دور کے زبردست فاضل، مسلک اہل سنت و جماعت کے عظیم مبلغ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد عبدالعزیز قدس سرہ فقہ حنفی کے عظیم مفتی اور ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد رکھنے والے بزرگ تھے، آپ کے ابتدائی حالات پردۂ خفاء میں ہیں۔ امین الحسنات حضرت مولانا سید خلیل احمد قادری مدظلہ خطیب مسجد وزیر خاں نے ایک

دفعہ بر سبیل تذکرہ راقم (مولانا عبدالحکیم شرف قادری) سے بیان کیا کہ حضرت مفتی صاحب ابتداءً وہابی علماء سے تعلیم حاصل کرتے رہے تھے اس لئے ان پر غیر مقلدانہ رنگ چڑھا ہوا تھا، خوش قسمتی سے حدیث شریف پڑھنے کے لئے امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ انہیں دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں داخلے کی اجازت نہ دی جائے لیکن حضرت امام المحدثین نے نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ خاص توجہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ چند ہی دنوں میں حضرت امام المحدثین کے دلائل قاہرہ اور توجہ کی برکت سے اثرات وہابیت کافور ہو گئے اور حنفیت کا ایسا رنگ چڑھا کہ حضرت مفتی عبدالعزیز قدس سرہ تمام عمر فقہ حنفی کی خدمت اور اہل باطل کی سرکوبی میں مصروف رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالی نے فراغت کے بعد ضلع لاہور کے ایک قصبہ الگوں (جو تقسیم کے بعد ہندوستان کا حصہ بن گیا) میں ۱۹۳۳ء میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم قائم کیا۔ آپ کے دورۂ حدیث کے ساتھی فقیہ جلیل حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی نے بصیر پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کا آغاز کیا۔ الگوں ایک ایسا قصبہ تھا جہاں کے باشندے احکام الٰہیہ سے بے بہرہ تھے۔ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم کے قیام سے جہاں ایک طرف، اطراف و اکناف کے طلباء اپنی علمی پیاس بجھانے لگے وہاں دوسری طرف عوام الناس میں پھیلی ہوئی جہالت کی تاریکی چھٹنے لگی اور یہ علاقہ ذکر الٰہی اور ذکر مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نور سے جگمگانے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مفتی محمد عبدالعزیز نے غلہ منڈی بوریوالہ کی جامع مسجد میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم دوبارہ جاری کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ نے حاضرین کی توجہ مدرسہ کی عمارت قائم کرنے کیطرف مبذول

۱۔ مولانا محمد عتیق الرحمن زید مجدہ، مہتمم

۲۔ مولانا محمد خلیق الرحمن، نائب مہتمم اور صدر مدرس

۳۔ حافظ شفیق الرحمن، مدرس شعبۂ حفظ

۴۔ مولانا حافظ محمد عشیق الرحمن، مہتمم مدرسہ عزیزیہ، غازی آباد (ایضاً ص ۲۳۴)

۲۵۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ العزیز

محسنِ ملت، نازشِ اہلسنت، مبلّغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ابن حضرت مولانا محمد عبدالحکیم قدس سرہما ۱۵ رمضان المبارک، ۳ اپریل (۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء) کو میرٹھ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عظیم المرتبت درویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جوش تخلص کرتے تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک پڑھ لیا، اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی بعد ازاں جامعہ قومیہ میرٹھ میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع ہی سے تبلیغ اسلام کا شوق تھا اس لئے علوم جدیدہ حاصل کرنے کے لئے اٹاوہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا اور پھر ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا، ۱۹۱۷ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا، کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہوکر اکتسابِ فیض کرتے رہے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ برما اور سیلون میں مقبول عام ہوا اور برما کے احباب سے دینی نشر و اشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کے لئے بنیاد ثابت ہوئی۔

کرائی تو سردار محمد یعقوب نے مدرسہ کو دو کنال زمین دے دی۔ ۳ مئی ۱۹۵۱ء کو عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا اور اسی سال مدرسہ نئی عمارت میں منتقل ہو گیا جو اب تک دینِ متین کی خدمات بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔

آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت میاں غلام اللہ، لاثانی شرقپوری قدس سرہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۴ء میں دوبار حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب نے عمر بھر علوم دینیہ کی تعلیم اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ میں صرف کی، آپ کے شاگرد آج بھی پاکستان کے مختلف شہروں میں خدمات دین میں مصروف ہیں، چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابو الفیض مولانا علی محمد نوری، وہاڑی۔

۲۔ ابو الیسر مولانا محمد اسمٰعیل علیہ الرحمۃ، بوریوالہ

۳۔ مولانا زبیر احمد، چک ۴۱۵ بوریوالہ

۴۔ ابوالرضا مولانا محمد حسن، منڈی ہیرا سنگھ

۵۔ مولانا محمد علی، چک ۴۸۳، بوریوالہ

۶۔ مولانا محمد شریف نوری کھروڑ پکا

۷۔ مولانا سید محفوظ الحق شاہ، بوریوالہ

۸۔ مولانا سید عبدالخالق، چک ۲۶۷بن ضلع ساہیوال

۱۹۶۰ء میں حضرت مفتی صاحب پر ذیابیطس کا شدید حملہ ہوا، علاج کارگر نہ ہو سکا اور ۱۰ ذیقعدہ، ۲۶ اپریل (۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) بروز بدھ چار بجے شام آپ کا وصال ہو گیا اور بوریوالہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ بحمدہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان مدرسہ عربیہ احیاء العلوم بوریوالہ کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایماء وارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ محسنِ ملت امام اہل سنت آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ،اپنے تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عبد علیم کے علم کو سنکر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

حضرت مولانا صدیقی قدس سرہ کو اپنے شیخ طریقت سے کمالِ عقیدت تھی۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت امام رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو	قسیم جامِ عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
غریقِ بحرِ الفت ، مست جام بادۂ وحدت	محبّ خاص ، منظورِ حبیب کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا	جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو
عرب میں جاکے ان آنکھوں نے دیکھا جسکی صورت کو	عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں	امام اہل سنت نائبِ غوث الوری تم ہو
علیم خستہ اک ادنی گدا ہے آستانہ کا	کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

جب یہ اشعار سنا چکے تو امام اہل سنت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

" مولانا آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں ؟ آپ اس دیارِ پاک سے تشریف لارہے ہیں ، یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے بھی لائق نہیں ، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے ، وہ حاضر کئے دیتا ہوں "۔

اس واقعہ اور مندرجہ بالا قصیدے کو غور سے پڑھیئے اور دیکھئے کہ آج کل وہ خلوص و محبت کہاں جو ان مقدس ہستیوں کا طرہ امتیاز تھا۔

حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب ، بلند پایہ ادیب اور عظیم مفکرِ اسلام تھے۔ جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسدان فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ آپ تقریبا دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہلِ لسان ورطۂ حیرت میں رہ جاتے آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دینِ فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرّف بہ اسلام ہوئے ، یہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے ، جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا جس میں قابل ذکر ممالک انگلستان ، فرانس ، اٹلی ، برٹش ، گیانا ، مڈغاسکر ، سعودی عرب ، ٹرینی ڈاڈ ، امریکہ ، کینیڈا ، فلپائن ، سنگاپور ، ملائشیا ، تھائی لینڈ ، انڈونیشیا اور سیلون تھے ، اس کے علاوہ برما ، سیلون ، ملائشیا ، انڈونیشیا ، تھائی لینڈ ، انڈو چائنا ، چین ، جاپان ، ماریشس ، جنوبی و مشرقی افریقہ کی نو آبادیات ، سعودی عرب ، عراق ، اردن ، فلسطین ، شام اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کئے ، تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت اسلام دی اور ہر زبان میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بورنیو کی شہزادی Her Highness princess Gladys Palmer Khairun nisa of Sarawark State Borneo ماریشس جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات Governor Merwate Tifefrnch Statesman اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک خاتون وزیر (Murifl Donawa Fatima) مشرّف بہ اسلام ہوئے۔

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ، مراکش کے غازی عبدالکریم ، فلسطین کے مفتی

اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البناء، سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مروانی، کولمبو کے جسٹس، ایمن ٹی اکبر، سنگاپور کے ایس این دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی جارج برناڈ شا آپ کی علمی اور روحانی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔

۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈشا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برناڈ شا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیا کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفلِ مکتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برناڈ شا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت، کراچی شمارہ محرم و صفر ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوچکا ہے۔

حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ تعالی نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کے لئے ہر پہلو پر توجہ دی، متعدد مساجد تعمیر کرائیں جن میں سے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور، اور مسجد ناگریا جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ عربی یونیورسٹی ملایا، پاکستان نیوز مسلم ڈائجسٹ، ٹرینی ڈاڈ، مسلم اینوول (جنوبی افریقہ) کی بنیاد آپ ہی نے قائم کی۔ ۱۹۴۹ء میں سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھ مت اور سکھ مذاہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم جمع کر کے لادینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی، تمام مذاہب کے راہنماؤں کی اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہزاگز ایلٹڈ ایمی نینس (His Exalted Eminecne) کا خطاب دیا گیا۔ نیز مصر میں تنظیم بین المذاہب الاسلامی کے نام سے مختلف مکاتب فکر کی ایک تنظیم قائم کی۔

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۷ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ رابطۂ اسلامیہ ہند کے رئیسِ وفد اور ملایا، شرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی

حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حُجّاج پر عائد کردہ ٹکسوں کے خاتمہ اور حُجاج کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلۂ علماء، حکومت سعودیہ کے عمائدین اور عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے، جن کا خاصا اثر ہوا۔ ان مذاکرات کی تفصیل البیان کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں اخوان المسلمین (مصر) کے بانی حسن البناء نے ابتدائیہ لکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم قدس سرہ کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا، چنانچہ لکھتے ہیں

" کما کان من فضل اللّٰہ و توفیقہ انا التقینا منذ عامین فی الارض المقدسۃ وعند البیت العتیق بصاحب الفضیلہ والداعیۃ الاسلامی الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی ... و نحن نسئل اللّٰہ تبارک و تعالیٰ ان یجزئ الاستاذ المفضال الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی عن المسلمین عامۃ خیر جزاء "

(ترجمہ) " اللہ تعالی کے فضل و کرم سے دو سال ہوئے ہماری ملاقات ارض مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ہوئی (کچھ عبارت کے بعد) ہم اللہ تبارک و تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی صاحب فضیلت استاذ شیخ محمد عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے "۔

تبلیغ اسلام کی قابل قدر خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ دنیا کے کسی گوشے میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھایا جاتا تو آپ بے چین ہوجاتے۔ تحریک خلافت، شدھی تحریک کے رّد اور تحریک پاکستان میں مردانہ وار حصہ لیا۔ صرف پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی تحریک پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ مصر اور انگلینڈ میں کانگریسی ایجنٹوں سے مناظرہ کئے، مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر علماء کی ایک جماعت کے قائد کی حیثیت سے حج کے موقع پر

مکہ مکرمہ جا کر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی اہمیت کو واضح کیا۔ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، حسن البناء قائد اخوان المسلمین، سید عبداللہ شاہ (اردن) اور دیگر عرب لیڈروں کو تحریکِ پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس میں شرکت فرمائی اور علی الاعلان تحریک پاکستان کی حمایت فرمائی۔ قائد اعظم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے عالمی دورے سے واپسی پر کراچی میں عظیم کانفرنس منعقد کی جس میں سندھ، پنجاب اور مشرقی پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے لئے آئینِ اسلامی کے جامع دستور کا مسودہ تیار کر لیا گیا، علماء نے تائیدی نوٹ لکھے اور حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سرکردگی میں قائد اعظم کی خدمت میں مسودۂ آئین پیش کیا گیا۔ قائد اعظم نے تین گھنٹہ تک مسودۂ آئین کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی، حضرت مولانا نے انہیں اس خوش اسلوبی سے مطمئن کیا کہ قائد اعظم نے یقین دلایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد یہ آئین نافذ کر دیا جائے گا اس کے بعد جلد ہی ان کی وفات ہو گئی اور قائد اعظم علماء کرام سے کیا ہوا یہ وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔ یاد رہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم نے پہلی نماز عید آپ ہی کے اقتداء میں ادا کی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ نے تالیف و تصنیف پر بھی خاطر خواہ توجہ دی اور کثیر التعداد، قابلِ فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا لیکن افسوس ان میں سے بہت سی تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں اور جو طبع ہوئیں ان کا شایانِ شان اہتمام نہ کیا گیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ ذکر حبیب (دو حصے)

۲۔ کتاب تصوف

۳۔ بہارِ شباب (نوجوانوں کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب)

۴۔ احکامِ رمضان (یہ تصانیف اردو میں ہیں)

۵۔ اسلام کی ابتدائی تعلیمات

۶۔ اسلام کے اصول

۷۔ اسلام اور اشتراکیت

۸۔ مسائل انسانی کا حل

۹۔ اسلام میں عورت کے حقوق

۱۰۔ مکالمہ جارج برناڈ شا

۱۱۔ مرزائی حقیقت کا اظہار۔

(یہ تصانیف انگریزی میں ہیں)

چالیس سال تک دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے کر ۲۲ ذوالحجہ ۱۲ اگست (۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء) کو مدینہ منورہ میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اور تعلیمات اسلامیہ کی تبلیغ اسلام و اشاعت کے انعام کے طور پر جنت البقیع میں جگہ ملی، اس نابغہ روزگار ہستی کے وصال سے تاریخ اسلام کا ایک روشن ورق الٹ گیا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے محبوب خلیفہ اور داماد حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ بین الاقوامی تبلیغی جماعت ورلڈ فیڈریشن آف سلامک مشنز کے بانی و صدر اور فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی (صدر جمعیت علماء پاکستان) نے نہ صرف حضرت علامہ صدیقی قدس سرہ کے مشن کو جاری رکھا بلکہ اسے آگے بڑھایا، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی وہ حق گو، بیباک اور مردِ مجاہد ہیں جن کی جرأت ایمانی کو موافق و مخالف نے تسلیم کیا ہے، ان دنوں پاکستان میں نظامِ مصطفی

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نفاذ کے لئے تمام تر مساعی کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ ملک و ملت کی بقاء و استحکام اور عزت و آبرو کار از صرف اور صرف آئینِ اسلامی کے عملی نفاذ میں ہے۔

حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ارادت بھی بیحد وسیع تھا اس عاجز کے والد بزرگوار علیہ الرحمۃ کے خالہ زاد برادر عالی قدر ساکن محبوب نگر حضرت میر محبوب علی صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مجاز اور خلیفہ تھے اپنے پیرومرشد کا ذکر بڑے اخلاص اور محبت کا ساتھ کرتے تھے۔

اسی طرح مدراس کے عزیز دوست جناب سیٹھ امین الماس ام۔اے (فارسی) لیکچرار مدرسہ اعظم (مدراس) کی خوش دامن صاحبہ حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی کی مرید ہیں۔ پاکستان کے صدر جمعیت علماء مولانا شاہ احمد نورانی امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین سے گذشتہ سال ۱۰ ستمبر ۱۹۹۴ء ٹورنٹو (کینڈا) میں میلاد النبی کانفرنس میں ملاقات ہوئی اور انگریزی زبان میں آپ کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ صورت اور سیرت کے اعتبار سے اسلاف کرام کی یادگار ہیں۔ کثّر اللہ امثالھم۔ (سوانحی خاکہ تذکرہ مذکورہ ص ۲۳۶ سے ماخوذ ہے)

(اللہ تعالی ان جیسی برکت والی ہستیوں کو کثیر تعداد میں پیدا کرے! آمین بحرمۃ سید المرسلین)

۲۶۔ فاضلِ یگانہ مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک کھوڑوی قدس سرہ

ادب عربی کے بے نظیر فاضل، مؤلف کتب کثیرہ مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک کھوڑوی المعروف علامہ صادقی بن مولانا محمد عالم بن گوہر خان رحمہم اللہ تعالی موضع کھوڑی متصل ڈنگہ (ضلع گجرات) میں خاندان گوجر چوہان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد عالم اپنے دور کے مقتدر عالم دین تھے اور فقہ، منطق، حساب اور خوش نویسی میں کامل دسترس رکھتے تھے، حضرت مولانا جان محمد قادری لاہوری رحمۃ اللہ تعالی کے مرید اور مجاز تھے۔

مولانا محمد عبدالمالک نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی اور برادر مکرم مولانا غلام غوث سے حاصل کی، اعلی تعلیم کے لئے استاذ الکل مولانا شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ تعالی کی خدمت میں چک عمر (نزد لالہ موسی) حاضر ہوئے اور نو دس برس تک اکتساب علوم کیا۔ تکمیل علوم کے بعد محکمہ مال میں مددگار پٹواری کی حیثیت سے ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے افسر مال کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ آپ کے علم و فضل کا شہرہ نوابِ صادق محمد خان خامس (بہاولپور) تک پہنچا تو انہوں نے آپ کو بہاولپور بلایا اور اپنی ریاست میں مشیرِ مال مقرر کیا اور اس کے علاوہ بہت سی ذمہ داریاں سپرد کیں۔ اس جگہ آپ نے قریبا ۳۵ سال بکمال حسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیئے۔

شہر میں ایک قطعۂ زمین حاصل کرنے کے لئے مسلمان اور ہندو دونوں کوشاں تھے، آپ نے حالات کی نزاکت کے تحت نواب صاحب کی اجازت سے وہاں مسجد بنوادی اور اس کا نام مسجد اقصےٰ رکھا اور نواب صاحب سے اس کا افتتاح کرایا، نہر صادقیہ کے نقشہ اور کھدوائی کا آپ ہی نے انتظام کیا اس طرح آپ نے بہت بڑے ریگستانی خطے کو سیراب کرنے کا اہتمام کردیا۔

مولانا محمد عبدالمالک، قادر الکلام شاعر اور ادبِ عربی کے فقید المثال عالم تھے۔ فارسی

میں نواب محمد صادق والی بہاولپور کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ لکھا جس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ہر ایک مصرعہ سے تاریخ (۱۳۱۰ھ) نکلتی تھی، اگر دو مصرعوں کے حروف منقوطہ یا غیر منقوطہ کو جمع کیا جاتا تو بھی یہی تاریخ نکلتی، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

مصلحِ جود و صداقت منبعِ سرِ نہاں　　ہمدمِ عدل و جلالت، صادقِ صاحبقراں

مقطع یہ ہے:

ایں قصیدہ گفت مالک سر عالم لا جواب　　آفریں صد مرحبا احسنت صد گوید جہاں

علامہ صادقی نے عرفی کی زمین میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں ہدیۂ نعت پیش کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے برزدہ بر عرشِ بریں نقشِ قدم را　　و ز نام تو علمِ ازلی لوح و قلم را
اے فخر بذاتِ تو صنادیدِ عرب را　　وے ناز بنامِ تو اقالیمِ عجم را
مشّاطہ تقدیر، رخ حسن تو آراست　　تا ہست تماشا بکند حسنِ عدم را
فطرت، بسر زانوئے اندیشہ نہد سر　　تا جلوہ بہ بیند از حدوثِ تو قِدم را
ہر گہ کہ تصور بادب دست تو بوسد　　آرام ز ہر گونہ دہد درد و الم را
آن کس کہ گل روضۂ خضرائے بوید　　فارغ کند از مشک ختن قوت شم را
در بیشہ، بنام تو پناہ جست، اگر کس　　برپائے خود افگند سر شیرِ اجم را
اے فخرِ رسل جز تو پنا ہے بکہ جویم　　چوں چرخ نہد برسرم آفات عمم را
نوراست وجودت کہ بیک جنبشِ مژگاں　　طے کردہ مقامات فلک را و حرم را
بر درگہ تو صادقی آورد پناہے　　بنواز بہ الطاف، در افتادہ غم را

۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں نواب صاحب کی معیت میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے دربار رسالت میں منظوم ہدیہ سلام پیش کیا جس کا ایک ایک لفظ فراوانی شوق اور گہری عقیدت کا پتہ دیتا ہے، ذیل میں شعر پیش کئے جاتے ہیں:

السلام اے نیّرِ تابندۂ برجِ وجود　　السلام اے گوہرِ رخشندہ انعام وجود
السلام اے مظہرِ حق مصدرِ اسرار غیب　　کز تو حق ظاہر شدہ در دیدۂ اہل شہود

واپسی پر حضرت مولانا محمد سلام اللہ رحمۃ اللہ تعالی نے قطعہ تاریخ لکھا:

شکر ذاتِ کبریا خوش آمدید　　مرحبا و حبذا خوش آمدید
حج بیت اللہ وہم بیت رسول　　شد بہ لطفِ حق ادا خوش آمدید
از حریم روضۂ خیر الانام زائرا!　　صلّ علی خوش آمدید
صد مبارک لک مبارکباد باد　　صد سلام و صد دعا خوش آمدید
شکرِ حق ہر دو فضیلت شد ادا　　از عطیاتِ خدا خوش آمدید
گفت شائق مصرعِ سال قدوم　　حاجیا صد مرحبا خوش آمدید

۱۳۳۳ھ

یا الٰہی! ایں سعادت از کرم　　بہرِ شائق ہم عطا خوش آمدید

مولانا محمد عبدالمالک با عمل اور صاحبِ حال عالم دین تھے۔ آپ اپنے اوراد میں قصیدہ بردہ شریف بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ آپ کو اس قصیدہ مبارکہ کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ پہلے "اطباق الشّرده فی شرح القصیدۃ البردہ" کے نام سے ایک شرح لکھی لیکن اس سے تشنگی دور نہ ہوئی تو "حسن الجردہ فی شرح القصیدۃ البردہ" کے نام سے دوبارہ ایک مبسوط شرح لکھی جس سے آپ کے علمی جوہر خوب خوب نمایاں ہوئے۔ شرح کے مقدمہ میں قصیدہ مبارکہ کی افادیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں نے بارہا آزمایا ہے کہ یہ حصول حاجات اور دفع مصائب کے لئے تیر بہدف ثابت ہوا ہے۔ جب ایسا ثابت ہے کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کے حاجات حاصل ہوئے اور ہزاروں مصائب اس کے پڑھنے سے رفع ہوئے ہیں تو انکو اتفاق پر حمل کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔ اس کے منکرین وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو اسلام سے

واسطہ نہیں ہے یا جو اس کا تجربہ نہیں کرتے"

اس شرح میں آپ نے اردو ترجمہ، حلِ لغات اور بیانِ مطلب کے علاوہ ہر شعر کا ترجمہ فارسی شعر میں کیا ہے۔

آپ کی تیسری اہم تصنیف الجواہر المضیۂ فی شرح القصیدۃ الغوثیہ ہے۔ اس میں قصیدۂ غوثیہ کی مبسوط شرح اور مسائل تصوف کی سیر حاصل بحث ہے۔ نیز قصیدۂ مبارکہ پر صرفی اور نحوی طور پر کئے جانے والے اعتراضات کو متقدمین شعراء کے حوالے سے بڑی خوش اسلوبی سے رفع کیا ہے۔ آپ کے معاصر حضرت مولانا محمد اعظم نوشاہی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

" موجودہ زمانہ میں قصیدۂ شریفہ کی ایک شرح جناب مولوی فاضل ابوالبرکات عبدالمالک صاحب مشیرِ مال، ریاست بہاولپور نے لکھی ہے جو بس غنیمت ہے، تحقیقِ الفاظ و معانی کی خوب داد دی ہے، صرفی نحوی، عروضی، قراءتی اعتراضوں کو بدلائلِ عقلی و نقلی اس خوبی سے اٹھایا ہے کہ اگر ترکِ ادبِ اسلاف مانع نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ مذاقِ زمانہ کے مطابق یہ شرح سب سے اچھی ہے"۔

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں

۴۔ شرح محمدی (علم میراث) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی

۵۔ شرح درود کبریت احمر

۶۔ النور

۷۔ المزمل۔ یہ دونوں رسالے سیرت پاک پر ہیں

۸۔ النکاح۔ مسائل نکاح و طلاق

۹۔ النبوۃ والرسالۃ، نبوت و رسالت کو عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

۱۰۔ صادق الارشادفی شرح بانت سعاد، قصیدۂ "بانت سعاد" کی شرح

۱۱۔ شاہان گوجر، مطبوعۂ معارف اعظم گڑھ، قوم گوجر کی مستند تاریخ ہے۔

علامہ صادقی مولانا محمد عبدالمالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وصال ۲۶ جمادی الثانیہ ۲۱ جولائی ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء بروز سوموار موضع کھوڑی (ضلع گجرات) میں ہوا۔

مولوی غلام احمد اختر مؤرخ سرشتہ تالیفات بہاولپور نے قطعہ تاریخ کہا:

بست رخت زندگی را سوئے درگاہ صمد — کے نگہ بر روئے عبدالمالک مالک رسد
مالک ملک فصاحت جر با عیش ابد — جست اختر از فلک تاریخِ ترحیل و بگفت

۱۳۶۰ھ

مولانا حکیم محمد مظفر علی مدظلہ ساکن چک عمر (گجرات) نے درج ذیل تاریخ وفات کہی:

فخر گوجر عبد مالک نیک نام — کرد رحلت جانب دارالسلام
بود عالم با عمل از اب وجد — فیض یاب از خانہ اش ہر خاص و عام
گفت شائق با مظفر دیں چنیں — کن رقم تاریخ آں "ذی احترام"

۱۳۶۰ھ (ایضاً ۲۷۶)

۲۷۔ فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی قدس سرہ

مولانا عبد الواحد عثمانی ابن مولانا حکیم ابو المنظور عبدالماجد بدایونی (برادر اکبر مولانا عبدالحامد بدایونی) رحمہم اللہ تعالیٰ بدایوں میں پیدا ہوئے، علمی ماحول اور ناز ونعم میں پرورش پائی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، مدرسہ قادریہ، بدایوں اور مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں اجلۂ اساتذہ حضرت مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی اور مولانا حبیب الرحمن قادری سے استفادہ کیا، پھر مولانا مفتی قدیر بخش بدایونی کے پاس مدرسۂ تعلیم الاسلام، جے پور میں حاضر ہو کر دو تین سال میں تکمیل کی، مولانا مفتی قدیر بخش نے ان کے لئے بڑا آرام دہ انتظام کیا تھا، مولانا عبدالواحد

بدایونی اپنے استاذ مکرم کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا کرتے تھے، مولانا عبدالماجد بدایونی انہیں جامعہ ازہر، مصر بھیجنا چاہتے تھے لیکن ان کی وفات سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا البتہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی مولوی فاضل کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں عاشقِ رسول حضرت مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی ابن تاج الفحول حضرت مولانا شاہ محبّ رسول عبدالقادر بدایونی قدس سرہما) سے بیعت تھے اور مرشد گرامی سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی رحمۃ اللہ تعالی نے کچھ دنوں ماہنامہ "المنظور" بدایوں سنبھالا پھر مولانا مظہر الدین شیر کوٹی (م ۱۹۳۹ء) مالک و مدیر سہ روزہ الامان (دہلی) نے انہیں اپنے پاس بلالیا اور الامان کی ادارت ان کے سپرد کر دی، ان دنوں تحریک پاکستان بڑے زور شور سے جاری تھی، مولانا عبدالواحد نے الامان اور دیگر جرائد و اخبارات میں مضامین لکھے اور شد و مد سے نظریہ پاکستان کی حمایت کی۔ قیامِ پاکستان تک دہلی میں رہے، وہاں سے بدایوں اور پھر کراچی آگئے، لالو کھیت میں خاموشی اور گمنامی سے وقت بسر کیا، کچھ دنوں محکمہ آباد کاری میں ملازم رہے۔ کئی اسکولوں اور مدرسہ سے متعلق رہے، پنجاب یونیورسٹی کے السنۂ شرقیہ کے ممتحن بھی رہے۔

حضرت مولانا عبدالواحد بدایونی ادب عربی کے زبردست فاضل اور میدانِ خطابت کے شعلہ بیان مقرر تھے، موزون طبیعت کے مالک تھے، کبھی کبھی نعت اور سلام لکھا کرتے تھے، الامان، دہلی کی ادارت کے زمانے میں ایک کتاب "اسلامی مساوات" لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی، کراچی میں آپ کے والدِ ماجد کے مریدین اور معتقدین کی خاصی تعداد تھی لیکن آپ نے کبھی ان سے رابطہ نہیں بڑھایا۔ قدرت نے ان کے مزاج میں کمال استغناء ودیعت فرمایا تھا۔

۵ ذیقعد، ۹ نومبر (۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) کو کراچی میں مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی

رحمۃ اللہ تعالی کا وصال ہوا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری، مکرمی حکیم محمد موسی امرتسری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"۹ نومبر ۷۵ء کو مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی کا انتقال ہو گیا، یہ مولانا عبدالماجد بدایونی کے فرزند تھے۔ بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے، لالوکھیت کوارٹر میں رہے، خاندان، سجادگی اور علم و فضل کو حصولِ تعارف اور اعزاز کا ذریعہ نہیں بنایا، گم نامی میں زندگی گزاردی، تقسیم سے پہلے الامان و وحدت کے ادارہ سے وابستہ تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ اور اپنے اسلاف کے صحیح جانشین تھے، مولانا فضلِ رسول بدایونی کے خاندان میں اب کوئی شخص عربی جاننے والا نہیں رہا، یہ آخری رکن تھے، دو سو سال سے جس خاندان میں قال اللہ، قال الرسول کا چرچا تھا اب بالکل معدوم ہوگیا"۔

بدایوں میں اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی قدس سرہ کے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی (بڑے صاحبزادے) اور مولانا سالم میاں سجادہ نشین، تشریف فرما ہیں جو حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے علمی اور روحانی جانشین ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۷۷)

(مولانا عبدالہادی معروف بہ ہادی القادری صاحب نے ۱۹۹۴ء میں بدایوں میں انتقال فرمایا۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں عربی کے استاذ تھے۔ ابو الخیرات عفرلہ)

۲۸۔ عالمِ باعمل حضرت مولانا علی محمد جماعتی فیروز پوری قدس سرہ

حضرت مولانا علی محمد ابن مولوی احمد الدین، موضع فتو والا ضلع فیروز پور (بھارت) میں تقریبا ۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آباء و اجداد نہایت نیک سیرت تھے۔ آپ نے قرآن کریم اپنے والدِ ماجد سے پڑھا اور جب حضرت مولانا محمد حسین ساکن انگہ

شریف ضلع سرگودھا (تلمیذ رشید امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان قدس سرہ) بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے فیروز پلٹن میں تشریف لائے تو درس نظامی کی تحصیل کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ معمول یہ تھا کہ مغرب کی نماز پلٹن میں ادا کرتے اور رات کے بارہ بجے اسباق سے فارغ ہو کر واپس آتے، نیز روزانہ گائے کا دودھ استاد کی خدمت میں پیش کرتے۔ مولانا محمد حسین آپ پر نہایت مہربان تھے۔ مولانا علی محمد کو بھی ان سے حد درجہ عقیدت تھی، وہ نہ صرف ایک بلند پایہ فاضل تھے بلکہ ولی کامل بھی تھے، دوران تدریس ہاتھ ہلا ہلا کر فرمایا کرتے کہ "مولوی علی محمد! ہوش کرو، فتنے آئے، فتنے آئے" مولانا فرمایا کرتے کہ ہم نے آپ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتے اپنی انکھوں سے دیکھی۔ اسی زمانہ میں مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ تعالی بھی آپ کے پاس قیام پذیر رہے اور مولانا محمد حسین قدس سرہ سے اسباق پڑھ کر واپس آجاتے اور آپ سے بھی استفادہ کرتے۔

مولانا علی محمد قدس سرہ فتو والا سے فرائض امامت و خطابت کیلئے فیروز شیڈ میں آگئے اور سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ نصف بخاری شریف پڑھی تھی کہ استاد مکرم کا وصال ہوگیا چنانچہ آپ ہمہ تن خدمتِ دین میں مصروف ہوگئے، علمِ دین کا شغف دیکھئے کہ آپ علوم دینیہ کی تحصیل میں تقریبا تیس سال تک منہمک رہے۔ فیروز پوشیڈ میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک معروف شیخ طریقت حضرت سید محمد اسمعیل شاہ قدس سرہ العزیز (کرمانوالہ) آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا فرماتے رہے، شاہ صاحب آپ کو ولی کامل سمجھتے تھے اور اس کا اظہار اپنے مریدین میں بھی کیا کرتے۔

آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں یہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرہ کے دست اقدس پر بیعت تھے۔ پیر و مرشد کی آپ پر نظر عنایت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ لائل پور سے کوٹ ال گڑھ قصور تشریف لے آئے اور یہاں مسجد چھتی گلی میں فرائض امامت انجام دینا شروع کر دیا نیز کوٹ حلیم خان کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ مسجد چھتی گلی میں بھی آپ نے سلسلۂ تدریس جاری رکھا اور مسلسل کئی سال تک فارسی، صرف و نحو اور تفسیر کا درس دیتے رہے۔ کتب بینی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، آپ نے کئی مرتبہ بخاری شریف پڑھی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آج تک جس مقصد کے لئے اسے پڑھا ہے، بحمدہٖ تعالی ہمیشہ کامیاب رہا ہوں۔ دینی معاملات میں آپ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رعایت نہ کرتے اور ڈنکے کی چوٹ صحیح مسئلہ بیان کرے، فرقہ وہابیہ کے تو آپ جانی دشمن تھے اور مسائل متنازعہ کے حل کے لئے دلائل کے انبار لگادیا کرتے تھے۔

قصور میں آپ سے جن تلامذہ نے استفادہ کیا ان میں صوفی سردار احمد (امام وخطیب کوٹ حلیم خان) مولوی برکت اللہ (مان) شاہ محمد چشتی خوشنویس اور حافظ عبدالحق قابل ذکر ہیں۔ آپ کے ہاں تین صاحبزادے ہوئے جو صغر سنی ہی میں انتقال کر گئے۔

(۲۶ ربیع الثانی، جولائی ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) بروز ہفتہ صبح ساڑھے آٹھ بجے آپ کا وصال ہوا اور کوٹ ال گڑھ کے بڑے قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔

آپ کے نواسے حافظ عبدالحق زید مجدہ اور عبدالخالق آپ کا سالانہ عرس باقاعدگی سے کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۸۷)

۲۹۔ ثانی لاثانی حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرہ العزیز

حضرت ثانی لا ثانی میاں غلام اللہ شرقپوری ابن حضرت میاں عزیز الدین قدس سرہما ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں شرقپور شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے بھائی شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ ابھی پانچ سال کے تھے کہ والدِ گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تمام تر پرورش حضرت میاں شیر محمد

شرقپوری قدس سرہ نے کی۔ چونکہ حضرت میاں صاحب کے اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے آپ نے تمام تر توجہ انہی پر صرف فرمائی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے طِبّیہ کالج لاہور سے حکیمِ حاذق کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد شرق پور شریف میں علاج معالجہ شروع کر دیا۔ حضرت میاں صاحب قدس سرہ انہیں روحانی طبیب بنانا چاہتے تھے اس لیئے اس شغل سے منع فرمادیا۔ آپ نے یہ سلسلہ ترک کر کے میونسپل کمیٹی میں بطور سیکریٹری ملازمت اختیار کر لی۔ حضرت میاں صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت میاں صاحب نے پندرہ سال کی عمر میں آپ کی شادی کر دی اور نہ صرف اپنی تمام زمین حوالے کر دی بلکہ ان کے نام لگوادی، ایک دفعہ حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ کے بھتیجے حکیم بابا اکرام خان نے حضرت میاں صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا!

ایک دفعہ حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ کے بھتیجے حکیم بابا اکرام خان نے حضرت میاں صاحب سے عرض کیا۔ آپ کے بعد کیا ہوگا؟ حضرت میاں صاحب نے حضرت میاں غلام اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "وہ جو ہے" حکیم صاحب نے عرض کیا ان کی طبیعت تو تبلیغ وارشاد کی طرف مائل نہیں ہے۔ آپ نے پُر جوش لہجے میں فرمایا۔

"میں اسی کو دوں گا"

اور واقعی ایک مرد کامل کی نگاہ نے ان میں وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ دیکھنے والے حیران وششدر رہ گئے۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے بوسہ زن بر آستانِ کاملے

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالی نے وفات سے پہلے آپ کو خلافت اور جانشینی شرف بخشا۔ آپ نے حضرت میاں صاحب کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھنے نہ دیا اور

اسی طرح تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں دُور دراز کے سفر بھی کئے اور خلق خدا کو فیض یاب کیا۔ آپ کی شخصیت پُر کشش اور گفتگو پُر تاثیر ہوا کرتی تھی۔

ایک دہریہ لڑکا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے صرف اتنا فرمایا "نماز پڑھا کرو" اس مختصر سے جملے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ لڑکا دینِ متین کا پابند ہو گیا اور وجودِ باری تعالی پر ایسی دلیلیں قائم کرتا کہ سننے والے حیران رہ جاتے۔

حضرت میاں صاحب سادہ لباس زیب تن فرماتے اور کسر نفسی کا یہ حال تھا کہ صاحب سجادہ ہونے کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اسی قدر ہوں کہ جو کوئی حضرت اعلی کا مہمان آئے اس کے ہاتھ دھلا دیا کروں اور کھانا کھلا دیا کروں۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ نے شرق پور شریف میں جو متعدد مساجد تعمیر کرائی تھیں انہیں آپ نے پختہ بنا دیا اور بعض مساجد کو وسیع کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک مدرسہ تعمیر کرایا جس میں دینی تعلیم کے لئے بہترین اساتذہ کو متعین کیا جو اب بھی جاری ہے اور "درس حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت الحاج عبدالرحمن رحمۃ اللہ تعالی نے آپ کو ثانی لا ثانی کا لقب دیا جو زبان زد خاص و عام ہے۔

آپ کے دو صاحبزادے حضرت میاں غلام احمد مدظلہ (فرزند اکبر) اور حضرت میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری مدظلہ (فرزند اصغر) آپ کے طریق پر قائم ہیں اور دینِ متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی نے ایک تبلیغی ادارہ دارالمبلغین قائم کیا ہے جس سے علماء اور حفاظ مستفید ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ کی سرپرستی میں ماہ نامہ نور اسلام کا امام اعظم نمبر (شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء) شائع ہوا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں اتنا عمدہ اور ضخیم نمبر آج تک پاک و ہند میں شائع

نہیں ہوا ہوگا، مولائے کریم ان حضرات کے ذریعہ دینِ اسلام کو عام فرمائے۔

حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری متعدد بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہوئے اور تین مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ پہلی دفعہ اپنی طرف سے دوسری مرتبہ والدۂ ماجدہ کی طرف سے اور تیسری مرتبہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ تعالی کی طرف سے حج کیا، تقریباً تیس سال تک تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۷ ربیع الاول، ۳۰ اکتوبر (۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) بروز بدھ تین بجے دن محبوبِ حقیقی سے جا ملے اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ تعالی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ ص ۲۹۶)

۳۰۔ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری قدس سرہ العزیز

بوالمظفر اے کہ عبدالمصطفی مصدر ایقانِ عالی دودماں
با غلامانِ محمد نستبش در شریعت رہبرِ پیر و جواں
مفتی اعظم زہے بے قیل و قال ایکہ در لاہور چوں پیشینگاں

حضرت مولانا مفتی ابو المظفر عبدالمصطفی غلام جان ابن مولانا احمد جی ابن مولانا محمد عالم ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۶ء میں مقام اوگرہ تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور فارسی نظم و نثر اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، اس کے بعد شوقِ علم میں دہلی اور سہارن پور کی درس گاہوں میں بھی گئے۔ مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ کے اساتذہ سے بھی کسبِ علم کیا۔ مولانا غلام رسول (انہی ضلع گجرات) سے حمد اللہ اور زواہد ثلاثہ کا درس لیا۔ مینڈھو ضلع اعظم گڑھ اور گلاوٹی ضلع بلند شہر میں معقول کی کتابیں پڑھیں۔ ٹونک میں حضرت علامہ حکیم سید برکات احمد سے ریاضی اور معقولات میں استفادہ کیا۔ ۱۳۳۵ھ میں مدرسۂ عالیہ رامپور سے درجہ تکمیل پاس کیا۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری آپ پر بے حد

شفقت فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا شہرہ سن کر مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف پہنچے اور شمس العلماء مولانا ظہور الحسن فاروقی رام پوری اور صدر الشریعۃ مولانا حکیم محمد امجد علی (مصنف بہارِ شریعت) سے درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا دورہ کیا۔ ۱۳۳۷ھ کے جلسۂ دستار بندی میں امامِ اہلِ سنت کے دستِ اقدس پر مرید ہوئے اور پھر خلافت سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں مدرس اور مسجد بی بی جی (بریلی) میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا خواجہ محمود تونسوی کی دعوت پر وہاں سے مدرسہ سلیمانہ تونسہ شریف جاکر کچھ عرصہ کام کیا۔ ایک سال مکھڈ شریف رہے، اس کے بعد خان محمد امیر خان رئیس شیشلیہ ضلع ہزارہ نے آپ کو بلا کر عہدۂ قضا پر مامور کیا لیکن کچھ دن بعد ہی آپ لاہور چلے گئے اور جامعہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس اور مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ میں بریلی شریف اور اجمیر شریف حاضری دیتے ہوئے حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ شب بیداری، یتیموں بیواؤں کی دستگیری اور اپنا کام خود کرنا آپ کے اوصاف تھے۔ دینِ متین کی تبلیغ و ترویج کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ آپ کے تصانیف یہ ہیں:

۱۔ فتاوی غلامیہ

۲۔ نور العینین فی سفر الحرمین

۳۔ سیف رحمانی علی راس القادیانی

۴۔ دیوانِ غلامیہ

۵۔ نغمۂ شہادت (یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہیں)

۶۔ القول المحتاط فی جواز الحیلۃ والا سقاط

۷۔ رسالہ اذان علی القبر و تعدد الجمعہ فی مساجد المصر (طبع ہو چکی ہیں)

۲۵ محرم الحرام، یکم اگست (۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء) کو کلمۂ شریف اور صلوۃ و سلام کا ذکر کرتے ہوئے عین اس وقت جب مؤذن نے اذانِ ظہر کی آواز بلند کی، آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ دوسرے دن غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مزار کے جنوبی جانب دفن کیۓ گئے۔ نماز جنازہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد رحمۃ اللہ نے پڑھائی۔ فاضل نوجوان حضرت مولانا مظفر اقبال سابق مدرّس دارالعلوم جامعہ نعمانیہ لاہور آپ کے جانشین ہیں، مکرمی الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے "معارف آگاہ مفتی اعظم" (۱۹۵۹ء) تاریخ عیسوی اور "فوت شد مفتی جہاں" تاریخ ہجری کہی ہے۔ (۱۳۷۹ھ) (تذکرہ ص ۲۹۹)

۱۳۱۔ مؤرخِ اہل سنت مولانا پیر غلام دستگیر نامی قدس سرہ

حضرت پیر غلام دستگیر نامی ابن پیر حامد شاہ (م ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء) رحمہما اللہ تعالیٰ ۲۳ جمادی الاخری یکم مئی (۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء) بروز سہ شنبہ، دن کے گیارہ بجے اپنے نانا پیر غلام محی الدین کے گھر رتہ پیراں (ضلع شیخو پورہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پھوپھی نے محسنِ اہل سنت مولانا غلام دستگیر قصوری (م ۱۳۱۵ کے نام پر آپ کا نام رکھا خود فرماتے ہیں:

زادم و گشتم غلامِ دستگیر من شدم نامی بنامِ دستگیر
بنامِ نیک مولانا قصوری غلام دستگیر نام کردند

آپ لاہور کے قدیم علمی و روحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ قطب العالم حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) داماد سلطان بہلول لودھی، لاہور کے اولین مبلغِ اسلام سہروردی بزرگ ہیں جن کی بدولت پنجاب میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا اور کئی قبائل مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے علاوہ اس خاندان میں اور بھی متعدد صاحبِ علم و فضل روحانی پیشوا ہوئے ہیں۔

نومبر ۱۸۹۰ء میں مولانا نامی کو مسجد ملا مجید محلہ چلہ بیبیاں (لاہور) میں مولانا محمد

بخش بلبل (۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء) برادر اکبر مولانا غلام دستگیر قصوری کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا، نومبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے قرآن کریم ختم کر لیا، پھر والدِ ماجد نے اسلامیہ سکول کی برانچ واقع حویلی کابلی کی دوسری جماعت میں داخل کرادیا۔ کچھ عرصہ بعد پیر حامد شاہ کا تبادلہ قصور ہوگیا چنانچہ مولانا نامی ۱۸۹۴ء کے درمیانی ربع میں قصور گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے رہے، وہیں ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۴ء میں آپ کے والد گرامی کا وصال ہوگیا اور آپ داغ یتیمی لیکر رتہ پیراں چلے گئے۔

۱۸۹۵ء میں آپ اسلامیہ سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور کی پانچویں جماعت میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۳ء میں فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کیا، سکول کی تعلیم کے دوران لاہور کے ممتاز فضلاء مثلاً پروفیسر شجاع الدین (م ۱۹۶۵ء) صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج، لاہور کے نانا محمد نجم الدین اور مولانا علامہ اصغر علی روحی سے اکتسابِ فیض کیا، ان کے علاوہ دیگر متعدد اہلِ علم کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے جن کی صحبت نے آپ کے ذوق علمی کو نکھار عطا کیا۔

مولانا نامی نے کسی دینی درس گاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس کے باوجود اردو، فارسی اور انگریزی میں مہارت کے ساتھ ساتھ عربی سے بھی اچھی طرح آشنا تھے چونکہ قدرت نے آپ کو ابتداء سے ہی ذہانت و فطانت کے جوہر اعلیٰ سے نوازا تھا اس لئے بہت جلد بہترین مضمون نگار، مصنف، شاعر، تاریخ گو، ماہرِ قانونِ وراثت اور ماہر علم الانساب کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔

تحصیلِ علم کے بعد چندہ ماہ محکمہ ریلوے میں ملازمت کی پھر محکمہ ڈاک میں بھرتی ہوکر ٹیلی گرام کی ٹریننگ حاصل کی، اسی اثناء میں ڈپٹی کمشنر لاہور نے انٹر پاس مسلمانوں کو ضلع کچہری کی ملازمت کے لئے طلب کیا چنانچہ آپ ضلع کچہری میں چھ ماہ تک بلا تنخواہ کام کرتے رہے بالآخر مئی ۱۹۰۵ء میں مستقل ملازمت مل گئی لیکن یہاں کی رشوت آلود فضا آپ کو پسند نہ آئی اور آپ ۱۹۰۶ء میں محکمہ تعلیم میں

منتقل ہوگئے اور آخر تک اسی محکمہ میں مختلف کاموں پر مامور رہے بالآخر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تبادلہ ہوگیا اور یہاں خازن رہ کر ۱۹۳۸ء میں ریٹائرڈ ہوگئے ۔

مولانا نامی کو بچپن ہی سے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات ، علمی کمالات اور نسب معلوم کرنے کا شوق تھا ۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنے بزرگوں کے نادر مخطوطات اور دیگر کتب تاریخ کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا حتی کہ تاریخی تجسّس اور کتب بینی کا ذوق لازمِ زندگی بن گیا ، بارہا رکاوٹیں پیدا ہوئیں مگر ہر بار آپ کے پہاڑ ایسے عزم واستقلال سے ٹکرا کر پسپا ہوگئیں اور آپ کے تصنیف و تالیف اور مطالعہ کے ذوق میں بدستور اضافہ ہی ہوتا تھا ۔ ملازمت کے زمانہ میں فارغ وقت تالیف اور مضامین نویسی میں صرف کرتے اور ریٹائر ہونے کے بعد تو گویا آپ اس کام کے لئے وقف ہوگئے ۔ آپ نے ایک سو سے زائد کتابیں اور رسائل لکھے جنہیں قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ۔ ان میں سے بعض تصانیف تو لازوال اہمیت کی حامل ہیں ۔ مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کی تعداد ہزار تک پہنچتی ہے چند تصانیف کے نام یہ ہے :

۱۔ تاریخ جلیلہ ۔ خاندانی بزرگوں کے حالات اور دیگر اہم تاریخی معلومات

۲ ۔ بزرگان لاہور ۔ لاہور کے ڈیڑھ سو بزرگان دین کے حالات

۳ ۔ نسب نامۂ رسولِ انام و صحابہ کرام

۴ ۔ مناقب خلفائے راشدین (منظوم)

۵ ۔ اسلامی قانونِ وراثت

۶ ۔ تاریخ نجدیہ ۔ یعنی حقیقت وہابیہ

۷ ۔ صدیق اور فاروق مستشرقین کی نظر میں وغیرہ وغیرہ

ان مستقل تصانیف کے علاوہ آپ نے کئی کتابوں کو جامۂ اردو بھی پہنایا۔

جناب نامی کو شعر گوئی کا سلسلہ ورثے میں ملا تھا ۔ پہلے پہل از خود طبع آزمائی کرتے رہے ۔ ۱۹۰۷ء میں علامہ اصغر علی روحی رحمۃ اللہ تعالی کو اپنا کلام سناتے رہے اور بہت جلد پختہ کلام پر دسترس حاصل کرلی ۔ ابتداءً غزل نگاری کی جانب میلان تھا پھر نعت ، منقبت اور تاریخ گوئی سے لگاؤ پیدا ہوگیا ، تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا ، بلاشبہ آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں منظوم تاریخیں کہی ہیں ۔

مولانا نامی نے اپنے بعض مخلص دوستوں کے تعاون سے ۱۵ ۔ ۱۹۱۴ء میں اصلاحِ رسوم اور اصلاح اخلاق کی غرض سے دائرۃ الاصلاح کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت لٹریچر شائع ہوکر مفت تقسیم ہوتا تھا ، پھر اس ادارے کی طرف سے فضائل صحابہ کرام اور اتحاد بین المسلمین کے موضوع پر رسائل طبع ہونے لگے ۔ اس ادارے کی طرف سے تقریبا نوے کتب اور رسائل طبع ہو کر مفت تقسیم کئے جاچکے ہیں جن میں سے دس بارہ کے علاوہ باقی سب مولانا نامی کی کاوشِ قلم کا نتیجہ ہیں ۔ اس کے علاوہ حضرت نامی کے ماموں اور خسر جناب پیر محمد اشرف عالم شاہ (م ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء) متولی خانقاہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی نے اپنی وفات سے قبل وصیت لکھ دی تھی کہ میرے بعد اوقاف کے متولی نامی صاحب ہوں گے چنانچہ آپ نے اس ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا اور نہ صرف بزرگوں کے مزارات کی دیکھ بھال کی بلکہ ان کے علمی تبرکات کو شائع کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ، غرض جناب نامی نے ایک پیرزادہ اور مزارات کا متولّی ہونے کی حیثیت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کا طرزِ عمل موجودہ دور کے بعض مشائخ کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔

۷ ۔ رجب المرجب ۱۶ دسمبر (۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) کو ایک ماہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد اسلام کے مخلص خادم اور مسلمانوں کے محسن جناب پیر غلام دستگیر نامی کا انتقال محلہ چلہ بیبیاں ، لاہور میں ہوا اور آپ کی میت رتہ پیراں (ضلع شیخو پورہ)

لے جاکر حضرت قلندر شاہ کے پائیں میں دفن کی گئی۔

قطعۂ تاریخ وفات از جناب حضرت مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی:

غلام دستگیر آں پیرِ نامی بہ جنات المعلی کرد مسکن
ز ترحیلش شرافت گفت تاریخ بفردوسِ بریں شد شاد محسن"

۱۳۸۱ھ

جناب حکیم محمد موسی امرتسری مدظلہ العالی نے ان الفاظ سے تاریخِ وصال کا استخراج کیا:

"بجھا آج ہائے چراغِ علوم"

۱۳۸۱ھ

(تذکرہ ص ۳۱۱)

۳۲۔ مجاہد تحریک آزادی مولانا غلام مجدّد سرہندی مجددی قدس سرہ

حضرت مولانا الحاج غلام مجدّد سرہندی ابن حضرت مولانا عبدالحلیم ابن حضرت عبدالرحیم مجددی سرہندی (قدست اسرارہم) ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۰ واسطوں سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ تحصیلِ علوم کے بعد آپ نے میدان سیاست کو منتخب کیااور فرنگی سامراج کے خاتمہ کے لئے زبردست جدوجہد کی علی برادران کے ساتھ دو سال جیل میں رہے،اسی دوران قرآنِ پاک کے پندرہ پارے حفظ کر لئے۔

آپ اصل مسلم لیگی، منجھے ہوئے سیاست دان، شعلہ بیان خطیب اور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچّے محبّ تھے، تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں فضا ہموار کرنے کے لئے دھواں دار تقریریں کیں اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے شب و روز کام کیا۔ نواب زادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر

آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

حق گوئی، بے باکی، مہمان نوازی اور خود داری آپ کے نمایاں اوصاف تھے باوجودیکہ آپ ہندوؤں کے سخت مخالف تھے، ہندو آپ کا دلی طور پر احترام کرتے تھے چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد کئی ہندو جاتے ہوئے اپنے مکانات آپ کے حوالے کر گئے جو آپ نے مہاجرین کے حوالے کر دیئے البتہ دیوان ولی رام کے بنگلہ واقع ہیرا آباد، حیدر آباد میں آپ نے رہائش اختیار کر لی، کچھ عرصہ کلکٹر حیدر آباد نے یہ کہہ کر آپ سے بنگلہ خالی کرالیا کہ آپ کی ضرورت سے زائد ہے۔ چیف منسٹر سندھ کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ اگر مولانا غلام مجدّد مجھ سے ملیں تو میں انہیں بنگلہ واپس دلادوں گا! آپ نے شانِ بے نیازی سے فرمایا:

"میرے لئے بنگلے کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا"۔

یہ بات خان لیاقت علی خان کو بھی پہنچ گئی، انہوں نے معذرت کے ساتھ بنگلہ آپ کو واپس کر دیااور کلکٹر صاحب پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

اپریل ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء میں مجسمۂ علم و فضل، پیکر زہدو تقوی، میدانِ شجاعت و فصاحت کا شہسوار، تحریک پاکستان کی صف اول کا مجاہد دنیا سے رخصت ہوگیا جنہیں ایک دنیا غلام مجدد کے نام سے یاد کرتی تھی۔ (رحمۃ اللہ تعالی) مٹیاری ضلع حیدر آباد میں آپ کا مزار شریف ہے۔

مولانا غلام رسول جان سرہندی درویش منش بزرگ آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔

(تذکرہ ص ۳۳۳)

۳۳۔ شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز

علامۂ زماں، فاضلِ اجل مولانا محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز موضع گمرالی (گجرات) میں جمادی الاولی جنوری ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور صرف و نحو کی

کتابیں چکوڑی (گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے پڑھیں ، پھر قصبہ گھوٹہ (ضلع ملتان) میں سیبویہ زمانہ مولانا حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ تعالی کی خدمت میں حاضر ہوکر قطبی اور میبذی تک کتابیں پڑھیں بعد ازاں مولانا علامہ سید غلام رحمۃ اللہ تعالی کی خدمت میں موضع تلیری (مظفرگڑھ) حاضر ہوئے اور اکتسابِ علم کیا ، پھر بمقام چکی (مضافات کیمبلپور) مولانا علامہ محمد زماں رحمۃ اللہ تعالی کے پاس پہنچے ،انہیں آپ کی ظاہری حالت بکھرے ہوئے بال اور پرانے کپڑے دیکھ کر گمان ہوا کہ یہ پڑھنے والا طالب علم نہیں ہے اس لئے انہوں نے داخلے کی اجازت نہ دی ، مولانا خاموشی سے بیٹھ گئے ، اتفاقا صدرا (شرح ہدایۃ الحکمہ) کا ایک مشکل ترین مقام زیر درس تھا ، مولانا محمد زمان نے اس مقام کی تقریر کی اور طلبہ کو تقریر دہرانے کے لئے کہا لیکن کوئی بھی اسے نہ دہرا سکا ۔ علامہ گھوٹوی نے اجازت طلب کی اور پوری تفصیل سے اس مقام کو بیان کر دیا ۔ اب جو مولانا محمد زمان کو ان کی قابلیت کا پتہ چلا تو نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ انہیں قربِ خاص سے نوازا ۔

وہاں کچھ عرصہ استفادہ کرنے کے بعد جامعۂ نعمانیہ لاہور چلے آئے اور مولانا علامہ غلام احمد حافظ آبادی رحمۃ اللہ تعالی کی خدمت میں زانوئے تلمذتہ کیا ، پھر علامۂ زمن مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ تعالی کے پاس جاکر فنونِ عالیہ کا درس لیا ، ڈیڑھ سال بعد جب ان کا وصال ہوگیا تو آپ مدرسۂ عالیہ رامپوری میں مولانا فضلِ حق رامپوری رحمۃ اللہ تعالی کے درس میں شریک ہوئے اور کسبِ فیض کیا ۔ طب اور صحاح کا درس حضرت مولانا وزیر حسن رامپوری سے لیا ۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں شیخ الاسلام مرشد المسلمین حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے ۔

فراغت کے بعد مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس مقرر ہوئے اور تین سال تک درس دیا ، ازاں بعد قصبہ گھوڑ میں تشریف لے آئے ، یہاں بیس سال تک علم

وفضل کے دریا بہائے اور قصبہ گھوٹہ میں قیام کی وجہ سے گھوٹوی مشہور ہوئے ۔ پھر نواب صاحب کے بلانے پر بہاول پور تشریف لے گئے اور جامعۂ عباسیہ (اب جامعہ اسلامیہ) بہاولپور کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور تقریبا بیس سال تک علوم دینیہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بے شمار متلاشیانِ دولت علم و فضل کو منزل مراد تک پہنچایا ۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ اپنے دور کے شہرۂ آفاق علامہ اور زبردست مناظر تھے ،بہت سے مناظروں میں آپ کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے ۔

۱۹۱۱ء میں حرمین طیبین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے ، ارادہ یہ تھا کہ اجمیر شریف حاضری دی کر بمبئی سے جہاز پر سوار ہوں گے لیکن دہلی کے اسٹیشن پر پتہ چلا کہ کئی گھنٹے انتظار کرنی پڑے گی ۔ اتفاقا اس وقت دیو بند جانے والی گاڑی تیار تھی ، آپ اس میں سوار ہوگئے دیو بند پہنچے تو دیکھا کہ مولوی محمود حسن مسئلہ سماع موتی پر اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں ، حضرت شیخ الجامعہ نے اس اجلاس کے دوران مداخلت کرتے ہوئے فرمایا ، علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں آپ کی عالمانہ گفتگو سے مولوی محمود حسن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مولانا غلام محمد گھوٹوی ہیں تو فورا آپ کو اسٹیج پر لے گئے اور کہنے لگے ۔

" مردے سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں محمود کا کیا بگڑتا ہے "

۱۹۲۴ء میں جب حضرت مولانا مفتی غلام مرتضی قدس سرہ اور مولوی جلال الدین شمس قادیانی کے درمیان مسئلہ " حیاتِ مسیح " پر مناظرہ ہوا تو مولانا غلام محمد گھوٹوی اہل اسلام کی جماعت کے صدر تھے ۔ اس مناظرے میں اسلامی مناظر مولانا مفتی غلام مرتضی قدس سرہ کو زبردست کامیابی ہوئی اور قادیانی مناظر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ مقدمہ فیصلۂ بہاولپور میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا ۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی ابتداءً نیشنل کانگرس ملتان ڈویژن کے صدر تھے بعد ازاں

مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریکِ پاکستان کے لئے دل و جان سے کام کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب مہاجرین کے قافلے بہاولپور آئے تو ان کی آباد کاری کے لئے نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہے۔

حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالی کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ان میں سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مہر محمد اچھروی قدس سرہ العزیز کا نام نامی سرفہرست ہے۔

ان کے علاوہ چند تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ پیر امام علی شاہ۔ مہر آباد تحصیل لودھراں۔ ملتان

۲۔ مولوی محمد شفیع۔ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، چشتیاں شریف

۳۔ مولانا سید دین محمد شاہ۔ مظفر گڑھ

۴۔ مولانا محمد ذاکر۔ بانی جامعہ محمدی۔ جھنگ

۵۔ مولانا محمد صادق۔ دیپالپور

۶۔ علامہ رحمت اللہ ارشد۔ (مشہور لیڈر) بہاولپور

۷۔ مولوی غلام یسین۔ واں بھچراں

۸۔ مولانا افضال الحق۔ رامپور

۹۔ پیرولایت شاہ۔ گجرات

۱۰۔ مولانا مفتی عطا محمد۔ رتہ۔ چکوال

حضرت شیخ الجامعہ نے علم غیب پر ایک مبسوط رسالہ لکھا تھا جو طبع نہ ہوسکا۔

آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے

۱۔ مولنا عبدالحی چشتی

۲۔ مولنا حافظ غلام احمد

۲۷ جمادی الاولی، ۹ مارچ (۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) بروز پیر آپ کا وصال ہوا اور قبرستان ملوک شاہ عقب نور محل، بھاولپور میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ ص ۳۳۵)

۳۴۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری قدس سرہ

شعلہ بیان مقرر، مبلغ اسلام مولانا غلام محمد ترنم ابن جناب عبدالعزیز، امرتسر میں ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی دینی تعلیم پروفیسر عبدالرحیم اور فقیہ عصر مولانا مفتی عبدالصمد خان کاشمیری سے حاصل کی، قالین بانی اور شال بانی کا کام سیکھا حکیم فیروز الدین فیروز طغرائی کی خدمت میں طلب علم کے لئے حاضر ہوئے اور بہت جلد منشی فاضل اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ علامہ طغرائی کے جانشین علامہ محمد حسین عرشی امرتسری نے آپ کا تخلص ترنم تجویز کیا۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ سے علوم و فنون کی تحصیل کر کے ادب عربی کے فاضل مولانا محمد عالم آسی امرتسری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب عربی کی کتابیں پڑھ کر مولوی فاضل کا امتحان دیا، علوم دینیہ سے فارغ ہو کر طب کی کتابیں حکیم حاجی محمد علی، حکیم محبوبِ عالم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں، لاہور کے نامور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد سے اصولِ مطب سیکھے اور انگریزی میں بھی خاصی استعداد پیدا کر لی۔

مولانا ترنم قادر الکلام مقرر تھے، ان کی تقریر میں روانی، بے باکی، بے پناہ خلوص اور سب سے بڑھ کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق جلوہ گر ہوتا تھا، غالباً ۱۹۳۱ء میں امرتسر میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جس کی بدولت مسلمان نوجوانوں کے لئے یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرنے آسان ہو گئے، مولانا ترنم انجمن تبلیغ الاحناف امرتسر کی روح رواں تھے جس کے زیر اہتمام ہر سال عرس امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا اسی انجمن نے دارالعلوم حنفیہ رضویہ کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح ۱۹۴۵ء میں حضرت سید محمد کچھوچھوی نے کیا۔ قیامِ امرتسر کے دوران مختلف سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا خصوصاً

تحریک پاکستان میں مثالی کردار ادا کیا، اپنی شعلہ بیان تقاریر کے ذریعے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کیا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں قیام پذیر ہوئے، جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ، بیرون موری گیٹ میں وعظ درس کا سلسلہ جاری کیا، پھر عقیدت مندوں کی فرمائش پر مسجد سول سیکرٹریٹ میں خطابت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ ایک عرصہ تک جمعیت علمائے پاکستان، پنجاب کے صدر رہے پھر مرکزی جمعیت کے نائب صدر ہوگئے اور نہایت وقیع خدمات انجام دیں۔

تحریک ختمِ نبوّت میں پُر جوش حصہ لیا اور چھ ماہ سے زائد تک جیل کی صعوبتوں کو پامردی سے برداشت کیا، مولانا ترنم حضرت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ علی حسین قادری کچھوچھوی سے بھی کسبِ فیض کیا، بے شمار مصروفیات کے باوجود چند علمی تبرکات آپ کی یادگار ہیں نغمۂ کلام، دستور پاکستان، مقدمہ و حواشی بطلِ نبوت، الحاد، غذائی چارٹ اور ماہنامہ ٹمپرنس لاہور جو تین سال تک جاری رہا، مولانا ترنم اس کے پرنٹر اور پبلشر تھے، مولانا ترنم نغز گو شاعر بھی تھے، پنجابی، اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

اڑھائی تین سال تک ذیابطیس کے مریض رہ کر ۱۷ محرم الحرام، ۲۴ جولائی (۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء). جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو سفر آخرت اختیار کیا۔ مزار گورستان میانی، لاہور میں بہاول پور روڈ پر واقع ہے۔ (تذکرہ ص ۳۳۹)

۳۵۔ قدوۃ المحققین علامہ مولانا غلام محمود قدّس سرہ
(محشّی تکملہ عبدالغفور)

امام معقولات و منقولات، فاضل ریاضیات، ادبِ عربی کے بلند پایہ ادیب، فقہ حنفی کے متبحّر فاضل، سیبویہ زمانہ مولانا غلام محمود ابن نورنگ بن محمد باقر، بمقام قصبہ وانڈہ محمد خان ضلع میانوالی میں ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے، اسی جگہ حافظ محمد مرزا سے قرآن مجید حفظ کیا، فارسی اور عربی کی کتابیں اور نحو، عروض اور قوافی کی بعض کتابیں مولانا سلطان محمود بندیالوی (بندیال، ضلع سرگودھا) سے پڑھیں۔ کتب نحو کی تکمیل مولانا فیض محمد شاہ جمالی (قصبہ شاہ جمال، ملتان) سے کی، فنون کی کتابیں جامعۂ نعمانیہ، لاہور میں مولانا غلام احمد حافظ آبادی سے پڑھیں، کتبِ ریاضی میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا، درس حدیث مولانا محمود حسن شیخ الحدیث دیوبند سے لیا، ۱۹۰۲ء کو فارغ التحصیل ہوکر پپلاں (لیاقت آباد، ضلع میانوالی) میں تدریس کا کام شروع کیا، ۱۹۰۷ء میں مکھڈ شریف ضلع کیمبلپور تشریف لے گئے، اسی دور میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ تین سال وہاں قیام کیا، اس کے بعد تین سال چکی شیخ (ضلع کیمبلپور) اور تین سال وطن میں قیام پذیر رہے اور تین سال نڑھال ضلع ملتان میں کام کیا پھر واپس آکر پپلاں میں دارالعلوم محمودیہ قائم کیا اور تمام عمر علومِ دینیہ کی خدمت میں صرف کر دی۔

آپ کو تمام علوم دینیہ میں زبردست عبور حاصل تھا، خاص طور پر صرف و نحو، فقہ و اصول، ادب عربی، ہیئت، ربع المجیب، ربع المقنطرہ اور زیج وغیرہ میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ اکثر و بیشتر علم و عرفان کے ماہتاب بن کر چمکے، ملک المدرسین مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی زیب مسند تدریس دارالعلوم مظہریہ امدادیہ، بندیال ضلع سرگودھا اور حضرت مولانا پیر سید محمد کرم شاہ بھیروی

فاضل جامعہ ازہر، مدیر اعلی ماہنامۂ ضیائے حرم آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی تصنیفات تحقیق و تدقیق کے اعلی شاہکار ہیں، چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱۔ نجم الرحمن۔ علم غیب کے موضوع پر فاضلانہ تالیف

۲۔ ارمغانِ شاداں، گرائمر فارسی، (نحو اور ریاضی میں بھی رسائل لکھے ہیں)

۳۔ تحفۂ سلیمانیہ۔ آفتاب پنجاب مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے تکملہ عبدالغفور کا حاشیہ ہے، تکملہ عبدالغفور نحو کی نہایت ادق کتاب ہے، اس سے پہلے اس پر کوئی مستقل حاشیہ نہ تھا، یہ پہلا مستقل حاشیہ ہے جس میں سلیس اور شگفتہ عربی عبارت میں اس کے مطالب کی تشریح اس خوبی سے کی ہے کہ بے ساختہ علامہ تفتازانی کی دقت نظر اور تحریر کی فصاحت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

۲۳ رمضان المبارک، یکم اگست (۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) کو آپ کا وصال ہوا، آپ کے صاحبزادے مولانا علامہ محمد حسین شوق، دارالعلوم محمودیہ میں تدریس علوم و فنون میں مصروف ہیں۔ (تذکرہ ص ۳۴۱) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا ذکر آگیا تو حضرت کا ایک واقعہ روضۂ قیومیہ میں ذکر ہے کہ محرم ۹۷۱ھ نواب خان اعظم رکنِ سلطنت شہنشاہ اکبر کو نجومیوں نے بتایا کہ تین دن سے ایک ستارہ طلوع ہو رہا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ سے اس وقت تک نہیں نکلا۔ اکبر کے درباریوں نے اکبر سے کہا کہ "اکبر مجدّد الف ثانی ہے" یعنی دوسرے ہزارہ کا مجدد، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ غلط کہ رہے ہیں "مجدّد الف ثانی" تو حضرت شیخ احمد سرھندی ہیں چنانچہ "قولِ مرداں جان دارد" کے بمصداق آج پوری دنیا حضرت شیخ احمد سرھندی کو اسی لقب "مجدّد الف ثانی" سے پہچانتی ہے۔ (جواہر مجددیہ از مولانا احمد حسین خان امروہی فرزند محدّث جلیل قطب زماں حضرت حافظ مولانا محمد عباس علی خان قادری نقشبندی مجددی از اولاد امجاد حضرت سید شمس الدین امیر کلال قدس سرہ (ابوالخیرات عفُرلہ)

۳۶۔ مرشدِ طریقت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی قدس سرہ

حضرت خواجہ سید غلام محی الدین ابن حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما (۹۔ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء) کو گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) میں پیدا ہوئے۔ جب یہ اطلاع مبارکباد کے ساتھ حضرت قبلۂ عالم کو دی گئی تو آپ نے فرمایا "مبارکباد سے تو میں نے سمجھا تھا کہ شائد مجھے خدا مل گیا ہے"۔ پھر فرمایا نرینہ اولاد کی پیدائش سے ہر شخص کو خوشی ہوتی ہے لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں اللہ اللہ کرنے والی ایک روح کا ورود ہوا ہے۔ آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی کی تعلیم تربیت کے لئے نادر روزگار اساتذہ مقرر کئے گئے، تجوید و قراءت میں مولانا قاری عبدالرحمن جونپوری سے استفادہ کیا، علوم دینیہ کی تحصیل حضرت مولانا علامہ محمد غازی رحمۃ اللہ تعالی سے کی، والد ماجد حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ کے فیضِ توجہ نے آپ کو جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔

تربیت اور نگرانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اعلی گولڑی قدم قدم پر ہدایات جاری فرماتے جن کی تعمیل کمال سعادت مندی سے کی جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت خواجہ سید غلام محی الدین قدس سرہ علم و عمل، نظم و ضبط، صبر و تحمل، فراست و بے نفسی، اوراد و اشغال کی پابندی اور ارباب اقتدار سے بے نیازی میں یکتائے روزگار تھے، آپ کے نام حضرتِ اعلی گولڑی کے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا، جمعہ و جماعت کا التزام رہے، اپنے استاد صاحب کا حسب ہدایت خیال رکھنا، ان کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا، ان کی صحت کا خیال رہے۔ نہ صرف اپنے سبق اور مطلب کا۔ ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبر گیری رکھو، یعنی کوئی وطنی ناتراشیدہ حسبِ عادت اہلِ وطن پیش آنے

نہ پاوے، ایسا حلیم نہ ہونا چاہیئے کہ ضروریات میں نقصان ہوا اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بیزار ہو"۔

آپ کو بچپن ہی سے گاڑی کے انجن سے دلچسپی تھی، اسی لئے حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے آپ کو بابو جی کا خطاب دیا جو اتنا مقبول ہوا کہ پیر جواں آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے، شاہ ولی اللہ گوالیاری نے آپ کو انجن کا ایک ماڈل پیش کیا جس میں کوئلے کی جگہ مٹھائی اور پانی کی جگہ شربت بھرا ہوا تھا جو تا حیات آپ کے کمرے کی زینت بنا رہا۔ ایک مرتبہ کسی دوست نے انجن سے دلچسپی کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا، مجھے اس کی چار ادائیں پسند ہیں:

۱۔ حوصلہ: کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو، اتنا ہی تیز چلتا ہے۔

۲۔ وفا: جہاں خود جائیگا وہیں تمام ڈبوں کو بلا تمیز ساتھ لے جائے گا۔

۳۔ ایثار: خود جلتا ہے اور دوسروں کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

۴۔ استقامت: ہمیشہ معیّن راستہ (لائن) پر چلتا ہے۔

گویا آپ نے بڑا عام فہم انداز میں مرشد کی خصوصیات بیان فرمادیں۔

علمی و روحانی تکمیل کے بعد حضرت اعلیٰ اقدس سرہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا لیکن آپ کسی کو بیعت کرنے پر تیار نہ ہوئے تا آنکہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اس کا میں ذمہ دار ہوں"۔

۱۹۱۰ء میں آپ کی شادی ہوئی جس میں دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ حضرت سید محمد دیوان پاکپتن شریف، حضرت صاحبزادہ خواجہ محمود تونسہ شریف، حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین سیال شریف، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدّثِ علی پوری اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری (قدست اسرار ہم) شریک ہوئے۔

آپ متعدد دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرّف ہوئے اور ہر دفعہ بیسیوں افراد آپ کے ساتھ ہوتے۔ ۱۹۴۴ء میں حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور زر کثیر حجاز مقدس کے غرباء، فقراء اور علماء میں تقسیم کیا۔ حضور غوث اعظم اور مولانا رومی قدس سرہما سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی چنانچہ متعدد دفعہ بغداد شریف اور قونیہ شریف (ترکی) کا سفر کیا۔ ۱۹۴۸ء میں ایک سو آٹھ افراد کے ہمراہ بغداد شریف کا سفر کیا اور گرد و نواح کے تقریباً تمام مزارات مقدسہ پر حاضری دی۔ ہندوستان، افغانستان، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران اور حجاز مقدس میں شاید ہی کسی بزرگ کا مزار ہو جہاں آپ نے حاضری نہ دی۔ ہر سفر میں آپ کے منظورِ نظر قوال جناب محبوب صاحب ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے جنھیں آپ کی تربیت نے اس مقام پر پہنچادیا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم ان کا پڑھا ہوا کلام سنکر محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ نے جامعہ غوثیہ (گولڑہ شریف) کی تعمیر و ترقی پر خاطر خواہ توجہ دی، کتب خانہ کی توسیع فرمائی، حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کی تصانیف عالیہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا، دیگر تقریبات کے علاوہ آپ کے زیر اہتمام حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس ماہ ربیع الثانی میں بڑے تزک و احتشام سے ہوتا، لاکھوں کے اجتماع کے باوجود نظم و نسق ایسا شاندار ہوتا تھا کہ کسی کو شکایت نہ ہوتی تھی۔

دو صاحبزادے آپ کی یادگار ہیں، حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ (متولد ۱۹۲۰ء) اور حضرت شاہ عبدالحق مدظلہ، اول الذکر فرزند اکبر آپ کے جانشین ہیں۔ اہل نظر کا کہنا ہے کہ ان کی ذات سے سلسلہ عالیہ کو مزید ترقی و عروج حاصل ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ کے فرزند ارجمند حضرت صاحبزادے سید غلام نصیر الدین مدظلہ (متولد ۱۹۴۹ء) عبقری صلاحیتوں کے مالک ہیں

وہ بیک وقت عالمِ دین اور بلند پایہ قاری ہیں، اردو، فارسی، عربی، پوربی زبان میں مشق سخن فرماتے ہیں۔ ان کے کلام کی پختگی اور ندرت تخیل میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے، ناواقف یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ یہ ان کا کلام ہے لیکن چند لمحے ان کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد تسلیم کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ مولانا حافظ مظہر الدین مدظلہ فرماتے ہیں:

"شاہ نصیر الدین کی نعتیہ شاعری رومی، جامی، سعدی کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے، کلام سے ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی جواں سال شاعر کا کلام ہے"۔

۲۲ جون (۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء) بروز اتوار لاکھوں دلوں کے مرکز عقیدت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین قدس سرہ کمبائنڈ ملٹری ہسپتال، راولپنڈی میں وصال فرماگئے۔ دو لاکھ سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے جوار میں آخری آرامگاہ بنی۔ جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر مہر و ماہ، لاہور نے قطعہ تاریخ کہا:

ہوئے عازم سوئے جنت ہیں آج	فدا! حضرت محی دیں، دیں پناہ
وہ شیدائی حسنِ محبوبِ خالق	وہ مخمور و مست مئے لا الہ
سراپا تھے اک شرع دین نبی کا	نشاناتِ سرِّ حقیقت کی راہ
چمکتے نہ چرخ ولایت پہ کیوں وہ	رہی ان پہ مہر علی کی نگاہ
سن وصل ان کا فدا بر محل	کہوں "رحلت ہادی خلق آہ"

۱۳۹۴ھ

(تذکرہ ص ۳۴۸)

۷۳۔ برہان الواصلین حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین نقشبندی قدس سرہ
(نیریاں شریف)

حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین ابن خواجہ محمد اکبر خان قدس سرہما افغانستان کے مردم خیز غزنی میں (۱۔ ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں حضرت مولانا گل محمد رحمۃ اللہ تعالی سے حاصل کی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔

اوائل عمر میں اخروٹ کی تجارت کیا کرتے تھے، ان دنوں بھی دینداری کا یہ عالم تھا کہ رات کو عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ ایک دفعہ سر راہ بابا اقبال سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے استفسار پر بتایا کہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہوں، آپ نے اس نام میں اتنا کیف و سرور محسوس کیا کہ جو کچھ جیب میں تھا، نکال کر بابا اقبال کو دے دیا اور کہا کہ غزنی کے ایک مسافر کا سلام اور یہ نذرانہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا۔ جب حضرت خواجہ محمد قاسم کی خدمت میں بابا اقبال نے وہ نذرانہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: دوبارہ ملاقات ہو تو اس شخص سے کہنا کہ:

"ہمیں تمہاری ضرورت ہے نذر و نیاز کی ضرورت نہیں ہے"۔

پھر کیا تھا کشاں کشاں بارگاہ شیخ میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور واپس آگئے، کاروبار تجارت ایک مرتبہ خوب چمکا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ تمام پس انداز رقم بھی خسارے کی نذر ہوگئی، صرف تین سو روپے باقی رہ گئے، اسی عالم میں بارگاہ شیخ میں حاضر ہوئے اور رقم پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اسے بطور امانت رکھ لیں تاکہ بوقت ضرورت کسی سے مانگنے کی نوبت نہ آئے۔ مرشد کامل نے وہ رقم فقراء میں تقسیم کر دی جس سے آپ حد درجہ کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت بابا جی موہڑوی قدس سرہ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں،

میں نے تمہارے لئے ایسا سودا رکھا ہوا ہے جس کے خریدار مشرق اور مغرب سے تمہارے پاس پہنچیں گے"۔ اس فرمان سے اطمینان قلبی حاصل ہوگیا اور آپ یکسوئی سے شیخ کی خدمت اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔

بارہ سال تک منازل طریقت طے کرنے کے بعد مرشد کامل نے حکم دیا کہ آزاد کشمیر کے بے آباد مقام ڈنا پوٹھی میر خان (نیریاں شریف) کو اپنا مرکز بنا کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دو، وہ مقام جہاں دن کے وقت بھی جاتے ہوئے لوگ گھبراتے تھے آپ کے قدوم میمنت لزوم سے اس طرح آباد ہوا کہ رات کے وقت بھی وہاں کی فضا ذکر و فکر کرنے والوں کے دم قدم سے معمور رہتی۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد آپ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر کے معصیت و نافرمانی کی زندگی سے تائب ہوگئے۔ آپ نے راولپنڈی، کیمبل پور، مظفر آباد، مردان، پوٹھوہار، میرپور، جہلم اور ہزارہ کے علاقوں کے متعدد دورے کئے، عوام الناس کو اتباعِ شریعت کی تلقین کی، بد مذہبوں سے کنارہ کشی اور مسلک اہل سنت و جماعت پر ثابت قدمی کا خوب خوب درس دیا۔ حق یہ ہے کہ ان کے وجود مسعود کی بدولت مسلک اہل سنت کو بہار تازہ حاصل ہوئی تھی، خدا کرے کہ یہ بہار ان کے گرامی قدر صاحبزادگان کے ذریعہ ترقی پذیر رہے۔ راقم الحروف (مولانا شرف قادری) چکوال میں ان کی زیارت سے مشرّف ہوا تھا، کم گو، بارعب اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ مزاج میں استغناء بدرجہ اتم موجود تھا۔ اتباعِ شریعت اور معمولات کی ادائیگی کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

آپ نے قریباً تیس حضرات کو خلافت عطا فرمائی، چند حضرات کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی پیر ہدایت الحق مدظلہ، مہتمم مدرسہ حقائق العلوم، حضرو

۲۔ جناب فیض محمد۔ آف تتاپانی

۳۔ جناب غلام محمد۔ ساہیوال

۴۔ جناب محمد شفیع۔ گوجر خان

۵۔ جناب محمد امیر، افغانستان

غالباً ۱۹۳۵ء میں آپ کی پہلی شادی ہوئی جس سے دو صاحبزادے یادگار ہیں:

۱۔ حضرت مولانا الحاج علامہ علاء الدین صدیقی مدظلہ

۲۔ جناب نظام الدین قاسمی

دوسری بیوی سے پانچ صاحبزادے ہیں:

۱۔ جناب امام ربانی

۲۔ غلام ربانی

۳۔ فضل ربانی

۴ شیر ربانی

۵ شمس العارفین

اول الذکر مولانا علا الدین صدیقی مدظلہ والدِ ماجد کے جانشین ہیں، حج و زیارت سے مشرّف ہو چکے ہیں اور ایک عرصہ تک انگلینڈ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین قدّس سرہ کے پیٹ میں ایک گولا سا پیدا ہوگیا، اپریشن ہوا تو پانی کی خاصی مقدار خارج ہونے کی وجہ سے کمزوری بہت ہوگئی لیکن آپ بدستور وضو کر کے باقاعدگی سے نماز ادا کرتے رہے۔ آپ کے معالج جناب جنرل شوکت علی اور آئی ڈی حسن نے وضو کرنے سے منع کیا اور نماز اشارے سے پڑھنے کو کہا تاکہ آپریشن کے ٹانکے ٹوٹنے نہ پائیں، آپ نے فرمایا:

" چھیالیس سال تک کوئی وقت بغیر وضو کے نہیں گزرا، اب مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ زندگی بھر کا معمول چھوڑدوں، نماز حسب سابق ادا کروں گا، ٹانکے ٹوٹتے ہیں تو

ٹوٹتے رہیں"۔

بارہ ربیع الاول، ۱۱ اپریل (۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) کو نیریاں شریف کا نیّرِ تاباں چشم ظاہر بیں سے روپوش ہوگیا جسے خلقِ خدا حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ نیریاں شریف (تراڑ کھل، آزاد کشمیر) میں آج بھی آپ کے مزار سے سکونِ قلبی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت پیر کرم شاہ مدظلہ، مدیر اعلیٰ ضیائے حرم تعزیتی کلمات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"پچاس سال کے قریب یہ مرد کامل اپنی مسیحا نفسی سے مردہ دلوں کو حیات جاوید بخشتا رہا، ہزاروں گم کردہ راہ لوگوں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اپنے دلوں میں عشقِ الٰہی کا چراغ روشن کیا، آپ کے اخلاقِ حسنہ کا دامن اتنا وسیع تھا کہ اپنے قدموں میں حاضر ہونے والوں کو کبھی محروم واپس نہیں کیا، آپ کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تبلیغ دین میں بسر ہوئی۔ آپ سنت نبوی کا حسین پیکر تھے۔ ہم انتہائی قلبی رنج و اندوہ کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ صد حیف وہ چراغ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا جس کی تابناک کرنوں سے ہزاروں سینے منور ہو رہے تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ (تذکرہ ص ۳۵۲)

۳۸۔ عارف ربانی حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قادری قدّس سرہ

(کھروٹہ سیداں سیالکوٹ)

شیخ المشائخ حضرت مولانا سید فتح علی شاہ ابن سید امیر شاہ ابن قیوم زمان شاہ قدست اسرارہم ۱۱ ربیع الاول ۵ مارچ (۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) کو کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد اور جدّ امجد اپنے دور کے مقتدر فضلاء میں شمار کئے جاتے تھے، آپ نے پرائمری پاس کرنے کے بعد درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں جدّ امجد سے پڑھیں پھر حضرت مولانا عبدالرحمن کوٹلوی (م ۱۲۹۸ھ) سے فقہ و حدّیث کا درس لیا، بعد ازاں جامعہ حنفیہ، گجرات میں مولانا محمد عبداللہ سے اکتساب فیض کیا،

کچھ عرصہ جامع مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی میں رہے پھر مدرسہ منظر اسلام، بریلی شریف میں دورۂ حدیث کیا اور ۱۹۱۴ء میں سند حدیث حاصل کی، ۱۹۱۷ء میں جامعہ طبیہ، دہلی سے طب کی سند حاصل کی، ۱۹۱۸ء میں دوبارہ بریلی شریف حاضر ہوکر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں اجازت و خلافت سے مشرّف ہوئے۔

تکمیل علوم کے بعد اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کردی، سیالکوٹ اور اس کے اطراف، جموں و کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں مسلسل دورے کئے اور عوام وخواص کو اسلامی تعلیمات اور مسلکِ اہل سنت سے روشناس کرایا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۰ء تک سیالکوٹ چھاؤنی کی جامع مسجد میں فرائض خطابت انجام دیتے رہے اور فوجی جوانوں کے دلوں کو حبّ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جذبۂ جہاد سے گرماتے رہے۔ ۱۹۵۳ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کی قیادت میں شاہی مسجد، لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہ کی صدارت میں مؤتمر العلماء کا اجلاس ہوا، آپ علماء سیالکوٹ کے ساتھ اس عظیم الشان اجلاس میں شریک ہوئے۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے فقید المثال اجلاس میں شریک ہوئے۔ قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں نظریہ پاکستان کی تبلیغ کی اور قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لئے زبردست جدو جہد فرمائی، ۱۹۵۳ء میں سیالکوٹ میں تحریک ختم نبوت کو بڑی کامیابی سے چلایا، غرض یہ کہ ملک و ملت کی بہتری کے لئے جو تحریک بھی اٹھی، حضرت شاہ صاحب نے دل و جان سے اس کے لئے کام کیا۔

تصانیف میں معیار صداقت، چہل حدیث، سچّا ایمان، مجموعہ وعظ تین حصے اور مجموعۂ اشعار یادگار ہیں۔

۸ رجب ، ۱۸ جنوری ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء کو حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قدس سرہ کا وصال ہوا ، کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار ہے ۔ آپ کے صاحبزادے مولانا سید احمد حسن قادری ، جامع حنفیہ کھروٹہ سیداں میں فرائض خطابت انجام دے رہے ہیں ۔ (تذکرہ ص ۳۶۷)

۳۹ ۔ فاضل محقق حضرت مولانا فتح الدین اذبر انصاری حنفی قادری

حضرت مولانا فتح الدین اذبر ابن حکیم میاں غلام محمد رحمہ اللہ تعالی (۱۲۹۱ھ / ۵ ۔ ۱۸۷۴ء) میں خوشاب ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے ۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت اسید بن حضیر القاری الصحابی سے ملتا ہے ۔ ابتدائی تعلیم خوشاب میں حاصل کی ، منشی فاضل کا امتحان دیا ، پھر موراں والی مسجد ، لاہور میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے بعد ازاں حیدر آباد ، دکن جا کر مولانا انوار الحق سے معقول و منقول کی تعلیم حاصل کی ، انہوں نے آپ کی قابلیت کے پیش نظر اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا ۔ مزید تعلیم کے لئے جامعہ ازہر مصر بھی گئے ۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت سید ابراہیم قادری قدس سرہ (بغداد شریف) سے بیعت ہوئے اور سلوک قادریہ کی منازل طے کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے ۔ شیخ الدلائل مدنی مولانا شیخ ممتاز احمد المعروف بہ عارف اللہ شاہ نقشبندی قادری چشتی سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت حاصل کی ، مروجہ علوم دینیہ کے علاوہ طب میں بھی دسترس حاصل کی ۔

امیر عثمان علی خان والی دکن کے ابتدائی دور میں شاہی طبیب اور قاضی القضاہ مقرر ہوئے ۔ دس سال تک اس منصب کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ پھر ایک ناگوار واقعہ کے ظہور پر خوشاب واپس آ گئے ۔

حضرت مولانا فتح الدین اذبر رحمۃ اللہ تعالی متبحر عالم دین ، حق گو اور کثیر التصانیف بزرگ تھے ، آپ کی اکثر و بیشتر تصانیف حیدر آباد دکن سے شائع ہوئیں ۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں ۔

۱ ۔ مقدمۂ تفسیر روح الایمان (تصنیف ۱۳۴۰ھ ، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء)

۲ ۔ تفسیر روح الایمان فی تشریح آیات القرآن (۱۳۲۲ھ ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۶ھ ، پہلا پارہ ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے) ۔

۳ ۔ الوقعۃ الاسلامیہ (محرم ۱۳۵۱ھ ، مطبوعہ قیومی کانپور ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء صفحات ۲۳۳)

۴ ۔ شرح ترکیب (دیباچۂ گلستان مع حواشی مفید ، مطبوعہ لاہور ۱۳۲۶ھ ۔ صفحات ۵۸)

۵ ۔ کتاب العطایا (علم میراث) مطبوعہ ۔

۶ ۔ خزینۃ المیراث (علم میراث) مطبوعہ

۷ ۔ نقشۂ انوار الفرائض (علم میراث) مطبوعہ

۸ ۔ صفوۃ المصادر العربیہ المعروف صرف اذبریہ (قلمی)

۹ ۔ کتاب الصرف المعروف صرف کبیر (قلمی)

۱۰ ۔ شجرۃ ولایۃ الشہداء (مطبوعہ)

۱۱ ۔ ترجمہ و حاشیہ دلائل الخیرات (مطبوعہ) صفحات ۲۳۲

۱۲ ۔ رسالۂ مفتاح الدلائل (مطبوعہ)

۱۳ ۔ قرار الانوار و مراداۃ الاسرار (عملیات) مطبوعہ

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع تھا ، ان میں سے مولانا سید امیر علوی اجمیری قدس سرہ اور مولوی غلام مرشد (دیوبندی) کے نام معلوم ہو سکے ہیں ۔

آپ کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں :

۱ ۔ مولوی حکیم محمد ظریف ابن میاں بہاء الدین (برادر زادہ مولانا فتح الدین اذبر)

چونکہ مولانا اذبر کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے ان کے وصال پر جانشین ہوئے ۔ صاحب علم و فضل اور بہترین طبیب تھے ۔ ۵۶ سال کی عمر میں ۲۷ / شوال ۱۳۹۴ھ کو وفات پائی ۔

۲۔ مولوی حکیم مظفر الدین ابن میاں بہاؤ الدین (برادر زادہ)

۳۔ صوفی عبداللطیف، مجاز دلائل الخیرات (خوشاب)

۴۔ مولانا سید محمد صدیق شاہ، ساکن ڈیرہ غازی خان

۵۔ حضرت مولانا سید امیر علوی اجمیری قدس سرہ

۱۶ شوال، ۱۲ جنوری ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۶ء کو مولانا فتح الدین اذہر قدس سرہ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار شریف خوشاب، ضلع سرگودھا، مسجد حافظ خان محمد کے شمالی جانب چار دیواری میں محفوظ ہے۔ (تذکرہ ص ۳۰۷)

۴۰۔ فرید العصر مولانا فرید الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ (بھوئی ضلع کیمبلپور)

فرید العصر حضرت مولانا فرید الدین ابن استاذ العلماء حضرت مولانا احمد الدین قدس سرہما غالباً ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں قصبہ بھوئی ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد نے اپنے فرزند کا نام فرید الدین رکھا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ بڑے ہوکر واقعی دینداری، علم و فضل اور اخلاقِ عالیہ میں فرید العصر ثابت ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب امام محمد بن حنفیہ کے واسطہ سے امیر المؤمنین حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ملتا ہے، آپ کا علمی خاندان پورے علاقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

چار پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے گاؤں کی مسجد میں جانا شروع کیا، بعد ازاں درس نظامی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی استاذ الاساتذہ مولانا محبّ النبی مدظلہ العالی سے پڑھنا شروع کیں، بعض آخری کتابیں مثلاً حمد اللہ، شرح سلم وغیرہ والدِ ماجد سے پڑھیں تکمیل علوم کے لئے علامۂ زماں مولانا مشتاق احمد کانپوری ابن استاذ زمن مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہما کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے۔

جب علامہ مشتاق احمد، جامعہ نعیمیہ مراد آباد تشریف لائے تو دوسرے طلباء کے ہمراہ آپ بھی تھے پھر جب علامہ مراد آباد سے میرٹھ تشریف لے گئے تو مولانا

فرید الدین، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور دوسرے طلباء کسب فیض کے لئے ان کے ہمراہ میرٹھ چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتداء ہی سے ذہن رسا، تقوی و پرہیز گاری اور سلامتی طبع ایسے اوصاف سے نوازا تھا۔ دور طالب علمی میں بھی آپ کی یہ صفات نمایاں رہیں۔

آپ کے فرزند ارجمند مولانا حسن الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ:

" ایک مرتبہ ملتان کے سفر کے دوران جب میں نے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنے والد ماجد کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے اور فرمایا اچھا آپ مولانا فرید کے لڑکے ہیں؟ ہم انہیں طالب علمی کے دور میں مولانا فرید کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ وہ بہت قابل اور پرہیز گار طالب علم تھے اور اپنے ساتھی طلباء کو حمد اللہ وغیرہ پڑھایا کرتے تھے"۔

میرٹھ سے واپس آکر کچھ کتابیں والد گرامی سے اور زیادہ تر اپنے بڑے بھائی استاذ العلماء مولانا محبّ النبی دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھیں اور سندِ حدیث بھی انہی سے حاصل کی۔

تقریباً ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ صلاحیہ بجار والا (ضلع لائل پور) میں اعزازی طور پر تدریس کا آغاز کیا اور تمام عمر اس مقدس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ آپ کا زمانۂ تدریس بیالیس سال پر پھیلا ہوا ہے جس میں سے زیادہ تر وقت اپنے آبائی گاؤں بھوئی میں گزارا، اس کے علاوہ مختلف اوقات میں جامعۂ غوثیہ، گولڑہ شریف، جامعۂ محمدیہ بھیرہ، جامعۂ رضویہ دار برٹن، دارالعلوم کھڈ شریف، دارالعلوم ترگ شریف، دارالعلم لالہ موسیٰ وغیرہ میں پڑھاتے رہے۔

آپ کو اپنے پیرِ طریقت اور شیخ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ اسی طرح ان کے صاحبزادے حضرت پیر سید غلام محی الدین

رحمۃ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین گولڑہ شریف سے بھی بے حد نیاز مندی رکھتے تھے، ان کا حکم کبھی نہ ٹالتے اور ان کے حکم کے مقابل ہر شخص کی بات کو ٹھکرا دیتے تھے، جس مدرسہ میں بھی تدریس کے لئے تشریف لے جاتے بیشتر اوقات قصبہ بھوئی میں گزارتے۔ بعض اوقات آپ کو اس جگہ تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔

آپ منتہی کتب کے بیس بیس سبق یومیہ پڑھاتے رہے ہیں، اس کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ ہر کتاب کا مطالعہ فرماتے اور طلباء کو بھی یہی تلقین فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مطالعہ کے بغیر مدرّس خود بے یقینی سے دو چار رہتا ہے، طلبہ کو یقین کی نعمت سے کس طرح بہرہ ور کرسکتا ہے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ سحری کے وقت مختصر اوراد و ظائف پڑھنے کے بعد مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتے، نماز فجر سے ظہر تک اسباق پڑھاتے اور نماز کے بعد پھر مطالعہ میں محو ہو جاتے، عمر کے آخری حصہ میں ناسازی طبع کی بنا پر اسباق کم کردیئے اور اسی تناسب سے اوراد و وظائف میں اضافہ ہوگیا۔

آپ بنیادی طور پر عالمِ دین، صوفی اور مدرس تھے اس لئے سیاست کے ساتھ کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا، لیکن دو مواقع ایسے آئے کہ آپ سرگرم سیاست ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر آپ نے مسلم لیگ کی پر زور حمایت کی اور دوسرے لوگوں کو بھی یہی تبلیغ کی جب بعض کانگریسی ذہن کے مولوی قائد اعظم پر تنقید کرتے تو آپ فرماتے:

”اس وقت کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے، قائد اعظم ایک مسلمان ہے اور اسلام کا نمائندہ ہے جبکہ گاندھی کافر ہے اور کفر کا نمائندہ ہے، اس لئے اس موقع پر قائد اعظم کا ساتھ دینا اسلام کا ساتھ دینا ہے اور گاندھی کا ساتھ دینا دانستہ یا نادانستہ طور پر کفر کا ساتھ دینا ہے“۔

دوسرا موقع ۱۹۵۳ء میں آیا جب ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر مرزائیوں کے خلاف تحریک ختمِ نبوت شروع ہوئی، آپ نے بڑی تندہی سے اس میں حصہ لیا، تقریریں کیں، جلوسوں میں شریک ہوئے ایک جلوس آپ کی قیادت میں بھوئی سے حسن ابدال پہنچا، اس وقت تو حکومت نے آپ کو گرفتار نہ کیا لیکن جب راولپنڈی جاکر ایک جلوس میں شریک ہوئے تو گرفتار کر کے سنٹرل جیل بھیجدئے گئے جہاں اسی تحریک کے سلسلے میں آپ کے فرزند ارجمند مولانا حسن الدین ہاشمی پہونچ چکے تھے۔

آپ نہایت خوش اخلاق، کم گو، جید عالم دین اور متواضع شخصیت تھے، تصنع اور تکبر سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا، سادگی کا پیکر مجسم تھے۔ ایک دفعہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور تشریف لے گئے اور راقم الحروف (مولانا شرف قادری) سے حمد اللہ پر مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ کے حاشیہ کا ایک نسخہ طلب کیا، میں نے منگوا کر دے دیا، اس وقت میرا ان سے تعارف نہ تھا اور چونکہ سرحد کے اکثر و بیشتر معمر افراد باریش ہوتے ہیں اور سر پر پگڑی باندھتے ہیں اس لئے مجھے یہ خیال تک نہ ہوا کہ یہ اپنے علاقے کے بہت بڑے فاضل ہوں گے۔ ان کے چلے جانے کے بعد کسی نے بتایا کہ مولانا فرید الدین تھے۔

اب مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں ان کے شایانِ شان خاطر و مدارات نہ کرسکا تھا چنانچہ اسی وقت ایک طالب علم کو بھیج کر ان سے واپس تشریف لانے کی درخواست کی چنانچہ آپ بلا تکلف تشریف لے آئے اور فرمایا میرے پاس اس حاشیہ کا قلمی نسخہ موجود تھا لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ یہ حاشیہ چھپ گیا ہے تو میں نے سوچا کہ لے لینا چاہیئے، ان کے ذوقِ علمی اور بے نفسی نے مجھے بہت متاثر کیا۔

آپ سرورِ دو جہاں، محبوب ربِّ انس وجاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے، جب کبھی نعت شریف سنتے تو آپ پر رقت طاری ہوجاتی، اولیائے کرام کا بہت احترام کیا کرتے تھے، جہاں جاتے اہل اللہ کی جستجو میں رہتے۔

یکم صفر، ۱۷ جون (۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء) میں آپ کی شادی ہوئی، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں مولانا حسن الدین ہاشمی کی پیدائش ہوئی، ڈیڑھ سال بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا جو چند ماہ بعد فوت ہوگیا، چند سال بعد آپکی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد آپ نے تجرد کی زندگی بسر کی۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں لیکن جسمانی اولاد میں اس وقت صرف مولانا حسن الدین ہاشمی یادگار ہیں۔

۷ شوال، ۱۴ نومبر (۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء) کو صبح آٹھ بجے بھوئی کی مسجد غوثیہ کے ایک کمرے میں مصروف مطالعہ تھے کہ دل کا شدید دورہ پڑا اور آپ پر سکتہ کی حالت طاری ہوگئی، ساڑھے پانچ گھنٹے اسی حالت میں گزر گئے آخر دن کے ڈیڑھ بجے جان جان آفریں کے سپرد کردی، ۱۵ نومبر کو حسب وصیت والد ماجد مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ تعالی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ (تذکرہ ص ۳۷۵)

۴۱۔ مبلغ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری قدّس سرہ

مولانا فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ تعالی دنیائے اسلام کے مایۂ ناز مبلغ اور بین الاقوامی شخصیت کے حامل تھے انہوں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی کا اکثر حصہ تبلیغ اسلام میں صرف کیا، پاکستان کے علاوہ افریقہ، امریکہ، ایشیاء اور یورپ کے مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں نمایاں کام کیا۔ مولانا انصاری اپنی دینی خدمات کی بنا پر عالم اسلام میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، مصر کے نائب وزیر اعظم ڈاکٹر عبدالعزیز کامل ۱۸ جون ۱۹۷۴ء کو مولانا انصاری کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے اور ان کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"ان کے انتقال سے عالم اسلام ایک جیدّ عالم، مفکر اور اسلام کے مبلغ سے محروم ہوگیا ہے، میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ڈاکٹر انصاری کے طریقۂ کار سے بہت متاثر ہوں جو تعلیم یافتہ اور ذہین افراد کو متاثر کرتا تھا"

مولانا فضل الرحمن انصاری نے نو عمری میں قرآن پاک حفظ کیا، درسِ نظامی پر

عبور حاصل کیا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ایک عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے، مولانا فرماتے تھے:

"جامعہ علی گڑھ سے سائنس فیکلٹی سے انٹر پاس کرنے کے بعد اسلامی عقائد کے بارے میں عجیب و غریب شکوک و شبہات دل میں پیدا ہونے لگے تھے بلکہ ایک وقت تو دماغ انکار پر مائل ہوگیا تھا"۔

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عالم اسلام کے عظیم ترین مبلغ مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ سے ملاقات ہوئی، ان کی نگاہ کیمیا اثر نے دل و دماغ کی کایا پلٹ دی اور فکر ونظر کا دھارا صحیح سمت کو موڑا، جو دل انکار اسلام پر مائل تھا، دین فطرت کی محبت اور عظمت مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گہوارہ بن گیا۔

پروفیسر محمود حسین صدیقی لکھتے ہیں:

"مولانا کی ذات وہ مرکز تھی جہاں عشق و عقل دونوں آکر ملتے ہیں، سیاح عالم مولانا حافظ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری کی چشم کرم نے فضل الرحمٰن صاحب کے قلب و دماغ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی محبت کے نور سے منور کیا تھا، ایک مبلغ اسلام کی خصوصیّات میں بنیادی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت ہے اور یہ محبت کی چنگاری کسی محبت میں فنا فی اللہ والے کی نظر سے ہی منتقل ہوتی ہے اور پھر شعلہ بن کر جسد خاکی کو جلاکر خاکستر کر دیتی ہے تب ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام سے وابستگی اور اس میں ہمہ تن انہماک پیدا ہوتا ہے"۔

اب نہ صرف مولانا کے خیالات بدل گئے بلکہ وضع قطع میں بھی تبدیلی آگئی۔ فیکلٹی آف تھیولوجی میں داخلہ لیا، فلسفہ میں مولانا ظفر الحسن اور دینیات میں مولانا سید سلیمان اشرف کے شاگرد بنے، اول درجہ میں امتحان پاس کیااور وہ امتیازی مقام حاصل کیا کہ طالب علمی ہی میں اساتذہ آپ پر فخر کرنے لگے۔

کراچی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ، پیر و مرشد مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی کے ساتھ دنیا بھر کے تبلیغی دورے کئے اور اپنی سحر انگیز خطابت سے دلوں کی دنیا پر نقشِ اسلام ثبت کیا ، پیر و مرشد کے ساتھ پہلے دورۂ دنیا کے بعد گزیٹڈ عہدے سے استعفاء دے دیا اور مکمل طور پر مطالعہ و تبلیغ کے لئے وقف ہوگئے ۔ آپ نے دورۂ فلپائن کا ایک مشاہدہ بیان فرمایا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

۱۹۵۰ء میں کوتاباٹو میں شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرمانے والے تھے ، عین تقریر کے وقت برق و باراں کے آثار پیدا ہونے سے مجمع میں اضطراب پیدا ہونے لگا حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی نے نور بصیرت سے معلوم کر کے اعلان کرادیا کہ آپ اطمینان رکھیں بارش نہیں ہوگی ۔ چنانچہ آپ کی دو گھنٹے کی ولولہ انگیز تقریر کے دوران بارش نہ ہوئی اور بعد میں موسلا دھار بارش ہوئی ۔ یہ آپ کی بین کرامت تھی جس نے بے شمار دلوں کو متاثر کیا ۔

مولانا انصاری کا یہ کارنامہ نا قابل فراموش ہے کہ آپ نے شمالی ناظم آباد ، کراچی میں ایک ادارہ المرکز الاسلامی (ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشن) قائم کیا جہاں سے زیادہ تر غیر ملکی طلباء حالات حاضرہ کی ضروریات کے مطابق تبلیغ اسلام کی تربیت حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں فرائض تبلیغ انجام دیتے تھے ۔ بقول مولانا انصاری اس ادارہ سے ۴۱ ادارے وابستہ ہیں جو دنیا کے گوشے گوشے میں فرائض تبلیغ انجام دے رہے ہیں خدا کرے کہ مولانا کے لواحقین اس ادارہ کو ان کے مشن کے مطابق چلاتے رہیں ۔

مولانا فضل الرحمن انصاری انگریزی میں سحر انگیز تقریر فرماتے تھے ۔ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں ممتاز اہل علم کے سامنے آپ نے بارہا تقریر کی اور بیشمار اہلِ علم آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ۔ قدرت نے

آپ کو تحریر و تقریر میں یکساں کمال عطا فرمایا تھا ۔ آپ نے تقریباً ۲۵ کتابیں دعوت اسلام کی تشریح اور افکار باطلہ کی تردید میں انگریزی زبان میں لکھیں اور اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا ۔ حال ہی میں آپ کی ایک تصنیف دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے جسے انگریزی دان طبقہ نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے ۔ آپ جمعیۃ الفلاح ، کراچی کے رسالے وائس آف اسلام کے پہلے ایڈیٹر تھے ، آپ کی نگرانی میں انگریزی زبان میں ، ماہنامہ منارٹ شائع ہوتا تھا جو وقیع مضامین پر مشتمل ہوا کرتا تھا ۔

۱۱ جمادی الاولی ، ۳ جون (۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء) بروز سوموار دس بجے دن مولانا فضل الرحمن انصاری کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا ، نماز جنازہ مولانا سید محمد کریم الجیلانی نے پڑھائی ۔ آپ کا مزار المرکز الاسلامی شمالی ناظم آباد کراچی کے احاطہ میں بنایا گیا ہے ۔ آپ نے ایک فرزند ایک بیوہ اور چار صاحبزادیاں یاد گار چھوڑیں ۔ آپ مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعیم صدیقی کے نہ صرف فیض یافتہ اور خلیفہ مجاز تھے بلکہ داماد بھی تھے ۔

جامعۂ کراچی اور سندھ کے بانی شیخ الجامعہ پروفیسر اے بی حلیم نے جمعیت الفلاح میں مولانا انصاری کی یاد میں ایک تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

" مولانا انصاری تمام مذاہب اور مشرقی و مغربی علوم کے ماہر تھے ، انہوں نے اسلام کو بہترین شکل میں پیش کیا ، ان کا مشن کامیاب رہا اور بہت سے غیر مسلم ان کے خلوص محبت اور جذبہ کو دیکھتے ہوئے اسلام لے آئے ، ان کے دل میں اسلام اور ملک کی محبت تھی اور انہی خوبیوں کی وجہ سے وہ اسلامی دنیا میں بہت بڑا مقام رکھتے تھے " ۔

پروفیسر محمود حسین صدیقی نے کہا:

" غیر مسلم ان کی علمی بصیرت کے اس قدر مدّاح تھے کہ ان کو گریٹ تھنکر (Great

Thinker) کا خطاب دیا گیا، وہ کوئی سیاسی شخصیت یا سرمایہ دار نہیں تھے لیکن عالم اسلام میں لاکھوں افراد کے دلوں میں ان کا مقام ہے"۔

ماہنامہ فکر و نظر میں ہے:

"ڈاکٹر انصاری نے ملک اور بیرون ملک خصوصاً افریقی اور لاطینی امریکہ میں وسیع پیمانہ پر تبلیغی کام کو منظم کیا تھا وہ بیرونی ممالک میں قائم شدہ اسلامی مشن کے وفاق کے بھی سربراہ تھے اور اس حیثیت میں متعدد ممالک کا دورہ کر چکے تھے۔ آپ کی تصانیف میں معاشرہ کی قرآنی بنیادیں نمایاں مقام رکھتی ہے، یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، عصرِ حاضر کے اسلامی لٹریچر میں یہ کتاب ایک بہت ممتاز حیثیت کی مالک ہے"۔

مشہور شاعر ماہر القادری نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ قرار دیا، انہوں نے کہا کہ مرحوم کی تبلیغی، علمی اور دینی خدمات نا قابل فراموش ہیں اور مرکزِ اسلامی ان کے اخلاص اور عملی جدوجہد کا زندہ ثبوت ہے۔

جناب راغب مراد آبادی نے قطعہ تاریخ کہا:

تبلیغ سے کی بلند اسلام کی شان — تعلیم کی شمعیں بھی جلائیں ہر آن
پوچھو کوئی محرمانِ علمِ دیں سے — جو لانگہ علمِ دیں تھے فضل الرحمن
۱۹۷۴ء

آرزو اکبر آبادی نے یہ قطعہ تاریخ وصال لکھا:

وہ مبلغ تھے نرالی شان کے اہلِ دل کو ہے انہی کی جستجو
جانشین حضرت عبد العلیم جن کی شہرت ہے جہاں میں چار سو
دامن رحمت میں جا کر سو گئے "عابد حق فضل رحمان" آرزو
۱۹۷۴ء

(تذکرہ از مولانا اشرف قادری ص ۳۷۹)

۴۲۔ صدر المشائخ مولانا فضل عثمان فاروقی مجدّدی قدس سرہ

مجاہد ملت، صدر المشائخ حضرت مولانا پیر فضل عثمان مجدّدی ابن حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر المعروف بہ ملا شور بازار (متولد ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء متوفی ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء) قدس سرہما ماہ جمادی الاولی، اگست (۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) میں شور بازار کابل میں خاندان مجددیہ میں پیدا ہوئے آپ کے جد امجد سلسلۂ عالیۂ مجدّدیہ کے برگزیدہ بزرگ حضرت مولانا غلام قیوم قدس سرہ نے آپ کی پرورش فرمائی۔ سنِ شعور کو پہنچنے پر شور بازار کابل کے مشہور مدرسہ مجدّدیہ میں داخل ہوئے اور اپنے دور کے ممتاز افاضل سے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی، منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے والد گرامی حضرت نور المشائخ کے دست اقدس پر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ میں بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم میں والدِ ماجد کے ہمراہ جنوبی افغانستان میں تل کے مقام پر انگریزوں کے خلاف عملی جہاد میں حصہ لیا۔ ان حضرات کی برکت اور فضل ایزدی سے انگریزوں کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور افغانستان کو حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

جب بچہ سقہ نے غازی امان اللہ کے خلاف بغاوت کی تو حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان، افغانستان کے شمالی علاقہ ترکستان میں مقیم تھے۔ آپ نے باغیوں کے خلاف جنرل غلام نبی خان سے مکمل تعاون کیا۔ ترکستان میں بچہ سقہ کے گورنر عطا محمد نے حضرت صدر المشائخ کو قید کر دیا اور جبر و تشدد کے ذریعے بچہ سقہ کی حمایت پر مجبور کیا، آپ نے واضح طور پر فرمایا:

"وہ لیٹرے اور غاصب کو کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کا بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے، بد طینت بچہ سقہ کے سامنے کبھی بھی اپنا سر نہیں جھکائیں گے"۔ گورنر عطا محمد نے آپ کے نا قابل شکست خیالات سے آگاہ ہو کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ اسی اثنا میں جنرل غلام نبی خان نے زبردست حملہ کر کے مزار شریف بلخ اور ترکستان کے

علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح آپ بفضلہ تعالیٰ محفوظ رہے، چند دن بعد غازی امان اللہ نے اقتدار سے دستبردار ہونے کا پیغام بھیج دیا۔ اس لئے حضرت صدر المشائخ نے افغانستان سے معززین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تاشقند کا عزم کیا۔ حکومت روس نے یہ پابندی عائد کر دی کہ تاشقند کے علاوہ نہ تو کسی جگہ قیام کرسکتے ہیں اور نہ نقل و حرکت کی اجازت ہے۔ آپ نے اہل و عیال سمیت آٹھ ماہ اس پابندی میں گزارے، اتنے میں نادر شاہ نے بچہ سقہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر بادشاہت قائم کرلی اور آپ کو کابل بلاکر وزارت انصاف (عدلیہ) میں اصلاح امور شرعیہ کا رکن نامزد کردیا جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ وزارت اپنے فرائض کما حقہ ادا نہیں کرسکتی تو مستعفی ہوکر ارشاد و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

۱۹۴۸ء میں جب یہودیوں نے فلسطین کے عرب مسلمانوں پر حملہ آور ہوکر انہیں بے دخل کرنا شروع کیا تو حضرت صدر المشائخ نے اپنے والدِ ماجد کے ساتھ مل کر پورے افغانستان کا دورہ کیا اور لاکھوں روپے جمع کر کے مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کے توسط سے مظلوم مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھجوائے۔

حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر قدس سرہ نے جب غزنی میں ایک دینی ادارہ نور المدارس کے قیام کا ارادہ کیا، تو حضرت صدر المشائخ نے بے پناہ کوشش سے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور ایک عرصہ تک اس مدرسہ کے نائب صدر رہے۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے لیڈروں نے افغانستان کا دورہ کیا تو آپ نے پورا پورا تعاون کیا، تحریکِ پاکستان کی حمایت میں آپ نے تمام مریدوں کو خاص ہدایات جاری کیں چنانچہ آپ کی تحریک پر قبائلی اور پوہندہ افغانوں نے کشمیر کے محاذ پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد افغانستان اور پاکستان کے درمیان بعض عناصر کے پیدا کردہ اختلافات کو ختم کرنے کے لئے آپ نے مسلسل جدوجہد کی اور یہ کوشش تا حیات جاری رکھی۔

۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ واپسی پر جب کراچی پہنچے تو حسین شہید سہروردی، فیروز خان نون اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے اعلیٰ افسروں نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ اس موقع پر آپ نے دوران تقریر آزادیٔ کشمیر کا اعلان فرمادیا اور کہا کہ ہم اس تحریک کے لئے جہاد کو جاری رکھیں گے۔

بعض مریدین کی خواہش پر آپ نے دہلی، کاٹھیاواڑ، بمبئی، کلکتہ اور مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور جا بجا عالم اسلام اور افغانستان و پاکستان کے اتحاد پر زور دیا۔ اس دورے سے واپسی پر جب کراچی میں افغانستان کے سفارتخانے میں پاسپورٹ پیش کیا تو سفیر نے حکومت افغانستان کے امتناعی حکم کی بنا پر پاسپورٹ کی تجدید یا توسیع سے انکار کر دیا۔ ان حالات میں آپ نے ایک سال کراچی میں قیام فرماکر گلبرگ لاہور میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ نو سال بعد جب حالات معمول پر آئے تو آپ نے اہل و عیال کو بھی اپنے پاس بلالیا۔

مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ نے آپ کے پاکستان میں قیام کا سبب یوں تحریر فرمایا ہے:

" جس زمانے میں افغانستان میں عریانیت اور غیر شرعی امور کی ترویج ہوئی تو آپ نے سخت مخالفت کی چنانچہ اسی وجہ سے آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے اور پاکستان میں قیام فرمایا۔ صدر پاکستان محمد ایوب خان نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی"۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جب ہندوستان نے اعلانِ جنگ کے بغیر پاکستان پر حملہ کیا تو حضرت صدر المشائخ نے اپنے تمام مریدین کو اس جہاد میں شریک ہونے کی تلقین فرمائی، چنانچہ قبائلی علاقہ کے مجاہدین نے آپ کی آواز پر لبیک کہی اور ہر محاذ پر سرفروشانہ خدمات انجام دیں۔ غرض یہ کہ آپ نے اپنی تمام زندگی عام پیروں سے مختلف گزاری اور ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق اور عالم اسلام کے اتحاد کی کوشش کرتے رہے۔ جمعیۃ علماء پاکستان کی ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ کے مریدین

کا حلقہ افغانستان اور پاکستان کے اندر پھیلا ہوا ہے۔

۱۵ ربیع الاول ، ۱۸ اپریل (۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء) کو دن کے ایک بجے البرٹ وکٹر ہسپتال میں اہل سنت کے محبوب رہنما حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان مجدّدی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ ۱۶ ربیع الاول کو ایک خاص چارڈ طیارے کے ذریعے آپ کے جسد مبارک کو کابل پہنچادیا گیا جہاں آپ کو آپ کے والد ماجد کے مزار انور کے پہلو میں خانقاہ عالیہ مجددیہ، قلعہ جواد میں دفن کر دیا گیا۔

مولانا سید شریف احمد شرافت مدظلہ العالی نے قطعہ تاریخ وصال کہا:

شد ز دنیا چوں سوئے دار الخلد — آں شہنشاہ ذُروۂ ثقلین
نسلِ پاک مجدّدِ سرہند — ابنِ فضلِ عمر ، مہِ حسنین
آں کہ صدرِ مشائخِ دیں بود — محرمِ رازِ سیدِ کونین
فیض و رشدش بہ کابل و لاہور — فخرِ فاروق و مظہرِ سبطین
سال ترحیلِ وے شرافت گفت — فضلِ عثمان ، قبلۂ دارین

۱۹۷۳ء

ولہ ایضاً:

بگو ترخیصِ آں فخر المشائخ — کہ محبوبِ جہاں صدر المشائخ

۱۳۹۳ھ

دیگر مادۂ تاریخ:

"حاجی ہادی عفرہ اللہ"

۱۳۹۳ھ

حضرت مولانا فضل عثمان مجدّدی رحمۃ اللہ تعالی کے وصال کے بعد ان کے فرزند ارجمند پیر فضل الرحمن مجدّدی مدظلہ (متولد ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) کو

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابو البرکات قادری مدظلہ العالی نے پاکستان اور افغانستان کے علماء و مشائخ کی متفقہ رائے سے بدر المشائخ کا خطاب دیا اور دستار بندی کرائی۔ (تذکرہ ص ۳۸۴)

۴۳۔ علامۂ زمن مولانا فیض الحسن فیض جہلمی رحمۃ اللہ تعالی

ادیبِ یگانہ ، فاضلِ اجل مولانا فیض الحسن ابن مولانا علامہ محمد حسن فیضی قدس سرہما ۲۷ جمادی الاول ، ۶/ اپریل (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۰ء) کو بمقام بھیں تحصیل چکوال (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے علومِ دینیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد فاتح قادیانیت مولانا محمد حسن فیضی سے کی ، ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ آپ ایک عرصہ تک لاہور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نعمانیہ میں مدرس رہے ، امیر حزب اللہ پیر سیّد فضل شاہ جلالپوری آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا فیض الحسن رحمۃ اللہ تعالی اپنے والدِ گرامی کی طرح ادب عربی کے بینظیر فاضل اور قادر الکلام شاعر تھے۔ امام الائمۃ ، مالک الازمۃ ، سراج الائمۃ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی منقبت میں ایک قصیدہ عربیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

كيف اثنيه جل من اثناء — مل في وصفه حجى العلماء
جل عما نقول فيه كما جل — باوصافه عن النظراء
امامنا بل امام كل امام — و ركن قصر الشريعة الغراء
حيوة دين ابو حنيفه حين — المكرمات و سند الاصفياء
كان و الله روضة الدين في — الغبراء اغصانه على الخضراء
قمر الفلك آفل كل يوم — ولذاك السكون وسط سماء
لا به آفة المحاق و ان لا — يبصر الفضل مقلة عمياء
تمم النظم ايها الفيض و استغفر — لما قد جنيت من اخطاء

ترجمہ:

"میں ان کی کیسے تعریف کروں، وہ تو تعریفوں سے بلند ہیں، ان کی تعریف میں اہل علم کی عقول عاجز ہیں۔ وہ ہماری تعریف و توصیف سے بلند ہیں، جیسے صفات میں اپنے معاصرین پر فائق ہیں"۔

"وہ ہمارے بلکہ ہر امام کے امام ہیں اور قصر شریعت کے ستون ہیں ابوحنیفہ دین کی زندگی، فضائل کا منبع اور اہل صفا کے لئے مرجع ہیں۔ بخدا آپ دین متین کا ایسا باغ تھے کہ جنگل میں ہوتے ہوئے اس کی شاخیں آبادی پر چھائی ہوئی تھیں۔ آسمان کا چاند ہر دن ڈوب جاتا ہے لیکن امت مسلمہ کا چاند آسمان کے وسط میں قائم و دائم رہتا ہے۔ وہ چاند (امام ابو حنیفہ) گرہن کی آفت سے محفوظ رہے اگرچہ اندھی آنکھ اس کی فضلیت کو نہ پاسکے اے فیض اپنی نظم مکمل کر اور اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ۔"

مولانا فیض الحسن کو اپنے والدِ ماجد کی طرح شیخ الاسلام و المسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے والہانہ عقیدت تھی چنانچہ انہوں نے ایک عربی قصیدے میں گلہائے عقیدت اس طرح پیش کئے ہیں جیسے ایک مریدِ صادق اپنے مرشدِ کامل کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے، فرماتے ہیں:

ایا من لک الحسنی وانت مدارھا الیک المعالی والمکارم تنسب
لعمری انت الفرد فی المجد و التقی و اوحد فی الاقرآن حبر مدرّب
و کم مدع للفقر من غیر حجۃ وتخدع للجھال مکرا و یخلب
و لکنہ فی الناس حظک وافر و جدک یعلو کل یوم و یغلب
جبیت من الرحمن رشدا و برکۃ فکل فعال من فعالک اطیب
ومن جاء یرجو من جنابک ینصرف باضعف ما قد کان یرجو ویطلب
و فی یدک الیمنی کؤوس ھدایۃ و طالبھا یسعی الیھا و یشرب

و وجھک میمون و فیہ شھادۃ بانک خیر النخب طرا و انجب
من السادۃ الاخیار کانوا اعزۃ بمرضاتہ کل یجیئ و یذھب
ورثت من الآباء فخرا و سوددا وھمتک العلیا و نفسک تکسب
و امک خیر الام بل غایۃ المنی و رؤیاک اعلی فی الفؤاد واعذب
وشمس سموات تروح وتغتدی وشمس علیّ شمسنا لیس تغرب
أ مولای ھل نظر الیّ تکرما ونفسی فی العصیان تسعی و تداب
وھل کان لی فی کاسک الخیر شربۃ افوز بھا ام اننی اتخیب
الست من القوم الذین یمینھم بمزن فیوضات تسیل و تسکب
ولم اتکلف فی مدیحک اننی اردت فجبرائیل املی مدیحک و اکتب
کما انہ نظمی عجیب باسرہ کذاک و ربی انت فی الخلق اعجب
وحاجات نفسی و الالہ کثیرۃ فختام یا مولای فیھا اعزب
ومثلک یرجی فی الامور لحلھا ونفزع الیہ کلما نتھیب
فھب لی بما ابغی و انک تعلم و فیضک بین الناس یحوی وینھب

(ترجمہ) "اے ممدوح! آپ حسنات و برکات کے جامع اور محور ہیں، فضائل و کمالات آپ کی طرف ہی منسوب کئے جاتے ہیں۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم آپ تقوی و بزرگی میں بے مثل اور معاصرین میں بے نظیر بلند پایہ عالم ہیں۔ بہت سے لوگ کسی دلیل کے بغیر فقر کے مدعی ہیں اور جاہلوں کو مکرو فریب سے لوٹتے ہیں۔ لیکن تمام لوگوں میں فقر کے اعتبار سے آپ کو وافر حصہ ملا ہے اور آپ کی کوشش و ہمت ہر دن بلند سے بلند تر ہے۔ آپ کو اللہ تعالی نے رشد و برکت سے نوازا ہے اس لئے آپ کا ہر فعل پاکیزہ ہے۔ جو شخص بھی آپ کے دربار میں آرزو لے کر آیا وہ امید سے کہیں زیادہ بامراد ہوکر لوٹا۔ آپ کے متبرک ہاتھ میں ہدایت کے جام ہیں، ہدایت کے طالب آتے ہیں اور ان سے سیراب ہوتے ہیں۔ آپ کے چہرۂ انور

میں یمن و برکت اور اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ہر انتخاب سے بہتر اور صاحبِ عزت ساداتِ اخیار سے نجابت میں فائق ہیں اور ہر شخص کی آمد و رفت آپ کی رضا مندی سے ہے۔ آپ کو فخر اور سیادت آباء سے ورثہ میں ملی ہے آپ کی ہمت بلند اور ذات اقدس کریم ہے۔ آپ کی زیادت کا قصد بہترین مقصود بلکہ انتہائے آرزو ہے اور آپ کی زیارت میں دل کے لئے لذّت و سرور ہے۔ آسمان کا سورج کبھی طلوع اور کبھی غروب ہوتا ہے جبکہ مہر علی ہمارا اور آفتاب ہے جسے غروب نہیں ہے۔ آقا کیا آپ مجھ پر نظر کرم فرمائیں گے میرا نفس گناہوں میں کوشاں اور محو ہے۔ کیا آپ کے خیر و برکت والے جام میں میرا حصہ ہے مجھے بھی حصہ ملے گا یا میں محروم ہی رہوں گا؟ کیا میں ان لوگوں میں سے نہیں، ہوں جنہیں آپ کے فیوضات عامہ کے بادل سے نوازا جاتا ہے۔ میں نے آپ کی مدح میں تکلف سے کام نہیں لیا بلکہ میرے ارادہ کرنے پر جبریل امین مجھے لکھاتے جارہے ہیں اور میں لکھتا جارہا ہوں۔ جس طرح میری نظم تمام تر عجیب ہے اس طرح آپ تمام مخلوق سے نہایت عجیب ہیں۔ بخدا میری حاجتیں بکثرت ہیں، آقا! میں ان کے عذاب میں کب تک جلتا رہوں گا۔ آپ ایسی شخصیت ہی سے تمام امور کے حل کی توقع کی جاسکتی ہے، کوئی بھی تکلیف ہو ہم آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ میری آرزو پوری کیجئے جیسے آپ جانتے ہیں، آپ کا فیض لوگوں میں عام ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں"۔

مولانا فیض الحسن فیض نے متعدد کتابوں کا اردو ترجمہ کیا، اس وقت جن کتابوں کے نام معلوم ہوسکے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ علم الکلام۔ از امام غزالی قدس سرہ

۲۔ تجرید الاحادیث از امام عبدالرؤف مناوی قدس سرہ

۳۔ حدائق الاخبار۔ از محمد صادق فرغانی

۴۔ سیرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) از ٹالسٹائی (مفکر روس)

ان کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا، شائع کردہ پیسہ اخبار، لاہور کی تدوین و ترتیب میں آپ کا بہت بڑا حصہ تھا۔

جمادی الاولی، نومبر (۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء) میں اس جلیل القدر علامہ کا وصال ہوا اور اپنے آبائی گاؤں بھیں تحصیل چکوال (ضلع جہلم) میں محو استراحت ابدی ہوئے۔

۴۴۔ استاذ العلماء مولانا محمد قدیر بخش بدایونی قدس سرہ

حضرت مولانا علامہ محمد قدیر بخش ابن مولانا مفتی حافظ بخش رحمہما اللہ تعالی ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں آنولہ (مضافات بریلی) میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے تاریخی نام منظور الحبیب ۱۳۰۷ھ تجویز کیا درس نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں حضرت والدِ ماجد سے پڑھیں شرح جامی کی ابتداء مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی قدس سرہ سے کی اور بعض درسی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں حضرت تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ کے عرس کے موقع پر سند اور دستار فضلیت حاصل کی بعد ازاں حکیم سید حسن مرادآبادی سے دو سال میں طب کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۲۰ء میں مدرس شمس العلوم، بدایوں میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، ۱۹۲۴ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور ۳۲ سال تک نہ صرف محنت و جانفشانی سے علوم دینیہ پڑھائے بلکہ سماجی اور اصلاحی کاموں میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد قدیر بخش قدس سرہ ۱۹۵۶ء میں مستقل طور پر پاکستان (حیدرآباد، سندھ) تشریف لے آئے اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔ تمام زندگی آپ کا مقصد علوم دینیہ کی اشاعت رہا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"میری زندگی کا نصب العین علومِ دین کی اشاعت ہے ۔ بحمد اللہ تعالیٰ میں اپنے اساتذہ کے مسلک کے مطابق اس باب میں جدوجہد عمل میں لا رہا ہوں ، میں نے درسِ نظامی کے مرّوجہ نصاب کی ہی تعلیم جاری رکھی جو بڑی بابرکت ہے اور جامعیت علوم و فنون کے اعتبار سے درس نظامی اکمل ترین نصاب ہے ، اس نصاب کی تکمیل سے تمام علوم و فنون کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ درسِ نظامی ملا نظام الدین سہالوی علیہ الرحمۃ کی زندہ کرامت ہے جن کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا ، اس درس کے ساتھ ساتھ زمانہ کے رجحانات کے پیش نظر پنجاب اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں کے نصابوں کی تعلیم بھی جاری رکھی جو درس نظامی میں قدرے ترمیم کے بعد ترتیب دیئے گئے ہیں"۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک رسالہ کتاب النکاح و الطلاق ۱۹۵۶ء میں حیدر آباد ، سندھ میں شائع ہوا ، ایک اور رسالہ علم الفرائض کا مسودہ آپ کے فرزند مولوی عبدالباری کے پاس محفوظ ہے ۔

آپ کے طویل عرصۂ تدریس میں سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب کیا ۔ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں ۔

۱۔ حضرت مفتی عزیز احمد مدظلہ العالی خطیبِ جامع مسجد جامعۂ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

۲۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

۳۔ مولانا عبدالحامد بدایونی

۴۔ مولانا عبدالواحد عثمانی

۵۔ مولانا عبدالحلیم چشتی

۶۔ مولانا نادر حسین بدایونی

۷۔ مولانا محمود الحسن بدایونی

۸۔ مولانا عبدالقیوم ناطق ، جے پوری

۹۔ میر سرفراز علی جے پوری

۱۰۔ مولانا حکیم نسیم الدین نقوی (حیدر آباد ، سندھ)

۱۱۔ پروفیسر کے ۔ ایل دتہ (مہاراج کالج جے پور)

۱۲۔ حافظ مبارک علی نابینا (سابق ایم ایل اے ، حیدر آباد سندھ) وغیرہم ۔

حضرت مولانا محمد قدیر بخش قدس سرہ کا وصال ۹ ربیع الثانی ، ۱۳ نومبر (۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء) بروز ہفتہ حیدر آباد ، سندھ میں ہوا ، پروفیسر محمد ایوب قادری نے تاریخ وفات کہی :

"ہائے ہائے مولانا قدیر بخش"

۱۳۷۶ء

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ وصال کہا جس میں مولانا کی ساری زندگی کا عکس موجود ہے :

ولی صفت تھے محمد قدیر بخش ، ضیاء	تھے علم و فضل میں یکتائے عصر بے تمثال
پدر بھی آپ کے تھے عالم و ولی و فقیہ	تھے آپ بھی ہمہ تن علم و فضل و زہد و کمال
حدیث و منطق و تفسیر و فقہ و علم کلام	غرض تھے ماہر ہر فن ، بغیر قیل و قال
تھے آپ باہمہ اوصاف علم و زہد و سلوک	خلیق و نیک صفت ، متقی فرشتہ خصال
سند فراغ کی تھی دستِ مقتدر سے ملی	رہے مدرّس اعلیٰ وطن ہی میں کچھ سال
چلے بدایوں سے جے پور میں اقامت کی	تھے قدر دان ، ریاست کے سارے اہلِ کمال
برائے چندے ، ریاست سے آئے پاکستان	یہاں مقیم تھے ممدوح کے کچھ اہل و عیال
پسر تھے آپ کے مسکن گزین حیدرآباد	یہیں قیام پذیر آپ بھی ہوئے فی الحال
نثار شان قضاء و قدر بحکم قدیر	پدر کا ہوگیا نورِ نظر کے گھر میں وصال
ہزار حیف ! سدھارے بہشت کو مرحوم	ہیں قادریوں کے دل ان کے غم میں محو ملال

میرے حبیب و صدیق و ولی تھے مولانا ... میں ان کی دید سے محروم رہ گیا امسال
کریم ! بعد فنا مغفرت کرے ان کی ... سکون و صبر عطا ہو برائے اہل و عیال
ضیاء تلاش ہے تاریخ کی تو کہہ دیجئے ... "ولی حبیب محمد قدیر بخش" ہے سال

١٣٧٦ھ

(تذکرہ از مولانا شرف قادری ص ۳۹۸)

۴۵۔ مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین جھنگوی قدّس سرہ العزیز

مناظرِ جلیل، طبیبِ حاذق حضرت مولانا حکیم محمد قطب الدین ابن مولوی احمد بخش موضعِ پیر کوٹ سدانہ (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی بعد ازاں صرف و نحو کے امام مولانا حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گھوٹہ (ضلع ملتان) میں حاضر ہوئے اور صرف سے لے کر عبد الغفور (حاشیۂ شرح جامی) اور متنِ متین تک کتابیں پڑھیں، حضرت حافظ صاحب کے وصال کے بعد شمس العلماء مولانا غلام حسین قریشی ساکن تلیری کی خدمت میں مصروفِ تعلیم رہے، اس کے بعد دہلی چلے گئے اور طبیہ کالج دہلی میں داخل ہوئے۔ یکم رمضان المبارک، ١٣ جولائی۔ ١٣٣٣ھ / ١٩١٥ء) کو فاضلِ طب و جراحت کی سند اور تمغہ حاصل کر کے واپس پنجاب تشریف لائے۔

آپ کو طالب علمی کے دور ہی سے تقریر و مناظرہ سے دلچسپی تھی۔ قیامِ دہلی کے دوران مسلمانانِ دہلی نے فوارہ کے مقام پر مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے آپ ہی کو منتخب کیا ہوا تھا۔ آپ نے دہلی، آگرہ وغیرہ مقامات میں عیسائی اور آریہ مبلغین سے مناظرے کئے اور انہیں شکست فاش دی، بڑے بڑے مناظر آپ کا سامنا کرنے سے پہلو تہی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آگرہ میں ایک آریہ کیساتھ آپ کا مناظرہ ہوا، شرائط مناظرہ میں ایک بات یہ طے ہوئی کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کیا جائے جو فریقین میں مشترک ہو۔ آریہ نے اسلام پر اعتراض کیا کہ اس مذہب میں انصاف نہیں ہے۔ مثلاً جب مسلمان کی ہوا خارج ہوجائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور پھر لطف یہ کہ جہاں سے ہوا خارج ہوئی اس کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضاء کو دھونا شروع کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا: تم شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہو کیونکہ یہ مسئلہ فریقین میں مشترک ہے، دیکھو جب تمہارا کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کے چند خاص رشتہ دار چاہے اس سے ہزاروں میل کے فاصلے

پر ہوں خبر ملتے ہی غسل کرتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں، برتنوں اور چوکے کی صفائی کرتے ہیں مرنے والا ہزاروں میل دور ہے اور اس کی پلیدی یہاں اثر کر رہی ہے، وضو کے اعضاء تو پھر بھی قریب ہیں۔

آریہ مناظر نے دوسرا اعتراض کیا: تم چند کلمات پڑھ کر جانور کو چھری، چاقو سے ذبح کر دیتے ہو، میں پوچھتا ہوں وہ جانور پہلے حلال تھا یا ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا؟ اگر پہلے ہی حلال تھا تو کلمات پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا ہے تو چاہیئے کہ بلی کتے پر بھی یہی کلمات پڑھ کر ذبح کر کے کھا جاؤ، مولانا نے فرمایا۔ پنڈت صاحب ذرا ہوش سے بات کرو، تم پھر شرائط کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کیونکہ یہ مسئلہ بھی فریقین میں مشترک ہے، دیکھئے جب آپ نکاح پڑھاتے ہیں تو آپ کا برہمن "بھوج" پڑھتا ہے اور دولہا کو دلہن کے گرد چند چکرؔ دلاتا ہے۔ اب بتایئے کہ بھوج پڑھنے اور چکر دلانے سے دلہن، دولہا پر حلال ہوئی ہے یا پہلے ہی حلال تھی؟ اگر پہلے ہی حلال تھی تو بھوج پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان کلمات سے حلال ہوئی ہے تو چاہیئے کہ بھوج پڑھ کر اور چکرؔ کاٹ کر ماں بہن کو بھی حلال کر کے نکاح میں لے آؤ! غرض مولانا کی سخت گرفت پر آریہ مناظر کو راہ فرار کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

مسئلۂ تقلید شخصی پر موضع بدو آنہ تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری سے مناظرہ کیا اور فتح مبین حاصل کی، اس مناظرہ میں احناف کی طرف سے مولانا محمد قطب الدین کے علاوہ مولانا غلام حسین تلیری، مولانا غلام محمد گھوٹوی اور مولانا نظام الدین ملتانی شریک تھے، اور غیر مقلدین کی طرف سے مولوی ثناء اللہ، مولوی عبدالحمید بدو آنوی، مولوی عبدالوہاب دہلوی اور مولوی محمد یار حویلی بہادر شاہ موجود تھے۔ ۲۵/ستمبر ۱۹۲۵ء کو روڈ چدھڑ (ضلع لائل پور) میں مولوی فیض محمد لکھیانوی (مخالف صحابہ) سے مناظرہ کیا اور پانچ اہم مسائل پر گفتگو کر کے زبردست فتح

حاصل کی، مولانا نے اپنی تمام زندگی مذہبِ اسلام اور مسلکِ اہل سنت و جماعت کے تحفظ اور اشاعت میں بسر کی۔

مولانا منفرد انشاء پرداز اور صاحبِ قلم تھے، آپ کے مضامین عرصہ تک مجلّہ طبیہ دہلی، المنیر دہلی، الفقیہ امرتسر، شمس الاسلام بھیرہ، لمعات الصوفیہ اور انوار الصوفیہ سیالکوٹ وغیرہ جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں سے دو رسالے "فیصلۂ شرعیہ" (ردّ روافض) اور خونی داستان چھپ چکے ہیں۔

حضرت مولانا، تحصیل علم کے بعد امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، حضرت امیر ملت کی معیتؔ میں دو دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرّف ہوئے۔ آپ ہی کی استدعاء پر حضرت امیرِ ملت کی تشریف آوری جھنگ میں ہوئی، جا بجا تبلیغی جلسے ہوئے اور کثیر التعداد بندگانِ خدا شرفِ بیعت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بہت عقیدت تھی، حضرت امیرِ ملت بھی آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ آپ کو خلافت عنایت فرمائی اور ہمیشہ الطاف خسروانہ سے نوازتے رہے۔

حضرت مولانا محمد قطب الدین رحمۃ اللہ فنِ طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید اور علوم دینیہ سے تو انہیں اتنا لگاؤ تھا کہ اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو حفظ قرآن کرایا تھا ایک صاحبزادی کو مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف پڑھا رہے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں، ایک حافظ، عالم اور طبیب حکیم محمود الحسن، طب کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور دوسرے اہل سنت کے مایۂ ناز مدرس، مناظر اور خطیب مولانا عبدالرشید جھنگوی مدظلہ دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ ۲۵ ربیع الثانی، ۲۹ اکتوبر (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) بروز جمعرات تین بجے دن واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مرقد انور قطب آباد (چک ۲۳۲

جوتیا نوالہ، ڈاک خانہ چک ۲۳۳، ضلع جھنگ) میں ہے۔ آپ کی یاد میں مزار شریف کے پاس "جامعہ قطبیہ رضویہ" قائم کیا گیا ہے، حضرت مولانا حکیم خادم علی قدس سرہ نے تاریخ وفات کہی، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عالم و فاضل، فقیہ نامدار بود در دنیا ز دنیا بر کنار
ماہرِ اسرارِ تفسیر و حدیث مخزنِ انوار و شیخ روزگار
در شریعت بد مثالِ کوہسار در طریقت بحرِ نا پیدا کنار
حاملِ تاثیر ہا تقدیرِ او بود تحریرش چو دُرِّ شاہوار
فیض یاب از آفتابِ معرفت حضرت شاہ جماعت با وقار
از نگاہش قطبِ دین ابدال شد کرد سیمیں سینہ اش را زر نگار
آہ! آں فرخ سیر شیریں مقال شد درونِ خاکِ مرقد پردہ دار
ہست دار الفاظ سالِ رحلتش سہ صد و ہفتاد و نہ بایک ہزار

۱۳۷۹ھ

از ربیع الآخر آمد بست و پنج چوں برفت او جانبِ دار القرار
وقت ظہرش بود وقتِ انتقال روز پنج شنبہ بیاید در شمار

(تذکرہ از مولانا شرف قادری ص ۴۰۱)

۴۶۔غازی کشمیر قائدِ تحریکِ ختم نبوت مولانا علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری قدس سرہ

حضرت علامہ مولانا سید محمد احمد قادری ابن امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہما ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں محلہ نواب پورہ، الور میں پیدا ہوئے۔ حافظ عبدالحکیم اور حافظ عبدالغفور سے کلام پاک حفظ کیا، اسی دوران مرزا مبارک بیگ سے اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم شروع کی اور جگت استاد قاری قادر بخش سے تجوید کی مشق کی۔ گیارہ بارہ سال کی عمر میں حفظِ کلام پاک کے ساتھ ساتھ اردو

انشاء پردازی اور فارسی میں کسی قدر مہارت حاصل کر لی، پھر تمام علوم و فنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔

اسی اثناء میں مشین سازی، رنگائی، کارپنٹری، گھڑی سازی، خیاطی اور ٹیلیفون کا کام سیکھ لیا، مراد آباد میں حکیم نواب حامی الدین سے علمِ طب حاصل کیا۔ حضرت صدرالافاضل کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرّف ہوئے۔

تحصیلِ علوم سے فارغ ہوتے ہی ایک حادثہ رو نما ہوا، ہندوؤں نے الور کی مسجد ترپولیہ شہید کر دی، اس واقعہ نے مولانا کو شعلۂ جوّالہ بنادیا، آپ نے خداداد خطیبانہ صلاحیتیوں سے مسلمانوں میں روح پھونک دی، مسجد کی واگزاری کے لئے زبردست جدوجہد شروع ہوگئی، مولانا کو گرفتار کر لیا گیا لیکن مسلمانوں کے شدید دباؤ کی بناء پر مہاراجہ الور نے نہ صرف مولانا کو رہا کیا بلکہ سرکاری خرچ سے مسجد دوبارہ تعمیر کردی۔

حضرت علامہ ابوالحسنات قدس سرہ تبلیغِ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، متحدہ پاک و ہند کا شائد ہی کوئی گوشہ ایسا ہوگا جہاں تبلیغِ اسلام کی خاطر آپ نہ پہنچے ہوں، ذریعۂ معاش کے طور پر مطب جاری رکھا، اس طرح روحانی امراض سے بھی زندگی بھر جہاد کرتے رہے۔

مسجد وزیر خان، لاہور کی خطابت سے امام المحدّثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سبکدوش ہوئے تو سر ظفر علی ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ و متولیّ مسجد وزیر خان نے بڑے اصرار کے ساتھ منصب خطابت مولانا ابوالحسنات کے سپرد کیا چنانچہ مولانا الور سے رخت سفر باندھ کر لاہور تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لئے لاہور کے ہو کر رہ گئے۔

لاہور سے جو بھی دینی و ملّی تحریک اٹھی اس میں آپ امتیازی حیثیت سے شریک ہوئے۔ الور میں آپ انجمن خادم الاسلام کے صدر اور فتوی کمیٹی کے ہیڈ مفتی تھے۔

مسجد وزیر خاں میں بزمِ تنظیم قائم ہوئی جس کے صدر بنائے گئے، اس تنظیم کے شعبۂ تالیف کے زیرِ اہتمام ۳۵ ٹریکٹ لکھ کر شائع کئے، انجمن حزب الاحناف، لاہور کے امیر مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس نے تحریکِ پاکستان میں جس سرفروشی اور جاں سپاری سے کام کیا، اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایک ایسی ہمہ گیر تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی جو اہلِ سنت و جماعت کو منظم کرنے کے ساتھ ملکی اور ملی مسائل میں راہنمائی کا فریضہ انجام دے، غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحریک پر انوار العلوم، ملتان میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان بھر کے علماء مشائخ نے شرکت کی، جمعیۃ العلماء پاکستان کی تشکیل کے بعد حضرت علامہ ابوالحسنات صدر، اور حضرت علامہ کاظمی، ناظمِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔

جمعیۃ العلماء پاکستان اور جمعیۃ المشائخ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق، مئی ۸ ۱۹۴۸ء بروز جمعہ پاکستان بھر میں یوم شریعت منایا گیا، جلسے منعقد ہوئے، قائد اعظم اور اسلامی جرائد کو تار دیئے گئے اور حکومت پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں قانون اسلامی نافذ کیا جائے۔

مجاہدین اسلام کشمیر کے محاذ پر حق خود ارادیت کے حصول کے لئے جانبازی کا مظاہرہ کر رہے تھے، مودودی صاحب نے اس جنگ کو جہاد تسلیم نہیں کیا، حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالی نے فتویٰ دیا کہ یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے مجاہدین کی امداد کرنی چاہیئے۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کی تحریک پر ۸۰ ہزار روپے سے زائد کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ صدر جمعیۃ نے بنفسِ نفیس احباب سمیت محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے اور مجاہدین کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ انہیں سامانِ ضرورت مہیا کیا، ان مساعی جمیلہ کی بنا پر آپ کو "غازی

کشمیر" کا لقب دیا گیا۔

جہادِ کشمیر کے قائدین نے آپ کی خدمات کا برملا اعتراف کیا اور آپ کا شکریہ ادا کیا چوہدری غلام عباس، پریزیڈنٹ آزاد کشمیر و صدر مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

۹ مئی ۱۹۴۹ء سیالکوٹ

احقر غلام عباس

محترم جناب ابو الحسنات صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج شریف!

آپ کا خط ملا، اس سے قبل بھی جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا تھا، قیام لاہور کے دوران میں نے آپ سے ملاقات کی بے حد کوشش کی لیکن مصروفیت کی وجہ سے میں ایسا نہ کر سکا، امید کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

جہادِ کشمیر اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کی مالی، اخلاقی اور سیاسی سرگرمیاں باعثِ تشکر و اطمینان میں، خدا آپ کو، ہم کو مشترکہ مقصد میں جلد کامیاب کرے، آمین ثم آمین۔

ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو:

فورسز ہیڈ کوارٹرز لائن

السلام علیکم

۴۹-۴-۱۶، محترم بندہ

گذشتہ ماہ مجھے لاہور مدعو کیا گیا وہاں آپ اور آپ کے رفقاء نے جس خلوص اور ہمدردی کا ثبوت دیا اس کے لئے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں، من لم یشکر

الناس لم یشکر اللہ۔

آپ کی ذاتِ گرامی سے امیدِ واثق ہے کہ بسلسلہ استصواب رائے کشمیر آپ کی مساعیٔ جمیلہ اس وقت تک جاری و ساری رہیں گی جب تک تمام کشمیر اور اس کے ملحقات کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو کر وہاں اسلام کا قرآنی نظام نہ ہو جائے!

والسلام بالوف الاحترام

احمد علی شاہ
وزیر دفاع آزاد کشمیر

قیامِ پاکستان کے بعد ختم نبوت کے قصر رفیع میں نقب لگانے والے مرزائی قادیان سے منتقل ہو کر پاکستان آ گئے اور پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ کے نام سے برائے نام قیمت کے عوض ربوہ کی زمین حاصل کر کے ارتداد پھیلانے میں مصروف ہو گئے، اس فتنے کے انسداد کے لئے پاکستان کے تمام علماء، سنی، دیو بندی، غیر مقلد، جماعت اسلامی اور شیعہ نے مل کر ۱۹۵۳ء میں مجلسِ عمل قائم کی جس کے صدر مولانا ابوالحسنات قادری منتخب ہوئے۔ متفقہ طور پر خواجہ ناظم الدین کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ظفر اللہ کو وزارت کے منصب سے بر طرف کیا جائے اور مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے لیکن اربابِ اقتدار ٹس سے مس نہ ہوئے، آخر طے پایا کہ ایک وفد کراچی جا کر مرکزی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملے اور اپنے مطالبات پیش کرے۔

خواجہ صاحب نے معذوری کا اظہار کیا اور قائدینِ وفد کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہونے لگے جلوس نکلنے لگے عوام و خواص کے مطالبے اور احتجاج کی شدت کے ساتھ ساتھ حکومت کا تشدد بھی بڑھتا گیا اور پورے ملک کے جیل خانے فدائیانِ ختم نبوت سے بھر گئے۔

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر زعماء کو سکھر جیل میں منتقل کر دیا گیا، آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کو بڑی استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ جب پسِ دیوار زنداں آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری مدظلہ کو تحریکِ ختم نبوت میں حصہ لینے پر پھانسی کی سزا دی گئی ہے تو آپ نے بے ساختہ کہا:

"الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرمالیا"

بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ آپ نے ایام اسیری میں قرآن پاک کی تفسیر الحسنات لکھنے کا کام شروع کر دیا اور معتد بہ حصہ جیل ہی میں لکھا۔ جب دیگر زعماء گرفتار ہو گئے تو مجاہد اسلام مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ العالی نے مسجد وزیر خاں کو مرکز بنا کر اپنی شعلہ بار تقریروں سے تحریک کو آگے بڑھایا، انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور ان کے خلاف پھانسی کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قریب تھا کہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی لیکن بعض آسائش پسند لیڈر حکومت سے معافی مانگ کر رہا ہو گئے، بعد ازاں مولانا ابو الحسنات اور مولانا عبدالستار خاں نیازی کو بھی رہا کر دیا گیا، اس طرح یہ تحریک وقتی طور پر رک گئی۔ ۱۹۷۴ء میں دوبارہ یہ تحریک چلی تو کامیابی سے ہمکنار ہو گئی اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار دے دئے گئے۔

حضرت علامہ ابوالحسنات مایۂ ناز خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ میدان تحریر نظم و نثر پر قدرت کاملہ رکھتے تھے، حافظ تخلص کرتے تھے، انجمن حمایت اسلام، لاہور کے ایک اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور غزل پڑھی:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

حضرت علامہ ابوالحسنات نے اس کے جواب میں ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں:

تو ہی خود ، جب اے دلِ حُسن جو ہو اسیر زلفِ دراز میں
تو کمی ہو کیوں ترے سوز میں ، ترے فکر آئینہ ساز میں
جو دبائے حشر کے فتنے سب ، جو اٹھائے حشر میں فتنے سب
وہ ہے کام آپ کے لطف کا ، یہ ہے لطف آپ کے ناز میں
تری آرزو تو سعید ہے ، مگر ایسا ہونا بعید ہے
کہ جمالِ یار کی دید ہو ، رہے تو لباس مجاز میں
تجھے اور وصل کی آرزو + تجھے دیدِ حسن کی جستجو
نظرِ ہوس تری آبرو نہیں ، چشمِ بندہ نواز میں

یہ غزل سنکر علامہ اقبال دیر تک عالم وارفتگی میں روتے رہے ، اس غزل کو انہوں نے "جذبات حافظ" کے عنوان سے یاد کر لیا تھا۔

آپ نے تصانیف کا گرانقدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ تفسیر الحسنات ۲۔ ترجمہ کشف المحجوب ۳۔ اوراقِ غم ۴۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ ۵۔ مخمس حافظ ۶۔ مسدّس حافظ ۷۔ دیوان حافظ اردو ۸۔ مرزائیت پر تبصرہ وغیرہ وغیرہ

۲ شعبان المعظم ، ۲۰ جنوری (۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے ہوا ، وصال سے کچھ پہلے یہ شعر زبان پر تھا:

حافظ رند زندہ باش ، مرگ کجا و تو کجا
تو شدہ ای فنائے حمد ، حمد لہٖ لقائے تو

یہ آپ کی اسلامی خدمات کا ایک ثمر تھا کہ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے احاطہ مزار میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔

مولانا غلام دستگیر نامی نے تاریخ وفات کہی:

دریغا ابن دیدار علی شاہ + محمد احمد شریں بیاں رفت
ابو البرکات را اخ + مکرم + کہ بد محمود را عم کلاں رفت
خلیلش جانشینِ نام بردار + بماند ، چونکہ فخر خاندان رفت
بتاریخ وفاتش گفت نامی . ابو الحسنات اجمل از جہاں رفت

۱۳۸۰ھ

مکرمی حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے "لقد دخل الجنۃ مولانا" (۱۳۸۰) سے تاریخ وصال استخراج کی ہے۔ (تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۲۲)

۷۴۔ محقق جلیل مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا محمد اعظم المعروف بہ حضرت باباجی ابن مولانا محمد یار موضع دانگلی ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء ہے۔ فارسی کی تعلیم چودھری شہباز خان مصنف وقائع پنوں سے حاصل کی۔ فقہ، حدیث شریف اور علوم قرآنیہ کی زیادہ تر تعلیم والدِ ماجد سے حاصل کی، کچھ عرصہ قصبہ فتح گڑھ ، چوڑیاں (ضلع گورداسپور) اور امرتسر میں پڑھتے رہے، علم ادب اور طب مولوی دوست محمد ہاشمی قریشی فتح گڑھی سے حاصل کیا۔ حضرت سید فقیر اللہ شاہ بادشاہ مشہدی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ نوشاہیہ میں خلافت سے مشرّف ہوئے۔

مروّجہ علوم سے فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ محکمہ مال لدھیانہ میں کام کرتے رہے لیکن حضرت شیخ کی محبت نے آپ کو کھینچ لیا اور حضرت شیخ کی حیاتِ ظاہری تک آپ

آستانۂ شیخ کے سوا کہیں نہیں گئے۔ آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ آپ شریعت و طریقت کے جامع، علوم دینیہ کے جیدّ فاضل اور سلف صالحین کے اخلاق کے پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین خطاط، مایۂ ناز طبیب، نغز گو شاعر اور کتب کثیرہ کے مصنف تھے۔

مولانا محمد اعظم قادری بڑے راسخ العقیدہ بزرگ تھے، ہمیشہ وہابیوں، دیوبندیوں اور دیگر باطل فرقوں سے اجتناب کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ کے بھانجے مولانا عبدالخالق دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، آپ نے انہیں ایک منظوم خط لکھا، اس خط کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تا توانی از وہابی در گریز بر سر چکڑالوی ہم خاک ریز
در دہانِ خارجی بگذار گوز رافضی را نیز در آتش بسوز
شیخ نجدی را براں از خویشتن تا نیندازد ترا اندر فتن
گرچہ پیش آیدِ رہ دیگر برو نیست شیطان و وہابی ہیچ دو
الحذر ! بہرِ خدا کل الحذر از وہابی و ز کلامش پُر خطر
پائے بوسِ اہل حق شو اے پسر الوہابی یجرک فی السقر
خاصہ آں خادع کہ او حنفی نماست صحبتش مگزیں کہ آواز حق جداست

اتفاقاً یہ خط مولوی محمود حسن دیوبندی کے پاس پہونچ گیا، اسے دیکھتے ہی انہوں نے مولوی عبدالخالق کو مدرسے سے خارج کر دیا۔

ایک اور نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں انہوں نے ازراہِ خوش طبعی پنجابی الفاظ فارسی اشعار میں سمو دیئے ہیں:

دماغِ دیوبندی را گرفتہ بوئے بد نجدی فرود آرد بہ شکمش تا دہد آواز گڑ گڑہا
نہ معلوم است کا یشاں را بہ پیغمبر پرخاش ست کہ از مدح و ثنائے او بدل دارند کڑ کڑہا

چو بغضِ مصطفیٰ او در دل چہ ایمانے چہ اسلامے چہ شک فردا بنار افتند باہم جملہ جڑ جڑ ہا
چو پیشِ اہلِ حق آیند تاب گفتگو نارند گریزاں می روند اما ز پس بینند مڑ مڑ ہا

کانگرسیوں پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پڑی اپنے دل میں جو یہ ہوس ہائے کانگرس ہائے کانگرس
رہا رب، نبی نہ دھیان میں بنے آپ گاندھی جو ہُو بہو

ایسا ہی ایک فارسی شعر ہے:

من از ذکر قرآں چہ اندوختم چرا وردِ گاندھی نیاموختم

مرزائیت پر بھرپور چوٹ ملاحظہ ہو:

اے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے مہدی بنے، مسیح بنے، مقتدا بنے
بے شرم تو بھرا نہیں، گو ہم خیال میں نانک بنے، کرشن بنے اور خدا بنے

آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ غایۃ الغایۃ فی برء الساعۃ (اردو) حکیم زکریا رازی کے رسالہ برء الساعۃ کا ترجمہ، مطبوعہ ۱۸۸۷ء)

۲۔ تحفہ اخوان الصفا فی جواز السماع و الغناء (سماع مشائخ کے جواز پر) (میرووال سے شائع ہوا)

۳۔ رحمۃ الرحمن شرح قصیدہ النعمان (قصیدہ امام اعظم کی اردو شرح، پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے چھپی اور حال ہی میں مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ سے شائع ہوئی ہے)۔

۴۔ تحفۃ الفقراء المعروف نذرِ مولی (تصوف) ۱۳۳۳ھ میں میرو وال سے چھپی)

۵۔ اسم اعظم (۱۳۴۳ھ میں میرو وال سے چھپی)

۶۔ القصیدہ الیوسفیہ شرح قصیدہ غوثیہ یہ شرح دوسری بار ادارۂ معارف اعظمیہ نوشاہیہ مریدکے سے شائع کی جاچکی ہے۔

۷۔ بے مثل بشر۔ فضائل مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر بہترین کتاب۔ (۱۳۵۰ھ میں میرو وال سے شائع ہوئی)

۸۔ ہدایۃ المریدین (یہ رسالہ جناب محمد لطیف زار نے ۱۳۹۲ھ میں دوبارہ شائع کیا)۔

پاکستان کے مشہور نعت خوان اور نعت گو جناب چشتی کا نام حضرت مولانا محمد اعظم قادری رحمۃ اللہ تعالی کے نام پر رکھا گیا تھا کیونکہ جناب چشتی صاحب کے والدِ ماجد مولانا کے نیاز مند اور مخلص احباب میں سے تھے۔

حضرت مولانا محمد اعظم قادری نو شاہی قدس سرہ کا وصال ۲۲ / شوال، ۲۰ جون ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء کو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ۹ بجے ہوا، آپ کا مزارِ شریف قصبہ میرو وال، ضلع شیخوپورہ کی جامع مسجد اعظمیہ کے احاطے میں ہے۔

(تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۳۳)

۸۴۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی قدس سرہ

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی ابن حضرت خواجہ عبد الرحمن قدس سرہ (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) ابن حضرت شیخ عبدالقیوم سرہندی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء) شوال ۲۰ اپریل (۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۲ء) کو قندھار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرّہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حالات کی پراگندگی اور طوائف الملوکی کے سبب ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء میں قندھار سے ارغستان چلے گئے۔ جب امیر عبدالرحمن نے خراسان پر تسلط جما کر قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو حضرت خواجہ عبدالرحمن قدس سرہ نے ۱۲۹۷ھ میں حرمین شریفین کی طرف ہجرت کرنے کے لئے رخت سفر باندھا، سندھ، کراچی اور بمبئی سے ہوتے ہوئے عرب شریف پہنچے، ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۰۲ھ تک تین سال مکہ مکرمہ اور طائف میں قیام کیا، بعد ازاں مدینہ طیبہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک سال چار ماہ تک وہیں قیام پذیر رہے۔ آپ کے مخلص دوستوں اور خاص طور پر مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے مشورہ دیا کہ آپ وطن مالوف کو واپس تشریف لے جائیں کیونکہ آپ کے وجودِ مسعود سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ پانچ سال تک بلادِ طیبہ میں رہ کر وطن کو تشریف لے جاتے ہوئے جب سندھ سے گزرے تو معتقدین نے بصد اصرار گزارش کی کہ خراسان جانے کی بجائے ہمارے پاس تشریف رکھیں، چنانچہ آپ ٹکھڑ (مضافات حیدر آباد) میں قیام پذیر ہو گئے اور پھر یہیں جان جاں آفرین کے سپرد کی اور کوہ گنجہ کے دامن میں مدفون ہوئے بعد ازاں اولادِ امجاد نے ٹنڈو سائیں داد کو مسکن بنالیا۔

حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان قدس سرہ نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد قندھار میں مولانا باز محمد سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ جب ۱۲۹۷ھ میں والد ماجد کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تو قصبہ ٹکھڑ میں دو سال تک قیام کے دوران مولانا الحاج لعل محمد

مستعلوی سے کسبِ فیض کرتے رہے، بعد ازاں جب مکہ مکرمہ گئے تو مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے قائم کردہ مدرسہ صولتیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور حضرت بانیِ مدرسہ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ اسی مدرسہ میں مولانا حضرت نور سے سراجی پڑھی۔ ۱۳۰۱ھ میں درس حدیث مفتی مکہ حضرت مولانا شیخ سید احمد دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ سے لیا۔ والدِ ماجد سے دیگر کتب کے علاوہ بخاری شریف سبقاً پڑھی اور سند فراغت حاصل کی۔

ابتداء ہی سے آپ کو حفظ قرآن مجید کا بہت شوق تھا۔ مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کرنے گھر کے تمام کام کاج کرنے، ہر روز عمرہ ادا کرنے اور عبادت و ریاضت کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور احتیاطاً والد ماجد کو نہ بتایا کہ بے اندازہ مصروفیات کی بناء پر کہیں ممانعت نہ فرمادیں، والدِ ماجد کو اس وقت پتہ چلا جب آپ بائیس پارے حفظ کر چکے تھے، اس پر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور ختمِ قرآن کے موقع پر وسیع دعوت کا اہتمام فرمایا۔

حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علوم دینیہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ قرآن و حدیث میں جو فضائلِ علم وارد ہیں وہ صرف علوم دینیہ سے متعلق ہیں، مساجد اور مدارس دینیہ کی تعمیر و ترقی میں خود بھی حصہ لیتے تھے اور مریدین کو بھی بیش از بیش حصہ لینے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اتباعِ شریعت، سادگی اور اخلاقِ حمیدہ میں بے مثل تھے صبر و تسلیم کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۵۴ھ میں آپ اہل وعیال سمیت کوئٹہ میں تشریف فرما تھے کہ ۲۷ صفر کو ہولناک زلزلے نے قیامت صغریٰ قائم کر دی، پورا علاقہ تہ و بالا ہو گیا، لا تعداد افراد شہید ہوئے۔ حضرت مولانا کے اہل و عیال اور ہمراہیوں میں سے گیارہ افراد جام شہادت نوش کر گئے لیکن آپ نے حیرت انگیز ہمت و استقامت کا مظاہرہ کیا اور چند معاونین کے ہمراہ ایک ایک فرد کو ملبے کے نیچے سے نکالا اور کفن و دفن کا انتظام کیا۔

۱۳۳۲ھ میں حرمین شریفین، کربلا، نجف اشرف، شام اور بیت المقدس کی زیارت کی نیت سے تقریباً بیس افراد کے ہمراہ بغداد شریف حاضر ہوئے۔ یہ آپ کا چوتھا سفرِ زیارت تھا۔ اسی دوران جنگ عظیم چھڑ گئی اور آپ بہ ہزار مشقت حرمین شریفین پہنچے اور مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے واپس تشریف لائے۔

حضرت مولانا علم و فضل کے ساتھ ساتھ بے باک مجاہد اور مردِ میدان بھی تھے چنانچہ جب ۱۲۹۶ھ میں انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو آپ بھی والدِ ماجد کے ہمراہ شریکِ کارزار ہوئے۔ آپ بیدار مغز اور صاحب بصیرت قومی راہنما تھے۔ ترکی کے سلطان عبدالحمید خان کو خلیفۃ المسلمین تصور کرتے تھے اور جب انگریز پرستوں نے سلطان کو معزول کیا تو آپ بڑے رنجیدہ ہوئے۔ جنگ بلقان اور اطالیہ کے طرابلس پر حملے کے موقع پر معتقدین اور سندھ کے مسلمانوں سے خطیر رقم اکٹھی کر کے ہلال احمر کے ذریعہ مجاہدین کے لئے بھجوائی۔

تحریکِ خلافت میں گم کردہ راہ لیڈروں کی کجروی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ آپ نے کھُل کر بعض مسائل میں شرعی نقطہ نظر سے اختلاف کیا اور طعن و تشنیع کی پرواہ کئے بغیر اپنے موقف کو واضح طور پر پیش کیا۔ آپ گاندھی کی قیادت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو حامی ہیں جو انگریزوں سے لاتعلقی کرتے ہیں اور دوسری طرف مشرکین ہنود سے اتحاد اور وداد کے حامی ہیں جو انگریزوں سے بھی زیادہ دشمن اسلام ہیں۔ اسی طرح جب لیڈروں نے ہندوؤں کے فریب میں آکر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترکِ وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترکِ وطن سے ممانعت کی اور فرمایا۔

"وہاں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ سب لوگ سما سکیں، خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوں

گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہوگی"۔

تاریخ شاہد ہے کہ ترک وطن کر کے جانے والوں کا جو حال ہوا وہ کسی طرح بھی قابل اطمینان نہ تھا۔

اسی دوران سندھ میں فتنۂ نجدیت نے سر اٹھایا، اس کی سرکوبی کے لئے بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ غرض اعتقادی، عملی، اخلاقی اور سیاسی امور میں قوم کی بروقت راہنمائی کی اور ایک روشن دماغ، صائب الرائے قائد کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت مولانا محمد حسن جان رحمۃ اللہ تعالی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ ہر اس تحریک میں بڑھ کر حصہ لیتے جو اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے شروع کی جاتی۔ تحریک خلافت کے دور کا ایک واقعہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا پیر ہاشم جان رحمۃ اللہ تعالی نے اس طرح بیان کیا:

"جب تحریک خلافت شروع ہوئی تو اس وقت مولانا محمد علی جوہر کی ہدایت پر سندھ میں اہل ثروت لوگوں سے چندہ جمع کرنے کے لئے حاجی عبداللہ ہارون کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کے افراد حاجی صاحب خود، حکیم فتح محمد اور مولانا محمد صادق وغیرہ میرے والدِ ماجد محمد حسن جان سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور اپنا مقصد بیان کیا۔ والد محترم نے فرمایا کہ خلافت اسلامیہ کے احیاء اور انگریز حکومت سے مسلمان ممالک کی آزادی کے لئے ضرورت جس بات کی ہے وہ جسمانی جہاد کی ہے، مالی جہاد جسمانی جہاد سے بہت فروتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں گھر جا کر دیکھتا ہوں، گھر میں جو رقم ہوگی وہ لا کر پیش کر دوں گا، اس وقت کاغذ کے نوٹ نہیں تھے۔ اشرفیوں کی صورت میں روپیہ جمع رہتا تھا چنانچہ والدِ محترم بھری ہوئی تھیلیاں اٹھوا کر لائے، کمیٹی کے ممبروں کے

حوالے کر دیں اور فرمایا میرے گھر میں دس ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھے وہ سب آپ کے حوالے کر رہا ہوں، انہوں نے ایک آنہ بھی گھر میں نہیں چھوڑا تھا۔ پورے برصغیر میں مالی قربانی کی اس طرح کی پہلی مثال تھی جو والد محترم نے پیش کی۔

مولانا محمد حسن جان رحمۃ اللہ تعالی نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں مسلم لیگ کی بھرپور امداد کی، مریدین کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالنے کا حکم دیا اور بااثر لوگوں کو خطوط لکھ کر مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا، ذیل میں آپ کے ایک فارسی مکتوب کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مخلصین مکرمین وڈیرہ محمد قاسم، وڈیرہ عبداللہ و قاضی جان محمد سلمہم ربہم!

بعد از دعائے خیر! تم مخلصین کو بہ طور نصیحت لکھا جاتا ہے کہ الیکشن کے سلسلے میں اسلام کے مددگار بنو اور کافر ہندوؤں کی رفاقت سے الگ ہو جاؤ کیونکہ یہ ہندوؤں کا مسلمانوں سے مقابلہ ہے۔ سید اکبر علی شاہ کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دے دیا گیا ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ ان کی مخالفت سے دستبردار ہو جاؤ اور جس قدر ممکن ہو امداد کرو۔

والسلام!

فقیر محمد حسن جان عفی عنہ

۲ ماہ صفر ۶۵ھ

سندھ میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ:

"پیر ہندی سندھ کا بے تاج بادشاہ ہے"

چنانچہ آپ کی امداد و اعانت سے مسلم لیگ نے سندھ میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

مسجد منزل گاہ سکھر کو ہندوؤں کے قبضے سے واگزار کرانے کی تحریک چلی تو آپ نے اپنے دو صاحبزادوں ، مولانا عبداللہ جان اور مولانا عبدالستار جان کی قیادت میں ہزاروں مریدین کو سکھرؔ بھیجدیا جنھوں نے مسجد کی واپسی تک تحریک میں پر جوش حصہ لیا۔

سندھ میں لواری بہت بڑی گدی ہے ، وہاں کے مشائخ دینی اور قومی خدمات کی بنا پر زبردست شہرت کے حامل رہے ہیں ۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل بعض لوگوں نے مشہور کر دیا کہ جناب احمد زمان سجادہ نشین لواری شریف نے عرس کے موقع پر حج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور مریدین کو یہ تاثر دیا ہے کہ مکہ مدینہ جانے کی بجائے یہیں حج کر لیا کریں ،مکہ کا سارا نور لواری شریف میں منتقل ہو گیا ہے ، حضرت خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اطلاع پہنچی تو ان کے ایماء پر ہزاروں مریدین کفن بردوش میدان میں نکل آئے ۔ جب انگریز حکومت نے دیکھا کہ مسلمان اس مسئلہ پر خون بہانے کے لئے تیار ہیں تو سرکاری طور پر پابندی کا اعلان کر دیا۔

حضرت مولانا کو دینی اور علمی کتب کے مطالعہ سے بے حد شغف تھا ، اپنے اکثر اوقات تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے تھے ۔ آپ کا ذاتی کتب خانہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نادر و نایاب کتب کا بہترین ذخیرہ ہے ۔ آپ نے اس دور کی اعتقادی آویزش کو ختم کرنے کے لئے نہایت اہم کتابیں لکھیں ۔ آپ نے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور فضیلتِ علمی کے قابل قدر جواہر پارے چھوڑے ۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ شفاء الامرض ۔ (عربی) ۔ جملہ امراض کے لئے کتب طبیہ کی ترتیب پر تعویذات اور وظائف پر مشتمل ہے ۔

۲۔ انیس الارواح ۔ والد ماجد حضرت خواجہ عبدالرحمن فاروقی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے اس میں مشائخ عظام کا اجمالی تذکرہ اور سلوک طریقہ نقشبندیہ کے ابحاث

شریفہ درج ہیں ۔ (مطبوعہ مطبع مجدّدی امرتسر ۱۳۲۸ھ)

۳۔ ترجمہ عہود و مواثیق (غیر مطبوعہ) حضرت مولانا عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ (م ۹۷۳ھ) کی تصنیف کا فارسی ترجمہ

۴۔ انساب الانجاب ۔ خاندان مجدّدیہ کا تذکرہ (مطبوعہ مشہور عالم ،لاہور)

۵۔ الاصول الاربعۃ فی تردید الوہابیہ ۔ مولوی محمد دین وفائی کی کتاب " توحید الایمان " سندھی ترجمہ " تقویۃ الایمان " کی تردید

۶۔ طریق النجاۃ مع رسالۃ التنویر فی اثبات التقدیر (عربی) ردّ نیچریت

۷۔ العقائد الصحیحۃ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ۔ علماء بریلی اور دیو بند کے اختلافی مسائل پر تبصرہ اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تائید ۔
(مطبوعہ مطبع الفقیہ امرتسر)

۸۔ رسالہ تہلیلیہ ۔ کلمۂ طیبہ کی شرح ۔ (مطبوعہ مطبع رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور)

۹۔ تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء ۔ اُن اولیاء وصالحین کا تذکرہ جن سے عرب شریف سندھ، خراسان اور ہند میں آپ کی ملاقات ہوئی (مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۳۴۸ھ)

۱۰۔ شرح حکمِ شیخ عطاء اللہ سکندری (مطبوعہ ۱۳۵۷ھ) علمِ توحید اور بندے کے اپنے رب کے ساتھ تعلقات کی مکمل تشریح

۱۱۔ پنج گنج ۔ اس میں پانچ رسالے ہیں ۔ (۱) سفر حجاز کی تفصیلات (۲) شرح چہل کاف (۳) مناسک حج (۴) مجموعۂ احادیث ، جو آپ کو مکہ مکرمہ میں شیخ سید محمد ابو نصر دمشقی سے حاصل ہوئیں مع خطبات نبویہ (۵) دینی و دنیاوی نصائح

۱۲۔ سفر نامہ عربستان

۱۳۔ الاشارۃ الی البشارۃ ۔ التحیات میں اشارہ نہ کرنے کی تائید و تحقیق

۱۴۔ رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ فی القری ۔ دیہاتوں اور قصبوں میں جوازِ جمعہ کے

متعلق فتوی

۱۵۔ لغات القرآن۔ قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تفسیر

۱۶۔ رسالہ در قواعد تجوید و قراءت

حضرت مولانا شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، عربی اور فارسی میں اظہار خیال کرتے تھے۔ اگر چہ اس طرف میلان طبع بہت کم تھا اور کوئی شعری ذخیرہ بھی یادگار نہیں چھوڑا لیکن آپ کے کلام کی سلاست، روانی اور پختگی، بلندی فکر کی غماز ہے، مدینہ طیبہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

زاوصاف مدینہ ہر چہ گویم، قطرہ از دریا است
عفاف آنجا، کفاف آنجا، صلوۃ آنجا، زکوۃ آنجا
خداوندا! عطا کن بندۂ خود را بفضلِ خود
قیام آنجا، مقام آنجا، حیات آنجا، ممات آنجا
اگر خواہی کہ بینی جنت الماوٰے دریں عالم
نشیں در روضۂ اطہر بخواہ از حق نجات آنجا

۲؍ رجب ۲۰ جون ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور کوہ گنجہ (مضافات حیدرآباد۔ سندھ) کے دامن میں والد ماجد کے مزار کے پہلو میں محو خواب ابدی ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار مرجع خاص و عام ہے۔ جناب صاحبزادہ محمد سلیم جان مجددی نے "نغفرلہ" (۱۳۶۵ھ) سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبداللہ جان المعروف بہ شاہ آغا رحمۃ اللہ تعالی سجادہ نشین ہوئے۔ افسوس آپ نے ۱۹۷۳ء میں انتقال فرمایا لیکن الحمد للہ اس وقت آپ کے جانشین صاحبزادہ علی جان مدظلہ العالی ہیں جو بڑے صاحب ورع اور تقوی ہیں۔

(تذکرہ ص ۴۴۵)

۴۹۔ آقائے سرہندی حضرت مولانا محمد حسین جان قدس سرہ

حضرت مولانا محمد حسین جان ابن حضرت خواجہ عبدالرحمن (م ۱۳۱۵ھ) ابن حضرت خواجہ عبدالقیوم (قدست اسرار ہم) ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں بمقام ارغستان قندھار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد حسن جان قدس سرہ اپنے دور کے مقتدر عالم و عارف تھے۔ حضرت خواجہ محمد حسین جان سرہندی نے تمام علوم اپنے والد ماجد اور فضلائے عصر سے حاصل کئے۔ پانچ سال تک مدرسہ صولتنیہ مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کی، شب و روز مطالعہ میں منہمک رہتے، تمام علوم میں یدطولی رکھتے تھے، خاص طور پر علم ادب اور تاریخ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ جوانی ہی میں شعر و سخن کا آغاز کیا اور حالات زمانہ کے دگرگوں ہونے کے باوجود فارسی شاعری کو بام عروج تک پہنچایا۔ آپ کو فی البدیہ شعر کہنے میں کمال حاصل تھا، طریقت میں حضرت خواجہ عبدالرحیم قدس سرہ (م ۱۳۱۵ھ) سے بیعت ہوئے۔

حضرت سرہندی تقریبا تمام اصناف سخن میں ماہرانہ انداز میں اظہار خیال فرماتے تھے۔ آپ کے کلام میں قطعات، رباعیات اور مثنویات تمام اصناف سخن ملتے ہیں۔ فارسی کے علاوہ عربی اور پشتو میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ تاریخ گوئی پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ آپ نے شعروشاعری کو اپنا پیشہ اور مسلک نہیں بنایا بلکہ بعض اوقات تفنن طبع کے طور پر دلی جذبات کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا کرتے تھے۔ آپ نے فارسی زبان کے نامور شعراء نظامی، عمر خیام، سعدی، رومی، خسرو، حافظ، جامی، عرفی، کلیم اور بیدل کی زمینوں میں بڑی جاندار غزلیں کہی ہیں، حافظ شیرازی کی ایک غزل کا مطلع ہے:

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب   کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

اس پر حضرت سرہندی کہتے ہیں:

تعالی اللہ چہ شیریں کارم امشب ز وصلِ آں پری بیدارم امشب
مہم چوں تاب مہر از در آمد زعکسش سر بسر انوارم امشب
فقلت الیک اشکو من فراقک بگفتا شکر کن، غمخوارم امشب
خداوندا کہ سرہندی چو حافظ زجام بے خودی سرشارم امشب

کلیم ہمدانی کے تتبع میں ایک غزل لکھی ہے جس کا مقطع ہے :

سرہندی ازاں بست لب از شربت وصلش کز ابروئے او دید ہلال رمضان را

ہلال رمضان دیکھ کر روزہ رکھنے کو استعارے کے انداز میں کس خوبی سے نبھایا ہے۔

افغانستان کی زبوں حالی کی وجہ سے حجاز مقدس چلے گئے، وہاں پانچ سال قیام کے بعد واپس آکر موضع ٹھکر صوبہ سندھ میں طویل عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ آخر میں سمارو شریف منتقل ہوگئے اور یہیں ماہ صفر ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں (۸۰) اسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آخر وقت میں جب حالت انتہائی نازک ہوگئی تھی۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ کراچی کے ایک ماہر طبیب کو بلایا گیا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز کل صبح تک پہنچ جائے گا، آپ نے حدیث پاک کا مطالعہ کرتے ہوئے فرمایا:

"صبح تک حکیم کی ضرورت ہی نہ رہے گی"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، رات کے تین بجے کے قریب کلمہ پڑھتے ہوئے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے ایک صاحبزادی کے علاوہ باقی اولاد آپ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی تھی۔

حضرت سرہندی کی کلیات "خیابانِ سرہندی" کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ آپ کے کلام کے مطالعہ کے بعد وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ برطانوی عہد کے سندھی فارسی گو شعراء کی صف اول میں شامل تھے۔ (ایضاً ص ۴۵۹)

۵۰۔ سراج الملۃ حضرت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا حافظ پیر محمد حسین شاہ ابن امیر ملت حضرت پیر حافظ جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرہما، شوال المکرم، ۱۴ اپریل (۱۲۹۸ھ - ۱۸۷۸ء) کو علی پور سیداں (سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۷ واسطوں سے امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ہے۔ ۵ سال کی عمر میں حفظ قرآن کریم کے لئے حافظ شہاب الدین مرحوم کے پاس بٹھائے گئے۔ حفظ کلام پاک کے بعد مڈل تک سکول میں تعلیم حاصل کی، بعد ازاں فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولانا عبدالرشید صدیقی سے پڑھیں، پھر امرتسر کے نامور عالم دین مولانا نور احمد امرتسری (محشی مکتوباتِ شریف) کی خدمت میں حاضر ہوکر اکتساب فیض کیا۔

جن دنوں آپ امرتسر میں زیر تعلیم تھے، امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ امرتسر شریف لے گئے اور امتحاناً آپ سے چند مشکل صیغے پوچھے جنہیں آپ نے صحیح طور پر بتادیا۔ ایک مولانا صاحب نے پوچھا کہ "سگ بچہ در ہوا بغبغو" کونسا صیغہ ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ فعل ماضی رباعی مجرد فعلل کے ابتدائی تین صیغوں دحرج، دحرجا، دحرجوا کے وزن پر ہے اس پر حضرت امیر ملت بہت خوش ہوئے۔ دورۂ حدیث کی تکمیل مدرسہ امینیہ دہلی میں کی جہاں اس وقت مولوی کفایت اللہ دہلوی درس حدیث دیتے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد سے ادب اور تاریخ کی کچھ کتابیں پڑھیں۔

تکمیل علوم کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں حضرت پیر سید نجابت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالی (حضرت امیر ملت کے برادر بزرگ) کی دختر نیک اختر سے شادی ہوئی، انہی دنوں علی پور شریف میں مدرسہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی گئی جس کے آپ مہتمم مقرر ہوئے، مدرسہ کے انتظام کے علاوہ آپ مختلف فنون کی کتابیں خود بھی پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت پیر محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ تعالی حضرت بابا فقیر محمد قدس سرّہ (چورہ شریف) کے دست مبارک پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خلافت پائی ، ان کے وصال کے بعد اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہو کر خلافت سے نوازے گئے ، ہزاروں افراد حضرت امیر ملت قدس سرہ کی ظاہری حیات ہی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ہدایت یاب ہوئے ۔

آپ کے چند ملفوظات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی تمام کمالات کا سرچشمہ ہے

۲۔ حضور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کے بغیر نجات ناممکن ہے اگرچہ کتنا عابد و زاہد ہو۔

۳۔ جو شریعت کا پابند نہیں اگر چہ اس سے خوارق عادات کا بکثرت ظہور ہو ، ولی نہیں ہے ، ولایت کی بناء اتباع سنت پر ہے ، کرامات پر نہیں ۔

۴۔ اہل سنت و جماعت کا طریق ہی طریقِ حق ہے

۵۔ صحبت صالحین اخلاق و احوال کی اصلاح کے لئے اکسیر اعظم ہے

افضل الرسل آپ کی تصنیف یادگار ہے جس میں مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں سے افضل ہیں (تالیف ۱۹۱۲ء) علاوہ ازیں آپ کی کئی تصانیف ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہیں۔

۱۲ ربیع الاول ، ۱۶ اکتوبر (۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) بروز سوموار آپ کا وصال ہوا ، دوسرے دن ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی ، علی پور شریف میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے ۔

حضرت مولانا ضیاء القادری رحمۃ اللہ تعالی نے تاریخ وصال لکھی :

راہی ہوئے بہشت بریں کو ہزار حیف — بزمِ جہاں سے آج محمد حسین شاہ
نورِ نگاہ پیر جماعت علی تھے آپ — تھے آپ شیخِ کامل و اکمل خدا گواہ
سالِ وصال کہئے ضیاء آنجناب کی — "جنت نصیب میر محمد حسین شاہ"

۱۳۸۱ھ

راقم عاجز (مؤلف تذکرۂ قدس سرّہ حضرت محدّث دکن) نے حضرت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری قدس سرّہ سے استاذ محترم پروفیسر محمد عبدالمعید خان علیہ الرحمۃ سابق صدر شعبۂ عربی و ناظم دائرۃ المعارف کے گھر واقع اڈیکمیٹ (حیدر آباد) میں ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ماشاء اللہ اسلافِ کرام کی یادگار تھے ۔ والحمد للہ علی ذلک!

۵۱ ۔ زبدۃ السالکین حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی مجدّدی قدّس سرّہ

زبدۃ الاصفیاء ، حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی ابن کرم الٰہی (رحمہما اللہ تعالیٰ) ۹ محرم الحرام، ۲۰ نومبر بروز سہ شنبہ (۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ ء) موضع جھگیاں ناگرہ مضافات لاہور میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے ہوش سنبھالتے ہی تعمیرِ سیرت پر پوری توجہ دی ۔ ایک دن میاں محمد حسین کپاس کا پھول توڑ لائے ، والدِ گرامی کو پتہ چلا تو خوب تواضع کی اور زمیندار کے پاس جا کر فرمایا اس بچے نے تمہارے کھیت سے ایک پھول توڑ لیا ہے ۔ اب تمہاری مرضی ہے چاہو تو قیمت لے لو اور چاہو تو معاف کر دو ۔ میاں صاحب فرمایا کرتے تھے مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد مجھ سے کوئی ایسی کوئی حرکت سرزد ہوئی ہو ۔ قرآنِ مجید والدِ ماجد سے پڑھا اور قصبۂ ڈھولن وال میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی ۔

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت پیر عبدالغفار شاہ قدّس سرّہ " حامی اشاعت درود شریف " امام مسجد تکیہ سادھواں کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فارسی کی مروجہ کتب گلستان ، بوستان وغیرہ پڑھیں ، اس کے بعد حضرت مولانا حافظ فتح محمد بانی جامعۂ فتحیہ اچھرہ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہو کر تین سال تک کسبِ فیض کیا اور مالا بدمنہ ، مفتاح الصلوۃ ، اخلاق جلالی اور زلیخا جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں ، ان کے زہد و اتقاء اور اتباعِ شریعت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے ۔ میاں محمد حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنے مرشدِ کامل سے والہانہ محبت تھی ، ان کے ارشادات کو تمام عمر حرزِ جان بنائے رکھا ۔

ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز خطیب جنازہ گاہ مزنگ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدوری ، منیۃ المصلی ، کنز الدقائق ، شرح وقایہ اور تفسیر حسینی وغیرہ کتب پر عبور حاصل کیا ، مولانا نور الدین ابن مولانا غلام قادر

شائق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) اونچی مسجد پاپڑ منڈی (اندرون شاہ عالم مارکیٹ) سے فنِ خوشنویسی حاصل کیا اور اس فن لطیف میں صاحبِ کمال ہوئے ۔

حضرت میاں محمد حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ قریبا بیس سال تک اچھرہ میں مختلف بھٹوں پر منشی گیری کرتے رہے پھر ملازمت کو چھوڑ کر علوم دینیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ یہ مشغلہ آخر عمر تک جاری رہا ۔ آپ کو اولیاء کرام سے بے پناہ عقیدت تھی ، دور دراز کا سفر طے کر کے ان کی زیارت سے مشرّف ہوتے ۔ کتب دینیہ میں سے کتب تصوف سے خاص لگاؤ رکھتے تھے ، لباس اور خوراک میں سادگی پسند تھی ۔ ہر کام میں سنت مبارکہ کی پیروی کو پیش نظر رکھتے ، غیر مشروع اور قبیح رسوم سے سخت متنفر تھے اور ان کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کوشش فرماتے ، صبح سے شام تک ذکر و فکر میں مصروف رہتے ، جسمانی اور روحانی امراض کے مریض آپ کی توجہ ، دعا اور دم سے بفضلہ تعالیٰ شفایاب ہوجاتے ۔ ۱۹۴۷ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرّف ہوئے ۔ واپسی پر پیٹ کی تکلیف کا عارضہ لاحق ہوا جو آخر عمر تک دور نہ ہوا ۔

حضرت میاں محمد حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۲۸ دسمبر (۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء) رات کو ساڑھے بارہ بجے راہی دار آخرت ہوئے ۔ موضع جھگیاں ناگرہ ڈاک خانہ ڈھولن وال ، ملتان روڈ (لاہور) کی مسجد میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی ہر سال ۱۶ جمادی الاخریٰ کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ ایصال ثواب کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔

مولانا پیر غلام دستگیر نامی نے تاریخ وفات کہی ہے :

تھے نام محمد سے حسین ایک جو موسوم — دل جن کا تھا اللہ کے اذکار سے مشحون
مسجد ہی میں مشغول عبادت رہے تا عمر — جاں دے کے ہوئے گوشۂ مسجد میں وہ مدفون

نامی نے کہی بے سرِ انکار یہ تاریخ "حاجی ہوئے مغفور" سنو عالم محزون

۱۳۷۸ھ

حضرت میاں صاحب سے تین فرزند یادگار ہیں:

۱۔ جناب حکیم محمد اکرم صاحب

۲۔ جناب الحاج محمد اعظم خوشنویس

۳۔ ہمارے کرم فرما، صاحب علم و ادب محمد عالم مختار حق مدظلہ

حضرت میاں صاحب کے صاحبزادگان نے نقوش جمیل کے نام سے اپنے والدِ گرامی کے مختصر حالات شائع کر دئے ہیں۔ (تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۶۴)

۵۲۔ امیر جند اللہ حضرت پیر محمد شاہ غازی قدّس سرہ (بھیرہ شریف)

مصلحِ عظیم، مردِ میدان، امیر جند اللہ حضرت پیر حافظ محمد شاہ غازی ابن حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ (قدس سرہما) تقریباً ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں رونق افزائے دار دنیا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا سہروردی ملتانی قدس سرہ (جن کی دینی خدمات تاریخ اسلامی کا روشن ترین باب ہیں) سے ہوتا ہوا اصحابِ صُفّہ میں سے صحابی رسول حضرت ہبار رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔ قریباً تین سو سال پہلے حضرت شیخ الاسلام کے خاندان کے ممتاز فرد حضرت دیوان پیر فتح شاہ رحمۃ اللہ تعالی بھیرہ میں تشریف لائے اور رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کا وہ چراغ روشن کیا جو آپ کی اولاد امجاد کی بدولت ہمیشہ درخشندہ و تابندہ رہا حتی کہ یہ مرکزیت اور دینی قیادت حضرت پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ تعالی کے حصہ میں آئی۔

حضرت پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ تعالی سنِ شعور کو پہنچے تو مکتب میں بٹھائے گئے جہاں آپ نے حافظ محمد موسی اور حافظ جہاں سے قرآن کریم حفظ کیا بعد ازاں اگرچہ درسِ نظامی کی تکمیل نہیں کی لیکن بہت سے اساتذہ سے بہت حد تک ضروری

مسائل کی واقفیت حاصل کر لی۔ قرآنِ پاک کے ساتھ آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ رمضان شریف میں تراویح کے علاوہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں قرآن مجید کا ختم آپ کا معمول تھا۔ قدرت نے آپ کو لحن داؤدی عطا فرمایا تھا جب آپ تراویح میں قرآن پاک پڑھتے تو بعض ہندو مسجد کے باہر بیٹھ کر ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔

والدِ گرامی نے بڑی توجہ سے آپ کی تربیت فرمائی اور مناسب وقت پر حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ العزیز سے بیعت کرادیا، حضرت خواجہ نے مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور خلقِ خدا کی رہنمائی کا کام آپ کے سپرد کیا جسے آپ نے اس خوبی سے نبھایا کہ باید و شاید، عبادت و ریاضت میں محویت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر صوم داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) رکھتے رہے۔ نماز تہجد اور دیگر نوافل اس پابندی سے ادا کرتے کہ حالت علالت میں بھی شاید ہی کبھی قضاء ہوئے ہوں گے۔ نمازِ با جماعت ادا کرنے کے خیال سے سفر میں کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ ضرور رکھتے۔ پندرہ شعبان سے آخر رمضان تک اعتکاف میں رہتے، وصال سے چند سال قبل تک آپ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دریائے جہلم کے کنارے تشریف لیجاتے اور رات کو نو، دس بجے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہ کر واپس تشریف لاتے۔

علوم دینیہ کی ترویج سے آپ کو فطری لگاؤ تھا جس کی بنا پر آپ نے والدِ گرامی کی موجودگی میں مدرسۂ تدریس القرآن قائم کیا جو اب تک جاری ہے، ایک پرائمری اسکول کھولا تاکہ قوم کے نونہال لکھنے پڑھنے کے قابل بن سکیں۔ ۱۹۲۵ء میں تعلیم المسلمین کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی جس میں اپنے دور کے مقتدر فضلاء کو تدریس کے لئے مقرر کیا۔ اس دارلعلوم نے خاطر خواہ ترقی کی اور قابل قدر دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت پیر محمد

کرم شاہ مدظلہ العالی مدیر ماہنامہ ضیائے حرم نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ (بھیرہ) کے نام سے ایک خوشگوار انقلاب پیدا کیا اور دارالعلوم کے نصاب میں قدیم و جدید علوم کو یکجا کردیا، اپنی نوع کا یہ منفرد دارالعلوم بڑی کامیابی سے جانب منزل گامزن ہے۔

قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانوں کی زبوں حالی اور بے عملی آپ کو ہمیشہ بے چین رکھتی اور خاص طور پر جب مسلمانوں کو ہندو بنیوں کے سودی قرضوں میں جکڑا ہوا دیکھتے تو بیقرار ہو جاتے اس لئے آپ سال میں ڈیڑھ دو ماہ کا تبلیغی دورہ کرتے اور احکام الہیہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے، سودی قرضوں سے نجات پانے کے لئے بچوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے اور تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی بھرپور تبلیغ فرماتے۔

تحریکِ پاکستان کے زمانے میں بڑی گرمجوشی سے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی، اپنے حلقہ اثر میں بکثرت طوفانی دورے کئے اور مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے فضاء ہموار کی، اگر کسی مرید نے کسی مجبوری کے تحت مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں پس و پیش کی تو اس سے تعلق قطع کرلیا۔ جب قائدِ اعظم کے ایماء پر سِول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب آزادی کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہ نے اپنے پچاس مریدوں کے ساتھ (جو سابق فوجی تھے) میدان کار زار میں عملی طور پر مردانہ وار حصہ لیا۔ سچیت گڑھ (بھارت) کے مقابل موضع بولے وینس (ضلع سیال کوٹ) میں ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ آپ کے پاس روسی ساخت کی ایک بہترین رائفل تھی۔ آپ کے حکم پر ایک مرید نے اسی رائفل سے دشمن کے جہاز پر تین فائر کئے نتیجہ وہ بھارت کے علاقہ میں جاکر گر گیا۔ ایک دن مغرب کے وقت بھارتی ہوائی جہاز نے آکر گولیوں کی بارش کر دی۔ آپ اپنے تمام

ساتھیوں سمیت اطمینان سے نماز ادا کرتے رہے اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے کسی کو خراش تک نہ آئی۔

کچھ دنوں بعد آپ کو باجرہ گڑھی (آزاد کشمیر) کے محاذ پر مقرر کر دیا گیا جہاں آپ نے کرنل کیانی (راجہ حامد مختار سابق ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف پنجاب کے برادر محترم) کی قیادت میں مجاہدانہ کارروائیاں جاری رکھیں۔ دسمبر اور جنوری کی برفانی راتوں میں پیرانہ سالی کی پروا کئے بغیر مجاہدین کے ہمراہ ندی نالوں اور نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے میدان جنگ میں پہنچ جاتے اور دادِ شجاعت دیتے، بعض احباب جب آپ کو آرام کرنے کا مشورہ دیتے تو آپ فرماتے "میں یہاں آرام کرنے کی خاطر نہیں آیا، مجھے تو شوقِ شہادت کشاں کشاں یہاں تک لے آیا ہے، دعا کیجئے کہ مجھے یہ سعادت نصیب ہو جائے"۔

اس جگہ آپ نے تقریبا تین ماہ گزارے، ہر شخص آپ کے جوش ایمانی اور جذبۂ جہاد سے متاثر تھا، ذیل میں وہ سرٹیفکیٹ درج کیا جاتا ہے جو کرنل کیانی نے اعترافِ خدمت کے طور پر آپ کو لکھ کر دیا تھا۔

I feel great honour in introducing Pir Muhammad Shah Sahib Sajjada Nashin and Amir Jund-u-Ilah Bhera Shrif. He together with his fifty Mujahid Fecno worked in my sector for about three months. In his old age. He himself led his men in the battefield. A true patriot and a great inspiration to all. I wish we had more soldiers like him (I.J.KIANI) A.K.F. Sialkot

ترجمہ "میں پیر محمد شاہ صاحب کا تعارف کراتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں، آپ نے اپنے پچاس مجاہدین کے ساتھ تقریبا تین ماہ تک میرے سیکٹر میں کام کیا، پیرانہ سالی کے باوجود میدان کار زار میں بہ نفس نفیس اپنے مجاہدین کی قیادت کی،

آپ سچّے محب وطن اور سب کے لئے عظیم مشعل راہ ہیں، میری تمنا ہے کہ آپ جیسے مزید سپاہی ہماری میراث بنیں"۔

آئی۔ جے کیانی
آزاد کشمیر فورسز

آپ کی اولاد میں سے دو صاحبزادے اعلی تعلیم یافتہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ مدظلہ فاضل جامعۂ ازہر (فرزند اکبر)

۲۔ جناب صاحبزادہ غلام حیدر شاہ انچارج سول ہسپتال سکھیکی (گوجرانوالہ)

چونکہ آپ کو اس امر کا قوی احساس تھا کہ گہری تعلیمی شعور ہی مسلمانوں کو پستی سے نکال کر باعزت مقام پر پہنچا سکتا ہے اس لئے آپ نے اپنی اولاد کو زیور علم سے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، خاص طور پر فرزند اکبر مولانا پیر محمد کرم شاہ مدظلہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی چنانچہ علومِ عقلیہ کی تعلیم کے لئے امام المناطقہ مولانا محمد دین بدھوی (کیمبلپور) اور فقہ، تفسیر، ادب، عروض اور ریاضی وغیرہ علوم کے لئے قدوۃ الفضلاء مولانا غلام محمود قدس سرہ (پپلاں، میانوالی) مصنف نجم الرحمن و محشی تکلملۂ عبدالغفور کو مدعو کیا، دورۂ حدیث کے لئے قائد اہلِ سنت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد بھیجا، بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کرایا۔

اس کے باوجود آپ کو اپنے لخت جگر کو مزید تعلیم دلانے کا اشتیاق تھا۔ اس مقصد کے لئے اپنے نور نظر کو جامعہ ازہر (مصر) بھیجا۔ بلڈ پریشر کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باوجود اس طویل سفر پر روانہ کیا اور رخصت کرتے وقت فرمایا۔

"اس وقت جب کہ مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے دور دراز سفر پر اس لئے روانہ کررہا ہوں کہ اللہ تعالی تمہیں دولتِ علم سے نوازے، اور اپنے دین کی خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے"۔

حضرت صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ مدظلہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک جامعہ ازہر میں رہے آخری امتحان میں پورے جامعہ ازہر میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور کلیۃ الشرعیہ الاسلامیہ کی سب سے بڑی ڈگری لے کر واپس آئے۔ اس عرصے میں حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہ کی بیماری نے بڑی شدت اختیار کر لی لیکن آپ نے متعلقین کو تاکیدی حکم فرمایا کہ انہیں میری علالت کی شدت کی ہرگز اطلاع نہ دی جائے بلکہ اگر خدا نخواستہ کوئی سانحہ پیش آجائے تو بھی مطلع نہ کرنا تاکہ ان کی تعلیم میں خلل واقع نہ ہو، علم دین کی اس قدر والہانہ محبت کی مثال آج کے دور میں شاید ہی کہیں پیش کی جاسکے۔

۲۴ شعبان، ۲۶ مارچ (۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء) منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو مجاہد وغازی حضرت الحاج حافظ پیر محمد شاہ سجادہ نشین و امیر جند اللہ بھیرہ (سرگودھا) کا وصال ہوا۔ انتقال کے روز سخت نقاہت تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے۔ جب کبھی آواز سنائی دیتی تو پتہ چلتا کہ سورہ یسین یا سورہ ملک کی کوئی آیت تلاوت کر رہے ہیں۔

وصال سے چند دن پہلے اکثر اس آیت مبارکہ کا ورد کرتے رہے شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ و اولوا العلم قائما بالقسط (الآیۃ)

بھیرہ شریف میں ہر سال نہایت اہتمام سے آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں بصد حسن و خوبی دین مبین کی تبلیغ ہوا کرتی ہے۔ (تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۷۶)

۵۳۔ مقرّر جادو بیان مولانا الحاج محمد شریف نوری قصوری رحمۃ اللہ علیہ

خطیبِ پاکستان مولانا الحاج محمد شریف نوری (رحمۃ اللہ تعالی) ابن مولانا محمد دین مدظلہ العالی ۴۔ ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۵ء میں بمقام چکوڑی (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے۔ کنجاہ (گجرات) میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد پاکستان کی عظیم دینی

درس گاہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال) میں تمام متداولہ کتب کی تحصیل و تکمیل کر کے فقیہ عصر مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ سے درس حدیث لیا اور ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء میں فراغت حاصل کی، اسی سال قصور میں خطیب مقرر ہوئے اور ۱۳۸۱ھ تک کمال خوبی سے فرائض خطابت انجام دئے یہیں سے ان کی شہرت دور دراز تک پہنچی۔ آپ کی آواز میں بلا کا سوز تھا اور دوران تقریر مجمع پر چھاجایا کرتے تھے بڑے سے بڑے مجمع کو کنٹرول کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی ۱۹۷۰ء میں جب دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی دامت برکاتہم العالیہ کی صدارت میں سُنی کانفرنس منعقد ہوئی تو کسی وجہ سے لاکھوں افراد میں پھیل جانے والی بے چینی کو آپ نے کنٹرول کر کے مشاہیر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ پاکستان کے سابق گورنر ملک امیر محمد خاں اپنے گھر پر منعقدہ مجلس میلاد کے لئے آپ کو دعوت دیا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں جمعیت العلماء پاکستان کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔

قصور کے قیام کی نسبت سے نوری قصوری کے نام سے عوام و خواص کے طبقے میں متعارف ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۵۵ء میں ادیب فاضل کا امتحان نمایاں کامیابی سے پاس کیا۔ قصور ہی میں مشہور نعت خوان جناب محمد علی ظہوری کو ساتھ لے کر ماہنامہ نور و ظہور نکالا جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی مگر زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ ان کے سحر خطابت کا یہ کارنامہ نا قابل فراموش ہے کہ یکم مئی ۱۹۵۹ء کو کلارک آباد (مضافات رائے ونڈ) کے تقریبا دو ہزار عیسائی ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

۱۳۸۱ھ/ ۲-۱۹۶۱ء میں لاہور آ گئے۔ پہلے ایک عرصہ تک جامع مسجد سبیل والی شاہ عالم مارکیٹ میں، پھر کچھ عرصہ سرائے رتن چند میں خطیب رہے، بعد ازاں شیش محل ہوزری کے بالمقابل جامع مسجد محمدیہ (راوی روڈ) میں تشریف لے آئے، یہاں

آپ نے جامعۂ محمدیہ کی بنیاد رکھی، مسجد کا عظیم مینار آپ ہی کی مساعی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

۱۳۸۴ء میں مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے بغداد شریف، کربلائے معلے، نجف اشرف اور بیت المقدس کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۹۱ھ میں کمال اشتیاق سے حرمین شریفین کی حاضری سے فیضیاب ہوئے۔ واپسی پر راستے ہی میں علالت نے آلیا، واپس وطن پہنچنے کے بعد میو ہسپتال لاہور میں علاج معالجہ شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور جلد ہی عالم بقا کی طرف سے کوچ کر گئے، مولانا مرحوم نے چار مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل فرمائی۔

مولانا نوری بلند اخلاق کے مالک تھے، دوستوں کے دوست تھے اور ملنے جلنے والوں کی بڑی فراخدالی سے تواضع کیا کرتے تھے، جمعیۃ العلماء پاکستان، پاک سُنی تنظیم اور انجمن اصلاح المسلمین کے سرگرم رکن اور ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۳۹۰ھ میں جا بجا دورے کئے اور آئین اسلام کے نفاذ کے حق میں پر زور تقریریں کیں اور عوام الناس کو آئین اسلامی کی تائید و حمایت کے لئے تیار کیا۔

مولانا نوری رحمۃ اللہ تعالی اپنے دور کے مقبول ترین مقرر تھے، سامعین ان کی خوش نوائی کے اثر سے کیف و سرور میں ڈوب جاتے تھے، وہ جہاں ایک مرتبہ تقریر کر آتے تھے وہاں کے لوگ ہمیشہ ان کے مشتاق رہتے، تقریر اپنی مادری زبان پنجابی میں کیا کرتے، ان کے عقیدتمندوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا، انہوں نے اپنے مواعظ کے ذریعے سُنیت کا پیغام پاکستان کے گوشے گوشے تک پوری بیباکی سے پہنچایا اور عقائد باطلہ کی تردید پوری قوت سے کی، پُر خطر راستوں سے گذرے، دھمکیاں سنیں مگر کبھی ان کا عزم متزلزل نہ ہوا۔

مولانا نوری نور اللہ مرقدہ نے وعظ و تقریر کے ساتھ تحریر کا سلسلہ بھی جاری رکھا، لاہور آنے کے بعد ماہنامہ الجبیب جاری کیا جسے کامیابی سے چلاتے رہے ان دنوں

نوجوان فاضل مولانا محمد شریف شرقپوری (فاضل بصیر پور) آپ کے معاون رہے ۔

اس کے علاوہ آفتابِ سنت ردّ چراغ سنت (تالیف فردوس علی شاہ دیو بندی قصوری) بارہ تقریریں ، نشری تقریریں ، مسئلہ گیارہویں ، حرمت تعزیہ داری اور عرب کا مسافر ایسی مقبول عام تصانیف یاد گار چھوڑ دیں ۔

۲۸ ربیع الاول ، ۱۳ مئی (۱۳۹۲ ھ / ۱۹۷۲ ء). جمعہ ہفتہ کی درمیانی شب میو ہسپتال میں تقریباً ۳ بجے آپ کا انتقال ہوا ۔ نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ ابو البرکات سید احمد دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی ۔

آپ نے اپنے والدِ گرامی کے اکلوتے فرزند تھے ۔ خطیبِ پاکستان مولانا غلام الدین قدس سرہ آپ کے عمِّ محترم تھے ، مولانا نوری قدس سرہ کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوئی ، اس وقت چار بچیاں بقید حیات ہیں ۔

جامع مسجد محمدیہ راوی روڈ پر آپ کا مزار زیرِ تعمیر ہے ۔ (تذکرۂ اکابر ص ۴۸۶)

۵۴ ۔ حضرت مولانا ابو النور محمد صدیق چشتی بصیر پوری قدس سرہ

حضرت مولانا ابو النور محمد صدیق چشتی ابن مولانا ، ابو الصدیق احمد دین (قدس سرہما) پاک سیرت اور صوفی مشرب عالم تھے ۔ آپ کے آباء و اجداد ضلع فیروز پور (بھارت) کے رہنے والے تھے ۔ سکھوں کے عہد میں منتقل ہو کر یہ بزرگ ضلع ساہیوال میں آباد ہو گئے ۔ اس خاندان نے علوم دینیہ کی اشاعت میں اہم خدمات انجام دی ہیں ۔ آپ کے جدّ اعلیٰ حضرت مولانا ابو الجمال حافظ محمد حبیب اللہ المعروف برقع پوش قدس سرہ بلند پایہ عالم اور ولیّ کامل تھے چہرۂ انور پر حجاب ڈالے رہتے اور حسن اتفاق سے تدفین کے دوسرے روز آپ کے مرقد پاک کو بھی سبزہ زار نے ڈھانپ کر آپ کی عادت کریمہ کی اتباع کا حق ادا کر دیا ۔

آپ کے والد ماجد اپنے دور کے ممتاز عالم تھے ، فارسی زبان میں مہارت تامہ رکھتے تھے چنانچہ آپ نے علوم عربیہ اور فارسی کی تعلیم انہی سے حاصل کی اور دورۂ حدیثِ پاک کی تحصیل کے لئے اپنے فرزند ارجمند فقیہ عصر مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی حوصلہ افزائی فرمائی ۔ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے ، ذکر مصطفی سن کر آپ کا جسم لرز جاتا تھا ۔ ایک مرتبہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے سالانہ جلسہ پر شیخ القرآن علامہ ابو الحقائق محمد عبد الغفور ہزاروی قدس سرہ اپنے خاص انداز میں تقریر شروع کی ، آپ بہت علیل تھے ، علامہ ہزاروی کی آواز سن کر فرمایا مجھے جلسہ گاہ میں لے چلو چنانچہ دو آدمی کندھوں پر آپ کو جلسہ گاہ میں لائے اور تین فٹ اونچے اسٹیج پر بٹھا دیا ، علامہ ہزاروی نے امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی قدس کا یہ شعر پڑھا :

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مخصوص مہک سے محظوظ ہو کر آپ

پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی چنانچہ آپ بڑی روانی سے ذکر کرتے ہوئے اسٹیج سے نیچے اتر آئے۔ آپ نے ۱۹۴۸ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

مولانا ابو النور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشہور بزرگ قدوۃ السالکین حضرت خواجہ حافظ جان محمد قدس سرہ (چک ۳۹ ضلع ساہیوال) سے بیعت اور مجاز تھے نیز دوسرے سلسلہ ہائے طریقت کے بزرگوں سے بھی مستفید تھے۔ آپ کے مریدین کا حلقہ وسیع تھا۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت فقیہ اعظم جب محقق دوراں علامہ سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سے سند درس حدیث لے کر آئے تو آپ نے فرید پور جاگیر (ساہیوال) میں دارالعلوم کے قیام کا مشورہ دیا چنانچہ ۱۳۴۲ھ میں یہاں دارالعلوم قائم کر دیا گیا اور پھر ۱۳۶۵ھ میں اسے بصیر پور منتقل کر دیا گیا۔ مولانا ابو النور نے اس دارالعلوم کے ذریعے دینی خدمات کا تمام تر اجر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کر دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ روز محشر ہم خالی ہاتھ جاکر اپنا دامن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی عنایات سے بھریں گے۔ دارالعلوم کی ترقی میں آپ کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔

آخری عمر میں مثانہ کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے، شدید ترین تکلیف کے باوجود آپ احکام شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ آپ کو سول ہسپتال (منٹگمری) میں داخل کیا گیا مگر آپریشن کے باوجود بھی مرض میں کمی واقع نہ ہوئی۔ آخری لمحات میں آپ نے اپنے فرزند رشید فقیہ عصر مدظلہ العالی سے راز دارانہ باتیں کیں، اس دوران کمر تک رشتۂ زیست ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ برق رفتاری سے کلمہ طیبہ کا ذکر کر رہے تھے چنانچہ اسی کیفیت میں ۱۷ رمضان المبارک ۱۵ مارچ (۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) بروز اتوار آپ نے سفر آخرت فرمایا اور دارالعلوم کے وسیع احاطہ میں آپ کا مرقدِ انور مامنِ مریدین و معتقدین ہے۔

آپ نے دو شادیاں کیں جن سے متعدد صاحبزادیوں کے علاوہ مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ شیخ الحدیث و بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور، مولانا ابوالبقاء محمد حبیب اللہ نوری، مولانا ابو الحامد محمد احمد چشتی، مولوی محمود احمد اور حافظ مقصود احمد صاحبزادگان آپ کے خلف ہیں۔

استاذ العلماء مولانا الحاج فتح محمد بہاولنگری قدس سرہ نے قطعہ تاریخ وصال رقم فرمایا:

بصد حسرت بگویم دوستاں را   کہ رحلت مولانا صدیق فرمود
مجاہد عابد و عاشق رسولے   فقیہ و ہم تقی و ہم صفی بود
گذشتہ عمرِ او در خدمتِ خلق   برفت از ما بحق خرسندہ خوشنود
ز دل تاریخ پرسیدیم و گفتہ   فگندہ شش جہت "مغفور مودود"

۱۳۸۰ھ

(ایضاً تذکرہ ۴۹۱)

۵۵۔ مفسرِ جلیل، تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ العزیز

محسنِ ملت، محدّث و مفسر مولانا محمد عمر نعیمی ابن محمد صدیق ربیع الآخر اکتوبر ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء میں بمقام مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید الحاج حافظ محمد حسین سے پڑھا، فارسی اور صرف نحو کی کتابیں مولانا نظام الدین سے پڑھیں، ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء کو صدر الا فاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت جلد علوم و فنون اور حدیث شریف کی تکمیل کیساتھ ساتھ ادب عربی اور طب میں دسترس حاصل کی۔ صفر ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی، دستار بندی کے وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا محمد فاخر اجملی، شاہ عبدالمقتدر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری، مولانا اعجاز

حسین رامپوری وغیرہم فخر ملت اکابر اسلام جلوہ افروز تھے ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے دستار بندی کی رسم ادا کی ۔

فراغت کے بعد مراد آباد میں اہل سنت کی عظیم درس گاہ جامعۂ نعیمیہ کے مدرس اور مہتمم مقرر ہوئے ۔ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں شیخ المشائخ مولانا سید علی حسین کچھوچھوی کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں اجازت وخلافت سے مشرّف ہوئے ، قیامِ مراد آباد کے دوران ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء میں نہایت اہم ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا ۔ یہ ماہنامہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک علوم اسلامیہ اور سنیّت کا سرگرم نقیب رہا ۔ حالات حاضرہ اور ملکی سیاست پر زبردست تنقید و تبصرہ کے علاوہ دینی نقطہ نظر سے راہنمائی کے فرائض بھی انجام دیتا رہا ۔ مفتی صاحب نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے نائبِ ناظم کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں ۱۹۴۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں تحریکِ پاکستان کی پر زور تائید فرمائی ۔

تقسیمِ ملک کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں عافیت سے رہنا مشکل ہے تو ہجرت کر کے بغداد شریف جانے کے ارادے سے کراچی تشریف لائے اور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی کے اصرار پر کراچی ہی میں قیام پذیر ہوگئے ، دارالعلوم مخزن علوم عربیہ جاری اور جامع مسجد آرام باغ میں اعزازی طور پر خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے ۔

۲۳ ذیقعدہ ۵ ، ۲ مارچ (۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء) کو کراچی میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار شریف مسجد دارالصلوۃ ناظم آباد کراچی میں ہے "مفتی سنت محمد عمر" (۱۳۸۵ھ) تاریخ وصال ہے ۔

جناب صابر براری نے درج ذیل تاریخ وفات لکھی ہے:

ہو کیوں نہ چشمِ حق میں یوں اشکبار صابر — عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالمِ قدیمی
تھا جس کا فیض جاری دنیائے علم و دیں میں — تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد تمیمی

شیخ الحدیث تھے وہ اس دور حاضرہ کے — اسلافِ ذی شرف کے مجموعۂ عمیمی
پہنچا دے ان کو یارب دربارِ مصطفیٰ میں — دے خلد ان کو ، تیری ہر شان ہے کریمی
سال وصال صابر لکھ فقر کو ملاکر — ہادی اہل سنت مفتی عمر نعیمی

۱۹۶۶ء

مولانا ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل تاریخ کہی ہے:

عالمِ ذی جاہ ، مولانا عمر تھے — سراجِ علم ، مثل ماہ و مہر
اے ضیاء ہے آپ کا سالِ وصال — عالی ہمت رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۸۵ھ

"تفرقۂ اقوام" اور "مسائلِ رمضان و عید الفطر" آپ کی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا اطہر نعیمی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی ، مدرس دارالعلوم نعیمیہ کراچی ، آپ کے فرزند ارجمند ہیں اور مسلک اہل سنت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی، استاذ دارالعلوم نعیمیہ کراچی بہت ہی ممتاز ہیں۔ نہایت وسیع المطالعہ، انتہائی خوش اخلاق اور مسلک و ملت کے لئے پُردرد دل رکھتے ہیں ان کی مسلکی اور دینی خدمات وقیع اور قابل قدر ہیں۔ (تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۹۶)

۵۶۔ عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ العزیز

ولیّ کامل ، مرشد خلائق حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی (باواجی) رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شجرۂ نسب سلاطینِ ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے ۔ آپ کے جدّ امجد عہد عالمگیر (رحمۃ اللہ تعالیٰ) میں وارد ہندوستان ہوئے ۔ آپ کے جدّ امجد اور والدِ گرامی کا معمول تھا کہ پنجاب سے سامان تجارت لے کر کشمیر جاتے اور راستے میں پہاڑی علاقوں میں تبلیغِ دین کا فریضہ ادا کرتے رہتے ۔ حضرت خواجہ صاحب کے والد ماجد بچپن میں ہی داغِ مفارقت دے گئے ۔ ہوش سنبھالنے پر والدۂ ماجدہ نے تعلیم

وتربیت کا اہتمام کیا اور علومِ دینیہ کی تحصیل کے لئے ہندوستان بھیجا جہاں آپ نے اس دور کے مشہور فضلاء سے استفادہ کیا اور تقریباً ۱۲۷۶ھ/ ۱۹۶۰ء میں تکمیلِ علوم کے بعد واپس تشریف لائے اور راولپنڈی کے قریب موضع جگیوٹ میں دینی مدرسہ قائم کر کے تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرنے لگے، اس کے باوجود آپ کو کسی مردِ کامل کی تلاش بے چین کئے رکھتی تھی جس سے اسرار معرفت اور فیوض و برکات کا استفادہ کیا جاتا۔

علاقہ مری کی جنوبی جانب سسی قوم آباد تھی ان میں ایک دفعہ سنی شیعہ بنیاد پر نزاع پیدا ہوگیا اور نوبت خونریزی تک جا پہنچی، فریقین کے اہل دانش نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی متبحر عالم دین کو بلاکر تصفیہ کرایا جائے اور ان کے فیصلے کو دونوں فریق تسلیم کریں، نگاہ انتخاب حضرت خواجہ موہڑوی قدس سرہ پر پڑی، آپ نے فریقین کے بیانات سن کر اہل سنت کے حق میں فیصلہ دیا، فریق مخالف نے سازش کے تحت آپ کے کھانے میں زہر ملادیا جسے کھاکر آپ بیہوش ہوگئے اور ایک رات دن تک یہی کیفیت رہی اسی حالت میں آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کیاں شریف (کشمیر) کے دربار عالیہ کا نقشہ دکھاکر حاضری کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ ہوش میں آنے کے بعد دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے کیاں شریف پہنچ گئے اور مرجع عالم حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالی کے دست مقدس پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ آپ کا سلسلۂ طریقت بارہ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔

مرشدِ کامل نے بیعت کے بعد خلافت سے نوازا اور موہڑہ شریف ایسے گنجان اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ میں قیام کا حکم دیا۔ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ نے شیخ کے ارشاد کی تعمیل اس طرح کی کہ ستر سال کا طویل دور اسی جگہ

عبادت اور ریاضت اور خلقِ خدا کی رہنمائی میں بسر کیا اور سال میں ایک دفعہ مرشد کی خدمت میں حاضری دینے کے علاوہ کسی طرف رخ نہ کیا۔ دور افتادہ مقام میں قیام کے باوجود ہزاروں افراد آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور مقصد دلی حاصل کر کے واپس ہوتے۔ سینکڑوں راہ طریقت کے سالک رتبۂ کمال کو پہنچے۔ خلعت خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر پاک و ہند کے مختلف مقامات پر تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کے کام پر مامور ہوئے۔ آج بھی لاکھوں افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔

آپ کے اخلاق و عادات سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مظہر تھے۔ سینکڑوں ہندو اور سکھ آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور بے شمار فسق و فجور میں مبتلا افراد آپ کے فیضِ صحبت سے تقوی اور پرہیزگاری کے پیکر بن گئے۔

آپ ہر وقت یہاں تک کہ رات کو بھی جبہ زیب تن رکھتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

"جس طرح ایک ملازم باوردی ڈیوٹی پر حاضر ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر لمحہ یاد خدا اور مخلوقِ خدا کی ہدایت میں باوردی لکھا جائے"

تقریبا ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۳ ذیقعدہ، ۱۲ نومبر (۱۳۲۶ھ ۔ ۱۹۴۳ء) بروز جمعۃ المبارکہ عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار اقدس موہڑہ شریف تحصیل مری (ضلع راولپنڈی) میں مرجع خلائق ہے۔ آپ نے اپنی حیات ظاہری میں اپنے فرزند ارجمند حضرت خواجہ پیر نظیر احمد قدس سرہ (م ۲۸ محرم، ۲۱ جولائی ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء بروز جمعہ) خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ (کیاں شریف) کو جانشین بنادیا تھا اور وصال کے وقت

وصیت فرمائی تھی کہ جو امانت میں نے آپ کو دی ہے اس کی حفاظت کرنا، امیر اور غریب دونوں آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر غریبوں کو باہر نکال دیا اور امیروں کو ترجیح دی تو میرا دل دکھے گا، دونوں سے برابر سلوک کرنا۔

ان دنوں حضرت الحاج خواجہ پیر ہارون الرشید مدظلہ موہڑہ شریف میں عوام اور خواص کو فیض و برکت سے مستفید فرمارہے ہیں۔ (تذکرہ ص ۵۰۲)

۵۷۔ مبلغ سنیت عارف حقانی مولانا پیرسید محمد معصوم شاہ قدس سرہ العزیز

(بانی نوری کتبخانہ، دربار حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ، لاہور)

مولانا سید محمد معصوم شاہ ابن حضرت فضل شاہ (سجادہ نشین) چک سادہ شریف، ضلع گجرات تقریباً ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم حضرت مولانا امام دین رحمۃ اللہ تعالی سے حاصل کی، بعدہ لاہور میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالی کے مزار پُر انوار پر حاضر ہو کر حضرت بابا فضل نور قادری نو شاہی رحمۃ اللہ تعالی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے، حضور داتا گنج بخش قدس سرّہ سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کی اکثر اوقات مزارِ حضرت داتا صاحب پر گزارے آخر ۱۹۵۷ء میں حضرت کے قریب مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حضرت شیخ الحدیث لائلپوری ہر ماہ حضرت داتا گنج بخش کے دربار میں حاضری کے لئے آتے تو حضرت پیر صاحب سے ضرور ملاقات کرتے اور سُنیّ رضوی کتب خانہ کے لئے بہت سی کتابیں خرید کرلے جاتے۔

آپ کا عظیم الشان کارنامہ نوری کتب خانہ کا قیام ہے۔ اس کے اہتمام سے اعلی حضرت مجدّد ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہ کی اکثر کتابیں شائع کی گئیں تھیں اور دیگر علمائے اہل سنت کی نایاب کتب کو حیات نو بخشی، آپ ہی کے مشورے پر حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ نے قرآن مجید کا حاشیہ نور العرفان تحریر کیا جو امام احمد رضا بریلوی کے ترجمہ کے ساتھ متعدد بار شائع ہوا۔ حضرت

مفتی صاحب نے مرآۃ شرح مشکوۃ بھی آپ ہی کے کہنے پر لکھی اور آپ کی ہی کوششوں سے شائع ہوئی، نیز "امیر معاویہ پر ایک نظر" حضرت مفتی صاحب سے اس غرض سے لکھوائی کہ بعض لوگوں میں، خاص طور پر بعض سادات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے جو بُغض پایا جاتا ہے وہ رفع ہو جائے۔

آپ نہایت متدیّن بزرگ تھے، تبلیغ دین زندگی کا نصب العین تھا۔ مسلکِ اہلِ حق اہل سنت و جماعت کی نصرت و حمایت اور ترویج کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ نے اپنی زندگی میں تقریبا بیس مساجد تعمیر کرائیں جن میں لاہور کی حسین وجمیل نمونہ مسجد نبوی، جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور، آپ کی بے مثال یادگار ہے اور آپ کے عشق رسول کی شہادت دے رہی ہے۔ اس مسجد میں ایک مدرسہ اور ایک فری شفاخانہ نوری قائم ہے۔ مرکزی مجلس رضا لاہور اسی مبارک نوری مسجد میں یوم رضا مناتی ہے اور مجلسِ رضا کا دفتر بھی اسی مسجد میں قائم ہے۔

آپ نے مختلف خانقاہوں میں رائج بدعات کا قلع قمع کیا اور ان مقامات پر درس وتدریس اور وعظ و تبلیغ کے مراکز قائم کئے، بہت سی سُنّی مدارس قائم کئے اور متعدد مدارس کی مالی امداد و اعانت فرمائی، اسی جذبہ تبلیغ و اشاعت دین کے تحت متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت تھے، پورے پاکستان میں آپ کے مریدین کا وسیع حلقہ ہے۔

۲۹ شوال، ۱۸ جنوری (۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء) بروز شنبہ بوقت عشاء آپ نے رحلت فرمائی اور اپنے پیرِ طریقت کے پہلو میں چک سادہ میں محوِ خواب ابدی ہوئے، حضرت کی ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے یاد گار ہیں، بڑے صاحبزادے سید محمد حسین شاہ سجادہ نشین ہیں اور چھوٹے صاحبزادے سید محمد حسن شاہ لاہور میں نوری بکڈپو کے ذریعے خدمت مسلک انجام دیتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۵۰۵)

۵۸۔ مبلغِ اسلام حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی قدس سرہ

حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی ابن حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی قدّس سرہما، ۱۴ ذیقعدہ، ۱۰ جنوری (۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء) کو ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب امام ربانی مجدّد الف ثانی قدّس سرّہ سے ملتا ہے۔ کُتب فارسی والدِ ماجد سے پڑھنے کے بعد حافظ قاری احمد صاد بنُیری سے قرآن حفظ کیا۔ ختم قرآن کے موقع پر عظیم الشان محفلِ منعقد ہوئی، ایک شاعر نے مادۂ تاریخ "حافظ ہاشم" (۱۳۳۵ھ) سے نکالا۔ عربی کی تعلیم کا آغاز والد ماجد سے کیا۔ ان کے علاوہ مولانا غلام محمد نظامی اور مولانا شفیع محمد سوڈاروی سے بھی استفادہ کیا، شرح وقایہ تک پڑھنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے اجمیر شریف مولانا معین الدین اجمیری قدّس سرّہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ علوم کیا۔ اسی اثناء میں ٹونک میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی (تلمیذِ مولانا عبدالحق خیر آبادی) اور فرنگی محل میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا۔ غرض گیارہ سال بیرون سندھ رہ کر علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے، زیادہ تر اجمیر شریف میں مقیم رہے، یہیں مولانا سید امیر علوی اجمیری سے بھی شرف تلمذ اختیار کیا۔ اور حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے علم طب میں استفادہ کر کے کمال حاصل کیا۔

حضرت مولانا پیر ہاشم جان سرہندی صورت و سیرت اور علم و فضل میں بے مثال شخصیت تھے، مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج، مٹھی (سندھ) رقمطراز ہیں۔

" خوبصورت و خوب سیرت، آپ کو دیکھ کر بے ساختہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کر لیجئے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانائے ممدوح متبحّر عالم، باکمال مقرّر اور ماہر طبیب ہیں، ان کی تقاریر سے تبحّر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف اور رواں بولتے ہیں کہ اہلِ زبان کا گمان ہوتا ہے"۔

دینی اور ملی تحریکوں سے آپ کو ابتداء ہی سے شغف رہا ہے، زمانۂ طالب علمی میں اجمیر شریف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں درج تھا کہ فوج اور پولیس کی ملازمت حرام ہے، یہ اشتہار چسپاں کرنے کے جرم میں آپ کے چند ساتھی گرفتار ہوئے، آپ بھی معتوب قرار دئے گئے لیکن آپ کے واپس سندھ آ جانے پر معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں آپ کے والد ماجد مولانا محمد حسن جان سرہندی قدّس سرّہ نے اپنے مریدین و متعلقین کو خطوط لکھے، زبانی طور پر تلقین کی کہ ہر صورت میں مسلم لیگ کی حمایت اور اعانت کیجائے۔ آپ بھی ان کے ہمراہ کام کرتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب مجاہدین کشمیر نے آزادی کشمیر کے لئے جہاد شروع کیا تو آپ نے مریدین کو جہاد میں شریک ہونے پر تیار کیا۔ ہزاروں مریدین جمع ہوگئے لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے اجازت نہ مل سکی۔

لواری شریف (سندھ) میں عرس کے موقع پر بعض لوگوں نے مشہور کر دیا کہ وہاں کے سجادہ نشین جناب احمد زمان نے لواری شریف میں حج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اس فتنہ کے انسداد کے لئے مولانا پیر ہاشم جان سرہندی نے سب سے پہلے مضامین لکھے جو سندھ کے اخبارات میں شائع ہوئے اور بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے، انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس فتنے پر ہمیشہ کے لئے پابندی عائد کر دی جائے۔

حضرت پیر ہاشم جان سرہندی کے دل میں ملک پاکستان کی سلامتی، اسلام اور مسلمانوں کا بے پناہ درد تھا۔ وہ دشمنانِ اسلام کے خلاف شمشیرِ بے نیام تھے،

جی ایم سید ابتداءً حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھے۔ جب ان کے خیالات تبدیل ہوگئے تو ان سے تعلقات ختم کر لئے۔ ایک دفعہ پیر ہاشم جان سرہندی مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس کے سامنے تلاوت کر رہے تھے کہ سید عبدالہادی اور جی ایم سید آپ سے ملنے آگئے۔ آپ نے جی ایم سید کیساتھ مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا "خدا اور رسول کے خلاف حملوں کی وجہ سے تم سے مجھے نفرت ہے" یہ کہکر قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی، بعد ازاں اسے پیغام بھیجا کہ آپ سے مجھے ذاتی طور پر کوئی مخاصمت نہیں سوائے اس کے کہ آپ نے اپنی تحریروں سے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنی ان کارگزاریوں سے تائب ہوں اور مجھے تائب ہونے کی چند سطور لکھ کر دیں تاکہ میں یہیں سے سندھ کے اخبارات کو آپ کے تائب ہونے کی خبر بھیج دوں، پھر میں آپ سے خود ملنے کے لئے آجاؤں گا۔ اس کے جواب میں جی ایم سید نے کہا کہ میں پہلے ہی تائب ہو چکا ہوں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اس وقت پاکستان مختلف قسم کے فتنوں میں گھرا ہوا ہے، آپ کے نزدیک ان میں بڑا فتنہ کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، یہاں لادینیت سب سے بڑا فتنہ ہے، اس کے پرورش کرنے والے شیخ ایاز اور جی ایم سید ہیں، ان لوگوں نے اصول دین پر رکیک حملے کئے ہیں، یہ قادیانیت سے زیادہ خطرناک ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں، سندھی ہیں اور نئی پود کو سندھی کی بنیاد پر منظم کر رہے ہیں، جو بہت ہی خطرناک ہے۔

جون، جولائی ۱۹۷۲ء میں جب کراچی اور سندھ میں بعض شرپسند عناصر نے لسانی ہنگامہ کھڑا کر کے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کر دیا تو مولانا پیر ہاشم جان نے اپنے تمام ذرائع اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے صرف کر دیئے، سندھی اور اردو میں لٹریچر شائع کیا، اس سلسلے میں پیر الٰہی بخش، سابق وزیر اعلیٰ سندھ ان کے معین

اور مددگار تھے۔

علماءِ اہل سنت میں سے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی، حضرت مولانا سید محمد محدّثِ کچھوچھوی، صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی، فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف (کوٹلی لوہاراں) حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابو البرکات مدظلہ العالی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ حضرت محدّث اعظم کچھوچھوی کی تقریر سے بہت متاثر تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بارے میں فرمایا:

"فاضل بریلوی (قدّس سرّہ) نے عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ اس دور کے عظیم علماء میں شامل ہیں۔ اگر فاضل بریلوی اپنے دور کے ان فتنوں کا سد باب نہ کرتے اور ان لوگوں کا شدید مقابلہ نہ کرتے تو نہ معلوم آج وہ طوفان کہاں پہنچتا؟" اھ (عاجز راقم ابوالخیرات عرض کرتا ہے کہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی (م ۱۹۹۳ء) بھی یہی فرماتے تھے کہ "مولانا احمد رضا خاںؒ وہابیوں کے منہ میں لگام نہ دیتے تو یہ فتنہ نامعلوم کہاں تک پہونچتا!"

موسم گرما میں آپ کوئٹہ تشریف لے جاتے تھے، پندرہ سولہ سال تک وہاں قرآن پاک کا درس دیا جس میں بڑے بڑے فوجی افسر بھی شریک ہوتے تھے۔

آپ تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کی مصروفیات کی بناء پر تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم بعض تراجم آپ کے یادگار ہیں۔

۱۔ ابن سیدالناس کی تصنیف "قرۃ العیون فی سیرۃ الامین الامون" کا سندھی ترجمہ (غیر مطبوعہ)

۲۔ مخدوم محمد ہاشم کی تصنیف "فرائض الاسلام" کا ترجمہ

۳۔ والد ماجد مولانا محمد حسن جان سرہندی کی تصنیف "طریق النجاۃ" کا اردو ترجمہ

حضرت مولانا پیر ہاشم جان رحمۃ اللہ تعالیٰ علماء سندھ اور ان کی تصانیف کے بارے

میں وسیع معلومات رکھتے تھے خصوصا مشائخ خاندان مجدّدیہ کے حالات کے حافظ تھے آپ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا ۔ انہیں کتابوں سے والہانہ شغف تھا ۔ دور دور سے کتابیں منگواتے ، نادر قلمی کتابوں کی مائیکرو فلم یا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے محفوظ کر لیتے ، کراچی کے علماء میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے ، اپنے خیر آبادی اساتذہ کا بڑی محبت سے ذکر کیا کرتے تھے ۔

۲۲ رمضان المبارک ، ۲۸ ستمبر (۱۳۹۵ ھ/ ۱۹۷۵ء) کو حضرت پیر ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئٹہ میں وصال ہوا ۔ آپ کی آخری آرام گاہ ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہے ۔ (تذکرۂ اکابر ص ۵۰۷)

۵۹ ۔ خطیبِ سحر بیاں حضرت مولانا محمد یار قدّس سرّہ (گڑھی شریف)

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد یار ملقب بہ عبدالنبی المختار ابن مولانا عبدالکریم (رحمۃ اللہ تعالی) ۱۳۰۰ ھ/ ۱۸۸۳ء میں گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے ۔ مولانا رحمت اللہ ، مولانا محمد حیات اور مولانا تاج محمود سے علومِ دینیہ کی تحصیل کی اور ۱۹ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کرلی ۔ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ (چاچڑاں شریف ، ضلع ڈیرہ غازی خاں) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے ، حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد بخش) المعروف بہ نازک کریم کی خدمت میں رہ کر دس سال تک کسب فیض کیا اور ان کے مدرسہ میں درس دیا ، ان کے وصال کے بعد ایک مدت تک صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معین الدین رحمۃ اللہ تعالی کی خدمت میں رہے اور اجازت و خلافت سے مشرّف ہوئے ۔ پھر اپنے وطن گڑھی اختیار خاں چلے گئے اور علوم و معارف کے دریا بہا دیئے ۔ ۱۳۳۳ ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرّف ہوئے ۔

مولانا کی تقریر حد درجہ دلکش اور پُر سوز ہوا کرتی تھی ، مسائل تصوف کو

کمال خوبی سے بیان کرنا آپ پر ختم تھا ۔ چونکہ صاحب حال تھے اس لئے ان کی گفتگو بے حد مؤثر ہوتی تھی اور سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہوجاتا تھا ۔ ایک دفعہ خانپور میں تقریر کے لئے تشریف فرما ہوئے اور آغاز تقریر میں فرمایا کہ مخالفین ہمارے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صرف اچھی آواز کے ساتھ وعظ کہنا جانتے ہیں اور کسی چیز سے انھیں سروکار نہیں ، آج میں خاموش تقریر کروں گا ، مخالفین میں سے کسی میں سکت ہے تو ایسی تقریر کر دکھائے ! پھر حاضرین سے فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو ۔ اور میرے ساتھ ملکر ذکر کرو ۔ چند مرتبہ ذکر کرنے کے بعد آپ خاموش ہوگئے ، پوری محفل پر سناٹا چھا گیا ، تمام حاضرین تین گھنٹے تک چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رہے ، وقت گزرنے کا کسی کو احساس تک نہ ہوسکا ۔

مثنوی مولانا روم کے تو گویا حافظ تھے ، خود بھی شعر کہتے تھے ، آپ کا کلام نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور اپنے شیخ کی عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور دیوان محمدی کے نام سے طبع ہوچکا ہے ۔ آپ بلبل اور محمد تخلص کرتے تھے ۔

۱۴ رجب ، مئی (۱۳۶۷ ھ/ ۱۹۴۷ء) پیر کی رات کو لاہور میں آپ کا وصال ہوا اور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ تعالی کے احاطہ میں دیوار کے ساتھ بیرونی جانب دفن ہوئے ۔ چھ ماہ بعد آپ کا تابوت گڑھی اختیار خان منتقل کیا گیا جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے ۔ ہر سال بڑی دھوم دھام سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں آپ کے ہزاروں مریدین شرکت کرتے ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ غلام نازک بلند پایہ فاضل اور سجادہ نشین ہیں ۔ (تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۵۱۲)

۶۰ ۔ مولانا مرتضی احمد خان میکش رحمہ اللہ تعالی

مولانا مرتضی احمد خان میکش درّانی ابن مرید احمد خان ، ابتدائے محرم ۱۳۱۷ ھ/ ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے اجداد میں سے جناب گل محمد (جن کا تعلق افغان

قوم کے قبیلہ محمد زئی دُرّانی سے تھا) ۱۸۰۰ء میں افغانستان سے ہجرت کر کے قریہ بَھدَم مضافات جالندھر میں تشریف لے آئے تھے۔ جناب گل محمد کی صاحبِ علم وفضل اولاد نے ترویجِ علوم میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

مولانا میکش نے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوار سے حاصل کی، بعد ازاں جالندھر کے سکول میں پڑھتے رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور کے کالج میں داخلہ لیا اور دو سال تک مصروف تحصیل رہے، ۱۹۲۰ء میں تحریک آزادی کی خاطر کالج کو خیر باد کہہ کر کابل چلے گئے۔ ایک سال بعد واپس لاہور آگئے اور ۱۹۲۲ء سے ۱۹۵۵ء تک مختلف روزناموں میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا، علمی، ادبی اور آزادی کی تحریکوں میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، ہفتہ روز افغانستان (جو فارسی میں شائع ہوتا تھا) میں انگریزی استعمار کے خلاف مقالات لکھنے کی بنا پر ۱۹۳۱ء میں ایک سال تک جیل میں رہے لیکن جیل سے واپس آنے پر بھی ان کی ادبی سیاسی دلچسپی میں کوئی فرق نہ آیا، مولانا میکش نے لاہور سے نکلنے والے روز ناموں مثلاً زمیندار، احسان، شہباز، مغربی پاکستان اور نوائے پاکستان میں رئیس التحریر کی حیثیت سے کام کیا، انہوں نے صحافتی فرائض انجام دینے کے ضمن میں تنِ تنہا سنگا پور، ملایا اور برما کا سفر کیا۔

مولانا میکش اپنے دور کے نامور اور بیباک صحافی تھے۔ شیخ اسماعیل پانی پتی (آنجہانی) لکھتے ہیں:

"اپنے زمانے میں لاہور کی صحافت میں ان کا طوطی بولتا تھا"۔

آپ نے زندگی کے آخری ایام بڑی عسرت میں گزارے مگر عزم و استقلال میں فرق نہ آیا حضرت حافظ مظہر الدین مدظلہ فرماتے ہیں:

"مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک دن میں اپنی زندگی کی ناہمواریوں سے تنگ آکر پریشان بیٹھا تھا کہ حضرت

خضر آئے اور مجھے تسکین دے کر چلے گئے"۔

مولانا میکش مایۂ ناز صحافی، بلند پایہ ادیب، ملت اسلامیہ کے بے باک ترجمان اور تحریک آزادی کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیۃ العلماءِ پاکستان کے مشیر قانونی اور قائدِ تحریکِ ختم نبوت مولانا ابوالحسنات قادری کے رفیقِ خاص تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا ابوالحسنات خاص طور پر آپ کو اپنے ساتھ لے گئے وہاں مولانا میکش خصوصی اجلاسوں میں شریک ہوئے اور متعدد قرار دادیں پیش کیں جو اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔

مولانا میکش قادر الکلام شاعر تھے، مادری زبان فارسی ہونے کی وجہ سے آپ کا اکثر کلام فارسی میں ہے، آپ نے متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں سے درج ذیل طبع ہوچکی ہیں:

۱۔ الہامی افسانے ۲۔ البرز شکن گرز عرف مرزائی نامہ ۳۔ اخراج اسلام از ہند
۴۔ تقدیر و تدبیر ۵۔ تاریخِ اقوام عالم (دو جلد) ۶۔ تاریخ اسلام (چار جلد)
۷۔ اسلام اور معاشی اصلاحات ۸۔ دو دل (مجموعہ کلام اردو، مجموعہ کلام فارسی غیر مطبوعہ)۔

"تقوی القلوب حضرت محدّثِ اعظم ہند کچھوچھوی قدّس سرّہ نے آپ ہی کے سوالات پر قلمبند فرمائی تھی"۔

(۲۷ جولائی ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء) کو مست شراب الست ہوکر راہی دار آخرت ہوئے۔

(تذکرہ ص ۵۱۶)

۶۱۔ فقیہِ عصر حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد قدّس سرّہ العزیز

حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد ابن مولانا مفتی محمد مظہر اللہ ابن مفتی محمد سعید ابن مفتی محمد مسعود (علیہم الرحمۃ) تقریباً ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

قاری فضل الدین مدرس مدرسہ عالیہ مسجدِ جامع فتحپوری دہلی سے قرآن مجید حفظ کیا اور علم تجوید و قراءت حاصل کیا۔ ماہ رمضان المبارک میں مسجدِ فتحپوری میں سالہاسال قرآن پاک سنایا۔

علومِ دینیہ کی ابتدائی تعلیم والدِ ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالی (م ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) سے حاصل کی، اس کے بعد تقریبا ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء) میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی میں چوتھے درجے میں داخل ہوئے اور آٹھویں درجے تک (جو درجۂ تکمیل تھا) تعلیم حاصل کی۔ ۵ ذوالحجہ (۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء) کو فارغ التحصیل ہوئے اور سند حاصل کی۔ بعد ازاں علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور حکیم جمیل الدین (استاذ حکیم اجمل خاں) سے شرح موجز، شرح اسباب اور حمیات القانون پڑھیں اور جمادی الاخری (۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) کو سند حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک حکیم محمد ظفر خان (برادر کلاں حکیم محمد اجمل خاں) کے مطب میں عملی تجربہ کیا۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ اور طب کی تحصیل کے بعد شیخ محقق شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے خانوادہ میں مفتی صاحب کا عقد مسنون ہوگیا۔

حضرت مفتی صاحب نے زمانۂ تحصیل میں تقریبا ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء سے مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں نائب امام کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالی شاہی امام تھے۔ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہوگئے تو فتوی نویسی کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی چنانچہ تقریبا ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء سے ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء تک برابر ۳۹ سال تک یہ فرائض کمال خوبی سے انجام دیتے رہے۔ اگر آپ کے فتاوی باقاعدگی سے جمع کئے جاتے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو جاتیں۔

مفتی صاحب نے علوم باطنی میں مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ تعالی (م ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) خلیفۂ حضرت مفتی محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالی (م ۱۳۰۹ھ) سے

استفاضہ کیا اور شرف بیعت سے مشرّف ہوئے۔ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں حضرت ضیاء معصوم رحمۃ اللہ تعالی کے صاحبزادے آغا جان علیہ رحمۃ اللہ نے سلاسلِ اربعہ میں اجازت و خلافت عطا فرمائی آپ کے والدِ ماجد نے بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔

۱۹۴۷ء تک دہلی میں امامت اور افتاء کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ مسلم لیگ میں شامل ہوکر تحریک پاکستان کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے بعد ازاں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور فتوی نویسی، تعویذ نویسی اور طبابت میں مشغول رہے۔

آپ کی تصانیف میں سے چند رسائل یہ ہیں:

۱۔ الدعاء للمجاہد ولغیر المجاہد

۲۔ الجہاد

۳۔ عقائد و اعمال

۴۔ شمشیر صداقت وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۳۶ء سے قبل "المرشد" وغیرہ رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

آپ بڑے خود دار اور غیور تھے، حق گوئی اور بے باکی آپ کے مزاج کے نمایاں اوصاف تھے، تحریک ختم نبوت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر حاکم وقت کے آگے نہ جھکے، تبلیغ و اشاعت دین میں نمایاں کردار ادا کیا، آپ کے دست اقدس پر بے شمار غیر مسلم مشرّف بہ اسلام ہوئے۔

آخر عمر میں عارضۂ قلب لاحق ہوگیا۔ ۶ دسمبر، ۱۷ شوال (۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) کو پاک بھارت جنگ کے دوران نماز تہجد پڑھ کر مسند پر لیٹ گئے تسبیح ہاتھ میں تھی اور پڑھتے پڑھتے جان جان آفریں کے سپرد کر دی، مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے تاریخ وفات کہی جس کا تاریخی شعریہ ہے:

شرافت ز سال وصالش بگفت
ولیِ ولایت بخلد بریں

۱۳۹۱ھ

حضرت مفتی صاحب کے تین صاحبزادے حافظ قاری محمد ظفر احمد، حافظ محمد اظہر احمد، حکیم محمد نذر احمد (مد ظلہم العالی) اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں، ایک صاحبزادی عالم شباب میں انتقال کرگئیں، جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھرپارکر (سندھ) حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالی کے برادرِ گرامی ہیں اور علم و ادب کی دنیا میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۵۲۲)

۶۲۔ رہبرِ طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول قدّس سرّہ (للٰہ شریف)

پیرِ طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول ابن حضرت خواجہ عبدالرسول للہی قدس سرہما ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے مورث اعلی حضرت خواجہ غلام نبی للہی خلیفہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری اپنے دور کے مقتدر عالم دین اور بلند پایۂ شیخ طریقت تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالرسول نے آپ کو حضرت خواجہ غلام حسن (ڈھڈیاں ضلع جہلم) خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ غلام نبی رحمۃ اللہ تعالی کے سپرد کیا اور فرمایا "ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کی تعلیم و تربیت ادھوری رہ جائے لہذا آپ انہیں باطنی علوم و فیوض سے نوازیں" کچھ دن بعد ہی حضرت خواجہ عبدالرسول رحمۃ اللہ تعالی کا وصال ہوگیا۔ حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ تعالی نے پوری توجہ سے خواجہ محمد مقبول الرسول کی تربیت فرمائی اور برسوں کا کام مہینوں میں مکمل فرمادیا۔ خواجہ صاحب اردو اور فارسی پر کامل عبور رکھتے تھے۔ دونوں زبانوں میں بلا تکلف تحریر وتقریر پر قادر تھے۔

حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول بڑے خلیق، ملنسار اور سادگی پسند تھے علماء کی تعظیم، غرباء سے محبت اور امراء سے بے نیاز آپ کی امتیازی اوصاف تھے۔ تواضع وانکسار کے پیکر تھے۔ متعلقین کو بھی یہی درس دیتے تھے، ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا کہ سالک کس فعل یا عمل سے جلد منزل مراد تک پہنچ سکتا ہے۔ فرمایا:

یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

کوئی عقیدت مند خوشی اور اخلاص سے تحفہ پیش کرتا تو قبول فرمالیتے ورنہ قیمت دیئے بغیر لینا پسند نہ فرماتے۔ اتباع سنت مبارکہ کی پوری سعی فرماتے اور متبعین کو بھی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب کرانے کے لئے زبانی اور خطوط کے ذریعے رغبت دلاتے رہے، اگر کسی مرید نے انتخابات میں مخالف پارٹی کو ووٹ دیا تو اس پر سخت ناراض ہوئے۔ برصغیرؒ کی تقسیم سے پہلے آپ نے میاں کامل دین کو بلایا اور فرمایا " قائد اعظم آزادی ملک کی خاطر اپنے آرام کو چھوڑ کر ظاہری کوشش میں مصروف ہیں، ہمیں چاہئے کہ باطنی طور پر کوشش کریں لہذا تم ہر روز درود پاک، استغفار، لاحول ولا قوۃ اوریاحیّ یاقیوم تین تین ہزار بار اور سورۂ مزمل چالیس بار پڑھکر آزادی کے لئے دعا کیا کرو"۔ میاں کامل دین نے ایک سال تک یہ معمول جاری رکھا، بعد ازاں آپ نے انھیں ایک خط لکھا کہ پاکستان کی بنیاد تحت الثریٰ تک چلی گئی ہے۔ اس خط کے ایک ماہ بعد پاکستان کا اعلان ہوگیا جس سے آپ بہت مسرور ہوئے لیکن ابھی چند ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ قائد اعظم کا انتقال ہوگیا، ہندوستان نے کشمیر پر بھاری حملہ کر دیا، ادھر حیدر آباد پر ہندوستان کا تسلط ہوگیا۔ ان تمام واقعات سے آپ بڑے مغموم اور پریشان ہوئے لیکن یہ بات باعث اطمینان تھی کہ یہ واقعات مسلمانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"قائد اعظم صاحب کے انتقال سے جو مسلمانانِ پاکستان و مسلمانانِ عالم کو رنج والم ہوا وہ محتاج بیان نہیں، للہ جیسے بے حس شہر میں چار چار پانچ پانچ سال کے بچوں نے بھی دو تین دن تک کچھ نہ کھایا اور دھاڑیں مار کر روئے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے، اوپر سے حیدر آباد کا معاملہ پیش آیا، اس سے تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی مگر بقول شخصے:

خدا شرے بر انگیزد کہ خیر ما دراں باشد

ان صدموں نے جو ایک ساتھ آئے ہیں مسلمانوں کی آنکھیں

کھول دی ہیں۔ جو لوگ سستی سے کام لے رہے تھے وہ بہت چوکنے ہوگئے ہیں اور بھاری ذمہ داری محسوس کرنے لگے ہیں گویا تازیانۂ عبرت ثابت ہوا۔

حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ منشی کرم داد (بہاولپور) کا بیان ہے کہ:

" میرے گھر اولاد نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے مؤرخہ ۲۰، / دسمبر ۱۹۴۷ء کو ایک خط لکھا جس میں لڑکے کی بشارت اور مبارک لکھی ہوئی تھی حالانکہ اس وقت حمل کا نشان بھی نہیں تھا، خدا کی شان اس خوش خبری کو اللہ تعالی نے نومبر ۱۹۴۷ء میں خوبصورت فرزند عطا فرماکر پورا کر دیا لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت اتباعِ شریعت پر استقامت اور تبلیغِ دین تھی"

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

" چاہئے کہ نماز پنجگانہ باوقات مسنونہ اور اوراد طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قادریہ ہرگز قضا نہ کریں خصوصا بوقت شام شجرۂ شریف مروجہ اور بوقت سحر شجرہ شریف ذہبیہ پڑھیں۔ اشد تاکید ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا خیال ہروقت رکھنا اشد ضروری ہے۔

کار این است دیگر ہمہ ہیچ

آپ نے دو عقد مسنون کئے پہلے عقد سے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے دوسرا عقد مولانا مفتی عطا محمد (رتہ شریف، چکوال) کے ہاں کیا جس سے تین صاحبزادیاں اور پانچ صاحبزادے پیدا ہوئے۔ صاحبزادگان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت الحاج حافظ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین للہ شریف، آپ بلند اخلاق کے مالک اور تبلیغِ دین کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔

۲۔ صاحبزادہ محمد مقصود الرسول

۳۔ صاحبزادہ محمد صبغۃ اللہ

۴۔ حافظ محمد حجۃ اللہ

۵۔ صاحبزادہ محمد انوار

۱۴ ربیع الثانی، ۱۳ فروری، (۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء) کو حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول رحمۃ اللہ تعالی کا میوہسپتال لاہور میں وصال ہوا، دوسرے روز آپ کو للہ شریف میں اپنے جدّ امجد حضرت خواجہ غلام نبی للٰہی قدّس سرّہ العزیز کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مرید صادق ڈاکٹر محمد شریف لائل پوری مدظلہ نے المقبول کے نام سے آپ کی سوانح حیات مرتب کی ہے۔ (تذکرہ از مولانا اشرف قادری ص ۵۳۰)

۲۳۔ غوث الاسلام والمسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی جیلانی قدّس سرّہ العزیز

ماہ شریعت مہر طریقت حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ابن حضرت مولانا پیر سید نذیر الدین شاہ قدس سرہما یکم رمضان المبارک (۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء) بروز سوموار گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اور ۳۶ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔

قرآن مجید پڑھنے کے بعد مولانا غلام محی الدین ہزاروی سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں، پھر بھوئی ضلع راولپنڈی میں مولانا محمد شفیع قریشی کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور ضلع سرگودھا میں مولانا سلطان محمود (مرید خاص حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدّس سرّہ) سے پڑھا اور کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت مولانا احمد حسن کانپوری سفر حرمین طیبین کے لئے تیار تھے

اس لئے آپ نے استاذ الکل مولانا لطف اللہ علیگڑھی کی خدمت میں حاضر ہو کر معقول اور ریاضی کی کتب عالیہ کا درس لیا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری محشی بخاری سے درس حدیث لیا اور ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں سند حدیث حاصل کی۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے تکمیلِ علوم کے بعد ایک عرصہ تک درس و تدریس کے ذریعہ تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے نظریہ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی اور مبلغ تھے، اس سلسلے میں علامہ اقبال کا ایک مکتوب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

لاہور ۸ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم ومکرم حضرت قبلہ السلام علیکم

جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدّد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی، اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے، نظر بایں حالات چند امور دریافت طلب ہیں، جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالوں کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے تو حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوہروی قدس سرہ آپ کے ہمراہ تھے مکہ مکرّمہ میں مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کے علم

و فضل سے بہت متاثر ہوئے ، مولانا محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نائب مدرس مدرسۂ صولتنیہ آپ کے فضل و کمال کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے گولڑہ شریف آگئے ۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے ،ایک شخص مثنوی شریف کے ایک شعر کے بارے میں تشفی حاصل کرنا چاہتا تھا، حضرت حاجی صاحب کی اجازت سے حضرت پیر صاحب نے اس شعر کی ایسی عارفانہ تقریر کی کہ حاجی صاحب وجد میں آگئے اور آپ کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اجازت سے نوازا ۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی خود فرماتے ہیں ۔

" بوقت زیارت بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحب کہ اہل کشف و کرامت تھے خود ہی نعمت باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئے، ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا ، ان کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں بعدہ انھوں نے سلسلہ صابریہ اکرام فرمایا" ۔

حضرت پیر صاحب چاہتے تھے کہ حرمین طیبین میں قیام کیا جائے ، حضرت حاجی صاحب نے بتاکید مراجعت کا حکم دیا اور فرمایا:

"ہندوستان میں عنقریب فتنہ برپا ہونے والا ہے لہذا تم ضرور اپنے ملک ہندوستان میں واپس چلے جاؤ ، بالفرض اگر آپ ہند میں خاموش ہو کر بیٹھ بھی جائیں گے تو پھر بھی وہ فتنہ ترقی نہ کرسکے گا ، پس ہم حضرت حاجی صاحب کے اس کشف کو اپنے یقین کی رُو سے مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتے ہیں" ۔

مدینہ طیبہ کے سفر میں وادی حمراء میں ڈاکوؤں کے خطرے کی بنا پر حضرت عشاء کی

سنتیں ادا نہ کرسکے، خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے مستفیض ہوئے حضور نے فرمایا:

" آلِ رسول را نباید کہ ترک سنت کند "

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ اپنی مشہور نعمت میں فرماتے ہیں:

لاہو مکھ تھیں مُخطّط بُردیمن — من بھانوری شکل دکھاؤ سجن
اوہا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن — جو حمرا وادی سن کریاں

اسی تصور کو ایک اور نعت میں یوں پیش کی ہے:

کراں یاد میں سوہنی جھات نوں — اس سفر عرب والی رات نوں
اس حمرا وادی دی گھات نوں — یا لیتنی یوم الوصال

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدّس سرّہ نے عمر بھر شریعت و طریقت کی بے مثال خدمات انجام دیں، مسلک اہل سنت کی حمایت اور بد مذہبوں کی سرکوبی پر خاص طور پر توجہ فرمائی، مولانا فیض احمد گولڑوی لکھتے ہیں:

" حضرت نے امکان کذب باری تعالی کو محال ، علمِ غیب عطائی اور سماع موتے کو برحق اور ندائے یارسول اللہ ، زیارت قبور، توسل و استمداد انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ایصال ثواب کو جائز قرار دیا" ۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالی کی پیش گوئی کے مطابق آپ کی مساعی جمیلہ نے فتنۂ قادیانیت کی سازشوں پر پانی پھیر دیا ، ۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء میں آپ نے شمس الہدایہ لکھ کر حیات مسیح علیہ السلام پر زبردست دلائل قائم کئے، مرزا قادیانی ان دلائل کا جواب تو نہ دے سکے البتہ مناظرے کا چیلنج دے دیا ۔ ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کی تاریخ برائے مناظرہ طے پائی حضرت پیر صاحب اور عُلماء کی بہت بڑی جماعت مقررہ

تاریخ پر شاہی مسجد لاہور میں پہنچ گئے لیکن مرزائے قادیانی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس خفت کو مٹانے کے لئے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو سورۂ فاتحہ کی تفسیر اعجاز المسیح کے نام سے عربی زبان شائع کی جس کے بارے میں مرزا یہ تاثر دے رہا تھا کہ یہ الہامی تفسیر ہے، حضرت پیر صاحب نے ۱۹۰۲ء میں "سیف چشتیائی" لکھ کر شائع فرمادی جس میں مرزا کی عربی دانی کی قلعی کھول دی اور قادیانی دعووں کی دھجیاں بکھیر دیں، کتاب آج تک لاجواب ہے۔

اسی طرح جب وہابیت نے پر پرزے نکالنے شروع کئے اور سواد اعظم اہل سنت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں تو آپ نے ان کا سختی سے محاسبہ فرمایا، مولوی عبدالاحد خانپوری وہابی، آپ کی وہابیت کُش پالیسی پر بڑے برہم رہتے تھے چنانچہ انھوں نے ایک رسالے میں دس علمی سوال لکھ کر حضرت کو جواب دینے کی دعوت دی۔ آپ نے الفتوحات الصمدیہ میں ان سوالات کے جوابات دے کر بارہ سوالات اپنی طرف سے پیش کئے جن کا جواب مولوی عبدالاحد خانپوری بلکہ ان کی تمام جماعت سے نہ بن سکا۔ اعلاء کلمۃ اللہ (نذر و نیاز، سماعِ موتی، استمداد وغیرہ مسائل پر لاجواب کتاب) بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کی روش پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الحاصل کاملین کی ارواح اور بتوں میں ظاہر و باہر فرق ہے، لہذا بتوں کے بارے میں وارد ہونے والی آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے، قبیح تحریف اور بدترین تخریب ہے" (ترجمہ)۔

آپ کے خلاف وہابیوں کے مشتعل ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ نے سیف چشتیائی میں مدعیان نبوت کا ذکر کرتے ہوئے مسلیمہ کذاب اور مرزائے قادیانی کے

ساتھ ساتھ محمد بن عبد الوہاب نجدی کو بھی شمار کر دیا تھا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی شریعت و طریقت کے راہنما تھے، انہوں نے ملکی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن جب تحریکِ خلافت اٹھی تو آپ نے کسی کی پروا کئے بغیر، شرعی نقطۂ نظر کو وضاحت سے پیش کیا، ترکی سلطنت کو خلافت اسلامیہ کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم آپ کی تمام ہمدردیاں ترکی مسلمانوں کے ساتھ تھیں، چنانچہ طرابلس اور بلقان کی جنگ کے موقع پر گھر کے زیورات اور اصطبل کے گھوڑے تک فروخت کر کے قیمت چندہ میں دے دی تھی۔ تحریک ہجرت کے بارے مین فرمایاکہ اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کو ناپسندیدگی نظر سے دیکھا، کانگریسی لیڈروں نے جب انگریز سے ترک موالات پر زور دیا تو فرمایا:

"یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے
پس ترکِ موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہئے،
تفریق اور ترجیح بلامرجح (یعنی انگریز سے مقاطعہ اور ہندو سے
دوستی ٹھیک نہیں ہے)"

آپ کی محققانہ تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سیف چشتیائی ۲۔ شمس الہدایۃ
۳۔ تحقیق الحق ۴۔ عجالہ بردو سالہ
۵۔ الفتوحات الصمدیہ ۶۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان اُہِلّ بہ لغیر اللہ ۷۔ فتاویٰ مہریہ

۲۹ صفر، ۱۱ مئی (۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) بروز سہ شنبہ آپ کا وصال ہوا۔ گولڑہ شریف میں آپ کے مزار مبارک کا گنبد دور سے دعوت نظارہ دیتا ہے، ہر سال آپ کے عرس کے علاوہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا عرس بڑی عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ (تذکرہ ص ۵۳۶)

٦٤۔ سراج السالکین حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری قدس سرّہ
(کیلیانوالہ شریف)

عارف کامل حضرت سید نور الحسن شاہ ابن حضرت سید غلام علی شاہ ابن حضرت سید حیات شاہ (قدّست اسرارہم)، ۲۷ جمادی الاولی، ۳۰ جنوری (۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء) چہارشنبہ کی شب کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے آپ کے آباء و اجداد با کمال بزرگ تھے۔ آپ کی طبع سلیم میں ابتدا ہی سے تقوی و طہارت اور نیکی کے جذبات بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ظاہری تعلیم کے لئے آپ پہلے احمد نگر اور پھر قصبہ رسول نگر کے اسکول میں داخل ہوئے اور پرائمری پاس کر کے سکول چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد کیلیانوالہ شریف کے خوشنویس مولانا نور الہی سے فن خوشنویسی سکھا پھر کچھ عرصہ ٹھیکیداری کرتے رہے بعد ازاں چک ۱۴ ضلع شیخوپورہ منتقل ہوگئے۔

کیلیانوالہ شریف کے خاندان سادات کے بہت سے افراد شیعہ ہوگئے تھے، انہی کے زیر اثر آپ بھی تشیّع سے متاثر تھے لیکن موجودہ دور کے شیعہ کے برعکس نماز اور روزہ کے پابند تھے، قدرت نے آپ کو بڑی دلکش اور پرسوز آواز عطا فرمائی تھی چنانچہ جب آپ مجلس پڑھتے تو سامعین بڑے اشتیاق سے سنتے، نعت بھی بڑے سوز و گداز سے پڑھتے۔ ایک دفعہ شرقپور شریف جاکر مجلس پڑھی تو دھوم مچ گئی کسی نے جاکر عارف ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا "شاید یہ ہی ہمارا کام دیں" ولی کامل کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور حضرت نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت میاں شیر محمد شرقپوری سے وہ رابطہ قائم ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی رہا اور آپ کے ذریعہ رشد وہدایت کا ایسا چشمہ جاری ہوا جس سے لاکھوں تشنہ کام سیراب ہوئے۔

حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد آپ نے شرقپور شریف میں قیام کے دوران

قرآن مجید پڑھا اور مرشد کامل کی نگاہ سے وہ فیوض حاصل کئے کہ آپ کی تحریر و تقریر بڑے بڑے علماء کو حیرت زدہ کر دیتی تھی۔ آپ اکثر و بیشتر سفر و حضر میں حضرت میاں صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ اور ایک وقت وہ آیا کہ حضرت میاں صاحب نے آپ کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی اور آپ ان کے اکابر خلفاء میں شمار ہوتے، جب آپ حضرت شیر ربانی قدس سرّہ کے حکم سے کیلیانوالہ شریف میں منتقل ہوئے تو شیعوں نے مزاحمت شروع کر دی اور طرح طرح سے درپئے آزار ہوئے، مقدمہ بازی اور قاتلانہ حملے تک نوبت پہنچی لیکن آپ کمال حِلم سے سب کچھ برداشت کرتے رہے حتی کہ مخالفین کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور آپ کے فیض کا آفتاب دن بدن عروج پر رہا۔

حضرت شاہ صاحب اپنے دور کے وہ عظیم روحانی پیشوا تھے جن کے ذریعے ان گنت افراد راہ راست پر آئے اور بے شمار منزل مقصود کو پہنچے۔ اللہ تعالی نے آپ کو علم لدنّی کی دولت سے نوازا تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ پر گفتگو فرماتے اور منٹوں میں حل فرمادیتے۔ ایک دفعہ مکان شریف میں عرس کے موقع پر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے مسئلہ علم غیب پر گفتگو ہوئی جس میں شاہ جی کو آپ کا موقف تسلیم کرنا پڑا آپ کی تصنیفِ جلیل "الانسان فی القرآن" تبحرِ علمی کا بہترین شاہکار ہے جس میں آپ نے مختلف موضوعات پر شرح صدر سے گفتگو فرمائی ہے اور بعض اختلافی مسائل کو بڑے حکیمانہ انداز سے سلجھایا ہے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ:

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی اور مؤید تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کانگریسی اور احراری لیڈروں کے مسموم اثرات کے ازالہ کے لئے کوشاں رہے چنانچہ ایک مرتبہ مشہور احراری لیڈر ملک لعل خان سے دوران گفتگو فرمایا:

" فرمانِ مولیٰ کریم ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا یعنی حقیقۃً تمہارے دوست اور سرپرست اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایماندار بندگان خدا ہیں، ایک مسلمان کے لئے تو یہی پیشوا اور رہنما ہیں، ان کے فرمان تو عرض کر ہی دیئے اب ان کے سوا آپ کو گاندھی اور نہرو کا فرمان واجب العمل ہوگا جو سوائے جہنم کے ہمیں کسی راستے پر نہیں لے جاسکتا"۔

آپ کی شبانہ روز زندگی اور عبادت اور ذکر و فکر میں بسر ہوتی تھی، مریدوں اور عقیدت مندوں کو بھی شریعت مبارکہ کی اتباع کی تلقین فرماتے، اس کے بعد اوراد و وظائف کی باری آتی ہے آپ مکان شریف اور شرقپور شریف سے فارغ ہوکر لاہور تشریف لے جاتے اور حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہ کے مزار پُر انوار پر حاضری دیتے، بعض اوقات حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر بھی حاضر ہوتے۔

آپ کے حلقہ ارادت میں بڑے بڑے علماء شامل ہوئے چند ایک کے نام جو معلوم ہوسکے یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ مدظلہ العالی بانی و مہتمم جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی شریف

۲۔ حضرت مولانا محمد نواز مدظلہ العالی صدر مدرس مدرسہ مذکورہ۔

۳۔ حضرت مولانا سید منصور شاہ مدظلہ العالی مدرس جامعہ رضویہ لائل پور۔

۴۔ مولانا سید منیر حسین شاہ جوکالوی، مؤلف انشراح الصدور بتذکرۃ النور (سوانح حیات حضرت شاہ صاحب ممدوح قدس سرّہ)

۳ ربیع الاول، ۲۱، نومبر (۲۔ ۷۲ ۱۳ ھ / ۱۹۵۲ء)۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب گیارہ بجکر

پچیس منٹ پر ۶۳ برس کی عمر میں یہ آفتاب ولایت عازم فردوس ہوا، حضرت کیلیانوالہ شریف میں آپ کا مرقد منوّر مرجع خلائق ہے۔ آپ کے وصال کے بعد بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد باقر علی شاہ مدظلہ العالی سجادہ نشین ہوئے۔

مولانا محمد عبداللہ کنجاہی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی ہے:

سید السادات فرزندِ رسول — جامع الحسنات، دلبندِ بتول
ماحی بدعات، ابن مرتضیٰ — قرۃ العین شہیدِ کربلا
راحتِ جانِ جناب شاہ حسن — سیدی سندیِ شہ نور الحسن
نور کامل ز آفتاب شرقپور — بے شبہ بُد ماہتابِ شرقپور
بود غوثِ وقت ہم قطبِ رشاد — ہر کہ آمد بر درش شد با مراد
کرد رحلت از فنا سوئے بقا — مخلصاں را رنج و غم، آہ و بکا
مہ ربیع اول، سوم تاریخ بود — چوں بیامد روحِ پاکش در صعود
گفت تاریخ وصالش مولوی — خادم شاہ سلیمانِ تونسوی
رفت خضرِ راہ دعاگو در جناں — " پیر نورالحسن شاہ عارف زماں "

۱۹۵۲ء

ذاکر حق پیر نور الحسن شاہ — رحمت حق صلہ یافت از بارگاہ

۱۹۷۲ء

(تذکرہ ص ۵۵۱)

۶۵۔ علامۂ زماں مولانا سید نور اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بلند پایہ واعظ اور بے مثل شاعر مولانا سید نور اللہ شاہ ابن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مولانا میر حسن سیالکوٹی (استاذ علامہ اقبال) سے آخری کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا

سید عبداللہ شاہ سے پڑھیں۔ آپ حضرت مولانا قاضی سلطان محمود (آوانی) قدّس سرّہ العزیز کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ جب حضرت قاضی صاحب بزرگانِ دین کے مزارت عالیہ کی زیارت کے لئے جاتے تو اکثر آپ کو شرف معیّت حاصل ہوتا تھا۔ اور بقول نواب معشوق یار جنگ جب حضرت قاضی صاحب آخری دفعہ اپنے شیخ حضرت مولانا اخوند عبدالغفور قدس سرہ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے سوات تشریف لے گئے تو مولانا سید نور اللہ شاہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

آپ فارسی زبان کے عالی مرتبہ شاعر تھے، آپ کے کلام سے قادر الکلامی اور گہرے درد و سوز کا پتہ چلتا ہے ایک نعتیہ مسدّس (غیر مطبوعہ) کے چند بند ملاحظہ ہوں:

بدردِ تو کہ من از وے بجانم بعرض مدّعا تر شد بجانم
چہ درد است اینکہ تدبیرش ندانم بکن چارہ کہ تو مشکل کشائی
منہ بر سینہ ام سنگ جدائی کجائی یا رسول اللہ کجائی
گلستانِ وفا را نو بہاری بمیدانِ کرامت شہسواری
پئے محنت شعاران غم گساری شکستہ خاطراں را مومیائی
منہ بر سینہ ام سنگ جدائی کجائی یا رسول اللہ کجائی
زلیخائے صبا چوں جستجو کرد قبائے یوسفِ گل مشکبو کرد
لب اندر مرحبائش سو بسو کرد ہمہ این است لطفِ مصطفائی
منہ برسینہ ام سنگ جدائی کجائی یا رسول اللہ کجائی

آپ نے حضرت شاہ دولہ دریائی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت قاضی سلطان محمود (آوانی) قدّس سرّہ کی تعریف میں متعدد گراں قدر فارسی قصائد لکھے ہیں، ذیل میں حضرت قاضی سلطان محمود آوانی قدّس سرّہ کی شان میں ایک قصیدۂ مدحیہ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن کا ہر ہر مصرعہ قابل داد ہے:

روز گارے شد کہ دارم دلِ زار و حزیں آرزوئے مدحت شاہنشہ دنیا و دیں

قاضی سلطان محمود آنکہ نامِ نامیش نیک زد بر روئے دلہا سکہ چوں نقشِ نگیں
دُرِ دریائے حقیقت اخترِ برجِ شرف شاہبازِ اوجِ عرفاں ، افتخارِ عارفین
جرعہ از جامِ محبت ریز در کامِ دلم تا ازیں دنیائے دوں پُر ور فشانم آستیں
مشکلے دارم کہ بر رائے منیرش روشن است پس چرا بیہودہ گویم آنچناں یا ایں چنیں
چشم دارد شاہ نور اللہ زخوانِ فیض تو انّ اصحاب العطایا یکرمون السائلین

پنجابی میں شجرۂ قادریہ غفوریہ نظم فرمایا جس کے دو بند ملاحظہ ہوں:

میں بھی قدم ولی دا پھڑیا سنگ اصحاب کہف دے رلیا
دیکھ لواں ہُن قسمت اڑیا کدتک ہون ہمرایاں نی
پاک رسول محمد سرور خلقاں تارو کھایاں نی
عشق حقیقی والینا رمزاں سیاس دلاں و چہ پایاں نی
نور اللہ ہے تیرا بردا ہر دم وچہ ہجر دے مردا
لاہ دے دل دے اتوں پردا کاہنوں مدتاں لایاں نی

آپ کے اردو پنجابی اور فارسی قصائد اور شجرات کا مجموعہ "چشمۂ نور" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے ردّ شیعہ میں آپ کی ایک اہم کتاب تحفۂ شیعہ "اندر پریس" سیالکوٹ سے شائع ہوئی تھی جس پر مولانا غلام حسین ساہو والہ (سیالکوٹ) کی منظوم تقریظ تھی۔ چوہدری غلام غوث مصنف مثنوی صمدانی اور نواب معشوق یار جنگ مؤلف مقامات محمود سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔

ماہ جون (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) میں آپ کا وصال ہوا اور پائین درگاہ حضرت امام علی الحق رحمۃ اللہ تعالی سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔ (تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۵۵۶)

۶۶۔ فقیہ العصر استاذ مولانا یار محمد بندیالوی قدّس سرہ

فقیہ جلیل مولانا یار محمد ابن جناب میاں سلطان محمد ابن میاں شاہنواز ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء میں بندیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے، موضع پکا ضلع میانوالی میں

قرآن مجید حفظ کیا، فارسی کی ابتدائی کتابیں ایک مقامی عالم سے پڑھیں، صرف و نحو اور دیگر فنون کی کتابیں امام الصرف والنحو مولانا محمد امیر دامانی مصنف قانونچہ عجیبہ المعروف بہ قانونچہ امیریہ سے پڑھیں، الفیہ ابن مالک پڑھنے کے لئے مولانا ثناء اللہ کی خدمت میں موضع پنجائن ضلع جہلم میں حاضر ہوئے، آپ کو الفیہ ابنِ مالک (ایک ہزار عربی اشعار کا مجموعہ جس میں صرف و نحو کہ مسائل بیان کے گئے ہیں) پر اس حد تک عبور تھا کہ جس مسئلے کی ضرورت ہوتی وہ مصرعہ پڑھ دیتے جس میں وہ مسئلہ ہوتا۔

اس کے علاوہ مولانا غلام احمد حافظ آبادی صدر مدرس جامعۂ نعمانیہ، لاہور سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ جامع مسجد فتح پوری دہلی میں بھی رہے، پھر اعلیٰ تعلیم کا شوق دل میں لئے ہوئے مرکز علم و عرفان بریلی شریف، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خاں بریلوی قدّس سرّہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب امام اہل سنت اپنا تمام وقت تصنیف و تالیف پر صرف فرما رہے تھے، علالتِ طبع اس پر مستزاد تھی، اس لئے آپ کے ایماء پر مولانا ہدایت اللہ جونپوری تلمیذ رشید حضرت مولانا علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منطق و فلسفہ کی انتہائی کتابیں (افق المبین، شرح اشارات وغیرہ) پڑھنے کے علاوہ تکمیلِ علوم کی، صدر الشریعۃ مولانا محمد امجدّ علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ، مصنف بہارِ شریعت آپ کے ہم درس تھے، سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی خلیفۂ اعظم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ریاضی پڑھنے کے شوق میں حکیم اجمل خان کے مدرسہ میں طب کا بھی باقاعدہ درس لیا، فراغت کے بعد الہ آباد، رام پور، بھوپال اور ٹونک وغیرہ مقامات میں بیس بائیس سال تک درس دیا، پھر بندیال تشریف لے آئے اور مسلک اہل سنت کی بھرپور تبلیغ فرمائی۔ بڑے بڑے مخالفین آپ کے سامنے آنے سے گھبراتے تھے، سینکڑوں اجلۂ اہل علم آپ سے مستفید ہوئے جن میں سے یہ حضرات خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مولانا سید سلیمان اشرف پروفیسر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ
۲۔ شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی
۳۔ سلطان المدرسین مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ

پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ جامعۂ امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف آپ کی یادگار ہے۔ یہ مدرسہ آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد فضل حق بندیالوی زید مجدہ کے زیر اہتمام نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس دارالعلوم نے اہل السنت والجماعۃ کو فضلاء اور مدرسین کی بہت بڑی جماعت مہیا کی ہے۔ سلطان المدرسین، استاذ العلماء الکاملین حضرت مولانا عطا چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ اس دارالعلوم میں علم و فضل کا دریا بہا رہے ہیں۔

آپنے تحریکِ پاکستان میں نمایاں حصہ لیا، ضلع سرگودھا کے اکثر امراء یونی نسٹ تحریک کے حامی ہونے یا خضر وزارت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے سخت خلاف تھے اس کے باوجود فقیہ العصر قدّس سرّہ نے تحریک پاکستان کے حق میں زور دار تقریریں کیں طبقہ امراء کے ماتھے شکن آلود ہوئے لیکن آپ نے کسی کی پروا کئے بغیر فرمایا "ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے اور دوسری طرف کفر کا، اب تمہاری مرضی ہے جسے چاہو اختیار کر لو" چنانچہ آپ کی تحریک پر ہزارہا افراد مسلم لیگ میں شریک ہوئے۔

۲۲ محرم الحرام ۲۰ دسمبر (۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء) کو فقیہ عصر مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہ محبوب حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار شریف بندیال (ضلع سرگودھا) میں ہے، ہر سال ماہ محرم میں آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں ملک کے نامور مقررین شمولیت کرتے ہیں۔ (تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۵۷۰)۔

تذکرۂ علماء اہل سنت (ہندوستان) میں مولانا شاہ محمود احمد قادری نے لکھا ہے کہ مولانا یار محمد بندیالوی اور مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک مکالمہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں دہلی میں واقع ہوا ۔ مولانا بندیالوی نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالی نے فرمایا : " وعلّم آدم الاسماء کلہا" تو کیا سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت نہیں ؟ جواب میں مولانا تھانوی کہا : یہ کلیات کا علم ہے ! تو پھر مولانا بندیالوی نے جواب الجواب میں فرمایا : نہیں ! لفظ "کلہا" سے جزء یات کا بھی علم ثابت ہے اور یہ تو نص قرآنی ہے ! اس پر مولانا تھانوی لاجواب ہوکر خاموش ہو گئے ۱۲ ابوالخیرات عفرلہ۔

پاکستان کے علماء ربانیین رحمۃ اللہ علیہم کے مبارک تذکرہ پچھلے اوراق میں بیان کئے گئے ، اس عاجز کے خیال میں یہ صاحب تذکرۂ حضرت محدّث دکن قدس سرہ کا فیض ہے کہ قارئین کرام کو اسلام کے چند صحیح نمونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے روشن آئینوں کو دیکھنے کا سنہری موقع مل گیا، یہ حضرات کرام ملت اسلامیہ کے لئے صداقت کے رہنما اور رہبر تھے ۔ تاریخ گواہ ہے کہ اولیاء اللہ اور ہمیشہ ذات الہی سے وابستہ رہے ، ان کا سر نہ بادشاہوں کے سامنے جھکا نہ وہ ظالموں سے خوفزدہ ہوئے ، ان کی دنیا استغناء کی دنیا تھی اور ان کی دولت ایمان و یقین کی دولت ! اعلاء کلمۃ اللہ ان کا مقصد اور خدمۃ الناس ان کا شیوہ ! وہ:

نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو
بزم ہو یا رزم ہو ، پاک دل و پاکباز

کی صحیح تصویر تھے ۔ حوادث کے تیز و تند جھونکے ان کے پایۂ ثبات کو کبھی نہ ہلا سکے، زمانہ کی خونخوار نگاہیں کبھی ان کو اظہار حق سے روک نہ سکیں ، وہ ہمیشہ نڈر ہو کر اپنا کام کرتے رہے ۔ شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔

ہوا ہے گو تیز و تند لیکن ، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جسکو حق نے دیا ہے انداز خسروانہ

حقیقت میں یہ نخلستانِ محمد (علی صاحبھا آلاف تحیۃ) کے باغبان ہیں ۔ یہ محمدی کچھار کے شیروں کی بہادر اور پاکباز جماعت ہے ۔ اللہ تعالی ان کے فیوض اور برکتوں سے ملت اسلامیہ کو مالا مال فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین! یہ عاجز اس مبارک تذکروں کو اپنے برادر طریقت عالی قدر جناب مرزا شکور بیگ صاحب دام مجدہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہے :

چھپالئے ہیں زمیں نے جواہر نایاب
تلاش اہلِ نظر کو ہے اس دفینہ کی

حیدر آباد فرخندہ بنیاد کے معاصرین کرام

روئے احمد کے صدقے گل و یاسمن کتنا شاداب ہے آمنہ کا چمن

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر (۱۴۰) میں ارشاد ربی ہے " وتلک الایام نداولھا بین الناس " (اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں) یعنی دنیا کی سر بلندی اور پستی باری باری قوموں کو ملا کرتی ہے، کسی ایک قوم کا اس پر اجارہ نہیں۔

دلیؔ میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب ڈوبنے لگا اور احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان دلیؔ میدان جنگ بن گیا تو نظام الملک آصف جاہ اول نے ۱۷۲۳ء میں مستقل طور پر دکن کا رخ کیا اور ۱۷۲۴ء میں دکن کی آزادی کا اعلان فرماکر دکن پر خود مختار حکومت کا آغاز فرمایا۔ اس طرح دکن پر آصف جاہی سلطنت کے نام سے اس گھرانے نے دو سو سال سے زیادہ (۱۷۲۴ تا ۱۹۴۸) حکومت کی ہے۔ (A History of Indo Pakistan by S.F. Mahmud P : 78)

سلاطینِ حیدر آباد کی مثالی رواداری اور آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کی دلداری اور وضعداری نے وزیر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد سے کہلوایا:

" جب سے اس مشرق الانوار خسروِ دکن نے اپنی حکومت کی بسم اللہ کی اور اس میں جشنِ شاہانہ کی رسم ادا ہوئی دکن کے نصیب جاگے، بہار سلطنت نے پھول برسائے اور چرخ نیلی نے تارے اتارے۔ ظلّ اللہ کا اقبال چتر بن کر سایہ فگن ہوا۔ عزت و اجلال کے جلو میں ترقی کی رفتار نے برق خرامی کی، بخت آصف کا شہباز ہوائے ملک رانی میں پرواز ہوا، زمامِ سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے کر ثابت کر دیا۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

سالار جنگ اول جب مدار المہام مقرر ہوئے تو ۱۸۵۶ء میں علومِ مشرقیہ کی درسگاہ دارالعلوم قائم کیا اور ۱۸۹۰ء میں اس کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ہوا۔ اور شیخ الاسلام حضرت شاہ انوار اللہ خان فاروقی خلیفۂ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی نے (۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۴ء) میں جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۱۸ء میں آصف سابع نے جامعۂ عثمانیہ قائم کی اور ذریعہ تعلیم اردو زبان قرار دیا اور مختلف علوم و فنون کی اردو زبان میں تدریس کے لئے ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا۔ نواب میر یوسف علی خان (سالار جنگ سوم) کے انتقال کے بعد ۱۹۵۱ء میں کتب خانۂ سالانہ جنگ کی تاسیس عمل میں آئی جو نہ صرف مطبوعات بلکہ مخطوطات کے ایک عظیم ذخیرہ پر مشتمل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شاہ انوار اللہ قدس سرہ نے جامعۂ نظامیہ سے ملحق ایک عظیم ادارہ مجلس اشاعۃ العلوم کی ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں تاسیس فرمائی۔ اس ادارہ سے عربی، فارسی اور اردو زبان میں جلیل القدر علماء کے تالیفات مختلف علوم اور فنون میں شائع ہوئے۔ (ملاحظہ ہو ادبیات آصف سابع ص ۱۰، اور علماء العربیۃ و مساھماتھم فی الادب العربی فی عھد الآصفجاھیۃ از الاستاذ ڈاکٹر محمد سلطان محی الدین، صدر شعبۂ عربی جامعۂ عثمانیہ)

سرزمینِ دکن پر خاندانِ آصفی جب حکمران ہوا تو دارالحکومت حیدر آباد ہندوستان کے شہروں میں ایک نمایاں حیثیت سے ممتاز ہوا اور علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا، نظم و نسق، عدل و انصاف اور داد رسی سے بادشاہوں نے حکمرانی کی اور علم وفن، تفسیر و حدیث، فقہ اور اصول سے حکمرانی ان علماء، ادباء، محدثین اور فقہاء نے کی جن میں مولانا عبدالصمد قندھاری، المقرئ مولانا السید محمد التونسی، المفتی ابوالفضل سید محمود القادری، الشیخ عبدالحق کانپوری مہاجر مکی، مولانا عبدالحق خیر آبادی، مولانا

عبدالحق حقانی، الشیخ عبداللہ باحطاب، شیخ عبدالرحمن ابوبکر بن شہاب العلوی، مولانا عبدالرحمن سہارنپوری المحدِّث ، مولانا حمید الدین الفراہی، مولانا عبدالواسع، مولانا سید مخدوم حسینی، مولانا منصور علی خان ، مولانا سید نادرالدین ، مولانا عباس علی خان امروہی نقشبندی ، مولانا سید شجاع الدین (صاحب کشف الخلاصہ)، محدّثِ دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی القادری، حضرت شیخ عبدالرحمن بغدادی (معروف بہ بڑے بغدادی) حضرت سید محمد بغدادی (معروف بہ منجھلے بغدادی)۔ (آپ عزیزم سید نذیر الدین حسینی معروف بہ پیراں کے جدّ امجد اور مولوی فصیح اللہ حسینی علیہ الرحمہ کے والدِ ماجد ہیں)، مولانا السید ابو الوفا الافغانی القندھاری ، مولانا سید ابراہیم الادیبؔ مولانا محمد وحید الدین العالی ، مولانا محمد یسین ، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا سید عثمان جعفری ، مولانا محمد عبدالباری ندوی، مولانا سید نبی (مصنف منہاج العربیہ) ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر محمد عبد المعید خان اور آپ کے والد بزرگوار حضرت عبد الغفور خان نامی مؤلف اوائل الخیرات ، مولانا جمیل الدین احمد ، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی (صدر الصدور) مولانا عبدالقدیر صدیقی، مولانا عبدالخالق افغانی، مولانا سید شاہ وحید القادری، مولانا حکیم محمد حسین (شیخ الحدیث و امیر جامعۂ نظامیہ)، مولانا مفتی عبداللطیف علیگڑھی، مولانا سید فرید پاشاہ قادری ، مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری چشتی ، مولانا حسام الدین فاضل یہ اور دیگر علماء کرام دولت آصفیہ کے ایسے روشن چراغ تھے جن کو زمانہ ان کے اپنا اپنے فن میں استاذ مانتا ہے۔

حیدرآباد کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے جس پر غوث ، قطب، اولیاء ، مجاذیب ، محققین ، مفسرین ، فاتحین، کاملین ، علماء ، مؤرخین ، ادباء ، فضلاء ، فقراء ، صلحاء اور اہل اللہ نے عشقِ مصطفی سے سرشار ، جذبۂ جہاد سے معمور ، اربابِ علم و دانش اور اصحابِ فکر و نظر، وقتاً فوقتاً تشریف فرما ہو کر اہالیانِ حیدر آباد کو اپنے فیوضِ ظاہری و باطنی سے فیضیاب فرماتے رہے ایک صاحبِ نظر کا بجا ارشاد ہے:

سر زمینِ ما بہ جنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ می کند

روحانی حیثیت سے حیدر آباد کو جو عظمت اور مرکزیت حاصل رہی ہے غالبا وہ دکن کے کسی دوسرے شہر کو کم حاصل رہی۔ یہ عرصۂ دراز تک دعوت و ارشاد کا مرکز اور بزرگانِ دین کا مسکن رہا۔ حیدر آباد میں جتنے اولیاءِ کرام کا ہجوم رہا اور جو یہاں ابدی نیند سو رہے ہیں انہوں نے حیدر آباد کو ایک اہم زیارت گاہ اور روحانی مرکز بنادیا ہے۔ اسطرح اللہ والوں کے لئے اپنے اندر خاص کشش رکھتا ہے جو دور دراز سے بغرض زیارت حیدر آباد آتے رہتے تھے۔

مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جو شہر سیاسی مرکز ہوتے ہیں وہاں خیر و شر دونوں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں سلاطین کے درباروں سے شر کی پرورش ہوتی ہے وہاں دینی مدارس اور خانقاہوں سے خیر اور برکتوں کے چشمے اُبلتے ہیں ، حیدر آباد ہر دور میں سیاسی مرکز رہا ہے ، ہر زمانہ میں یہاں اہل اللہ کا ہجوم رہا۔ مسلمان بادشاہوں کے دور میں حیدر آباد کھینچ چلے آتے تھے ۔ پھر یہاں سلسلۂ سہروردیہ ، چشتیہ ، قادریہ اور نقشبندیہ کے صوفیاءِ کرام اور مشائخ علیہم الرحمۃ نے شریعت اور طریقت کی جو شمعیں روشن کر رکھی تھیں اسکی کشش اہل علم و دانش کو کہیں اور بڑھنے نہیں دیتی تھیں، حیدر آباد کے رئیس اور نوابوں کے ایوان علماء و فضلاء سے پُر رہتے تھے ۔ جن میں علمی مجلسیں گرم رہتی تھیں، بعض مؤرخین کے الفاظ میں:

”حیدر آباد ایک ایسا آسمان تھا جس میں ارباب کمال چمکتے تھے، یہ ایسا بوستان تھا جہاں فضیلت کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے رہتے تھے، یہ عظمت اور برتری کسی اور شہر کو کم نصیب ہوئی ہے“۔

یہ شہر اس راقم عاجز کا مرز بوم (جائے پیدائش) ہے ۔ اس عاجز کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خان داؤود زئی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد حضرت بڑے خان رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ قندھار (افغانستان) سے حیدر آباد تشریف فرمائے ہوئے اور قصبہ میسرم میں جو شہر حیدر آباد سے اٹھارہ میل جنوب کی طرف واقع ہے سکونت فرما ہوئے ۔ اسی قصبہ میں یہ عاجز پیدا ہوا ۔ ابتدائی تعلیم اسی قریہ میں ہوئی اور حضرت والد بزرگوار حضرت الحاج محمد اسماعیل خان بن حضرت بسم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہما کی سرپرستی میں زیرِ تعلیم رہا۔ بچپن سے مدارس کے اساتذہ کے دوش بدوش علماءِ شہر سے استفادہ کرتا رہا۔

یہ بندۂ عاجز بطور تحدیث نعمت (احسانات الٰہی کا بیان کرنا) عرض کرتا ہے کہ دنیا کے اس ظلمت زار میں جن کرنوں کی بدولت اس ہیچمدان کی نگاہیں روشن، دل بیدار، صلاحیت کار جیسی بھی ہے برابر سرگرم رہی ان کا سرچشمہ عالم اسباب میں اس عاجز کے پیر و مرشد ۔ صاحب تذکرۂ ہذا، اس عاجز کے مربی بے بدل، فقیہ العصر حضرت مولانا ابوالوفا افغانی اور محققِ عظیم حضرت مولانا شاہ جمیل الدین احمد ۔ علیہم الرحمۃ والرضوان تھے ۔ یہ دونوں حضرات اس عاجز کے پیرو مرشد قدس سرہ کے جلیل القدر معاصرین میں ہیں۔

اس تمہید کے بعد معاصرینِ حضرت محدّثِ دکن میں جو اس عاجز کے اساتذۂ کرام ہیں سب سے پہلے اپنے مربیٔ حضرت العلام مولانا ابوالوفا افغانی قدس سرہ کے تذکرہ کو شروع کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے:

همه شهر پُر ز خوباں منم و جمال ماہے
چہ کنم چشمِ خوش بیں نکند بکس نگاہے

تذکرۂ حضرت محدّثِ دکن

۱۔ حضرۃ الاستاذ مولانا سید محمود بن مبارک شاہ معروف بہ مولانا ابوالوفا افغانی قدّس سرہ

(۱۳۱۰ ۔ ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء)

شیخ الفقہاء، معقول و منقول کے متبحر فاضل، حافظ و مقریٔ، حامل لواء شریعت، محقق عظیم، جلالۃ العلم والعمل والادب، محدِّث جلیل، القادری الحنفی، استاذ الاساتذہ، امام الحنفیہ ۔ نفعنا اللہ بعلومہ و برکاتہ آمین!

زہد و تقویٰ کے اس مجسم پیکر، علامۂ اجل، عالم ربانی نے حیدر آباد فرخندہ بنیاد کو اس حیاتِ مستعار کا مشرق اور مغرب بنایا ۔ اٹھارہ برس کی عمر میں قندھار سے رام پور (ریاست افغانان) پہونچے اور ایک سال مدرسہ عالیہ رام پور میں مختلف اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد گجرات ہوتے ہوئے حیدر آباد کے جامعۂ نظامیہ میں مستقل طالب علم کی حیثیت سے ۱۳۳۰ھ سے وابستہ ہوگئے ۔ رام پور کے مدرسہ عالیہ کے معروف معاصرین میں کلکتہ یونیورسٹی کے صدر شعبہ عربی پروفیسر ڈاکٹر زبیر صدیقی تھے، حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ کے اساتذۂ کرام علیہم الرحمۃ جو اس زمانہ میں علوم و فنون کی مسندوں کو بچھائے ہوئے تھے، ان میں مولانا عبدالکریم افغانی، مولانا محمد یعقوب دیوبندی اور حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم الرضوی الادیب تھے، مولانا علیہ الرحمۃ نے فنِ تجوید اور قراءت کی تکمیل حافظ شیخ محمد یمنی اور حضرت محمد ایوب علیہما الرحمۃ سے جو شاہ گنج کی مسجد میں فروکش تھے فرمائی۔

ہمارے مولانا کے زہد و توکل کا یہ عالم تھا کہ درسیات سے فراغت کے بعد جامعۂ نظامیہ میں مدرسی کے لئے درخواست ملازمت تک پیش نہیں کی بلکہ اساتذہ اور انتظامیہ نے مولانا کے انہماک علمی اور تبحر کو دیکھ کر بغیر درخواست کے مامور فرمالیا اور یہی حال وظیفۂ حسن خدمت کے موقع پر ہوا ۔ جامعۂ نظامیہ کی خدمت تدریس سے سبکدوشی عمل میں آئی تو آپ نے وظیفہ کے لئے کوئی پیش رفت نہیں

فرمائی بلکہ مولانا سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ نے حیدر آباد کے دورانِ قیام اپنی طرف سے وظیفۂ حسن خدمت کی تحریک سرپرست جامعۂ نظامیہ آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کی خدمت میں پیش کی اور تھوڑا سا وظیفہ غالباً بیس روپیہ مقرر ہوا۔ زھد و استغناء کی یہ دو مثالیں ہیں ورنہ مولانا کی پوری زندگی توکل کی وادی ایمن میں بسر ہوئی ہے، آپ کی اس مبارک زندگی پر یہ شعر صاد آتا ہے:

فقیر اپنی کمبل میں بیٹھا ہے مست
پیالے چڑھاتا ہے جامِ الست

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی مبارک زندگی کا سب سے بڑا قابل صد فخر کارنامہ ادارۃ احیاء المعارف النعمانیہ کی تاسیس ہے۔ آپ نے اس کی بنیاد علماءِ مجلس کے تعاون سے ۱۳۴۸ھ میں رکھی۔ اس ادارہ کا اساسی مقصد حضرات ائمہ کرام۔ امام الائمۃ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہم علیہم الرحمۃ کی تصانیف کو مہیا کر کے معیاری مقدمات اور حواشی کے ساتھ اعلیٰ کاغذ اور طباعت کے ساتھ شائع کرنا تھا۔ اس ادارہ کے علمی معاونین میں مصر کے عظیم حنفی محقق علامہ شیخ محمد زاھد الکوثری جو ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۰ھ تک مدۃ العمر سرگرم علمی رکن رہے اور اسی طرح امام العصر عظیم محدث حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، استاذ قانون جامعہ عثمانیہ (مقیم امریکہ) وغیرہم علمی یا انتظامی ارکان تھے۔

علامہ زاھد کوثری علیہ الرحمۃ کے تعاون سے قاہرہ کے شیخ رضوان محمد رضوان ادارہ کے وکیل مقرر ہوئے اور احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ سے شائع ہونے لگیں جس کی وجہ سے پورے عالمِ عرب اور عالمِ اسلامی میں علم و ادب اور قانون اسلامی کے یہ کارنامے منظر عام پر آئے اور علماء امت اپنے اسلاف کے ان عظیم کارناموں سے

استفادہ کرنے لگے۔ مولانا کا اخلاص اور ایثار کہ نہ تو زندگی بھر آپ نے اس ادارہ کی خدمت کے صلہ میں ایک حبّہ سیاہ لیا اور نہ معاونین علماء جو مخطوطات کو نقل فرماتے اور مقابلہ اور تصحیح میں مولانا علیہ الرحمۃ کی اعانت فرماتے انہوں نے کوئی معاوضہ لیا۔

مولانا علیہ الرحمۃ نے تدریس، تحقیق کے علاوہ ہر یکشنبہ عوام کے استفادہ کے لئے اپنے گھر پر حدیث اور تصوف کا درس جاری فرمایا جو تقریباً دو گھنٹہ جاری رہتا جو ادب، وقار اور روحانیت کا عجیب سماں پیش کرتا تھا۔ حدیث شریف میں سیدی وآقائی حضرت محدّث دکن کی تصنیف زجاجۃ المصابیح کا درس شروع فرمایا جس کی قراءت کی سعادت اس راقم عاجز کو حاصل تھی اور الحمد للہ ثم الحمد للہ زجاجہ کی پانچویں جلد کے باب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختتام تک جاری رہا۔ مولانا کا یہ درس بڑی برکتوں کا موجب بنا، کئی احباب کی زندگیوں میں دینی انقلاب رونما ہوا اور یہ سب اتباعِ سنت کے پیکر بن گئے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کی سوانح پر مولانا عبدالفتاح ابوغدہ حلب (ملک شام) کے جلیل القدر حنفی عالم نے اپنی کتاب "العلماء العزّاب" (وہ علماء جنہوں نے علم اور دین کی خدمت میں تجرّد کی زندگی بسر کی) میں ص ۱۲۳۔۱۲۶ تک، مولانا یوسف بنوری نے "فیصلہ پنج مسئلہ" کے مقدمہ میں اور پروفیسر سلطان محی الدین صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ "علماء العربیہ فی عھد آلآ صفجاھیۃ" میں ایک بسیط مقالہ (ص ۳۱۵ھ تا ص ۳۳۰) سپرد قلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس علمی خدمت پر ان تینوں اصحاب کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

اس عاجز راقم حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی خدمت اقدس میں ۱۹۴۱ء میں اپنے استاذ قراءت حضرت شیخ عبدالرحمن الحموی علیہ الرحمۃ شیخ التجوید والقراءت جامعۂ نظامیہ کی معیّت میں حاضر ہوا اور آپ کی وفات یعنی ۱۹۷۵ء تک آپ سے وابستہ رہا۔ اسی سال

۱۹۴۱ء میں مجلس احیاء المعارف کا رکن بنا اور بعد ازاں اس مبارک مجلس کا معتمد بنایا گیا جو تاحال قائم ہے ۔ یہ عاجز الحمد للہ خوش تقدیر ہے کہ ایک عظیم شیخ کی ارادت مندی اور مریدی کی عزت سے فیضیاب ہوا اور ایک عالم ربانی کے زیرِ تربیت رہا۔

حضرۃ العلامؒ علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی ، سیرت ، تحقیقاتی کارنامے، حنفیت کی خدمت اورعبادت و ریاضت ، تبحر علمی یہ سب ایسے موضوعات میں جو اسلامیات میں کام کرنے والوں کے لئے ان کی تحقیق کا موضوع بن سکتے ہیں ۔ اپنی دیرینہ وابستگی اور استفادہ کی بناء پر یہ عاجز کہہ سکتا ہے کہ حضرۃ مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کی طرح بلا مبالغہ ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے اور سرزمین دکن میں آیۃ من آیات اللہ تھے ۔ کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان تھے ۔ اظہار حق میں راعی اور رعایا آپ کے پاس سب برابر تھے ۔ مناسب ہوگا کہ یہ عاجز اس موقع پر آپ کے امر بالمعروف کی ایک مثال عرض کرے:

آصفی سلطنت کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خان نے اعلان کیا کہ میں آج سے تفضیلی ہوں یعنی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دیتا ہوں اور یہ شیعی عقیدہ ہے ۔ اسی دن جامعہ نظامیہ میں امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جلسہ منعقد تھا جس کے تنہا مقرر حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ ہوا کرتے تھے ۔ دورانِ تقریر حضرت مولانا نے بادشاہ کے اس اعلان پر تنقید کی اور فرمایا کہ:

"ہمارے بادشاہ نے تفضیلی ہونے کا اعلان کیا ہے اور یہ شیعیت کا اعلان ہے ، مسلمانو! سن لو جس سلطنت کا بادشاہ شیعی ہوجائے اس سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں"

محکمۂ خفیہ نے بادشاہ کی خدمت میں اپنی رپورٹ لکھ بھیجی ، بادشاہ نے دفتری نظم

ونسق کے مطابق اس وقت کے میر مجلسِ جامعہ نواب فخر یار جنگ (وزیر فینانس) کے پاس اس مثل کو روانہ کیا کہ جس جامعہ کے تم صدر ہو، اس کے ایک استاذ نے مجھ پر تنقید کی ہے اس کا جواب طلب کیا جائے:

نواب فخر یار جنگ نے محکمہ خفیہ کی رپورٹ اور بادشاہ کی تجویز پر اپنی رائے لکھی کہ:

"عالم دین کی ذمہ داری ہے کہ حاکم ہو یا محکوم شریعت کی نظر میں کوئی بات مخالفِ دین و شریعت ہو تو ان کو متنبہ کر دے ، میری رائے میں مولوی ابوالوفا نے عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے اپنا حق ادا کیا ہے ۔ اس لئے جواب طلب کرنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی"۔

بادشاہ نے جامعہ کے میر مجلس کی رائے پڑھی تو تجویز کردی کہ مثل داخلِ دفتر کردی جائے یعنی کارروائی ختم ہو چکی ۔(Case Closed)

حضرت مولانا ابو الوفاعلیہ الرحمۃ کا یہاں ایک واقعہ بیان کیا گیا ۔ حضرت کی مبارک زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی تھے ۔

علوم اسلامیہ اور دینی تربیت کی ایسی یادگار اور نادر مثالیں آپ نے چھوڑی ہیں کہ اسلاف کی یادگار تازہ ہو جاتی ہے ۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے غیر متأھل زندگی گذاری ، خور و نوش کی ذمہ داری آپ کے شاگرد خاص مولانا مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمہ مفتی جامعہ نظامیہ نے قبول کر لی تھی اور حضرت برابر والے مکان مجلس احیاء المعارف میں اقامت گزیں تھے ۔ مولانا مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ آپ سے بیس سال پہلے انتقال فرماگئے تو حضرت مفتی صاحب کے گھر کی پوری ذمہ داری آپ کے سپرد ہوگئی ۔ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے تینوں صاحبزادے مولانا ابو بکر ہاشمی (مصحح دائرۃ المعارف) مولانا حافظ ابراہیم خلیل (مفتی جامعۂ نظامیہ)اور مولوی عمر فاروق (مصحح دائرۃ المعارف) نو عمر تھے اور

طالب علم، پہلے دونوں تو علوم اسلامیہ کے مرحلہ میں تھے البتہ تیسرے فرزند جناب فاروق میاں سلمہ کے لئے حضرت مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ کے قریبی عزیزوں نے یہ تجویز رکھی کہ کم از کم مفتی صاحب کے تیسرے فرزند کو دنیوی تعلیم میں مشغول کر دیا جائے ۔ یہ سن کر مولانا نے فرمایا میں دونوں کی طرح تیسرے کو بھی عالم ہی بناؤں گا ۔ جتنی بھی مشقت مجھے برداشت کرنی پڑے برداشت کروں گا ۔ یہ ہے دین کی صحیح خدمت اور روزی اور معاش کے معاملہ میں اللہ تعالی پر توکل ۔ الحمد للہ یہ تینوں بھائیاں حیدر آباد کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں اور پورا گھرانا علم اور عمل اور اخلاق حسنہ کا نمونہ ہے:

این خانہ تمام آفتاب است
این سلسلہ از طلائے ناب است

حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ جامعۂ نظامیہ میں بے تاج کے بادشاہ تھے ، کسی وقت کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا مگر آپ کے اخلاص ، علمی اور عملی دبدبہ اور صحیح فکر اور رہبری کی وجہ سے نہ صرف علماءِ جامعہ بلکہ ارباب اقتدار بھی آپ کے رائے کو ٹال نہیں سکتے تھے، فارغینِ جامعۂ نظامیہ جب اپنی درسیات کی تکمیل کر لیتے تو ان حضرات کو مدرسہ کی تدریس میں مشغول فرمادینے کی تجویز فرماتے جس کو ارباب انتظام بسر وچشم قبول فرمالیتے اور ان حضرات کا تقرر ہوجاتا، مولانا علیہ الرحمۃ تدریسی پروگرام ایسا ترتیب دیتے کہ ہر فارغ التحصیل عالم ہر فن کی ہر کتاب کو پڑھانے کا اہل ہوجائے۔ اس ترتیب کے علاوہ ایک اور اہم کام یہ انجام دیا کرتے کہ فارغین علماء مشاھروں کی زیادتی کی وجہ سے مدرسۂ نظامیہ کی کم مشاھرہ والی تدریسی خدمات کو چھوڑ کر حکومتی مدارس میں منتقل ہونے کی کوشش کرتے آپ ان علماء کو سمجھاتے کہ دیکھو! اگر تم نے جامعۂ نظامیہ کی تدریس سے سبکدوشی اختیار کرلی تو علوم اسلامیہ کی خدمت سے دور ہو جاؤ گے اور پھر زندگی بھر غیر علمی ماحول میں رہ جاؤ گے، مثال

کے طور پر مولانا مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ اور مولانا حکیم محمد حسین علیہ الرحمۃ جو بعد میں شیخ الفقہ اور مفتی اور شیخ الحدیث اور امیر جامعہ نظامیہ بنے یہ صرف حضرت مولانا ابو الوفاعلیہ الرحمۃ کی تجویز کو تسلیم کرنے کی بدولت تھی۔ چنانچہ مولانا مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ کے توأم برادر مولانا راز دار بیگ علیہ الرحمۃ نے اس بارے میں حضرت کی بات نہیں سنی تو فرمایا کرتے کہ "مولوی راز دار بیگ نے میری بات نہیں سنی اور علم سے نکل کر جاہلانہ ماحول میں پھنسا ہوا ہے"۔

حضرت مولانا ابو الوفاء علیہ الرحمۃ بڑے مہمان نواز تھے ۔ شمالی ہند سے علماء تحقیقاتی اور علمی کاموں اور نادر مخطوطات سے استفادہ کرنے کے لئے حیدرآباد تشریف لاتے تو آپ کے پاس ہفتوں مہمان رہتے جیسے مولانا حبیب الرحمن اعظمی وغیرہ ، مولانا میزبانی کے پورے فرائض ادا فرماتے اور قلعہ گو لکنڈہ اور عثمان ساگر اور حمایت ساگر بغرض تفریح لیجاتے ۔ علماء کی قدر دانی کی ایسی مثالیں کم ہی دیکھی گئیں۔

آپ بعض مرتبہ ہمارے پیرو مرشد حضرت محدث دکن قدس سرہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تو مسجد علی آقا کے صحن میں تشریف رکھتے حاضرین حیران ہوتے کہ مولانا ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں مگر خاموش صحن مسجد میں تشریف فرماہیں تو پھر حاضرین میں سے ایک صاحب حضرت سے عرض کرتے کہ مولانا ابوالوفا تشریف لائے ہیں تو پھر ہمارے حضرت یاد فرماتے اور ملاقات ہوتی ۔ ایسے آداب کم ہی دیکھے گئے ۔

مولانا کی خدمت میں حاضری کے بھی آداب مقرر تھے ۔ دروازہ کو اندر سے کواڑ اور زنجیر لگی ہو تو قاعدہ یہ تھا کہ اس وقت مولانا مشغول ہیں، ملاقات ممکن نہیں ۔ اگر صرف اڑ ڈنڈا لگا ہو تو آنے والا دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہو کر خاموش بیٹھ رہے اور مولانا اگر علمی کام میں مشغول ہیں یا لکھ رہے ہوں تو مولانا متعلقہ فقرہ کو ختم کر کے قلم رکھ کر آنے والے کی طرف متوجہ ہوتے ، پھر زائر سلام عرض کرتا

اور گفتگو ہوتی، یہ ایسے آداب ہیں جو بہت کم سننے اور دیکھنے میں آئے ہیں۔ بہر حال حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی بڑی منضبط اور باقاعدہ تھی ہر کام کا وقت مقرر تھا، فرماتے کہ مغرب کے بعد میرے دروازے کو قفل لگتا ہے۔ تہجدّ کبھی ناغہ نہیں ہوتی۔ قرآن کی تلاوت دن اور رات میں الگ الگ مقررہ تھی، رمضان المبارک میں تو دن بھر تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے۔ فرماتے کہ میں رمضان المبارک میں گویا گھر میں تلاوتِ پاک کے لئے معتکف ہوں۔

مولانا کے اس مبارک تذکرہ کو یہ عاجز آپ کے سفر آخرت کے کوائف پر ختم کرنا چاہتا ہے۔

آخری عمر میں بیماریوں نے شدت اختیار کی اور خصوصا ضعف بڑھتا گیا جگر میں پانی جمع ہوگیا پانی نکالا گیا اس کے بعد عالم سکرات شروع ہوگیا۔ غشی کے عالم میں یوں فرماتے کہ "میں نے ایک نیا گھر بنالیا ہے" یہ عاجز مولانا علیہ الرحمتہ کے آخری تین دن، آٹھوں پہر گھر اور ملازمت سے چھٹی لے کر آخری خدمت کے لئے رہ گیا۔ اس عاجز کی رفاقت مولانا حافظ ابراہیم سلمہ اللہ نے کی یہاں تک کہ تیرہ رجب ۱۳۹۵ھ روز چہار شنبہ آپہونچا۔ حاضرین فجر کی نماز پڑھ کر گھر پہونچے تو عزیزم مولوی نذیر الدین حسینی صاحب نے اس عاجز سے فرمایا کہ آپ سورہ یٰسین شروع کریں آخری لمحات معلوم ہو رہے ہیں اس عاجز نے سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کی اور غالبا دوسرے رکوع کی آیت (۲۶) **قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی و جعلنی من المکرمین** پر پہنچے کہ اس عالم ربانی زاہد سبحانی نے جان جان آفریں کے سپرد کردی انا للہ و انا الیہ راجعون، روح مبارک جب پرواز ہوئی تو لبوں پر مسکراہٹ تھی اور دفن تک قائم رہی، علامہ اقبال کے الفاظ میں:

نشان مرد مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست
(علامہ اقبال)

آپ کا مزار پُر انوار نقشبندی چمن، مصری گنج میں مرجعِ وابستگان ہے

مولانا یوسف بنوری علیہ الرحمۃ نے فیصلۂ پنج مسئلہ کے مقدمہ میں "وفاتِ حسرت آیات" کے عنوان سے حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ پر ایک معیاری سوانحی خاکہ سپردِ قلم کیا ہے۔ اس میں سے چند فقرے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہیں:

"مولانا ابوالوفا قندھاری کی وفات سے ورع وزہد کا ایک پیکر تقوی و خشیتِ الٰہی کی قوی روح، جہد و سعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلفِ صالحین کی عجیب یادگار بوس و خمول کی حیثیت سے یا قناعت و زہد کی جہت سے ہو ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہوگئی، بس اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ایک ضعیف و نحیف جسم میں قدیم ترین سلف کی روح جلوہ گر ہوگئی تھی عصرِ حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

علم و عمل، شب خیزی اور نالہ ہائے سحری کا یہ بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔ بہار دنیا میں جو روز افزوں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں، بجز قدرت خداوندی کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ اس چمنستان دہر میں ایسا گلدستہ دیکھنے کو ملے۔

اے وہ تیرے لئے تعریف ہے کہ جس کا فضل متواتر ہے! اے وہ ذات جس کی داد و دہش عام ہے، تیرے لئے تعریف ہے! میں تعریف کر رہا ہوں لہذا قبول فرما۔ میں تیرا احسان مند ہوں"۔

(مولانا یوسف بنوری کی عبارت ختم ہوئی)

فانی بدایوانی کیا خوب کہا ہے:

پھر گورِ غریباں کا ہر ذرہ لرز اٹھا
فانی کوئی دل شاید پھر زیرِ زمین آیا

اپنے مربی اور استاذ کے سوانحی خانہ کو راولپنڈی کے معروف شیخ طریقت مولانا عبدالکریم نقشبندی (م ۱۹۳۶ء) کے قطعۂ تاریخ وفات کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے جو ہمارے حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ پر معمولی تصرف کے ساتھ حرف بہ حرف صادق آتا ہے :

قبلۂ دیں و کعبۂ ایماں ناصرِ دین و مذہب نعماں
وارثِ علمِ مصطفوی رکنِ دین و شیخِ زماں
چشمۂ فیض و عارفِ کامل مطلعِ نور و معدنِ عرفاں
یعنی شیخِ ما ابو الوفا واقفِ علم و حافظِ قرآں
در روز سیزدہ ماہ رجب گشت از چشمِ ما ہمہ پنہاں
ہاتف گفتہ سالِ وصلش فخرِ ملک ، بہ فردِ عالم

۱۳۹۵ھ

مولوی سید ابوالفضل سابق ششن جج ہائی کورٹ آندھرا پردیش نے ذیل کے دو شعر میں تاریخ وفات یوں نظم کی ہے:

فخر دیں و فخر ملت بوالوفا آنکہ ذاتش منبعِ فیضان بود
واصلِ حق شد بدینِ مصطفیٰ بحرِ عرفاں ثانیٔ نعمان بود

۱۳۹۵ھ

مولانا ابو بکر ہاشمی حفظہ اللہ ، صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ جانشینِ حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ نے لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان سے استفادہ کرتے ہوئے یہ دو شعر نظم کئے ہیں وللہ درّہ :

ہمیں است تربت آں مردِ عارف کہ کارِ خیر بے روی و ریاء کرد
بفیضِ عشقِ سلطانِ دو عالم کمالِ دین و دولت بوالوفا کرد

۲۔ حضرۃ الاستاذ مولانا جمیل الدین احمد بن حضرت غلام محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہما (وفات۔ ۱۹۵۶ء)

عالم ربانی ، مفسرّ ، معلم ، مربیّ ، صوفی ، محققّ ، مصنف ، پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان کامیاب فرمایا۔ اور محکمۂ عدالت میں منصف کی حیثیت سے ملازمت اختیار فرمائی۔ حیدر آباد کے نامور علماء حضرت مولانا سید ابراہیم ادیب ، مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت سے حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات مکیہ کا درس لیا۔ حضرت خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور حضرت مولانا محمد حسین ناظم ونبرتی سے خلافت حاصل کی، معاصرین میں پروفیسر ولی الدین ، پروفیسر الیاس برنی ، مولانا سید فضل اللہ مونگیری اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ آپ کی زندگی اسلام کی ایک جیتی جاگتی تصویر بلکہ اسلام کا ایک معجزہ تھی۔ حضرت مولانا ابونصر حموی قادری جیلانی پاکستانی قدس سرہ نے آپ کو محقق فرمایا۔ آپ کی تصنیف " قانون کا حقیقی تصور اور انسانی آزادی" بڑی فکر انگیز کتاب ہے۔

آپ کی شب و روز کی زندگی بڑی مشغول تھی ،ہر روز بعد نماز فجر درس قرآن ہوتا اور بعد نماز عشاء تصوف کی تعلیمات ، تہجد کی پابندی اور ذکر و مراقبہ آپ کے معمولات میں تھے۔ آپ کے فیض صحبت سے جوانانِ سعادت مند متبع سنت ہوگئے۔ آپ کی عام گفتگو اور تقریر یادِ الٰہی ، اتباعِ سنت سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی تلقین پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔

یہ عاجز اپنے استاذ شعبۂ دینیات مولانا سید فضل اللہ علیہ الرحمۃ مونگیری اور نانا حضرت محبوب حسین صاحب چشتی علیہما الرحمۃ کے ارشاد سے ۱۹۴۷ء سے آپ سے وابستہ ہوا اور آپ کے انتقال تک استفادہ کرتا رہا۔ استاذ عربی مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ نے منہاج العربیہ کی تالیف فرمائی جو درحقیقت عربی زبان کے حصول کا

آسان، تدریجی اور نیا طریقۂ تعلیم ہے اور اس طریقہ کی تربیتی جماعتیں شروع فرمائیں تو مولانا جمیل الدین علیہ الرحمۃ بھی اس تربیتی جماعتوں میں تشریف لایا کرتے اور وہیں اس عاجز نے مولانا موصوف سے تعارف حاصل کیا اور زندگی بھر استفادہ کرتا رہا۔

مولانا جمیل الدین علیہ الرحمۃ نے توحید اور معرفت خداوندی کی تلقین کے ساتھ ساتھ انجمن احیاء دین کی سرپرستی قبول فرمائی۔ اس انجمن کے ماتحت ایک مدرسۂ حفاظ اور دینی صباحی یامسائی مکاتب تھے جن میں مسلمانوں کے نونہال تلاوت کلام الٰہی اور مسائل دینی سیکھا کرتے تھے۔ یہ انجمن ۱۹۴۷ء میں قائم ہوئی اور الحمد للہ اب تک جاری ہے اس انجمن کے مدرسۂ حفاظ سے طلباء فارغ ہوکر جامعۂ نظامیہ میں داخلہ لیتے اور وہاں سے فراغت حاصل کرتے۔ اس مدرسۂ حفظ کے نامور فارغین میں مولانا حافظ الطاف حسین فاروقی، مولوی حافظ عزیز بیگ، ڈاکٹر غوث ندوی اور مولانا حافظ ابراہیم خلیل شیخ الفقہ اور مفتی جامعہ نظامیہ وغیرھم ہیں، پہلے دو دائرۃ المعارف جامعۂ عثمانیہ کے مصححین ہیں اور حیدر آباد کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سارے علماء کی بنیاد مولانا جمیل الدین احمد علیہ الرحمۃ نے رکھی جو صدقۂ جاریہ کے طور پر مولانا کے حسنات میں جاری اور ساری ہے۔

مولانا علیہ الرحمۃ بعض ہونہار بچوں کو ازراہ شفقت اپنی سرپرستی میں رکھ کر زیور تعلیم اور تربیت سے آراستہ فرماتے چنانچہ پروفیسر ابو نصر خالدی استاذ شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ نے کہا کرتے تھے کہ "میں مولانا جمیل الدین احمد کا پروردہ ہوں" یہ اور اس قسم کی علوم نوازی کے واقعات حیدر آباد فرخندہ بنیاد اصحابِ ثروت کے معمولات میں تھے۔

مولانا کے شاگردوں میں ایک صاحب فاضل عربی و اسلامیات نے خواب دیکھا کہ مولانا جمیل الدین احمد علیہ الرحمۃ نے اپنے گھر ایک ضیافت ترتیب دی ہے اور دستر خوان پر مولانا بنفس نفیس مدعوئین کو کھانا کھلا رہے ہیں۔ دفعتہً مولانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگئے اور یوں ارشاد فرمایا "اعتری امتی حال خیارھا"

(میری امت پر نیک لوگوں کے احوال طاری ہیں) اس واقعہ سے مولانا علیہ الرحمۃ کی روحانی بلندی اور اسلام کی خدمت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا علیہ الرحمہ ۱۹۵۰ء میں حج کعبۃ اللہ اور زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ سفرِ حرمین شریفین سے واپسی کے بعد اپنے معمولاتِ شب و روز اور درس و تدریس میں مشغول رہے اور یہاں تک فالج نے حملہ کیا اور فریش ہوگئے تقریبا دو سال علالت کا سلسلہ رہا بالآخر ۱۹۵۶ء میں آپ نے سفر آخرت فرمایا، آپ ان اھل اللہ میں تھے جن کی مجلس میں بیٹھ کر خدا یاد آتا تھا اور سکونِ قلب نصیب ہوتا تھا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ و جعل الجنۃ مثواہ۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین۔

۳۔ حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم بن سید عباس الرضوی القادری الادیب

(م ۱۲۹۵ھ/ ۱۹۷۷ء)

علامۃ العصر، الادیب الاریب، الشاعر المفلق، استاذ الاساتذہ، صوفی، عظیم لغوی، مصنف، مفسر، مجسمۂ علم و فضل، پیکر زہد و تقوی، شہسوار فصاحت و بلاغت، تاج الفحول، شمس العلوم۔

مولانا کا مولد قریۂ یسرم ہے جو تعلقہ ابراہیم پٹن کے دیہات میں شامل ہے۔ یہ عاجز راقم بھی اسی خاک سے اٹھا ہے۔ یہ قریہ آصفی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں عربوں اور افغانوں پر مشتمل فوجی چھاونی تھا۔ اس عاجز کے جدّ اعلی حضرت ابراہیم خان نقشبندی نے اپنے پیرو مرشد حضرت سید احمد علی نقشبندی (خلیفۂ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی) کے ہمراہ اس قریہ کو اپنا وطن ثانی بنایا۔

مولانا سید ابراہیم علیہ الرحمۃ کی مبارک حیات اور کارناموں پر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ سے ام۔ فل کا مقالہ لکھا گیا۔ پروفیسر سلطان محی الدین صاحب نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں ص ۴۴۰ تا ۴۵۷ ایک سیر حاصل مقالہ سپردِ قلم کیا ہے اور اس میں اس عاجز نے "شعراء الدولۃ الآصفیۃ" اور رسالۃ التنویر میں مولانائے ممدوح پر جو خامہ فرسائی کی ہے اس کا اقتباس بھی بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالی موصوف کو جزاء و خیر عطا فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ مولانا سید ابراہیم کی شخصیت اور عبقریت پر یہ مواد الحمد للہ کافی اور وافی ہے۔ یہ عاجز جامعۂ عثمانیہ میں ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء تک حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی بارگاہِ علم و ادب میں زانوئے ادب طے کرنے کی عزت حاصل کر چکا ہے۔ مولانا کی تدریس علوم کرامت کی ایک زندہ مثال تھی۔ جماعت میں اس حالت میں تشریف لاتے کہ دستِ مبارک میں تسبیح ہے۔ اگر گرمی کا زمانہ ہوتا تو عمامۂ مبارک میز پر رکھ دیتے اور تاج سر پر رہتی اور ارشاد ہوتا کہ آج کس کتاب کا درس ہے۔ جماعت میں ایک قاری ہوتا۔ وہ

متن کتاب پڑھتا۔ کتاب عربی ادب میں نظم کی ہو یا نثر کی ہو، بلاغت کی ہو یا عروض کی طالب علم پڑھتا اور آپ اس کی صرفی، نحوی اور ادبی تحقیق شروع فرماتے جاحظ کی البیان ہو، یا زمخشری کی کشّاف اور المفصّل ہو سب مولانا کے لئے رواں تھیں، کسی بھی ادق ترین کتاب کا متن سامنے رہنا ضروری نہ تھا۔ اگر کوئی طالب علم ازراہ تیزی طبع کسی لفظ کی تحقیق کا سوال کرتا تو حیرت کی انتہا ہوتی کہ اس لفظ کی تاریخ واضعین لغت کے ابتدائی مفہوم سے لیکر موجودہ زمانے تک امثال اور شواھد کے ساتھ بیان کرتے یہاں تک طلباء کے لئے وہ تقریر ان کے معیار سے کہیں بلند و بالا ہوتی تو خود طلباء تھک کر عرض کرتے! حضرت ہم نے سمجھ لیا اب آگے چلیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ضعیف و ناتواں جسم میں قدیم ترین علماء ادب اور ماہرینِ لغت کی روح جلوہ گر ہوگئی ہے۔ عصر حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

هيهات ان يأتي الزمان بمثله　　ان الزمان بمثله لبخيل

(افسوس کہ زمانہ ایسی شخصیت کو پھر نہ لا سکے گا۔ بے شک زمانہ ایسی عظیم عبقری شخصیت کے پھر سے لانے میں بخیل ہے)۔

مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ کو فن عروض میں ایسی غیر معمولی مہارت تھی کہ ادھر کوئی شعر پڑھا جائے آپ فورا اس شعر کی بحر فرمادیتے۔ اس کا تجربہ اس عاجز کو اس وقت ہوا جبکہ اس عاجز نے اپنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ سنانا شروع کیا۔ یہ مقالہ "المحمدون من الشعراء" (محمد نامی شعراء کا تذکرہ اور ان کا کلام) جو بیشتر اشعار پر مشتمل ہے اس عاجز نے یہ سعادت حاصل کی کہ پورا مقالہ حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ کو سنایا۔ ادھر یہ عاجز شعر پڑھتا اُدھر حضرت اس شعر کی بحر ارشاد فرماتے۔ اس مقالہ کے سنانے کے دوران ایک صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ اپنا مقالہ سنا کر اس کی تصحیح آپ سے کروا رہے ہیں یہ سن کر جواباً ارشاد فرمایا "یہ ہمارا بچہ ہے، ہم کو خوشی ہے کہ اس کو یہ ڈگری مل جائے" یہ تھی

شفقت ہمارے اسلاف کی اور آج اساتذہ تحفظات (Reservations) سے کام لیتے ہیں ۔ ڈگریوں کے دینے میں ، تقررات کے معاملہ میں اپنا اور پرایہ کا خیال کرتے ہیں ۔ یہ بے دینی کی بات ہے اسلام تو اس بات پر زور دیتا ہے کہ جس میں جو استعداد اور صلاحیت ہے اس کو اجاگر کرو ۔

اس عاجز پر ایسی شفقت تھی کہ اس کا اندازہ مشکل ہے ۔ اس کا ایک پس منظر تھا ۔ اس عاجز نے ابھی حضرت کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت کے والد بزرگوار تعلقہ ونپرتی سے فوجی چھاؤنی قصبۂ یمسرم منتقل ہوئے تو اس عاجز کے جدّ اعلیٰ حضرت ابراہیم خان علیہ الرحمۃ جو سادات کرام کی بیحد تعظیم فرماتے تھے آپ کے والد بزرگوار کو کھانے پر یاد فرماتے اور بڑی سرپرستی فرماتے ، میرے دادا حضرت بسم اللہ خان ، علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے کہ جدّ اعلیٰ اپنے بیٹوں کو فرماتے کہ تم کھانے کے لئے ماں کے پاس جاؤ اور یتیم بچوں اور سادات کرام کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتے ۔

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر حضرۃ الاستاذ کا ایک واقعہ جو میرے جدّ اعلیٰ سے متعلق ہے سنادوں جس کو مولانا علیہ الرحمۃ نے استاذ محترم صدر شعبہ عربی پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کو سنایا تھا ۔

قصبۂ یمسرم جو عربوں اور افغانوں کی فوجی چھاؤنی تھا ایک عربی اپنے ایک دوست کے ساتھ گاؤں سے باہر ایک نشہ آور چیز (غالباً سیندھی) لے کر نکلا ۔ گرمیوں کے دن تھے ، چاندنی رات تھی ۔ یہ اپنے نشہ میں مست تھے کہ اس کے دوست کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ بے ہوش ہوگیا ۔ یہ اپنے ساتھی کو کندھے پر لادلیا اور گاؤں کے حدود میں داخل ہوا تو تھک کر اس کو ریتیلے میدان پر لٹادیا ، کیا دیکھتا ہے کہ رات کے اس بڑے حصہ میں پاس والے مقبرہ کی طرف سے ایک سفید پوش بزرگ ان کی طرف تشریف لا رہے ہیں ۔ ساتھی ڈر گیا اور سانپ گزیدہ شخص کو چھوڑ کر ایک خفیہ گوشہ سے اپنے ساتھی کو دیکھنے لگا ۔ وہ بزرگ اس کے پاس پہونچے اس کا کان

پکڑا اور دریافت فرمایا کہ وہ یہاں کیوں لیٹا ہوا ہے ؟ اس نے جواب دیا مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے ، پوچھا : کس جگہ ؟ تو اس نے اپنی ایڑی دکھائی ۔ حضرت نے اپنا لعاب زخم خوردہ جگہ پر لگایا اور فرمایا یہاں سے اٹھو اور گھر چلے جاؤ اور پیچھے کی طرف پلٹ کر نہ دیکھو ۔ جان بچی لاکھوں پائے ! یہ بے چارہ خوش خوش آبادی کی طرف روانہ ہوگیا لیکن اس کا دوست ان حضرت کو دیکھ رہا تھا کہ مقبرہ کی طرف واپس ہو رہے ہیں ، کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت اپنی قبر کے پاس پہونچے اور غائب ہوگئے ۔ یہ اس عاجز کے جدّ اعلیٰ حضرت ابراہیم خان علیہ الرحمۃ تھے ۔ یہ واقعہ علامۃ العصر ، عظیم صوفی ایک یونیورسٹی پروفیسر کا بیان کردہ ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ بعد وفات باذن الٰہی فرشتوں کی طرح پریشان حالوں کی مدد کرتے ہیں :

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ کا ایک اور واقعہ بھی سنادیا جائے جس کو حضرت پروفیسر عبدالحق مرحوم کے روبرو سنایا ۔

حضرت کمال شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ اس قریہ یمسرم میں تشریف لائے ، قطب شاہی دور کے آخری تاجدار ابوالحسن تاناشاہ حکمران ہیں ، ان کا وزیر اکنا مادّنا اسی گاؤں یمسرم میں رہا کرتا تھا ۔ اس نے دو باؤلیاں بنائیں ایک کا نام شیوگنگا دوسری کا نام کُنیری ہے ۔ پہلی باؤلی کے گرد کئی برجیاں ہیں جس میں بت تھے حضرت کمال شاہ ولی علیہ الرحمۃ اس قریہ میں تشریف لائے اور اس باؤلی شیوگنگا میں وضو فرمایا اکنا مادّنا کو اطلاع دی گئی کہ ایک مسلمان فقیر نے ہماری اس مقدس باؤلی میں ہاتھ پاؤں دھوکر باؤلی کو گندہ کر دیا ہے ۔ اس وزیر نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کی چھنگلی کاٹ دی جائے ، حضرت کو سزا مل گئی ۔ آپ اس انگلی کو لے کر اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ جھاڑو مستان رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار اسری دواخانہ سے کچھ پہلے شاہ علی

بنڈھ روڈ پر موجود ہے حاضر ہوئے ۔ آپ نے اپنی انگلی دکھائی ۔ آپ نے جواب دیا تم آنکھیں بند کر لو، اسی وقت میں تم کو دکھلا دیتا ہوں، دلی میں اورنگ زیب عالمگیر کی سواری برآمد ہے، تم وہیں پہونچ جاؤ گے شہنشاہ کو اپنی انگلی بتانا اور کہنا کہ دکن کا یہ حال ہے، میں نے ابوالحسن تانا شاہ کے وزیر کی باؤلی میں وضو کیا تو سزا میں میری انگلی کاٹ دی گئی ہے ۔ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے دکن کا رخ کیا اور نام نہاد شیعی سلطنتوں بیجاپور اور گولکنڈہ ختم کیا ۔ مسلمان سلطنتیں تو ختم ہوئیں مگر اسلام کو تقویت ملی ۔

یہ تو قدیم تاریخی روایت ہے جو ایک عالم ربانی کی زبانِ فیض ترجمان سے اس عاجز راقم نے بلاواسطہ سنی ہے اور قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی ہے ۔ اب ۱۹۴۸ء کے بعد کے واقعات بھی سن لیں ۔ اس قصبہ یسرم میں ایک بہت بڑی مسجد ہے جس میں اس عاجز کے دادا کے چھوٹے بھائی حضرت اسماعیل خان علیہ الرحمۃ جو قاری بھی تھے اور کاتب قرآن الحمد للہ اس تاریخی مسجد میں امامت بھی فرماتے تھے، آپ کے مبارک ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک قلمی اس عاجز کے پاس موجود ہے ۔ حضرت اسماعیل خان علیہ الرحمۃ کے اکلوتے فرزند حضرت محمد نواز خان مرحوم کے پاس یہ نایاب قرآن محفوظ تھا ان کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ نے جو میری دادی صاحبہ ہوتی ہیں مجھے یہ نعمت مرحمت فرمائی اور یہ واقعہ سنایا کہ حضرت اسماعیل خان علیہ الرحمۃ سفر پر تھے اور مانجرا ندی کو پار کرنا تھا تو تیرتے ہوئے اس قرآن کو بچاکر کنارے پہونچے ہیں ۔

اس قصبہ کی بڑی مسجد کے بارے میں ایک غلط روایت ہے کہ یہ مندر تھا اور اس کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا ۔ قصبہ کے رہنے والے کئی ہندو گروپ کی شکل میں بنارس روانہ ہوئے کہ وہاں سے ایک مورتی لاکر اس مسجد کو مندر میں تبدیل کردیں گے میرے عزیز و قریب جو اس گاؤں میں مقیم ہیں ان کا بیان ہے ان ہندو

گروپس میں سے ایک بھی واپس نہیں ہوا کہاں مرکھپ گئے ۔ کسی کو ان کا پتہ بھی نہیں ۔ آخری گروپ جو بڑے عزم کے ساتھ روانہ ہوا اس گروہ کا ایک آدمی بس پر سوار ہو رہا تھا کہ گرا اور مرگیا اس کے بعد پھر کسی نے اس ناپاک ارادہ کی ہمت نہیں کی ۔

یہ تو رہا اس قریہ کی بڑی مسجد کا واقعہ، اب شیوگنگا کا واقعہ بھی سن لیں، ۱۹۴۸ء "یعنی پولیس ایکشن" کے بعد اس قریہ کے ہندوؤں نے بڑی کوششیں کیں کہ اس باؤلی شیوگنگا کی بُرجیوں میں بتوں کو بٹھاکر ان برجیوں کو پھر سے آباد کریں گے مگر کوئی پنڈت یہاں قیام نہیں کرسکتا تھا، آخری بار ایک پنڈت کو بڑی تنخواہ پر بلایا، جب وہ داخل ہوا تو اس کے اعزاز میں دودھ سے اس کے پاؤں دھلائے گئے ۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت کمال شاہ ولی علیہ الرحمۃ کا مزار ایک چوکھنڈی میں اس گاؤں کے باب الداخلہ پر ہے ۔ اس پنڈت نے اس چوکھنڈی کو دیکھا تو کہنے لگا: ذرا ٹھہر جاؤ میں اس چوکھنڈی میں جاکر آجاؤں! یہ چوکھنڈی میں داخل ہوا تو حضرت کی مزار کے پاس کچھ دیر ٹھرا رہا اور جب باہر نکلا تو اُلٹے پاؤں شہر کی طرف گاؤں کی مخالف سمت میں دوڑنے لگا ۔ ہندو اصحاب جو اس کے استقبال میں جمع تھے دریافت کیا کہ تم کیوں بھاگے جا رہے ہو؟ تو جواب دیا یہاں کسی کی حکومت نہیں چل سکتی اس گاؤں پر تو اس چوکھنڈی والے ولی کی حکومت ہے ۔

ہمارے استاذ مولانا سید ابراہیم رضوی ادیب علیہ الرحمۃ عبقری صلاحیتوں کے مالک تھے ۔ عربی زبان میں آپ کا کلام ہے پختگی اور ندرت تخیل میں آپ کے کلام میں جاہلی دور کے اساتذ کا رنگ جھلکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عربی شاعری، اصحاب معلقات کی صدائے بازگشت ہے ۔ کلام سے ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی عجمی ہندی نژاد شاعر کا کلام ہے ۔

آپ نے عرب کے مشہور شاعر شنفری کے لامیۃ العرب اور طغرائی کے لامیۃ العجم

کے اسلوب اور طرز پر لامیۃ الدکن لکھا۔ حضرۃ الاستاذ علیہ الرحمۃ نے اس مہتم بالشان قصیدہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ (وآلہ وسلم، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور امامین ھمامین حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنھم وارضاھم عنا کی مدح، منقبت میں گلہائے عقیدت پیش کیئے ہیں۔ استاذ محترم مولانا سید نبی پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ نے آپ کے وظیفہؑ پر سبکدوش ہونے کے موقع پر وداعی جلسہ میں ایک قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

ھذا الذی یعرف الاعلام رفعتہ   والشعر یعرفہ والنثر والخطب
اذا نظرت الیہ قلت من عجب   ھذا مثال قدیم ساذج قطب

(آپ ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کے مرتبۂ بلند کو علماء پہچانتے ہیں، عربی شاعری، عربی نثر اور خطبات عربی بھی آپ کو خوب پہچانتے ہیں)

(جب تم حضرۃ الاستاذ کو دیکھو گے تو حیرت سے کہہ اٹھو گے یہ تو ایک قدیم سادہ اور قطب کا نمونہ ہے)

حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے نامور علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ساتھ مہتمم بالشان تالیفات کا ایک نادر خزانہ چھوڑا ہے، کاش یہ نادر تصنیفات شائع ہوجاتیں اور شائقینِ علم و ادب ان سے استفادہ کرتے۔ پاکستان کے ایک جلیل القدر عالم نے مولانا قطب الدین جھنگوی (م ۱۳۷۹ھ) کی وفات پر تاریخِ وفات کہی اور چند اشعار بھی لکھے جو معمولی تغیر کے ساتھ ہمارے استاذ مولانا سید ابراہیم رضوی علیہ الرحمۃ پر حرف بہ حرف صادق آتے ہیں اشعار ملاحظہ ہوں، (تاریخ رحلت اس عاجز نے نظم کیا ہے)۔

(اشعار تذکرۂ اکابر از مولانا شرف قادری سے ماخوذ ہیں)۔

عالم و فاضل، ادیبِ نامدار   بود در دنیا، ز دنیا برکنار
ماہرِ اسرارِ تفسیر و حدیث   مخزنِ انوار و شیخِ روزگار

در شریعت بُد مثالِ کوہسار   در طریقت بحرِ نا پیدا کنار
حاملِ تاثیرہا تقریرِ او   بود تحریرش چو دُرِ شاہوار
فیض یاب از آفتابِ معرفت   حضرتِ شاہ جمالِ باوقار
آہ! آں فرخ سیر شیریں مقال   شد درونِ خاک مرقد پردہ دار
ہست در الفاظ سالِ رحلتش   سہ صد و ہفتاد و ہفت با یک ہزار

۴۔ حضرۃ الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۲ء-۱۹۵۶ء / ۱۳۷۵ھ)

عالمِ ربانی، محقق، مصنف، خطیب، معلم، عاشق نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فقیہ، محدّث، عظیم صوفی، شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب، عظیم مفکر اسلام۔

حضرۃ الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کا شمار ان علماء ربانیین میں ہے جنھوں نے ملت اسلامیہ کے تحفظ، سر بلندی اور علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب و روز صرف کیئے، جنھوں نے مسلمانوں کے ایمان و عمل کو قوت و تازگی بخشی، اپنے علم و عمل سے غیر مسلم اقوام کے اذہان پر دینِ اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے ان مٹ نقوش ثبت کیئے۔

چاند سی صورت کا محاورہ پڑھا بھی اور دیکھا بھی۔ لیکن سچ پوچھئے تو جس طرح حضرۃ الاستاذ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اس پر پورے اترتے تھے، بہت کم لوگ اس کا مصداق ہوں گے، صورت اور لباس، صفائی اور پاکیزگی میں ایک سے بڑھ کر ایک، ایک بار ان کی طرف دیکھیں تو دوسری بار دیکھنے کے لئے دل مچل جائے۔ اگر یہ درست ہے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے تو پھر حضرۃ الاستاذ ایسے صاحبِ دل تھے کہ اس دور میں انگلیوں پر گنے جاسکیں۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمہ بہار پُر بہار کے ایک قریہ گیلان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے چچا حضرت نے آپ کو ٹونک (راجستان) مولانا برکات احمد

ٹونکی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں روانہ فرمایا، معقولات کی تکمیل کے بعد وہاں سے دارالعلوم دیو بند پہونچے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور علامہ سید انور شاہ کشمیری علیہما الرحمۃ سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دورۂ حدیث کے بعد سند حاصل فرمائی ۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ایک کتاب لکھی اور آپ کو سید المجذوبین قرار دیا تو مولانا اشرف علی تھانوی نے جب اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ مؤلف کتاب ایک عظیم محقق ہوگا۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نے فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیو بند میں تدریس شروع فرمائی اور " القاسم " کے رئیس التحریر مقرر ہوئے اور اس میں علمی مقالات لکھنے شروع فرمائے جس کی وجہ سے ہندوستان کے طول و عرض میں مولانا مقبول خاص و عام ہوگئے ۔

اس عاجز کے استاذ مولوی غوث الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جامعۂ نظامیہ میں ایک تقریری مقابلہ تھا جس کے صدر مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی صدر الصدور تھے ۔ مقابلہ میں حصہ لینے والے بعض مقررین کو عنوان بتادیا گیا تھا مگر مولانا گیلانی بے خبر تھے لیکن جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے زور خطابت ، مواد اور بیان کو اس انوکھے انداز سے پیش فرمایا کہ اس محفل کے گلِ سر سبد آپ ہی تھے، نتیجۃً مولانا شیروانی جو عثمانی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر بھی تھے شعبۂ دینیات میں استاذ کی حیثیت سے آپ کا تقرر ۱۹۲۰ء میں فرمادیا ۔ دورانِ ملازمت آپ نے تدریس کے علاوہ کئی معیاری کتابیں تصنیف فرمائیں اور کئی طلباء نے آپ کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی جن میں ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سابق صدر شعبۂ دینیات ہیں ۔ موصوف کا مقالہ پی ایچ ڈی " اسلام کے معاشی نظریے" دو جلدوں میں مکمل ہوا ہے ۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کا پایہ بہت بلند ہے ۔ آپ کی ساری تصنیفات معیاری ہیں ۔

النبی الخاتم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الہامی کتاب ہے صرف ۱۴۴ صفحات کے اندر گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے ۔ " الکنایۃ ابلغ من التصریح" جو بات کنایہ اور اشارہ سے کی جائے وہ بلاغت میں صراحت سے بڑھ کر ہوتی ہے ، یہ مختصر اور جامع کتاب اس مقولہ کی زندہ سند ہے ۔ اس کتاب میں روانی ، قوتِ بیان ، کیف و سرور اور استادانہ پُرکاری کے جوہر بدرجۂ اتم موجود ہیں ۔

آپ کی دیگر تالیف تدوین قرآن ، تدوین حدیث ، تفسیر سورۃ الکہف ، حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی اور عربی زبان میں " الشیخ الاکبر و طریقتہ "، عظیم علمی کارنامے ہیں ۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے قارئین کی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور علوم کے دروازے کھلتے ہیں ۔ بہر حال مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نادر روزگار استاذ اور یکتائے زمانہ مصنف تھے ۔ آپ قلم اور زبان دونوں کے دھنی تھے یہ دونوں وصف کسی عالم میں بڑی مشکل سے جمع ہوتے ہیں ۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ جو صف اول کے آل انڈیا لیڈر تھے ۔ ۱۹۴۲ء میں اُن کا انتقال ہوا تو مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نے آپ کی وفات پر جو بیان دیا اس سے آپ کی خطابت کا اندازہ ہوتا ہے :

> "خطابت کا آفتاب غروب ہوگیا، عالمِ اسلام اس کے لئے رو رہا ہے ، دکن رو رہا ہے ، اس کا وطن رو رہا ہے ، سی پی میں جس کے لئے صفِ ماتم بچھائی گئی ہو ، یوپی میں جس کے لئے آنسو بہائے گئے ہوں ، اف جس کے لئے مدراس چیخ رہا ہے ، بمبئی والے دھاڑیں مار رہے ہیں ، بہار کے باشندے کپڑے پھاڑ رہے ہیں ، سیلون میں جس کا نوحہ پڑھا جا رہا ہے ، پنجاب میں غم کا طوفان جس کے لئے اٹھا اور سرحد و کشمیر والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوا ، کیا پوچھتے ہو اس کو کھو کر مجھ جیسے بے کس انسان نے کسے کھو دیا" ۔

حضرۃ الاستاذ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار و سکینت کے ساتھ ساتھ آپ میں تواضع بدرجۂ اتم تھی، ماشاء اللہ ہندوستان کی ایک عظیم جامعہ کے پروفیسر تھے، صدر شعبہ تھے لیکن چشتی سلسلہ کے ایک عظیم صوفی حضرت محمد حسین علیہ الرحمۃ حیدرآبادی معروف بہ " ناظم صاحب " کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضرت مولانا گیلانی نے آپ کے دست فیضد رجت پر بیعت فرمائی اور بعد تکمیل سلوک خرقۂ خلافت بھی پہنا۔ حضرت ناظم صاحب مجاز اور خلیفہ تھے حضرت مچھلی والے شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جن کے دست فیضدرجت پر مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کے استاذ معقولات مولانا برکات احمد ٹونکی نے بیعت کی تھی اور جب توحید و معرفت کی ربانی تقریر حضرت مچھلی والے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تو فرمایا ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آج مجھے ایمان کامل نصیب ہوا ہے۔ ایسے علماء کرام کے ایسے مبارک عمل میں اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی کامل سے وابستگی کسی قدر ضروری ہے:

تخمِ دل ہرگز نہ روید از آب گل
بے نگاہے از خداوندان دل

(عشق الہی کا بیج پانی اور مٹی سے نہیں اگتا۔ جب تک کہ کوئی اہلِ دل یعنی پیر و مرشد کی نگاہِ کیمیاء اثر مرید کے دل پر توجہ نہ کرے)۔

"دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا"

حضرت مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اوراد و وظائف کی پابندی کے ساتھ ساتھ کتبِ تصوف سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی تصنیفِ لطیف فتوحات مکیہ سے تو آپ کو عشق تھا۔

حضرہ الاستاذ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کا ایک اعلی وصف عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو مولانا کی تمام تالیفات خصوصا النبی الخاتم اور مولانا کے مقالہ (دربارِ نبوت میں حاضری) کے عنوان سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے جگمگاتا رہتا ہے۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کو اللہ تعالی نے عشق کے ساتھ علم اور قلب کے ساتھ قلم بھی دیا تھا۔ سفرحج اور زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاریخی انداز میں نہیں بلکہ عاشقانہ اور مستانہ لے میں علم اور ادب کی چاشنی اور شرعی و فقیہانہ بصیرت اور حدیثی نکات اور تحقیقات کے ساتھ قلم بند فرمایا۔

حج کے سفر نامے اور مدینہ طیبہ کی حاضری کی رودادیں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر دلچسپ اور پُر از معلومات، مفید اور سفر کرنے والوں کے لئے ضروری، لیکن مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کا البیلا طرز بیان اور مستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی۔ یہ مولانا کا طرزِ خاص ہے۔ عازمین زیارت اگر وہاں کی حاضری سے پہلے اس مقالہ " دربار نبوت کی حاضری " پڑھ لیں تو ان شاء اللہ اندرونی طور پر تیار ہو کر جائیں گے۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نے مگدھی یا بہاری زبان میں تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ایک معروضہ پیش کیا ہے۔ دو بند یہاں لکھے جاتے ہیں پڑھنے والے کو اندازہ ہوگا کہ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اپنے آقا پر کسی قدر وارفتہ ہیں:

پیارے محمد جگ کے سجن — تم پر واروں تن من دھن
تمری صورتیا من موھن — کبھوا کرا ہو تو درشن
جیا کنھیڑے ، دلوا ترسے — کرپا کے بدرا کہیا برسے
تمری دواریا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں — تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے — آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے
صلیّ اللہ علیک نبیا — تمرے دوارے آیا دکھیا
بپتاں ام کی پکڑھو راجا — اپنے حسین و حسن کا صدقا
ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے — اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

یہ مگدھی زبان میں مسدس معروضہ سات بند پر مشتمل ہے اور آخری بند ہے:

دھرمی بھے لوں تم ہی دیا سے
(مومن ہوئے تمہاری مہربانی سے)
مکتی بھی ہو ای ہے تمری دوا سے
(نجات بھی ہوگی آپ ہی کی دعاء سے)

اس مسدس کے بعد خود حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسی مقالہ میں فرماتے ہیں:

"آج انسانیت زمین کے اس خاکی کرے پر تڑپ رہی ہے کہ زندگی کا مطلب کیا ہے؟ اس سوال کو حل کرنا چاہتی ہے، ایک ڈیوڑھی کے سوا خود ہی سوچئے کہ دنیا میں کون سا آستانہ ایسا باقی ہے جہاں واقعی اس سوال کے جواب کی صحیح توقع کی جائے؟ حضرت موسیٰ ہوں، یا حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم ہوں یا حضرت یعقوب علیہم السلام، ان سب راہبروں نے اپنے اپنے وقتوں میں جو راہ پیش کی تھی وہ راہیں سب مسدود ہو چکی ہیں، ڈھونڈھنے والوں کو ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ نہیں مل سکتی تو اب دنیا کہاں جائے اور اس کے سوا کہ:

جلوہ‌ات تعبیرِ خوابِ زندگی
(اقبال علیہ الرحمہ)

حضرۃ الاستاذ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کے تذکرہ کو آستانہ نبوت کبری علی صاحب الصلاۃ والسلام پر حضرت نے "عرض احسن" کے عنوان سے جو معروضہ مواجہ شریفہ میں پیش کیا تھا اس کے بھی چند بند پیش کرنے کی سعادت یہ عاجز حاصل کرتا ہے:

ہر ایک سے ٹکرا کر ہر شغل سے گھبرا کر — ہر فعل سے شرما کر ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر اے خاتم پیغمبر یا قاسم للکوثر — اے سرورِ ہر سرور، اے رہبرِ ہر رہبر
اے آنکہ توئی افسر ہر کہتر و ہر مہتر — فی المبدء والمحشر اے ہستی تو محور
للاکبر والاصغر اے طلعتِ تو مظہر — للاول والآخر اے رحمِ جہاں پرور
آقائے کرم گستر آمد بدرت بنگر

حضرت مولانا گیلانی کا یہ جذبیہ انداز والا معروضہ تیس بند میں ختم ہوا ہے اور شان رحمۃ للعالمین کا تقریبا ہر وصف اعلی وارفع اس میں بیان ہوا ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء واحسنہ۔

اپنے استاذ کے اس تذکرہ کو یہ عاجز آپ کے حسن خاتمہ کے واقعہ پر ختم کرتا ہے۔ حضرت مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کے برادر اصغر جناب مظہر احسن گیلانی مرحوم جو جامعۂ عثمانیہ کے شعبہ معاشیات میں استاذ تھے بیان فرمایا کہ جس رات مولانا کا انتقال ہوا ہے آپ کے دوسرے برادر غالبا مکارم احسن گیلانی کی چارپائی آپ کی چارپائی کے برابر تھی اور مولانا کی زبان پر یہ الفاظ بتکرار جاری تھے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"کوئی جنتی جنت میں جوان ہوئے بغیر نہیں جائے گا"

مولانا گیلانی کی زبان پر یہ الفاظ جاری رہے اور آپ کے برادر عالی کی آنکھ لگ گئی۔ جب یہ نیند سے بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ روح مبارک پرواز کر چکی ہے اور چاندی جیسی سفید داڑھی تمام تر سیاہ ہے۔ یہ پروانۂ جنت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسی مبارک موت پر غفلت کی ہزاروں زندگیاں قربان۔ **اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاھرین واصحابہ الاکرمین۔**

۵۔ حضرۃ الاستاذ افضل العلماء مولانا سید عثمان جعفری طیاّری رحمۃ اللہ علیہ

عالم ربانی، عظیم استاذ، ذاکر شاغل، اولیاء کرام سے عقیدت اور محبت، طلباء پر غیر معمولی شفقت کے مالک اور جلیل القدر کرم گستر، حامل اخلاق حمیدہ استاذ محترم حضرت مولانا سید عثمان جعفری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کو بیان کرتے ہوئے مرکز علم و ہنر جامعۂ عثمانیہ کی یاد تازہ ہو رہی ہے:

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

جامعۂ نظامیہ اور جامعۂ عثمانیہ اور قدیم دارالعلوم میں آصفی سلطنت نے ایسے اربابِ علم و ہنر اور اصحاب فضل و کمال کو جمع کیا تھا کہ تاریخ کا طالب علم بغداد، قرطبہ، مصر اور بخارا کی تہذیب و تمدن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مولانا جعفری رحمۃ اللہ علیہ مچھلی شہر، الہ آباد کے متوطن تھے، دیوبند میں مولانا سید انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے خاص طلباء میں شمار تھا۔ طریقت میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے ارادتمند تھے۔ اس عاجز نے سنہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ کی بارگاہِ علم و ادب میں زانوائے ادب طے کیا ہے اور مولانا کی بروقت اعانت اور علمی رہبری کی وجہ سے یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین ڈگری لے کر اس عہدہ پر سرفراز رہا ہے، والحمد للہ علی ذلک۔

اُس دور کا ہر استاذ پرائمری سے لیکر یونیورسٹی تک اپنے درسیات میں ماہر اور اپنے ہر شاگرد کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر سمجھتا تھا۔ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ (جو لوگوں کا یعنی اپنے محسنین کا شکر گزار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں) اس مبارک ارشاد کے مطابق یہ عاجز مولانا جعفری علیہ الرحمۃ کی شفقت کو عرض کر رہا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں چند ایسے موڑ اور گھاٹیاں آتی ہیں اگر وہ اپنے اساتذہ یا محسنین کی اعانت سے پار کر لے تو اس کی زندگی صحیح راستہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

دسمبر ۱۹۴۶ء میں حیدر آباد میں طاعون کی وباء پھیل گئی اس عاجز کے گھر کے تین افراد لقمۂ اجل ہوگئے اس کی وجہ سے یہ عاجز متواتر ایک ماہ کالج سے غیر حاضر رہا۔ یہ عاجز ام۔اے کے دوسرے سال کا طالب علم تھا اور اس سال کے نصاب میں ام اے کے طالب علم کو مقالہ داخل کرنا ضروری تھا۔ استاذ محترم پروفیسر عبدالحق مرحوم نے فرمایا میں تمھیں اس غیاب کی حاضری دے رہا ہوں اور تم کو مقالہ تیار کر کے امتحان کے لئے داخل کرنا ہے۔ میرے لئے یہ بات بڑی اہم تھی، الحمد للہ مقالے کے عنوان "عبید اللہ بن قیس الرقیات اور اس کی شاعری" کا مواد تیار تھا لیکن وقت کی تنگی اور پریشان حالی میں یہ عاجز اپنے اس استاذ مولانا سید عثمان جعفری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی یہ مشکل سنائی۔ مولانا کی شفقت کیا عرض کروں! ارشاد فرمایا۔ آپ شام کے کھانے اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آجائیں میں آپ کا مقالہ تیار کروادوں گا الحمد للہ یہ عاجز تقریبا ایک ماہ رات میں دیر تک مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور مقالہ تیار ہوا اور امتحان کے لئے داخل ہوا اور الحمد للہ یہ عاجز امتحان میں اعلیٰ درجہ سے کامیاب ہوا اور اسی سال جامعۂ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں اس عاجز کا لیکچراری کی خدمت پر تقرر ہوگیا۔ یہ تھی میرے اس استاذ محترم کی عنایت اور دستگیری۔ جزاہ اللہ عنی خیر الجزاء آمین بحرمۃ سیّد المرسلین!

یہ عاجز ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء میں بوجہ تبادلہ گلبرگہ کالج میں مامور رہا، گلبرگہ شریف کے دورانِ قیام خواب دیکھا کہ مولانا سید عثمان جعفری علیہ الرحمۃ اس عاجز سے فرما رہے ہیں: "تم درگاہ شریف میں حاضری دیتے ہو تو زیادہ دیر مراقب نہیں رہتے ہو" یہ بات میرے لئے حیران کن تھی اس لئے کہ اس عاجز کی چھ سالہ شاگردی کے دوران اس عاجز نے مولانا سے کبھی گلبرگہ شریف کا نام تک نہیں سنا تو سوچ میں پڑگیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ حیدر آباد حاضر ہوا تو اس خواب کا ذکر مولانائے محترم سے کیا۔ مولانا نے فرمایا: "عبدالستار صاحب یہ حضرت خواجہ گلبرگہ کا فیض ہے کہ اس

عاجز کا (۸۰) روپے پر تقرر ہوا اور آٹھ سو روپے سے وظیفہ لے رہا ہے۔ تفصیل یوں سنائی کہ مولانا کا تقرر جب گلبرگہ ہائی اسکول پر ہوا تو گلبرگہ پہونچے، اسٹیشن پر کلوک روم میں سامان رکھوایا اور سیدھے درگاہ شریف حاضری دی اور وہاں سے فارغ ہو کر جب حضرت زچہ بی صاحبہ کی گنبد میں بغرضِ فاتحہ فاخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ایک مقدس خاتون کے ہاتھ میں بچہ بنے ہوئے ہیں۔ دو تین منٹ تک یہ حال رہا اور پھر یہ منظر غائب ہوگیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اب میری تربیت اس درگاہ شریف سے متعلق ہے۔

مولانا نے فرمایا درگاہ شریف میں حاضری کے بعد اسٹیشن پہونچا اور سامان لے کر گلبرگہ ہائی اسکول میں اپنی خدمت پر رجوع ہوا اور بعد ازاں یونیورسٹی میں استاذ بنا۔

استاذ محترم کی یہ ایسی شفقت ہے کہ یہ عاجز اب تک حضرت کے لئے دعاء خیر کرتا رہتا ہے (اللہ تعالی اس عاجز کے تمام اساتذۂ کرام علیہم الرحمۃ کو جنت الفردوس میں اعلی مراتب عطا فرمائے۔ آمین)

مولانا جعفری علیہ الرحمۃ کی اس عاجز شاگرد پر ایسی شفقت تھی کہ اپنی زندگی کے بعض نادر واقعات سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ کسی صاحب کی تحریک پر سینما دیکھنے کے لئے گیا اور سینما کا ایسا لگاؤ ہوا کہ متواتر تین دن سینما ہال پہونچ کر سینما سے لطف اندوز ہوا۔ تیسری رات جب گھر پہونچا تو بینائی جاتی رہی اور اندھا ہوگیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ اس سینما بینی کی سزا ہے۔ بس وضوء کیا اور مصلیٰ بچھایا اور نوافل پڑھ کر رات بھر روتا رہا اور گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے کرم فرمایا اور بینائی واپس آئی۔ اس واقعہ سے قارئین کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جن بندوں پر اللہ تعالی کی خصوصی رحمت ہوتی ہے، تنبیہ فرما کر راہ راست پر گامزن فرمادیتے ہیں۔ اب اس زمانہ کی غفلتیں، گھر گھر ٹی وی، وی سی آر وغیرہ ایسی بلاؤں میں مسلمان مبتلا ہیں کہ دلوں پر غفلت کی تہ پر تہ جم رہی ہے یہاں تک کہ حق بات کا اثر ختم ہوجاتا ہے۔

تذکرۂ حضرت محدثِ دکن

کسی ربانی شاعر نے کیا خوب تلقین فرمائی ہے:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اللہ تعالی سب کو دل کا نور اور بیدار دل عطا فرمائے آمین. بحرمۃ سید المرسلین۔

حضرت الاستاذ مولانا سید عثمان جعفری رحمۃ اللہ علیہ حضور نبی کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی، حضرت ابو طالب کے فرزند دلبند اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر اکبر حضرت جعفر طیار ذو الجناحین رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں تھے اور سادات بنی ہاشم کے تمام تر اوصاف عالیہ کے حامل تھے۔ اور اسی نسبت عالیہ سے خود کو جعفری لکھتے تھے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے یرموک (حالیہ اردن) کی جنگ موتہ میں ۸ ھ میں بمقام بلقاء جامِ شہادت نوش فرمایا اور جسم اطہر پر نوے زخم آئے اور دونوں ہاتھ شہید ہوئے، وہاں میدانِ جہاد سرگرم تھا اور یہاں مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ جہاد کی روئداد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سنا رہے تھے اور جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ شہید کردیئے گئے تو فرمایا اللہ تعالی نے جنت میں حضرت جعفر کو یاقوت کے دو بازو عنایت فرمائے ہیں اور آپ جنت میں جدھر چاہیں گلگشت فرما رہے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کی وجہ سے آپ کا لقب جعفر ذوالجناحین قرار پایا تھا)۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹)

حضرۃ الاستاذ مولانا جعفری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے فرزند حارث کمال جعفری کی جواں سال موت کے بعد کہفی زندگی اختیار فرمالی البتہ رشد و ہدایت کا کام جاری رہا۔ ۱۹۵۸ء میں دائرۃ المعارف کے سترسالہ جشن میں الہ آباد یونی ورسٹی کے استاذ ڈاکٹر عبداللطیف الہندی سے ملاقات ہوئی تو اس عاجز نے اپنے استاذ محترم کی خیریت دریافت فرمائی اور ان کی دست بوسی کی اور عرض کیا کہ آپ اس طرح اس عاجز کی

جانب سے مولانا کی دست بوسی فرمائیں اس پر انہوں نے عمل کیا اور اس عاجز کو اطلاع دی اور اس عاجز نے پی ایچ ڈی کا مقالہ مطبوعہ دائرۃ المعارف موسوم بہ "المحمدون من الشعراء" کا ایک نسخہ حضرت الاستاذ کی خدمت میں روانہ کیا۔

۱۹۷۰ء میں الہ آباد یونی ورسٹی کے پروفیسر محمد احمد صدیقی صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی ہمارے شعبہ کے امتحانات کے سلسلہ میں حیدر آباد تشریف لائے تو اس عاجز نے اپنے استاذ کی خیریت دریافت کی تو موصوف نے فرمایا کہ مولانا سید عثمان جعفری توالہ آباد کے مسلمہ پیر و مرشد ہیں۔ اس کے بعد پھر مولانا کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ایسا اندازہ ہے کہ حضرۃ الاستاذ ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ دارِ فانی سے دارِ بقاء کو کوچ فرمائے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ **اللھم اغفر لہ و ارحمہ و اعف عنہ و اجعل الجنۃ مثواہ۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔** قارئین حضرۃ الاستاذہ کے وصال پر ایک شعر سن لیں:

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجوئے
در سینہ ہائے مردمِ دانا مزارِ ما

۶۔ حضرۃ الاستاذ مولانا عبدالباری ندوی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

عالمِ ربانی، عظیم مفکر اور دانشور، فلسفی غرب و شرق، مفسر و حکیم، استاذ فلسفہ و دینیات، جلیل القدر صوفی۔

حضرہ الاستاذ مولانا عبدالباری ندوی علیہ الرحمۃ کا تعلق لکھنو سے تھا، بظاہر کسی مشرقی یا مغربی مرکزِ علم و ہنر کی کوئی سند نہ تھی لیکن علوم اسلامیہ کے دوش بدوش اسلامی اور مغربی فلسفہ میں بدرجہ اتم مہارت کہ شاید و باید! اپنے اس استاذ محترم کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے اس عاجز کو فانی بدایونی کا یہ شعر یاد آ رہا ہے:

جمالِ یار کا افسانہ چھیڑ کر فانی
شعاعِ نور سے دل جگمگا دیئے تونے

مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی وائس چانسلر جامعۂ عثمانیہ نے اپنی شخصی واقفیت

کی روشنی میں مولانا عبدالباری ندوی علیہ الرحمۃ کا شعبۂ فلسفہ اور دینیات میں تقرر فرما دیا تو کسی صاحب نے شاہ دکن نواب میر عثمان خان کی خدمت میں شکایت کردی کہ عثمانیہ یونی ورسٹی میں ایک ایسے استاذ کا تقرر ہوا ہے جس کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ بادشاہ نے وائس چانسلر صاحب سے اس شکایت کا جواب طلب فرمایا۔ وائس چانسلر نے جواباً لکھا کہ در حقیقت مولانا عبدالباری ندوی صاحب کے پاس کوئی سند نہیں ہے مگر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اگر کسی فلسفی نے علم فلسفہ کو مسلمان بنایا ہے تو یہ مولانا عبدالباری ہیں، اس کی دلیل میں مولانا کا ایک مقالہ منسلک کیا جا رہا ہے۔ بادشاہ نے جب مقالہ پڑھا تو تجویز فرمادی کہ مولانا عبدالباری کا تقرر باقی رکھا جاتا ہے۔

نصاب میں یہ عاجز مولانا عبدالباری علیہ الرحمۃ سے بی اے کی ڈگری کے دو سال ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۵ء میں تفسیر پڑھی ہے۔ مولانا جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور تفسیر میں یگانۂ روز گار تھے۔ مولانا کی نشست و برخاست تدریس و تصنیف میں بڑی باقاعدگی اور عجیب نظم و ضبط تھا۔ اس عاجز کی ایک عادت بچپن سے رہی ہے کہ اساتذہ اور علماء کی خدمت میں حاضر رہنا اور استفادہ کرنا، اسی کو صحبت صالح کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ عاجز مولانا کی خدمت میں آپ کے گھر پر حاضری دیا کرتا تھا آپ کی قیام گاہ مسجد سیتا پھل منڈی کے عقبی حصہ میں تھی۔ اور گھر میں دیوار پر ایک شعر آویزاں ہوتا تھا:

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنالیا
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

کاش تاریخ، فلسفہ اور الہیات کا کوئی محقق اس نادر روز گار شخصیت پر ریسرچ کرتا اور مولانا کی جلالت علمی کو آشکار کرتا تو بڑے بڑے اسکالر آپکی وجاہت علمی کے سامنے بونے نظر آتے تھے۔ ان الفاظ سے کسی کی تنقیص مقصود نہیں بلکہ اربابِ تحقیق کی توجہ اس جلیل القدر فاضل کی طرف مبذول کرانا مقصود ہے جو تحقیق و تدقیق میں

متقدمینِ اہل فن سے کہیں آگے نظر آتا ہے۔

اس عاجز نے دو برس مولانا علیہ الرحمۃ سے تفسیر پڑھی ہے حیران ہے کہ اس عاجز کی بصیرت میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ قرآنی درسیات میں سورۂ آل عمران، سورۂ سیدنا یوسف اور سورۃ الکھف کی تفسیر داخل تھی مگر آپ بطور مقدمہ کے سورۃ الفاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں المفلحون تک اپنی غیر معمولی بصیرت اور نادر تحقیقات سے بیان فرماتے آج اس شاگردی پر پچاس برس گذرے ہیں مگر بعض مضامین اس عاجز کے دل و دماغ پر کالنقش فی الحجر ہیں۔

یہاں یہ عاجز صرف یؤمنون بالغیب کی تفسیر کے چند نادر توضیحات بیان کرتا ہے۔

فرمایا اسلام دین الفطرۃ ہے اور قرآن ھدیً للناس ہے تو قرآن کی کوئی بات غیر فطری نہیں ہوسکتی۔ سوال یہ ہے کہ ایمان بالغیب کس طرح فطری ہے؟ اب اس کی تشریح سنیئے۔ فرمایا غیب دانی یا غیب کو ماننا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے ہر بات میں اور ہر کام میں انسان کا پہلا قدم جو اٹھتا ہے وہ غیب پر اٹھتا ہے اور جب انسان مقصود اور منزل پر پہونچتا ہے تو اس کو شہود حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی دیہاتی انسان نے چار مینار کی عمارت نہ دیکھی ہو اور وہ اپنے قریہ سے چار مینار دیکھنے کے لئے چل پڑا ہے تو یہ دیہاتی بالغیب چار مینار کے وجود کو تسلیم کرکے چل رہا ہے۔

اسی طرح ہر کام میں انسان کا یہی حال ہے جب دنیوی امور میں انسان اپنے تمام کاموں کی ابتدائی بالغیب کر رہا ہے تو پھر آخرت کے بارے میں بالغیب پر ایمان کیوں نہیں رکھتا؟

پھر فرمایا غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) غیب اضافی ( ) غیب حقیقی، غیب اضافی کا تعلق انسان کے مشاہدہ اور تجربہ پر ہے اور اسمیں انسان صد فی صد کامیاب ہے چنانچہ سائنس کے سارے انکشافات اور ایجادات اسی غیب اضافی سے متعلق ہیں لیکن غیبِ حقیقی اسکے بس کی بات نہیں۔ غیبِ حقیقی اس عالم کے ULTIMATE

PROBLEMS ہیں کہ یہ دنیا کیوں کر وجود میں آئی؟ اس کی انتہا کب اور کیوں کر ہوگی، انسان کا اس دنیا میں کیا مقام ہے؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے؟ یہ سارے مسائل انسان کی دسترس اور پہونچ سے بالاتر ہیں۔ یہاں انسان اس وقت کامیاب ہوگا جب کہ وہ ان باتوں کو خالق کائنات کے منتخب بندوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے سُن کر مان کر چلے، فرمایا کرتے کہ جس چیز پر انسان کا اپنا تجربہ اور مشاہدہ ختم ہو جاتا ہے وہاں سے مذہب کی ابتداء شروع ہوتی ہے اور جب انسان نے وحی الٰہی کو مان لیا تو اب اُس کی زندگی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ فرمایا کہ آخری فلسفی DAVID HUME نے اپنی کتاب (HUMAN UNDER STANDING) میں اسی نظریہ کو سمجھایا ہے کہ جس طرح انسان کے دانت نباتاتی چنے چبانے کے لئے ہیں لوہے کہ چنے چبانے کے لئے نہیں ایسے ہی لامتناہی مسائل کا حل انسان کے بس کا نہیں۔ ہاں ان مسائل کو مانا جاسکتا ہے اور جب مان لیا جائے تو سمجھ بھی آجائے گی۔ چنانچہ جتنے فلسفی گذرے ہیں ان کے سارے نظریات ظنّ اور تخمین پر ھیں، اٹکل پچو ہیں حقیقت تک ان کی رسائی نہیں۔ اسی وجہ سے ہیوم نے "فہمِ انسان" پر اپنا یہ نظریہ پیش کیا اور اسی عنوان سے مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ فرمایا اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے یہ کتاب شائع ہوئی اور اسکے مقدمہ کو مولانا علیہ الرحمۃ نے اس شعر پر ختم کیا ہے:

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

مولانا علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے کہ تم لوگوں کو ڈگریاں مل جائیں گی، ملازمتیں بھی مل جائیں گی اور میری یہ نصیحت یاد رکھو اور اس پر عمل کرو اور وہ یہ ہے کہ "کسی کامل کی تلاش کرو اور اس سے روحانی استفادہ کرو"۔ یعنی اپنی روحانیت کے حصول کے

لئے پیرِ کامل ضروری ہے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کی قرآنی اور دینی بصیرت تو ان پر واضح ہوگی جنہوں نے مولانا سے استفادہ کیا ہو یا پھر مولانا کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک ایسی ہی بات بیان کردوں۔ فرمایا کرتے کہ خلافت ارضی مسلمان کے لئے موعود ہے مسلمان کا مقصود نہیں جیسے جناب مودودی صاحب نے اپنی جماعت کا نصب العین حکومت الٰہیہ کا قیام قرار دیا یہ قرآن کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔ سورۂ نور کی آیت نمبر (۵۵) ہمارے اس دعوی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے (سورۃ النور پ ۱۸) **وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض** (تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالی وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا)۔

اسی طرح فرمایا کرتے کہ عیسائیوں کی ایک تثلیث ہے اور میری بھی ایک تثلیث ہے اور وہ یہ ہے: ۱۔ ایمان ۔ صحت و تندرستی۔ ۳۔ پیسہ۔ مسلمان کو اسی ترتیب کے ساتھ ان تینوں باتوں کا ہمیشہ خیال اور اہتمام رکھنا چاہئے ورنہ اس کی زندگی توازن کھودے گی۔

مولانا علیہ الرحمۃ نے اپنی تدریسی مشغولیتوں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی حق ادا کیا ہے دارالترجمۂ جامعۂ عثمانیہ سے آپ کی کتابیں شائع ہوئیں اور ۱۹۴۵ء میں جب آپ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے اور وطن پہونچے تو تصنیف و تالیف کے لئے ہمہ تن مشغول ہوگئے چنانچہ تجدید تصوف وغیرہ کتابیں منظر عام پر آئیں اور آنے والی نسل کے لئے ان میں صحیح دینی رہبری موجود ہے۔ یہ گرانقدر ذخیرہ صدقۂ جاریہ کی شکل میں امت مسلمہ کے لئے سامانِ ہدایت رہے گا۔

اس عاجز نے تبلیغی دورہ کے دوران ۱۹۵۵ء میں کلکتہ سے دلی جاتے ہوئے لکھنو کے قیام میں اپنے اس جلیل القدر استاذ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا تھا

اور مولانا کا وصال ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ ہوا۔ **اللھم اغفرلہ وارحمہ واجعل الجنۃ مثواہ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔**

۷۔ حضرۃ الاستاذ مولانا سید نبی الحیدر آبادی علیہ الرحمۃ

(۱۹۰۱ء۔ ۱۹۷۰ء/ ۱۳۸۹ھ)

نامور ادیب و شاعر عربیؔ مبین، عربی نثر نگار یگانہ، موجد منہاج عربیت، استاذ الاساتذہ، عظیم معلم، حامی پاکستان، اتالیق شاہی۔

مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ قدیم دارالعلوم، جو حیدر آباد میں علوم اسلامیہ کی مشہور یونیورسٹی تھی، کے نامور فارغین میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا کے والد بزرگوار کا تعلق بیدر شریف کے ممتاز مشائخ گھرانے سے تھا۔ مولانا کے معروف اساتذہ میں حضرہ الاستاذ مولانا سید ابراہیم الادیب الرضوی، مولانا شیر علی، مولانا جمال الدین نوری اور مولانا احمد حسین علیھم الرحمۃ تھے۔ عربی زبان اور ادب، اور عربی شاعر میں ایسا تبحرؔ حاصل فرمایا کہ قلیل مدت میں عربی زبان کے مایۂ ناز ادیب اور شاعر ہوگئے۔ اللہ تعالی پروفیسر سلطان محی الدین صاحب کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں استاذ محترم کی عربی شاعری پر ایک جامع مضمون آپ کے کلام کے نمونوں کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ یہاں یہ عاجز، مولانا علیہ الرحمۃؔ نے عربی زبان کی تدریس کے لئے ایک غیر معمولی طریقہ ایجاد فرمایا ہے اس کو بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ عربی زبان کو دشوار سمجھنے والوں کے دل و دماغ سے یہ وہم نکل جائے۔ ہم جامعۂ عثمانیہ کے عربی ادب و زبان کے فارغین حضرۃ الاستاذ کے ہی طریقہ کی پیداوار ہیں اور الحمد للہ ثم الحمد للہ مشرقی علوم و فنون کے کسی فاضل سے کم تر نہیں۔ خصوصاً اس عاجز کا عربی زبان اور ادب سے لگاؤ اور مہارت حضرۃ الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ ہی کی شاگردی کی رہینِ منت ہے۔

عربی زبان کی تدریس کے قدیم طریقہ کی بنیاد "قواعد مقدم اور زبان موخر" پر ہے،

اس طریقہ میں صرف و نحو کی تعلیم کے ساتھ افعال اور اسماء کی گردانوں کو حفظ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے طلباء بیزار ہو کر عربی زبان کی تحصیل سے دست کش ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گردانوں کی خشک مشقیں حقیقت میں طالب علم کے دل و دماغ پر ایک بارِ گراں ہیں جبکہ ان کا نہ تو عبارت میں استعمال ہو اور نہ اس کی ضرورت سمجھ میں آوے۔ مولانا علیہ الرحمۃ کو عربی زبان اور ادب اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم سے عشق تھا۔ عربی زبان اور ادب میں تبحر اور مہارت کاملہ کے بعد شب و روز اور آٹھوں پہر اس فکر میں گذارے کہ عربی زبان کی تحصیل کا ایسا آسان طریقہ ایجاد کیا جائے جس کی وجہ سے قرآن فہمی سہل ہو جائے۔ الحمد للہ بمصداق آیت شریفہ سورۂ عنکبوت آیہ ۶۹ "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (اور جن لوگوں نے ہمارے دین (کے کام) میں کوششیں کیں ہم (بھی) ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے) اللہ تعالی نے مولانا کے اخلاص، لگن کے صلہ میں آپ کو عربی زبان کی تحصیل کا ایسا طریقہ سکھایا جس سے عربی زبان کے طالب علم نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ اس نئی دنیا میں بھی استفادہ کر رہے ہیں۔ حضرۃ الاستاذ، استاذ الاساتذہ مولانا سید ابراہیم الادیب الرضوی فرمایا کرتے تھے کہ ہماری پوری زندگی عربی زبان اور ادب کی سیاحی میں گذری ہے اور عربی زبان کو قرآن حکیم جیسی معجز نما کتاب ملی لیکن ہم نے مولوی سید نبی جیسا کوئی فاضلِ عربی نہ دیکھا نہ سنا کہ جس نے عربی زبان کی تحصیل کو اس طرح منہاج العربیہ میں آسان کر دیا ہو، مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ قول اپنے شاگرد کے حق میں صد فی صد صحیح ہے جس میں مبالغہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ قارئین کرام کے سامنے یہ حقیر عاجز حاضر ہے اس کی پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عربی مبین میں (۵۴) صفحہ کا مقدمہ ملاحظہ فرمایا جائے الحمد للہ ثم الحمد للہ عربی زبان اور ادب میں نہ صرف مقدمہ بلکہ پورا مقالہ ایک مثالی تحقیقی کام ہے۔ اس کتاب "المحمدون من الشعراء" کو پڑھ کر جامعۃ الامام محمد ریاض کے دو اساتذہ

۱۹۷۹ء میں حیدر آباد وارد ہوئے کہ "صاحب المحمدون" کو دیکھ لیں اور جب ملاقات ہوئی تو بنظرِ استعجاب کہہ رہے تھے:

"ھذا صاحب المحمدون" یہ اعزاز حضرۃ الاستاذہ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ کے شرف تلمذ اور حضرت کی خدمت میں حاضری کے باعث ہے۔ **جزاہ اللہ عنی و عن خدام اللغۃ العربیۃ خیر الجزاء و احسنہ**۔ یہ عاجز اس مختصر مقالہ میں اپنے استاذ کے منہاج پر چند سطریں ناظرینِ کرام کے نذر کر رہا ہے۔ حضرہ الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ نے اپنی تالیف کے پہلے جزء میں اپنے اس منہاج (METHOD) کی خصوصیات بیان فرمادیئے ہیں اور پھر ہدایات برائے اساتذہ کے عنوان سے اساتذہ صاحبین کے لئے بھی تدریس کی ضروری اور مفید ہدایات بھی دیدیئے ہیں۔ یہاں قارئین کے استفادہ کے لئے بطور خلاصہ چند ضروری امور عرض کئے جاتے ہیں:

حضرۃ الاستاذ علیہ الرحمۃ کا METHOD ضرورت، تدریج، قرآنیات، اسلامی تہذیب اور تمدن کے خطوط پر مشتمل ہے۔ اربابِ علم و فضل حیران ہوں گے کہ منہاج العربیہ کا پہلا حصہ ص ۹ سے شروع ہو کر ص ۶۲ پر ختم ہوتا ہے یہ پورا حصہ جملۂ اسمیہ، مرکبِ اضافی، مرکبِ توصیفی اور کثیر الاستعمال حروف جار پر مشتمل ہے اور اس میں اسباق کے علاوہ سوال جواب اور تمرینیں بھی ہیں، افعال، جمع اور مؤنث کے عدم استعمال کے باوجود سبق کی ترتیب اور ربط میں کسی قسم کی دشواری یا ابہام محسوس نہیں ہوتا۔ یہ حضرۃ الاستاذ کا کمالِ علم و ہنر ہے کہ کس مشقت سے حضرۃ الاستاذ نے یہ گھاٹی پار کی ہے۔ اس عاجز سے شکاگو کے ایک ڈاکٹر نے اسی منہاج العربیہ کو شروع کرنے سے پہلے ازھر کے ایک فاضل سے عربی زبان پڑھی، میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے فاضل ازھر کو کیوں چھوڑا؟ تو انہوں نے جواب دیا! کہ میں سمجھ نہیں سکا کہ میں کیا ترقی کر رہا ہوں! انہوں نے بتایا کہ وہی قدیم طریقہ پر گردان رٹانا شروع کیا گیا اور کوئی تدریجی طریقہ پر تدریس نہیں ہوئی اور

اکتاکر موصوف نے ان فاضل ازھر سے پڑھنا چھوڑ دیا۔
ہمارا تجربہ ہے کہ جس طالب علم نے منہاج العربیہ کے پانچوں حصے ترجمہ اور تمرین کے ساتھ پڑھ لئے ہوں وہ بغیر ترجمہ کے ساٹھ فی صد قرآن پاک سمجھ سکتا ہے۔
کسی زبان کو سیکھنے کے لئے پڑھنا، لکھنا اور بولنا یہ تینوں باتیں ضروری ہیں اور حضرۃ الاستاذ علیہ الرحمۃ نے اپنے اس METHOD میں ان تینوں باتوں کا اہتمام فرمایا ہے اور کامیابی کے ساتھ اپنے منہاج کو مکمل فرمایا ہے اس عاجز کی خوش تقدیری ہے کہ مصنف منہاج کی خدمت میں زانوئے ادب طے کر کے حضرۃ الاستاذ کے طریقۂ تدریس کو بلاواسطہ حاصل کیا ہے والحمد للہ علیٰ ذلک۔
حضرۃ الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ کی ادبیت، عربی شعر و سخن میں عبقریت، گفتار و کردار کی خوبی کے پیش نظر اس عاجز نے ایک شعر نظم کیا ہے پہلا مصرعہ تو حضرۃ الاستاذ ہی کا ہے جس کو مولانا علیہ الرحمۃ نے حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم الادیب علیہ الرحمۃ کے وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے کے موقع پر وداعی جلسہ میں سنایا تھا وہ شعر یہ ہے:

این الدکاتر من ھذا الادیب الذی
فرت لھیبتہِ الاعجام و العرب

اور جس شعر کو اس عاجز نے نظم کیا ہے وہ شعر درج ذیل ہے:

این الدکاتر من ھذا الادیب الذی
خضعت لرفعتہِ الاعجام و العرب

مولانا علیہ الرحمۃ کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا اور مقبرہ بیرون دودھ باؤلی میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے وصال سے علماء و فضلاء کے حلقہ میں وہ خلا پیدا ہوگیا جو بآسانی پر نہیں ہوسکتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم و فضل کا ایک دور سمٹ گیا ہے۔
اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین۔

۸۔ مولانا حکیم محمد حسین نقشبندی قادری امیر جامعۂ نظامیہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث، جامع المنقول و المعقول، متبحّرِ عالم زمان، طبیبِ حاذق، عظیم خطیب، امیر الجامعۃ النظامیہ، استاذ الاساتذہ (۱۳۱۲ھ/۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۶ء)
مولانا حکیم محمد حسین تعلقہ وقار آباد کے ایک قریہ میں پیدا ہوئے، والدِ بزرگوار علیہ الرحمۃ نے آٹھ برس کی عمر میں جامعۂ نظامیہ میں داخل فرمایا۔ اس عظیم جامعہ میں آپ نے ابتدائی، ثانوی، فوقانی اور جامعی تعلیم حاصل فرما کر فضیلت اور کامل کی فن حدیث میں سند حاصل فرمائی۔ علاوہ ازیں پنجاب یونی ورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان امتیازی درجہ میں کامیاب فرمایا اور وہاں سے دورۂ حدیث کے لئے دیوبند پہونچے اور دورۂ حدیث کی تکمیل فرما کر سند حاصل فرمائی، ان علومِ متداولہ کی تکمیل کے بعد فن کی طب کی طرف توجہ فرمائی اور شہر کے معروف طبیب مولانا حکیم منصور علی خاں اور مولانا حکیم ابو الفدا محمود احمد رحمۃ اللہ علیہما سے نظری اور عملی طبابت میں کامل مہارت حاصل فرمائی' مولانا بڑے نبّاض تھے اور اللہ تعالی نے آپ کے ہاتھ میں شفاء رکھی تھی، نہ صرف شہر بلکہ اضلاع اور بیرون ہند سے بیمار آپ کی خدمت میں رجوع ہو کر شفایاب ہوتے تھے۔ صلہ رحمی کا یہ حال تھا کہ پڑوسیوں، طلباء اور اہلِ علم سے دواؤں پر اجرت نہیں لیا کرتے۔ طلباء نظامیہ کی ہر سال کئی مرتبہ خصوصا عیدین کے موقع پر دعوتِ طعام سے شفقت فرماتے، جود و سخا کا یہ حال تھا کہ کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ فرماتے۔ احباب کو بڑی بڑی رقمیں بطور قرض حسن دیتے۔
حضرۃ الاستاذ مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے کہ جامعۂ نظامیہ نے دو سخی پیدا کئے ہیں ایک مولانا مفتی محمد رحیم الدین دوسرے مولانا حکیم محمد حسین (علیہما الرحمۃ)
جامعۂ نظامیہ کے دارالاقامہ کے طلباء کا مفت علاج فرمایا کرتے مولانا حکیم محمد حسین رحمۂ اللہ تدریس، حسنِ معاشرت اور حسنِ معاملت میں اپنی مثال آپ تھے۔ نمازِ باجماعت، تلاوتِ قرآن پاک اور دلائل الخیرات کے ورد میں بڑے باقاعدہ تھے۔ اشارۃ

غیبی سے حضرت محدثِ دکن صاحب تذکرہ ہذا قدس سرہ سے بیعت بھی فرمائی۔ عمر کے آخری حصہ میں طویل علالت کا سلسلہ رہا اور جو کوئی عیادت کے لئے حاضر ہوتا اہلِ خانہ کو تاکیدی حکم تھا کہ چائے وغیرہ سے لازماً تواضع کی جائے۔ اگر کوئی عرض کرتا کہ یہ چیز باعث تکلیف ہے تو اہلِ خانہ فرماتے کہ اگر ہم تواضع نہ کریں تو ہم سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

مولانا علیہ الرحمۃ کے ہاں تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔ عزیز فیض الحسن جو پاکستان منتقل ہوگئے، عزیزم عبدالغنی شہید ریاض سے حج کے لئے جاتے ہوئے حادثہ میں انتقال فرماگئے اور تیسرے ڈاکٹر عبدالمغنی امریکہ کی ریاست نیویارک میں مقیم ہیں۔

صاحبزادیوں میں عزیزم منوّر سلطانہ صاحبہ ام اے، ام فل (عربی) کلیۂ اناث انوار العلوم کالج میں لیکچرار ہیں۔ مولانا کے بڑے داماد مولانا سید طاہر رضوی مدظلہ جامعۂ نظامیہ کے شیخ الشیوخ ہیں اور اپنے والدِ بزرگوار حضرۃ الاستاذ مولانا سید ابراہیم رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں۔

آپ کی شب و روز کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ البتہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا جو جامعۂ نظامیہ کے معروف اساتذہ ہیں۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کے اساسی رکن تھے۔

عاجز راقم نہ صرف طالب علمی کے دوران اور بعد بھی اکثر حاضر خدمت رہتا اور آپ کی ہدایات اور علمی نکات سے مستفید ہوتا رہا۔

جامعۂ نظامیہ کی زندگی بھر قدمے، قلمے، نسخے اور دامے درمے بھرپور خدمات انجام دیں اور تین سال امیر جامعہ کی حیثیت سے سربراہ رہے اور دوران امارت تدریس کا کام برابر انجام دیا۔ بہر حال مولانا کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ رمضان المبارک میں آپ کا معمول یہ ہوتا کہ عشرۂ اولی میں قرآنِ پاک کی سماعت فرماتے اور

اس کے بعد نہ صرف شہر بلکہ اضلاع میں اپنے خرچہ سے جامعہ کے لئے فنڈز کی وصولی کے لئے سفر فرماتے اور ایک طالب علم کو اپنے خرچہ سے ہمراہ سفر رکھتے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد سلطان محی الدین صاحب نے اپنی ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں مولانا کی جامع سوانح قلمبند کی ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیرا۔

حضرت مولانا حکیم محمد حسین علیہ الرحمہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ ۲۴ نومبر ۱۹۸۶ء دوشنبہ کی صبح انتقال فرمایا اور مقبرہ متصل مسجد یسین سید علی چبوترہ حیدر آباد میں مدفون ہوئے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ. آمین بحرمۃ سید المرسلین۔**

۹۔ عالم متبحّر علامہ حافظ حکیم مولانا میر مقصود علی خیرآبادی (کراچی) علیہ الرحمۃ

دمِ عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اللہ تعالی نے بعض شہروں کو ان میں جلیل القدر علماء کو پیدا فرما کر فضلیت بخشی ہے، ان شہروں میں ایک شہر خیر آباد ہے جو لکھنو سے ۴۰ میل دور ہے۔ خیر آباد کے نامور علماء میں مولانا فضل امام خیر آبادی اور ان کے عظیم فرزند مولانا فضلِ حق خیرآبادی عظیم مجاہد آزادی اور ان کے فرزند مولانا عبدالحق خیر آبادی ہیں۔ ان علماء سے علوم و فنون خصوصا معقولات یعنی فلسفہ اور منطق میں ایک زمانہ نے استفادہ کیا ہے۔ عظیم مؤرخ مولانا عبدالحی لکھنوی (والد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) نزھۃ الخواطر جلد ہفتم میں فرماتے ہیں "علامہ فضل حق خیر آبادی مشہور استاذ تھے۔ فنون حکمیہ اور علوم عربیہ میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا" اردو زبان کے نامور شاعر غالب علامہ فضل حق علیہ الرحمۃ کی جلاوطنی اور غریب الوطنی کی شہادت پر جس رنج و غم

اور عقیدت کا اظہار کیا ہے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ علامہ غالب فرماتے ہیں " فخر سوا ایجادِ تکوین مولانا فضلِ حق ایسا دوست مرجائے، غالبِ نیم مردہ، نیم جان رہ جائے:

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

آج بھی ہندوپاک کا شاید ہی کوئی مدرسہ ہوگا جہاں خیر آباد کا فیض جاری نہ ہو اسی شہر خیر آباد سے استاذ محترم حضرت مولانا حافظ میر مقصود علی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق تھا اور مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے آپ شاگرد رشید تھے مولانا میر مقصودعلی خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے تکمیل علوم کے بعد حیدر آباد فرخندہ بنیاد کا رخ کیا اور غالبا پہلا تقرر مدرسہ فوقانیہ پر بھنی پر ہوا اور وہاں سے دارالعلوم حیدر آباد پر تبادلہ ہوا۔ اس عاجز نے فوقانی جماعتوں میں آپ سے علمِ حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی الادب المفرد اور فقہ میں قدوری پڑھی ہے۔ مولانا کا درس ایسا دلنشین ہوتا تھا کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود مولانا کی بعض باتیں دل پر نقش کالحجر ہیں۔ ان میں سے چند باتیں قارئین کرام کی نذر ہیں:

۱۔ فقہ کی کتاب قدوری کا درس تھا اور باب الصلوٰت الفائتۃ (فوت شدہ نمازوں کا بیان) زیرِ درس تھا مولانا نے دریافت کیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے الفائتۃ (فوت شدہ) کا لفظ استعمال فرمایا اور المتروکہ (چھوڑی ہوئی) کیونکہ نہ کہا؟ ہم طلباء اس کا کیا جواب دیتے۔ پھر فرمایا لفظ ترک میں بالارادہ اور بالقصد کسی کام کو چھوڑنا ہوتا ہے اس کے برخلاف مسلمان سے یہ امید نہیں کہ وہ نماز جیسی اہم عبادت کو قصدا چھوڑ سکتا ہو اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے متروکہ کی بجائے فائتۃ کا لفظ استعمال کیا کہ مسلمان سے سہوا بھولے سے، غفلت سے نمازیں بروقت ادا نہیں ہو سکتیں وہ بالارادہ ایسا کام نہیں کرسکتا۔

۲۔ اسی طرح امام بخاری علیہ الرحمۃ کی کتاب الادب المفرد کا درس تھا۔ مولانا علیہ الرحمۃ ہم کو ہر حدیث شریف کا ترجمۃ الباب بتاتے کہ عنوان اور حدیث کے کس جملہ سے عنوانِ حدیث اور متنِ حدیث میں مطابقت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر الادب المفرد کا ایک عنوان ہے " الولد مبخلۃ مجبنۃ " (لڑکا والد کے بخل اور بزدلی کا سبب ہوتا ہے) اس باب کے تحت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں ایک حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (بارش برسانے والی) ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے، کامل حدیث شریف کا ترجمہ اس طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور لوگوں کو نفع پہونچانے کے اعتبار سے) تمام لوگوں میں زیادہ سخی تھے، خصوصاً ماہ رمضان میں تو حضور کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رمضان کی ہر رات ملاقات فرماتے تو آپ (بارش برسانے والی) ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے اور یہ عموما رمضان کے آخری دھے میں ہوتا جبکہ آپ اعتکاف فرماتے تھے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ عنوان میں تو لڑکے کی وجہ سے والد کے بخیل ہونے کا ذکر ہے اور حدّیث شریف کا عنوان اس کے برخلاف ہے۔ اس پر مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضور کا مقام اور مرتبہ بلند عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا ہے یہ اور ایسی باتیں خصوصیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہیں۔

اسی طرح اس باب میں دوسری حدیث شریف بیان فرمائی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک رات مدینہ منورہ میں ایک خوفناک آواز سنائی دی لوگ گھروں سے نکل پڑے کیا دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اپنے حجرۂ مبارک سے نکل پڑے ہیں اور جس طرف آواز آرہی تھی ادھر تشریف لیجاکر واپس ہو رہے

ہیں اور لوگوں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، سب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔

اس حدیث شریف کو سنا کر مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عنوان میں جو یہ بیان کیا گیا کہ "لڑکا باپ کی بزدلی کا سبب بنتا ہے" اس کا تعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مرتبت سے نہیں ہے۔

یہ تھا حیدر آباد اور حیدر آباد کے علماء جو حقیقت میں ملت کی آن اور مذہب کی آبرو تھے اور ان کے دم سے دین و دنیا کی رونق تھی۔ ان ہی سے انسانیت کی بہار تھی اور انہوں نے ہی ہمارے قلب و نظر کی پرورش کی تھی۔ اور رفعتِ شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

حضرت مولانا میر مقصود علی خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا قلب بھی سیاسی بصیرت سے لبریز تھا۔ جس زمانہ میں آپ ہائی اسکول پر بھنی میں برسر کار تھے ایک واعظ صاحب پر بھنی پہونچے اور ایک مسجد میں ایسی تقریر کی کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے اور جھگڑے کی نوبت آگئی۔ اسی دن شام میں اس عالم کی آمد پر حاکم ضلع نے مختلف حکام اور علماء کو کھانے پر جمع کیا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور مختلف مسائل پر باہم گفتگو ہونے لگی تو مولانا علیہ الرحمۃ نے اس عالم سے سوال کیا کہ پچھلے ستر سال قبل یمن کی چند یہودی گھرانے ملک شام منتقل ہوئے ہیں کیا ان گھرانوں سے آپ کا تعلق ہے؟ اس عالم نے تاڑ لیا کہ میرا راز فاش ہوگیا۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو وہ عالم صاحب لاپتہ ہوگئے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت تھی کہ انگریز اپنے دور میں قوم میں انتشار پیدا کرنے کی خاطر جاسوس تیار کرتے اور وہ جس قوم کا جاسوس ہوتا ان کے مذہب، تہذیب، زبان پر عبور حاصل کرتا اور ان کے مذہبی قائد کی حیثیت سے ایسی باتیں کرتا کہ آپس میں فساد ہو جائے۔ بلکہ بڑے بڑے علماء کے پاس ایک محقق کی

حیثیت سے ایسا شخص ان کے ساتھ رہ کر ان کی رائے کو بدلنے کی کوشش کرتا چنانچہ اس جاسوس عالم نے درمیانِ گفتگو یہ بھی کہا تھا کہ میں مولانا حسین احمد مدنی سے کئی باتوں میں بحث کر کے ان کی رائے بدل چکا ہوں ہوسکتا ہے کہ علماءِ دیوبند نے مسلم لیگ کے خلاف کانگریس اور گاندھی کی پالیسی کی جم تائید کی تھی ایسے ہی مسلم نما جاسوس کی کارفرمائی کا نتیجہ ہو۔

مولانا علیہ الرحمہ ادب عربی، علم بلاغت، اصول فقہ، فقہ، تفسیر، حدیث منطق، فلسفہ غرض تمام علوم اسلامیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ مسجد حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی قدس سرہ واقع اردو شریف میں بعد نماز فجر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر کا درس دیا کرتے تھے جس میں شیخ العرب احمد عبادی صاحب شریک رہتے۔

ہمارے اساتذہ کرام کی تدریس میں ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ اگر امتحان قریب ہو اور نصاب ختم نہ ہو تو زائد وقت دے کر مدرسہ میں یا گھر پر مقرر نصاب کی تکمیل فرماتے۔ چنانچہ حضرت مولانا میر مقصود علی رحمۃ اللہ علیہ الادب المفرد امتحان سے قبل ختم نہ ہوسکی تو آپ نے اپنے گھر پر ہم سب طلباء کو وقت دے کر ختم کیا۔

حضرت مولانا میر مقصود علی خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل اللہ اور مجاذیب سے بھی عقیدت تھی۔ اس زمانہ میں بارکس جو عربوں کی آبادی تھی اس میں ایک عرب مجذوب "حضرت باحشوان" رہتے تھے، مولانا ان کی خدمت میں بطور تحفہ میوہ روانہ کرتے تھے۔

ستمبر ١٩٤٨ء میں حکومت آصفیہ کا سقوط ہوا اور حیدر آبادی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پاکستان منتقل ہوئی حضرت علیہ الرحمۃ بھی اپنے سارے متعلقین کے ساتھ کراچی منتقل ہوگئے اور وہیں انتقال ہوا۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ۔**

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجوئے
در سینہ ہائے مردم دانا مزار ما

۱۰۔ حضرۃ الاستاذ پرنسپل عالی جناب عبدالسّتار سُبحانی علیہ الرحمۃ

(۱۸۹۳ء۔ ۱۹۷۵ء)

کیمیاء پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

اللہ تعالی کی بیشمار نعمتوں میں یہ بھی شامل ہے کہ والدین نیک ہوں اور اپنے بچوں کی نیک تربیت کی ان کو فکر ہو اور اسی طرح قابل اساتذہ اور مشفق مربی اصحاب بھی خداوند قدوس کی جلیل القدر نعمتوں میں داخل ہیں۔ الحمد للہ اس عاجز کاتب کو یہ دونوں باتیں میسر ہوئیں۔

حضرۃ الاستاذہ عالی جناب عبدالستار سُبحانی علیہ الرحمۃ اس عاجز کے فن تاریخ اور انگریزی کے فوقانیہ دارالعلوم میں استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت والد بزرگوار کے افسر اعلی بھی تھے کہ والد ماجد علیہ الرحمۃ دفتر دارالعلوم میں محاسب تھے اور حضرۃ الاستاذ پرنسپلؒ اس عاجز نے ۱۹۴۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے جب بی۔ اے کا امتحان کامیاب کیا تو حضرت سبحانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں والد بزرگوار مجھے لے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کا یہ شاگرد الحمد للہ بی۔ اے ہو چکا ہے اور میں اس کو دائرۂ ملازمت میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر حضرہ الاستاذ نے فرمایا آپ ذرا خاموش ہوجائیں میں اس سے پوچھ لوں! اس عاجز نے عرض کیا کہ یہ عاجز سلسلۂ تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہے حضرۃ الاستاذ نے جب یہ سنا تو والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ آپ پر اس کا کیا بوجھ ہے ؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کا کوئی بوجھ نہیں، اس کا کھانا پینا، رہن سہن سب سادہ ہے۔ تو حضرت سبحانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ سن لیں! پڑھائی کے صرف یہی دو سال ہیں اور ملازمت کے لئے تو پوری زندگی ہے۔ بس اس استاذ محترم

علیہ الرحمہ کی عجیب رہنمائی تھی کہ اس عاجز نے ۱۹۴۷ء میں ام۔ اے کیا اور فوراً عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں لکچراری پر تقرر ہوگیا۔ حضرۃ الاستاذ ہمیشہ اس صحیح رہنمائی کی وجہ سے یاد آتے ہیں اور اس عاجز کے پاس بجز تحفۂ دعا کے اور کیا ہے کہ اس عاجز کی تمام تر علمی زندگی اسی شفقت آمیز رہنمائی کی بدولت ہے :

یہ دولت تمہاری بدولت ملی ہے

ان چند تمہیدی سطروں کے بعد یہ عاجز اپنے اس جلیل القدر استاذ کی مبارک حیات کا خاکہ حضرت پیر و مرشد محدّث دکن قدس سرہ کے تذکرہ میں معاصرین کی حیثیت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے یہ سوانحی خاکہ حضرۃ کے نواسہ عزیزم جناب سعید فاروقی صاحب مقیم ہوسٹن سے حاصل ہوا ہے۔ حضرۃ الاستاذ عالی جناب عبدالستار سبحانی صاحب شیر کوٹ (اتر پردیش) میں ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے آپ کی نسبت سبحانی اپنے پیر و مرشد حضرت سبحان احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھی، آپ کے پیر و مرشد کا تعلق سہسرام جو جونپور سے قریب بہار پُر بہار کا ایک شہر تھا اس سے ہے۔ سہسرام شیر شاہ سوری کا مستقر تھا اور اربابِ علم و فضل کا مرکز تھا حضرت الاستاذ کے والد بزرگوار حضرت عبدالصمد صاحب ملازم سرکار تھے۔ آپ نے الہ آباد سے بی اے، بی ٹی کے بعد، سنسکرت میں ام۔ اے کیا اور اس کے بعد حیدر آباد کا رخ کیا اور الحمد للہ گورنمنٹ ہائی اسکول گلبرگہ، کریم نگر اور دارالعلوم پر پرنسپل کی حیثیت سے مامور رہ کر وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

حضرۃ الاستاذ عالی جناب عبدالستار صاحب سبحانی علیہ الرحمۃ مشرقی تہذیب کے ایک اعلی نمائندہ تھے۔ حیدر آباد کے علمی حلقے آپ کو اصول پرستی، دیانت، اعلی نظم و ضبط، وضع قطع، خود داری کی وجہ سے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس ہی وجہ سے آپ نے محکمہ تعلیمات میں اپنا مقام اور وقار ہمیشہ باقی رکھا۔ ہمیشہ نفیس شیروانی زیبِ تن

رہتی اور سر پر رام پوری ٹوپی، سر بڑا، پیشانی کشادہ و بلند اور ناک اونچی تھی، مدرسے میں بھی نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ بڑے صاحب وجاہت، توانا اور قوی تھے آواز میں رعب اور دبدبہ تھا۔ ہر ایک کے ساتھ انتہائی شفقت اور مدارات سے پیش آتے تھے۔

ریشِ مبارک درمیانی تھی۔ باغبانی سے بڑا لگاؤ تھا۔ دارالعلوم کے باغیچہ میں سویرے آکر اپنے ہاتھ سے پودوں کو درست کیا کرتے تھے۔ آپ کی صدارت کے دوران ہائی اسکول دارالعلوم کے نتائج بڑے شاندار رہے ہیں۔

محکمۂ تعلیمات سے وظیفۂ حسن خدمت سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے امتحاناتِ فارسی جامعۂ نظامیہ کی نظامت کا عہدہ بڑی حسن و خوبی سے انجام دیا۔

آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادیاں حیات ہیں اور ایک فرزند انتقال کر چکے ہیں۔

اللہ تعالی عزیزم جناب سعید فاروقی صاحب کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ اپنی والدۂ محترمہ جو لندن میں مقیم ہیں ان کے ذریعہ اپنے نانا حضرت علیہ الرحمتہ کے بارے میں یہ مواد مہیا فرمایا۔

حضرۃ الاستاذ ۱۹۷۵ء میں دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرمائی اور مقبرہ متصلہ مسجد بازار گارڈ (نام پلی) میں تدفین عمل میں آئی۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ. آمین لحرمۃ المرسلین.**

۱۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

(م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء)

اے خدائے کریم اے ستار　کس سے ہو تیری نعمتوں کا شمار

بے نواؤں کو بے نیاز کرے　تو جسے چاہے سرفراز کرے

(حافظ لدھیانوی)

فضیلۃ الاستاذ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحق مرحوم بن محمود حسین شاھنوری ایک علمی اور

دِینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ قدیم دارالعلوم میں داخلہ لیا اور اس نامور جامعہ کے جلیل القدر اساتذہ مولانا سید نادر الدین، شیخ ابو بکر ابن شھاب علوی، مولانا علی عباس، مولانا الادیب سید ابراھیم رضوی وغیرہم سے علومِ مشرقیہ کی تحصیل کی۔ پھر انگلستان کی جامعہ اکسفورڈ سے عربی ادب میں بکلیورس اور D.Phil کی ڈگری لے کر مصر پہونچے اور پھر جامعہ القاھرہ سے پی ایچ ڈی لیکر حیدر آباد واپس ہوئے۔ اور جامعۂ عثمانیہ کے صدارت شعبہ عربی پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر عبدالحق مرحوم متوسط قد کے ساتھ ایک توانا شخصیت کے مالک تھے چہرہ کا رنگ سیاہ مگر بڑا بارونق۔ ہم طلباء کتاب پر نگاہ رکھنے کی بجائے ان کی چہرہ کی تابناکی سے لطف اندوز ہوتے۔ وہ ہمیں ایسا دیکھ کر کہتے مجھے کیا دیکھ رہے ہو کتاب پر نگاہ رکھو! یونیورسٹی کو سوٹ پہن کر تشریف لاتے مگر سر پر ہمیشہ لال رنگ کی ترکی ٹوپی رہتی۔ عربی ادب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی بڑی مہارت تھی۔ اردو اور عربی میں عربی زبان اور ادب پر آپ کے مقالے بڑے معلومات آفریں ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں جامعۂ ازھر سے مصری وفد کی آمد پر علمی کانفرس میں اعلی ادبی معیاری مقالہ پیش کیا۔ اس مقالہ میں مصطفی کمال جس نے عربی رسم الخط کی بجائے لاطینی رسم الخط کو اختیار کیا تھا۔ شدید تنقید کی اور اس طرح امت مسلمہ کو غیرت دلائی کہ مستشرقین عربی زبان کے مخطوطات پر تحقیقاتی کام کر رہے ہیں اور ہم اپنی مذہبی اور دینی زبان سے بے پرواہ ہیں اور ہماری اس بے اعتنائی پر ہنستے ہیں اور ایک عربی شاعر کے شعر سے استشہاد کیا:

اذا　افتخرت　بآباء　مضوا اسلفا

قلنا　صدقت! ولکن　بئسنا　ولدوا

(تم اگر اپنے اسلام کے کارناموں پر فخر کرو تو بجا ہے لیکن تم ان کے اچھے جانشین نہیں ہو کہ ان کے نقشِ قدم پر نہ ہو)

استاذِ محترم اس کے باوجود کہ انگلستان اور مصر کی دو بڑی ڈگریوں کے حامل تھے اور

صدر شعبہ عربی لیکن اپنے والد محترم کا بڑا ادب اور پاس رکھتے تھے۔ آپ کے اخلاق کاایک عجیب واقعہ ہے کہ جب آپ حیدر آباد پہونچے تو سرِ مغرب آپ سے آپ کے ایک دوست ملنے آئے اور ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے اور نماز مغرب کی جماعت نکل گئی۔ والدِ صاحب مسجد میں نماز مغرب کی جماعت سے فارغ ہو کر گھر پہونچے تو دیکھا کہ مغرب کی نماز کا وقت گذر رہا ہے اور ڈاکٹر صاحب اپنے دوست کے ساتھ مصروف تکلم ہیں۔ والد صاحب غضبناک ہوئے اور اپنے جوتے کو ڈاکٹر صاحب پر پھینکا مگر ڈاکٹر صاحب نے خاموشی کے ساتھ والد صاحب کے جوتے کو اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور جگہ پر رکھا، یہ مشرقی آداب کا کمال تھا۔

اس عاجز نے انٹر میڈیٹ سے لیکر ایم اے۔ تک عربی زبان اور ادب میں ڈاکٹر صاحب سے استفادہ کیا۔ اور ایم اے میں آپ کی نگرانی میں اموی دور کے شاعر اہل بیت عبیداللہ بن قیس الرقیات کی حیات اور شاعری پر مقالہ تیار کیا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے شاگردوں پر بڑے مشفق اور مہربان تھے۔ ایم اے کے دوسرے سال یعنی ۱۹۴۷ء میں شہر حیدر آباد پر طاعون کا حملہ ہوا اور میری پچاچی اور دو بہنیں جاں بحق ہوئیں جس کی وجہ سے یہ عاجز ایک ماہ کالج سے غیر حاضر رہا اور جب کالج پہونچا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میں تمہارے حالات سے باخبر ہوں اور تمہاری حاضری دے رہا ہوں اور تمیں امتحان میں بیٹھنا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب یہ مہربانی نہ فرماتے تو میں اس وقت نہ امتحان میں بیٹھ سکتا اور نہ فوراً عثمانیہ یونیورسٹی میں تقرر ہوتا۔ یہ اللہ تعالی کا فضل ہے کہ ایسے مہربان اساتذہ کی شاگردی نصیب فرمائی اور زندگی بھر علم و ادب اور علوم دین سے وابستگی رہی، والحمد للہ علی ذالک۔

ڈاکٹر صاحب اگر چہ کہ انگریزی لباس میں ملبوس رہتے مگر قلب ایمان کی حقیقت سے بھرپور رہتا۔ جامعہ قاہرہ میں آپ کے اساتذہ میں ڈاکٹر طہ حسین مشہور مصری ادیب اور نقاد تھے اور یہ مادرزاد نابینا تھے اور دیندار نہ تھے تو آپ فرمایا کرتے کہ "ڈاکٹر

طہٰ حسین آنکھ کا بھی اندھا ہے اور دل کا بھی اندھا ہے"۔

دورانِ درس بعض مرتبہ ہم طلباء کو بڑے فکر انگیز اور مفید مشوروں سے سرفراز فرماتے۔ حضرۃ الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ کی تصنیف منہاج العربیہ کی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ فرمائی جس کی وجہ سے پہلی مرتبہ یہ کتاب حکومت کے خرچہ سے شائع ہوئی۔ حضرۃ الاستاذ ڈاکٹر عبدالحق مرحوم نے پورے پچیس برس بڑے آب و تاب سے شعبہ عربی کی صدارت کو جگمگایا۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم ۳ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۷ء میں انتقال فرمایا اور مقبرۂ لنگر حوض میں دفن ہوئے۔ پروفیسر سلطان محی الدین نے اپنے مقالہ میں ڈاکٹر صاحب کے سوانحی خاکہ میں ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے عمدہ نمونہ جمع کئے ہیں۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

۱۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمعید خان صدر شعبہ عربی جامعۂ عثمانیہ و ناظم دائرۃ المعارف (۱۹۱۰ء۔ ۱۹۷۳ء)

ترے لطف و کرم پہ نازاں ہوں — ترے محبوب کا ثنا خواں ہوں
عشقِ خیر البشر عطا کردے — دامنِ دل کو نور سے بھردے

(حافظ لدھیانوی)

فضیلۃ الاستاذ پروفیسر محمد عبدالمعید خان صاحب حیدر آباد کے ایک نامی گرامی، رئیس خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تک آپ کا سلسلۂ نسب پہونچتا ہے اور "خان" خطابی ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا عبدالغفور خان علیہ الرحمۃ نامی تخلص فرماتے تھے اور جلیل القدر صوفی اور صاحب التصانیف عالم تھے۔ آپ نے درود شریف پر ایک کتاب جس کا نام اوائل الخیرات ہے شیخ سلیمان الجزولی رحمۃ اللہ علیہ کی درود شریف میں مقبول ترین کتاب " دلائل الخیرات " کے طرز پر لکھی جو کئی بار طبع

ہو چکی ہے اور جس کا ورد عالم اسلامی میں جاری ہے۔

فضیلۃ الاستاذ عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے اور قانون میں ایک سال تعلیم کے بعد حکومت آصفیہ کے وظیفہ پر جامعۃ القاہرہ میں سے ڈی لٹ کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں سے ڈگری لیکر کیمبرج پہونچے اور انگلستان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لیکر حیدر آباد واپس ہوئے۔ اور یہاں اولاً معروف علمی تحقیقی انگریزی رسالہ اسلامک کلچر کے سکریٹری اور مدیر بنائے گئے بعد ازاں ۱۹۴۳ء میں شعبۂ عربی جامعۂ عثمانیہ میں استاذ مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۵۳ء میں صدارت شعبہ پر فائز ہوئے۔ ان جلیل القدر علمی عہدوں کے علاوہ ۱۹۶۳ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ کے ناظم اور سکریٹری کے عظیم المرتبت عہدہ پر فائز ہوئے۔

ان ساری اہم دفتری مصروفتوں کے ساتھ ساتھ فضیلہ الاستاذ علیہ الرحمۃ معیاری تحقیقاتی کاموں کو برابر جاری رکھا تینوں زبانوں عربی، انگریزی اور اردو میں آپ کی تخلیقات طلباء کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اس عاجز کا ۱۹۶۰ء میں شعبۂ عربی میں تقرر کروایا اور "المحمدون من الشعراء" کی تحقیق اور تصحیح پر پی ایچ ڈی کی ڈگری عنایت کی۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک فضیلۃ الاستاذ علیہ الرحمۃ اس عاجز کے افسر اعلی رہے۔ اگر شعبہ عربی کی مراسلت کا کام ہوتا اور ظہر کی نماز با جماعت کا وقت آجاتا تو ارشاد فرماتے "عبدالستار صاحب آپ نماز پڑھ کر آجائیں میں آپ کا انتظار کرتا ہوں" اس شفقت پر اس عاجز کو ناز ہے۔

علماءِ امت اور اہل اللہ کی بڑی تعظیم فرماتے ہر سال یا ہر دوسرے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب مستطاب میں بڑے اہتمام سے نیاز پیش فرماتے۔ ایک مرتبہ اسی نیاز کے موقع پر حضرت پیرو مرشد حضرت محدّثِ دکن قدس سرہ کو اس عاجز کے توسط سے دعوت پیش کی، حضرت پہلے سے کہیں اور مدعو تھے۔ اس عاجز نے حضرت کا جواب سنایا تو جواباً کہلا بھجوایا کہ "میں تو حضرت کو بارھویں

کی نیاز میں زحمت دے رہا ہوں پس ہمارے حضرت یہ جواب سنتے ہی بے چین ہو گئے اور فرمایا ڈاکٹر صاحب کو سلام کہو اور وہ سواری بہت پہلے روانہ کردیں میں مغرب راستہ میں پڑھ کر ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہونچ جاؤں گا۔

دل رابدل رہیست کہ دل خانۂ خدا ست

عفو و درگذر کا جوہر بھی فضیلۃ الاستاذ میں بدرجۂ اتم تھا۔ ایک مرتبہ دائرۃ المعارف کے ایک عالم نے عالمِ طیش میں ڈاکٹر صاحب کو برا بھلا کہا اور بر ملا اہانت کی۔ یہ واقعہ دفتر میں ہوا جس کی وجہ سے غالبا معطلی کے احکام جاری کرنے کے لئے میر مجلس دائرۃ المعارف کو اطلاع دینے کی تجویز ہوئی۔ سپروائزر مطبع میرے دوست تھے میرے پاس تشریف لائے اور پورا واقعہ سنایا اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں معافی کے لئے پہونچنے کی تحریک کی۔ وہ موصوف بھی ہمراہ تھے ہم سب ڈاکٹر صاحب کے گھر پہونچے اس لئے کہ ڈاکٹر اسی دن دلّی ایک میٹنگ میں تشریف لیجانے والے تھے۔ الغرض ہم سب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پہونچے۔ موصوف کو باہر ہی ٹھہرادیا۔ ہم سب نے جب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور عفو و درگذر کی درخواست کی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا بھائی تم لوگ تو خیر موجود ہو لیکن اصل موصوف تو یہاں نہیں ہیں۔ ہم نے جواب دیا! وہ بھی موجود ہیں اور ہم نے موصوف کو باہر ٹھہرایا ہے۔ یہ سن کر ڈاکٹر صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم نے ایک عالم کو دروازہ کے پاس ٹھہرا دیا ہے تم لوگ کیسے بے تعظیم ہو ایک عالم کے ساتھ تمہارا یہ کیسا سلوک ہے! فوراً باہر نکلے موصوف سے معانقہ فرمایا اور معافی دیدی اور حکم دیا کہ پوری کارروائی روک دی جائے۔

اس واقعہ میں نے ہم نے اپنی آنکھوں سے "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" کی ایک جھلک دیکھی، اور اکابر کے اپنے ماتحتین پر شفقت اور معافی ایک مثال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرۃ الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ کو عربی زبان کی خدمت کے سلسلہ میں صدر جمہوریہ ایوارڈ بھی فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر عبدالمعید خان صاحب کی تحریک پر منظور ہوا تھا۔

فضیلۃ الاستاذ صاحب طریقت بھی تھے چنانچہ قادری طریقہ میں سید شاہ سیف الدین شرفی کرنولی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی۔

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ، علمی خدمات ، تحقیقی کارنامے اور آپ نے متعدد علمی اور انتظامی ذمہ داریوں کو جس لگن اور دیانتداری سے سرانجام دیا یہ سب ایسے مثالی کام ہیں جن پر ایک طالب علم نہ صرف ام۔ فل بلکہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے کام کرسکتا ہے۔

پروفیسر سلطان محی الدین صاحب صدر شعبۂ عربی کو اللہ تعالی جزاء خیر دے کہ موصوف نے اپنی ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں فضیلۃ الاستاذ پر تقریبا پچیس صفحات کا ایک معلومات افزا مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا انتقال دواخانہ عثمانیہ میں مثانہ کے آپریشن کے بعد مرض نمونیا میں سپٹمبر ۱۹۷۳ء کو ہوا اور تدفین مقبرۂ قطبی گوڑا (لنگم پلی کاچی روڈ) میں عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف واجعل الجنۃ مثواہ ۔ آمین یارب العامین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین.

۱۳۔ حضرت مولوی سید عبدالقادر صاحب حسنی حسینی چشتی علیہ الرحمۃ

(۱۸۹۰ء ۔ ۱۹۶۴ء/ ۱۳۸۴ھ)

عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ

(جہاں اولیاء کرام کا ذکر ہو وہاں رحمت خداوندی خوب ہی اترتی ہے)

مولوی سید عبدالقادر صاحب علیہ الرحمۃ کا اصل تعلق بغداد شریف سے ہے آپ کا نسب

بغداد کے عظیم رفاعی شیخ حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس اللہ سرہ سے جا ملتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نتیجہ میں مجاہدین آزادی کو شکست ہوئی اور پورے ہندوستان پر انگریزی اقتدار مستحکم ہوگیا تو مولوی سید عبدالقادر صاحب کے جدّ اعلی کو انگریزوں نے بغداد سے مدراس لاکر یہاں کا صدر قاضی بنایا۔ اور آپ نے تل لیچری (کیرالا) کو اپنا مستقر بنایا۔ آپ کے والد بزرگوار بہت بڑے تاجر تھے اور آپ کی چار بیویاں تھیں۔ آپ کے والد صاحب کی جائیداد پر تقسیم کے جھگڑے شروع ہوئے تو مولوی صاحب جنھوں نے مدراس یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان کامیاب کر لیا تھا گوشۂ عافیت قرار دے کر حیدر آباد کا رخ کیا اور یہاں آکر مشرقی تمدن اور تہذیب ایسی پسند آئی کہ یہاں سکونت اختیار کرلی اور نظام کالج سے ایم۔ اے (انگریزی) میں داخلہ لے کر امتیازی حیثیت سے ۱۹۱۴ء میں امتحان کامیاب کیا۔ انگریزی زبان میں زور خطابت کی وجہ سے جمعیتِ طلباء کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ سیاسی حلقوں میں معروف ہوگئے۔ ایک سال بعد نظام کالج کا پرنسپل جو انگریز تھا اُس کو پائیگاہ کی طرف سے ایک فرمائش وصول ہوئی کہ پائیگاہ کے نواب زادوں کے لئے جو ساتویں نظام کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے تھے ایک اتالیق کی نشاندہی کی جائے۔ اس انگریز پرنسپل نے اس جلیل القدر عہدہ پر مولوی صاحب کا نام پیش کیا اور ماہانہ پانچ سو روپیہ ماہوار پر مولوی صاحب نے ۱۹۱۵ء سے ۱۹۳۵ء تک اپنی اتالیقی خدمات کو بحسن و خوبی دیا اور بعد ازاں آپ نے قلعۂ گولکنڈہ کے ہائی اسکول پر بحیثیت پرنسپل تقرر پاکر کہ وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوشی حاصل کی۔

مولوی سید عبدالقادر علیہ الرحمۃ کی شادی حیدر آباد کے ممتاز قاضی گھرانے میں مولوی میر صفدر علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جو حیدر آباد کے نامی گرامی پیرِ طریقت حضرت شجاع الدین فاروقی علیہ الرحمۃ مصنف کشف الخلاصہ کی نواسی

تھیں ۔ مولوی صاحب نے طریقت میں حضرت محمد حسین چشتی ناظم و نبرتی سے سلوک طے کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے اور آپ کے برادران طریقت میں حضرۃ الاستاذ مولانا جمیل الدین احمد ، حضرۃ الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی ، پروفیسر ڈاکٹر ولی الدین ، حضرت سید حسین ، جناب محمود یار جنگ قریشی وغیرہم تھے ۔ مولوی صاحب موصوف خاموش مبلغ تھے کئی برادران وطن مرد اور خواتین نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ آپ بڑے رقیق القلب تھے ۔ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے جلال کوچہ کی مسجد تشریف لاتے اور ادھر حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ محراب میں نماز تراویح میں قرآن سنانا شروع فرماتے اور ادھر آپ پر رقت طاری ہوجاتی اور پوری نماز میں آپ کی ہچکیاں بندھی ہوتیں تھیں اور اس کا اثر تمام مصلیوں پر ہوتا تھا ۔ آخری عمر میں مرضِ فالج میں مبتلا ہوئے ۔ یہ عاجز عیادت کے لئے حاضر ہوتا تو دریافت فرماتے تم نے وہ دعاء پڑھ لی جو مریض سے ملاقات کے وقت پڑھی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالی اس شخص کو اس بیماری سے محفوظ رکھے ۔ ایسے رقیق القلب ، صوفی منش حضرات کم ہونے کہ باوجود تمول کے پوری زندگی غرباء میں گذاری ہو ۔ آپ کا مکان لب سڑک شاہ علی بنڈہ پر گھڑیال کے روبرو تھا ۔ فرمایا کرتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ہر دن تنہائی میں رب العزۃ کی بارگاہِ بے نیاز میں آہ و زاری اور تضرع کا وقت مقرر کر کے اپنی بندگی اور نیاز مندی پیش فرمایا کرتے تھے ، ہماری بہتری بھی انہی شمعِ نبوت کے پرانوں کی پیروی میں ہے ۔

حضرت سید عبدالقادر علیہ الرحمۃ کا انتقال ذوالقعدہ ۱۳۸۳ھ / ۴ اپریل ۱۹۶۴ء کو ہوا ۔ نماز جنازہ پیر و مرشد حضرت محدّث دکن قدّس سرّہ اپنی مسجد میں پڑھائی اور تدفین مقبرہ حضرت شجاع الدین قدّس سرّہ میں عمل میں آئی ۔ **اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ آمین بحرمۃ سید المرسلین ۔**

حضرت موصوف کا خاندانی پس منظر اور مفصل حالات عزیزم جناب طاہر

عبدالوہاب صاحب نواسہ حضرت موصوف مقیم شکاگو سے ملے ہیں ۔ اس کے لئے بندہ جنابِ موصوف کا شکر گزار ہے ۔

۱۴ ۔ حضرت شیخ محمد ابو سعید مجدّدی فاروقی رام پوری علیہ الرحمۃ

(۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء / ۱۴۰۴ھ ۔ ۱۹۸۳ء)

احبّ الصالحین و لست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

(اس عاجز کو اولیاء کرام سے محبت ہے اور یہ عاجز ان میں نہیں ، (اس محبت کی وجہ سے)امید ہے کہ اللہ تعالی مجھے بھی نیک بنادے)

حضرت ابو سعید مجددی قدّس سرّہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدّس سرہ کی اولاد امجاد میں ہیں ۔ اور اپنے اسلاف عظام کے نامور سپوت ہیں ، حفظ قرآن ، علم و ادب ، وقار و تمکنت ، رعب و دبدبہ ، صورت و سیرت ، نشست و برخاست میں شیخ طریقت کی حیثیت سے مثالی اور نامور جانشین ہیں ۔ عربی ، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں سخنور اور نامور ادیب اور شاعر تھے ۔ آپ کی ولادت رامپور میں ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ ۱۳ ۔ جولائی ۱۸۹۹ء میں ہوئی ، آپ کے والد بزرگوار حضرت شاہ محمد معصوم نقشبندی رام پور سے ہجرت فرماکر جب حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے ہیں تو آپ کی عمر چھ سال کی تھی ۔ آپ نے مدینۂ منورہ میں قرآن مجید حفظ فرمایا اور علومِ اسلامیہ کی تحصیل بھی فرمائی ۔

سنہ ۱۳۴۱ھ میں آپ کے والد بزرگوار کی مکہ معظمہ میں وفات ہوئی تو آپ رامپور واپس تشریف فرما ہوئے اور خانقاہ معصومی آپ کے وجود سے آباد ہوئی اور ۲۲ سال مسلسل رامپور میں قیام رہا ۔ آپ کے برادر کلاں حضرت ابو الشرف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی تو جائیداد کے سلسلہ میں وہاں آنا جانا رہا ۔ چوں کہ آپ ۱۳۴۲ھ میں حجازی پاسپورٹ پر تشریف لائے تھے اس لئے آپ کو سعودی قومیت مل

گئی تھی۔ لیکن آپ کے تمام متعلقین رام پوری ہی میں رہے۔

حیدر آباد سے حضرت علیہ الرحمۃ کا تعلق بڑا قدیم رہا ہے چنانچہ کئی مرتبہ حیدر آباد تشریف لاتے رہے۔ اس عاجز نے اپنی طالب علمی میں مسجد الماس علی آباد جہاں حضرت مسکین شاہ قدّس سرّہ کی درگاہ معلی ہے ایک مرتبہ رمضان المبارک میں آپ سے تراویح میں قرآن پاک کا دور سننے کی سعادت حاصل کی ہے آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی محرابِ میں قرآن پاک سنانے کی سعادت حاصل فرمائی حضرت علیہ کی قراءت بڑی دلکش اور شیریں ہوا کرتی تھی۔

حیدر آباد آپ سنہ ۱۹۷۹ء ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۱ مسلسل سردیوں کے موسم میں ایک ماہ سے زیادہ قیام کے لئے تشریف لاتے رہے اور قیام مسجد الماس کے مکانات میں ہوا کرتا اور حضرت مسکین شاہ قدّس سرہ کے سجادے حضرت تسکین شاہ ثانی حفظہ اللہ میزبانی کے فرائض انجام دیتے اس سفر میں آپ کے برادر عمِ زاد حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ بھی ہمرکاب رہتے تھے۔ یہ عاجز نمازوں میں اور فارغ اوقات ان فاروقی مجدّدی حضرات کی خدمت میں گذارتا۔ ان حضرات کی خدمت میں بیٹھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہوا کرتی تھی۔ رام پور بھی کئی بار اسی تعلق کی بنیاد پر حاضری ہوئی ہے۔

خانقاہ معصومی کی مسجد بوجہ کہنگی قابلِ تعمیر ہوگئی تھی آپ نے از سرِ نو تعمیر فرمائی۔ اور تاریخِ تعمیر جدید کے ابیات کندہ کروانے کی سعادت صدیق محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد صاحب نقشبندی استاذ شعبہ جغرافیہ عثمانیہ یونیورسٹی ارادتمند حضرت موصوف کو ملی اور اس سفر میں یہ عاجز بھی ہمرکاب تھا جبکہ اس جدید تعمیر کے تاریخی کتبہ کی تنصیب کے لیے رام پور کا سفر ہوا۔

حضرت علیہ الرحمۃ کا حافظہ بھی غیر معمولی تھا چنانچہ مولود برزنجی حضرت کو حفظ تھا جس کی کیسٹ جناب ڈاکٹر احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت کو شہرت سے

نفرت تھی چنانچہ حیدر آباد تشریف آوری کے موقع پر کسی وقت بھی آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ قیام کی اطلاع اخبار میں شائع کی جائے ایک مرتبہ بغیر اجازت کسی صاحب نے یہ اطلاع دیدی تو آپ کو بڑا ناگوار ہوا۔

سنہ ۱۹۷۹ء میں حیدر آباد تشریف آوری پر کئی دنوں کا کرفیو عائد کر دیا گیا تو الحمد للہ گلبرگہ شریف، بیجا پور اور اورنگ آباد و خلد آباد کے سفر ہوئے جس میں یہ عاجز نے بھی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔ حضرت ابو سعید مجدّدی علیہ الرحمۃ اپنی نواسی کے علاج کے لئے بمبئی میں مقیم تھے کہ وہاں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ ہوائی جہاز سے اپنے بڑے فرزند حافظ عبدالحمید صاحب کے ساتھ رام پور پہونچے تقریباً ایک سال بیمار رہے بالآخر ۳۰ صفر ۱۴۰۴ھ (۶ دسمبر ۱۹۸۳ء) کو انتقال فرمایا اور درگاہِ حضرت شاہ جمال اللہ شاہ قدس سرہ کی گنبد کے غربی جانب حضرت شاہ محمد عمر قدّس سرّہ کے پہلو میں مغرب کی سمت دفن ہوئے۔ حضرت نے اپنی زندگی میں اپنی مزار کا انتظام فرمالیا تھا۔ **اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین۔**

اس مبارک تذکرہ میں خاندانی حالات " مقامات خیر ص ۵۰۱ " تالیف حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ سے ماخوذ ہیں۔

الحمد للہ قارئین کرام کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ حضرت کے مرید صادق ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اپنے پیرو مرشد قدّس سرّہ کی سوانح بعنوان " تذکرۂ سعید " مرتب فرمائی ہے، اس پر ابتدائیہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ اور یہ مبارک سوانح زیر طبع ہے۔ اللہ کرے کہ یہ تذکرہ جلد از جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہونچے۔

۱۵۔ حضرت مولانا شاہ ابو الحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمۃ

(۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء ۔ ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء)

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است — مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گہے رسد بمراد — کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلامی میں صدیوں سے جو دینی نظام و تربیت کار فرما تھا اور جس کے حدود گھروں کی چہار دیواری سے لیکر مدارس و جامعات، حلقہائے درس، گوشہ ہائے تصنیف و تالیف، خانقاہوں کی پُر سکون فضاؤں اور میدان جہاد کی رزم گاہوں تک وسیع تھے، اس کی بنیاد اخلاص اور للہیت پر تھی۔ اس نظام تعلیم و تربیت کا ایک اعلی نمونہ، چند اور ہند و پاک کی شخصیتوں کے دوش بدوش حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی مجدّدی اور نقشبندی قدّس سرّہ کی ذات عالی تھی۔ یہ ایسی مبارک ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس عالم ناپائدار کی رنگا رنگ دلچسپیوں سے بیگانہ ہوکر دینِ حق کی معرفت اور کدو کاوش میں صرف کردیا۔

حضرت مولانا زید علیہ الرحمۃ کی ولادت با سعادت ۲۵ / رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ ۱۳ نومبر ۱۹۰۶ء کو خانقاہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں دلی میں ہوئی۔ حضرت کے والدِ ماجد حضرت مولانا شاہ ابو الخیر مجدّدی قدّس سرّہ نے اپنے تینوں صاحبزادوں کی بڑی اچھی تربیت فرمائی، خود مولانا علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے کہ ہم بھائیوں کی تربیت افغانستان کے علماء اور صلحاء نے کی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت شاہ ابو الخیر علیہ الرحمۃ نے اپنے تینوں صاحبزادوں کو مدرسہ مولوی عبدالرب واقع عقب دلی اسٹیشن میں داخل فرمایا۔ اس مدرسہ میں کامل دو سال علوم متفرقہ اور صحاح کا دور فرمایا سنہ ۱۹۳۱ء میں مولانا نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت سالم علیہ الرحمۃ کے ہمراہ جامع ازہر میں تکمیل علوم اسلامیہ کے لئے مصر کا سفر فرمایا۔ جامعۂ ازہر کے نامور علماء میں علامہ شیخ محمد

بخیت حنفی، شیخ محمد حبیب اللہ شنقیطی، شیخ علی شائب، محدّث غرب السید مجدّ عبدالحی الکتانی وغیرہم آپ کے اساتذہ ہیں۔ مولانا نے مصر سے سنہ ۱۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ حاضری دی۔ اور پہلا حج ادا فرمایا مکہ معظمہ میں شیخ ابو الفیض عبدالستار صدیقی اور مجاہد عظیم سید احمد شریف سنوسی مدنی سے حدّیث الرحمۃ اور بقیہ مسلسلات کی اجازت حاصل فرمائی۔

مصر سے ہندوستان واپس ہوتے ہوئے۔ شرق اوسط کے ممالک شام، بغداد اور عراق کا دورہ کرتے ہوئے واپسی عمل میں آئی۔ دوران سفر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ، اور امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور سارے مزارات اور مشاہد کی زیارتیں کیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کو حکومت ہند نے ۱۹۸۷ء میں علوم اسلامیہ کی خدمت کے صلہ میں عربی ایوارڈ بھی مرحمت کیا۔ حضرت کی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور ارشاد میں بسر ہوئی۔ چنانچہ آپ کی چھوٹی اور بڑی تالیفات کی جملہ تعداد (۲۴) ہے اور کئی تالیفات مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں۔

آپ کا کتب خانہ مطبوعات کے ساتھ ساتھ مخطوطات اور نایاب قلمی قدیم نسخہ جات کا خزینہ ہے اور تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور طلبہ آپ کے ان نوادر سے استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی علیہ الرحمۃ ماشاء اللہ ایک پہلو دار شخصیت کے حامل تھے، شریعت اور طریقت کے سر تاج، دین و مذہب کے ماہر، حدّیث اور فقہ میں کامل، علوم قرآن کے فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخن شناس اور عظیم سخنور تھے، مولانا علیہ الرحمۃ کے اکلوتے فرزند جناب ڈاکٹر ابو الفضل فاروقی علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے جواں سال پوتے عزیزم میاں ابو النصر انس فاروقی امدّ اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین کو اپنی جانشینی کے لئے تیار کیا۔

مولانا کی خود نوشت سوانح اور تالیفات کا تفصیلی جائزہ اپنی تالیف مقامات خیر میں ص ۶۹۷ سے ۸۰۰ تک جمع فرمادیا ہے جو اصحابِ ذوق کے لئے پڑھنے کے قابل ہے۔

حضرت زید فاروقی علیہ الرحمۃ کی اس عاجز راقم پر بڑی شفقت تھی۔ ۱۹۷۱ء میں دلی یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی ایک میٹنگ میں شرکت کی اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ ابو سعید مجدّدی اور حضرت شاہ ابو الخیر فاروقی مجددی۔ قدّس اللہ اسرارہم۔ یہ حضرات اس عاجز کے پیران کبارہیں؛ ان کی زیارت کے لئے خانقاہ پہونچا۔ اس وقت حضرت قاری حافظ اسماعیل مجددی رام پوری علیہ الرحمۃ خانقاہ شریف میں فروکش تھے۔ حضرت کی تحریک پر حضرت مولانا زید فاروقی علیہ الرحمۃ نے خانقاہ شریف میں اس عاجز کے قیام کو منظور فرمایا اور یہ عاجز اپنے بڑے لڑکے عزیزم ڈاکٹر محمد انوار اللہ خان پی ایچ ڈی کے ساتھ بقیہ مدت وہیں قیام کیا۔ اس کے بعد سے مولانا کی حیات تک جب بھی دلی، علیگڑھ کے سفر ہوتے تو ہمیشہ خانقاہ شریف میں قیام رہتا اور حضرت علیہ الرحمۃ کی صحبت بابرکت سے سرفراز ہوتا۔ حضرت کی دعاؤں سے اس عاجز کے کئی مشکلیں حل ہوئی ہیں۔

۱۹۹۱ء میں اس عاجز کا گھر زیر تعمیر تھا۔ قرض کے علاوہ بقیہ تعمیر کے لئے بھی کافی رقم کی ضرورت تھی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کو پوری تفصیل لکھی اور دعاؤں کی درخواست کی۔ جواباً خط وصول ہوا جس میں حضرت علیہ الرحمۃ نے لکھا:

"تمہارا خط ملا، حالات معلوم ہوئے اور معاً یہ آیت زبان پر آئی "لاتحزن ان اللہ معنا" آپ فکر نہ کریں آپ کی ساری مشکلیں یہیں سے حل ہوں گی"

بس ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ہیوسٹن سے اصرار کے ساتھ ایک مطالبہ آیا کہ آپ چند ماہ کے لئے ہیوسٹن آجائیں اور BEERCREEK سنٹر کی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔ یہ عاجز ہیوسٹن پہونچا اور الحمد للہ ثم الحمد للہ ایسا کچھ نظم ہوا کہ قرض کی

ادائی کے علاوہ گھر کے بقیہ حصہ کی تعمیر بھی بروقت تکمیل کو پہونچی۔

عنایت را کہن دامان درویش
ز سدِ صد سکندر قوّتش بیش

مئی ۱۹۹۳ء میں ہندوستان سے امریکہ واپسی پر تین دن حضرت کی ملاقات کے لئے اس عاجز کا خانقاہ شریف میں قیام رہا۔ مولانا نے فرمایا کہ "موت کا منتظر ہوں"۔ یہ عاجز ۱۴ مئی ۱۹۹۳ء کو شکاگو پہونچا اور حضرت کے پوتے عزیزم انس میاں سلمہ نے تار روانہ کیا کہ پنجشنبہ ساڑھے نو بجے صبح ۲؍ دسمبر ۱۹۹۳ء کو حضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

آن قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

حضرت کی نماز جنازہ جامع مسجد دلی میں بعد نماز عصر ادا کی گئی اور بعد مغرب شبِ جمعہ اندرون خانقاہ تدفین عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمۂ واعف عنہ واجعل الجنۃ مثواہ! آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین۔

۱۶۔ مولوی غوث الدین علیہ الرحمۃ:

اشک غم میں ہیں تیری یاد کی شمعیں روشن
دل کی دھڑکن میں تیری زمزمہ پیرائی ہے
ہوئی مقبول مرے اشک ندامت کی دعا
میری آہوں کو عطا رنگ پذیرائی ہے

مولوی غوث الدین صاحب علیہ الرحمۃ اس عاجز کے بچپن کے استاذ ہیں۔ اس عاجز کا بچپن محلہ بیرون لال دروازہ حیدر آباد میں گذرا اور جد امجدّ حضرت بسم اللہ خان علیہ الرحمۃ اور حضرت والدِ ماجد جناب محمد اسماعیل خان علیہ الرحمۃ کے ساتھ نمازیں مسجد لائن مکلوٹ میں ہوا کرتی تھیں۔ یہ محلّہ اور دیگر محلوں کی طرح صالحین، ذاکرین اور اہل اللہ کا محلّہ تھا۔ ہر پنجشنبہ کو شب جمعہ قصیدۂ بردہ شریف کی مجلس باری باری سے ہے ہر ایک گھر ہوا کرتی تھی۔ مولوی غوث الدین علیہ الرحمۃ اس

مسجد میں بعد نماز مغرب تفسیر حسینی سنایا کرتے تھے اور ہم بچوں کی ایک جماعت کو حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستان کا درس دیا کرتے ۔ مولوی صاحب موصوف حضرت پیر و مرشد قدس سرّہ کے درس حدیث میں لال دروازہ سے حسینی علم پیدل جایا کرتے اور بڑی تقطیع کی مشکاۃ شریف سینے سے لگی رہتی ۔ مولوی صاحب بڑے باوقار، بیحد سنجیدہ اور بڑے متواضع تھے ۔ پرائمری کے استاذ تھے اور لاولد تھے ۔ زیادہ عمر نہیں پائی ۔ معمولی سی علالت کے بعد انتقال ہوا تو نماز جنازہ مسجد لائن مکلوٹ میں حضرت پیر و مرشد محدّث دکن نے پڑھائی اور تدفین تک مقبرہ میں تشریف رکھا ۔ مولوی صاحب حضرت میر مؤمن چپ علیہ الرحمۃ کے احاطہ واقع بیرون علی آباد میں آرام فرما ہیں ۔ مولوی صاحب ہمارے اولین تربیت کرنے والوں میں ہیں جبکہ ہم اپنے شعور کو بھی نہیں پہونچے تھے ۔

کیسا مبارک زمانہ تھا ۔ کیسے اہل اللہ تھے کہ ان کے وجود کی وجہ سے برکتیں ہی برکتیں تھیں، محلوں اور مسجدوں میں نورانی فضائیں دکھائی دیتی تھیں ۔

تذکرۂ محدّث دکن قدس سرّہ کی آخری فصل جس میں حیدر آباد کے معاصرین کے عنوان سے اس عاجز نے اپنے اساتذہ کرام کا ذکر کیا ہے ۔ یہ وہ اساتذہ کرام ہیں جن کی تربیت میں اس عاجز کو دینی اور علمی شعور نصیب ہوا ۔

اس عاجز کے خاندانی اکابر جن کی صحبتوں میں بیٹھ کر اس عاجز نے دل میں حقیقت کی روشنی اور آنکھوں میں طریقت کا نور حاصل کیا ان میں اس عاجز کے نانا حضرت محبوب حسین محبوب چشتی فاروقی والد مولانا الطاف حسین فاروقی (مولوی کامل) مصحح دائرۃ المعارف اور امام و خطیب مسجد مرد ہے منور ، حضرت چچا الحاج محمد اکبر خانصاحب، چچا الحاج محمد قدرت اللہ خاں، حضرت سید حسن علی بن حضرت سید کرامت علی بن حضرت میر احمد علی نقشبندی خلیفۂ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجدّدی ۔ رحمۃ اللہ علیہم اور الحاج حافظ نور محمد خان صاحب ہیں، اللہ تعالی ان سب

حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے ۔ اپنے اساتذہ اور کرم فرماؤں کو یاد کرتے ہوئے عربی کے عظیم شاعر جریر کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے ۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(یہ ہیں میرے آباو اجداد ، اے جریر: اگر ہم کو محفلیں اکھٹی کریں تو تو مجھے ان جیسا دکھادے) پروفیسر ڈاکٹر مولوی سلطان محی الدین صاحب دام فضلہ نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں حکومت آصفیہ کے دوسرے سو سال یعنی ۱۷۴۸ء سے ۱۹۴۸ء تک کے علماء کے حالات اور ان کے علمی ، ادبی کارناموں پر سیر حاصل مواد جمع کیا ہے ۔ اس عاجز نے اپنے اساتذہ کے بارے میں موصوف کے مقالہ سے استفادہ کیا ہے ۔ اس پر بندہ موصوف کا شکر گذار ہے ۔ اللہ کرے کہ یہ مواد اردو میں بھی منتقل ہو جائے اور اردو داں طبقہ اپنے اسلاف کرام کے کارناموں سے واقف ہو کر اپنا راہ عمل متعین کرے ۔

یہ وہ اسلاف کرام اور اس عاجز کے اساتذہ تھے جن کے اس پر حقوق ہیں کہ یہ عاجز ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہے ۔ یہ عاجز ان کی نعمتوں کے خرمنوں کا ایک ادنی خوشہ چین اور ان کے خوانہائے کرم کا ایک ناچیز زلّہ بردار (پس خوردہ اٹھانے والا) ہے، انھوں نے گوناگوں نوازشوں سے میری تربیت کی ہے اور طرح طرح کے احسانات سے میری پرورش کی ہے ۔ اللہ تعالی میرے ان اساتذہ کرام کی قبروں کو نور سے بھردے آمین یارب العالمین ۔

(۱۷) والدِ ماجد حضرت محمد اسماعیل خان ولد حضرت بسم اللہ خان
ولد حضرت ابراہیم خان ولد حضرت بڑے خان داؤد زری علیھم الرحمہ

نور کی تحریر تھی ہر خطِ پیمانہ مجھے
یاد ہے اب تک طلوعِ صبحِ میخانہ مجھے

اس مبارک تذکرہ کا یہ آخری سوانحی خاکہ ہے۔ راقم الحروف ے والد ماجد علیہ الرحمۃ اردو اور فارسی کے فاضل ضرور تھے مگر انتظامی صلاحیت، وقار، متانت، اصابت رائے اور سنجیدگی جیسے اخلاق فاضلہ سے بھی آراستہ تھے۔ ملازمت کی ابتداء پرائمری کے استاد کی حیثیت سے کی مگر ناظم تعلیمات جناب سید علی اکبر مرحوم نے بوقت معائنہ تحتانیہ چندرائن گٹہ سے دفتر صدر مہتمی تعلیمات میں منتقل فرمایا اور بعد ازاں دفتر فوقانیہ دارالعلوم واقع کالی کمان حیدرآباد پر تبادلہ کر دیا اور جب ۱۹۴۷ء میں انٹرمیڈیٹ کالج دارالعلوم قائم ہوا تو جناب غلام قادر صاحب مرحوم نے اس کالج پر آپ کو بحیثیت منتظم ترقی دلوائی اور اسی عہدہ سے ۱۹۵۱ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کی دیانت کا ایک واقعہ قارئین کرام کے نذر کروں: آصفی دور میں بعض ڈگریوں یا عہدوں کے لئے ایک خاص عمر کی قید تھی۔ اس بارے میں ایک صاحب بڑی رقم لے کر حاضر ہوئے تاکہ ان کے لڑکے کی عمر گھٹا کر صداقت نامہ عمر جاری کیا جائے۔ والد نے نہ مانا، وہ دفتر سے گھر پر پہونچے والد بزرگوار کو جیسے ہی اطلاع ملی ان کو کہلوادیا کہ میں ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا اور ملنا بھی نہیں چاہتا۔ میرے گھر کے دو دروازے ہیں میں اسی وقت دوسرے دروازہ سے کہیں دور نکل جارہا ہوں۔

یہ دیانت تھی جو اس بات کی شہادت ہے کہ ہمارے والد بزرگوار نے ہمیں حلال روزی کھلائی اور ہم میں اپنے عمل سے اسلامی کردار پیدا کیا۔ اور آج ہم حلال روزی کی برکت اپنے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ الحمد للہ ہم سات بھائی اور دو بہنیں ہیں سب اپنی اپنی جگہ خوش حال ہیں والحمد للہ علی ذلک۔

اس عاجز کے والد بزرگوار علیہ الرحمہ فرمایا کرتے بندۂ مسلم نے حج اور زیارت مدینہ کی سعادت حاصل نہ کی تو اس نے اس دنیا میں پھر کیا حاصل کیا؟ ۱۹۵۶ء میں جناب کرنل امیر الدین خان جو اس عاجز کے برادر طریقت ہیں اور تبلیغی جدوجہد میں سرگرم رفیق کار تھے۔ حج کی تیاری شروع کی تو اس عاجز سے فرمایا کہ مولوی صاحب! اس مبارک سفر میں آپ ہمارے ہمرکاب رہیں گے، اس وقت یہ عاجز اس قابل نہ تھا حالانکہ اس وقت اس مبارک سفر کے لئے ایک ہزار روپیہ کافی تھے۔ کرنل صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ انتظام نہ کرسکیں تو میں اپنی موٹر فروخت کردوں گا اور آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ ہمارے ایک برادر طریقت جناب سیٹھ ہدایت علی مرحوم ساکن رکاب گنج نے ایک ہزار روپیہ قرض حسن پر آمادگی ظاہر فرمائی اور سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ والد بزرگوار ان سب حالات سے واقف تھے۔ دل ہی دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ جب اس کی تیاری پوری ہو جائے گی تو میں اس کو روک دوں گا اور اس کے بجائے اس مبارک سفر پر میں روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ سعادت مند بیٹا ہے اس سے کہوں گا۔ میاں میں مرنے والا ہوں اور تو جوان ہے انشاء اللہ تجھے ضرور موقع ملے گا اس مرتبہ میرے حق میں تو دستبردار ہو جا۔

بالائے سرش زہوش مندی
ی تافت ستارۂ بلندی

اس عاجز کو خوب یاد ہے کہ جناب ہدایت علی صاحب اس سال رمضان المبارک کی انتیسویں شب آم والی مسجد تشریف لائے اور دریافت کیا مولوی صاحب! کیا آپ کے والد صاحب بحیات ہیں اور اگر ہیں تو انہوں نے بھی حج کر لیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کیا ہے تو میں دو ہزار روپیہ قرض دیتا ہوں باپ بیٹے دونوں اس قرض کو ادا کریں اور ماہانہ پچاس روپیہ کی بجائے ایک سو روپیہ ادائی قرض میں دیا کریں۔ گھر آکر یہ مژدہ جب اس عاجز نے اپنے والد بزرگوار کو سنایا تو رو پڑے اور پورا ماجرا سنایا کہ میرا تو یہ عزم تھا جو بیان کیا گیا۔ مگر اللہ تعالی ہم دونوں کو اس سعادت سے بہرہ ور کر رہا ہے اور اس مبارک سفر میں امیر سفر حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمہ تھے اور ہمارا قافلہ تیرہ اصحاب پر مشتمل تھا۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

یہ سعادت جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی یہ پیر و مرشد صاحبِ تذکرہ کی برکتوں کی ایک جھلک ہے۔ اور ایسی ان گنت جھلکیوں کو یہ عاجز زندگی بھر دیکھا کیا اور اب بھی دیکھ رہا ہے اور پس مرگ بھی عالم برزخ اور ان شاء اللہ جنت میں داخل ہونے تک دیکھتا رہے گا۔ والحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ!

والد ماجد علیہ الرحمہ کے تذکرہ کو آپ کی وفات کے سانحہ پر ختم کرتا ہوں جو در حقیقت ایک مرد مؤمن کی دنیا سے رخصتی کے کوائف پر مشتمل ہے۔ الحمد للہ والد بزرگوار علیہ الرحمہ نے تقریباً ایک ہفتہ قبل فرمایا: اب میں مہمان ہوں، اپنی بہن اس عاجز کی پھوپھی صاحبہ اور بہن کو بلوایا اور کہا اب آپ ہم مل بیٹھیں پھر تم کہاں اور ہم کہاں یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا ہمارے پاس آنے کے لئے تیار ہو تو میں نے عرض کیا حضور! بندہ حاضر ہے مگر ایک لڑکا دور رہتا ہے وہ آئے یا نہ آئے میں تو تیار ہوں۔

اس دوران میں علالت شدید ہوگئی، آپ کو قصیدہ بردہ شریف کے سننے کی خواہش تھی الحمد للہ ۳۰ / ستمبر ۱۹۸۸ء کو جمعہ کا دن تھا، والد ماجد بزرگوار کے حسب ارشاد برادرم عبدالباسط خان خالد حفظہ اللہ نے ایک بکرا لایا اور علالت کی خبر سن کر جو بھی ملنے کے لئے آتے حضرت ان کو دوپہر کے کھانے کا پابند فرماتے، قصیدۂ بردہ کی جماعت کا بھی انتظام ہوا، بعد نماز جمعہ قصیدہ مبارکہ پڑھایا گیا اور سب حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ رات میں جیسے ہی گلوکوس ختم ہوا اس عاجز کو جو حضرت کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا یاد فرمایا کہ کیا ستار میاں چلا گیا ہے؟ اس عاجز نے جواب دیا: بندہ حاضر ہے! ارشاد ہوا یہاں سامنے آؤ، تعمیل حکم میں یہ عاجز سامنے آکر بیٹھ گیا، اس عاجز کی طرف دیکھکر باآواز بلند کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا شروع کیا، اس وقت رات کے ڈیڑھ بجے تھے آپ لا الہ الا اللہ پڑھتے تو ہم حاضرین محمد رسول اللہ پڑھتے کلمہ طیبہ کی تکرار بیس منٹ تک جاری رہی اس دوران میں میری بہن کی زبان پر یہ الفاظ جاری رہے "اللہ کی بخشش! محمد کی شفاعت" بیس منٹ کے بعد حضرت نے دریافت

فرمایا۔ کیا بجا ہے؟ ہم نے عرض کیا دو بجنے میں دس منٹ باقی ہیں! یہ سن کر اپنی انگلیوں سے دو کا اشارہ فرمایا اور کلمہ طیبہ کی تکرار فرماتے ہوئے ٹھیک دو بجے شب کسی غیبی شخصیت سے مصافحہ کے لئے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور خود سے آنکھیں اور منہ بند کر لیں اور لیٹ گئے! انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دوسرے دن شنبہ یکم اکتوبر ۱۹۸۸ء بعد نماز ظہر جامع مسجد جہاں نما میں حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی و قادری جانشین حضرت پیر و مرشد قدس سرہما نے نماز جنازہ میں امامت فرمائی اور قصبہ یسرم جو اس عاجز کا خاندانی مقبرہ ہے تدفین ہوئی۔

تیسرے دن یکشنبہ ۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو فاتحہ سوئم مقرر کی گئی اور تقریباً پانچ سو شرکاء نے کھانا کھایا۔ اور بغرض فاتحہ ہم لوگ جب اپنے قریہ میں پہونچے اور یہ عاجز، مولوی سید احمد علی صاحب (بہنوئی) برادرم مولوی عبدالجبار خان اور دیگر حضرات قبر پر فاتحہ خوانی میں مشغول تھے ہم نے دیکھا کہ ہلکی بارش چند منٹ قبر پر جس طرح پانی کا چھڑکاؤ ہوتا ہے جاری رہی جو رحمت خداوندی کی ایک جھلک تھی۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

دورانِ علالت حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد جو بھی میری تعزیت اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے آئے اس کو کچھ نہ کچھ کھلاؤ، چنانچہ حسبِ وصیت اس عاجز کی بہن رابعہ بی سلمہا نے شیرمال اور کباب کا انتظام کیا اور ہر آنے والے نے چند لقمے ضرور تناول فرمائے۔ یہ درحقیقت اس عاجز کی پڑدادی علیہا الرحمۃ کی سنت تھی کہ ان مقدس خاتون نے جو بعد نماز فجر اشراق تک دیوار کو ٹیک لگا کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتی تھیں وصیت فرمایا تھا کہ میرے انتقال کے بعد پیروں کے انگوٹھے باندھ کر مجھے لٹا دیا جائے اس کے بعد فوراً ایک من پلاؤ کی دیگ چولہا پر چڑھا دی جائے اور یقنی کی بوٹیاں بڑی بڑی کاٹی جائیں اور جیسے ہی دیگ پک کر تیار ہو جائے جو بھی حاضر ہوں ان کو کھانا کھلائے جائے اور اس کے بعد میرے غسل اور تکفین اور نماز جنازہ کا انتظام ہو۔

یہ سنت قائمہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مبارک عمل سے آج تک چلی آرہی ہے ۔ تفصیل تو حضرۃ المعارف مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ کی تالیف حضرت ابو ذر غفاری میں ملاحظہ فرمائی جائے استفادہ کی خاطر ذیل میں اختصار کے ساتھ وہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام ربذہ میں قیام کا حکم دیا تھا آپ اپنی اہلیہ اور غلام کے ساتھ رہا کرتے تھے ۔ جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو آپ کی اہلیہ رونے لگیں، آپ نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا آپ کے انتقال کے بعد ہم آپ کو کس طرح دفن کریں؟ میں اور غلام تو یہ کام نہیں کر سکتے، جواب دیا انتقال کے بعد بکری کو ذبح کرو، شوربہ تیار کر کے آٹا گوندھ کر راستہ پر پہونچ جاؤ ۔ ملک شام سے ایک قافلہ آئے گا اس کو روک کر کہو، تم لوگ اپنے بھائی کو دفن کر کے جاؤ، حسب حکم کی تعمیل ہوئی اس قافلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو رونے لگے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا ۔ (ابوذر) تم تنہا چلو گے، تنہا مرو گے اور تنہا اٹھائے جاؤ گے (طبقات ابن سعد ۴ / ۱۷۷) تدفین کے بعد وہ قافلہ رخصت ہونے لگا تو آپ کی اہلیہ نے فرمایا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے کہ اس قافلہ کو کھلائے بغیر رخصت نہ کرنا اور حسب عمل ہوا ۔

اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی شفقت اور اصابت رائے کا ایک عظیم فیصلہ جو اس راقم الحروف کی ذات اور شخصیت سے متعلق ہے سنا کر اس مبارک تذکرہ کو ختم کیا جاتا ہے ۔ اس عاجز کا تقرر ام اے کامیاب کرنے کے بعد سنہ ۱۹۴۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کی لیکچراری پر ہوا تو شادی کا مرحلہ پیش آیا ۔ اس وقت دنیوی وجاہت کے اعتبار سے متمول گھرانوں کے پیام موجود تھے ۔ لیکن والد ماجد علیہ الرحمہ نے اس عاجز کی طبیعت کے اعتبار سے

یہ طے کیا کہ میں تمہارا پیام متوسط گھرانے میں طے کروں گا جس کی توثیق مولانا ابوالوفا علیہ الرحمہ نے کی اور "برکت بڑوں کے ساتھ ہوتی ہے" کا مشاہدہ اس عاجز نے کیا ۔ جب حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے زجاجۃ المصابیح کی طباعت کے موقع پر اس عاجز کو کاپی اور پروف ریڈنگ کے مقابلہ کے لئے یاد فرمایا اور پھر زجاجۃ المصابیح کے اردو ترجمہ کا کام بھی شروع ہوا تو ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۴ء تک اس عاجز کی مشغولیت کا یہ حال تھا کہ صبح جب گھر سے ملازمت کے لئے نکلتا تو رات بارہ بجے کے بعد گھر واپسی ہوتی اور دائرۃ المعارف اور بعد ازاں یونی ورسٹی سے حضرت پیر و مرشد قدس سرہ کی خدمت میں حاضری ہوتی اور وہاں ترجمہ زجاجہ، شام کا کھانا اور پھر نماز عشاء کے بعد فراغت ہوتی اور اس طویل مدت میں گھر کی پوری ذمہ داری اہلیہ محترم انجام دیا کرتیں ۔ اگر کسی متمول گھرانے میں شادی ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا ۔ یہاں مجھے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی فراست ایمانی کی روشن مثال عملاً دکھائی دی جس کی وجہ سے اس عاجز کی گھریلو زندگی بڑی مطمئن گذری والحمد للہ علی ذلک اور اس طرح حضرت پیرو مرشد قدس کی خدمت میں حاضری اور علمی و دینی کام کی سرگرمی میں یقین اس عاجز کی اہلیہ محترمہ کا حصہ ہے الدالّ علی الخیر کفاعلہ (بھلائی پر رہبری کرنے والا اس بھلائی کے کرنے والے کے برابر ہے)

اس عاجز کی اہلیہ محترمہ نے طویل علالت کے بعد شب جمعہ بوقت سحر ۲۵ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ ۳ / فروری ۱۹۸۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا ۔ اور مکہ مسجد میں مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ مرحومہ میں چند باتیں بڑی قابل تقلید تھیں ایک تو یہ کہ ان کو حضور غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ سے بڑی عقیدت تھی، زندگی بھر ماہ ربیع الثانی میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے نیاز کا اہتمام کیا کرتیں اس عاجز کے دوست جناب محمد بہاؤ الدین فاروقی انجینئر بلدیہ نے خواب دیکھا کہ ایک خاتون کا جنازہ جا رہا ہے اور وہ بھی مشایعت کر رہے ہیں، انہوں نے دیکھا کہ دفعتاً جنازہ پر سفید چادر کی بجائے اعلیٰ قسم والی مخملی سبز رنگ کی چادر غیب سے بدل دی گئی ہے یہ بڑے حیران ہوئے اور

ساتھ چلنے والوں سے دریافت کیا کہ یہ کن خاتون کا جنازہ ہے ؟ تو ہمراہیوں نے بتایا کہ یہ "عبدالستار خان کی اہلیہ کا جنازہ ہے" ۔ اس سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اولیاء کی محبت آخرت کی بھلائی کا موجب ہے ۔

انتقال سے بیس سال قبل اہلیہ مرحومہ سخت علیل ہوگئیں ، سرکاری زچگی خانہ میں شریک کروایا گیا ۔ حالت خطرناک ہوگئی اور آکسیجن دیا جانے لگا ۔ زیست کی امید بیحد کم تھی ، اس عاجز کے برادرِ عزیز اور بہنوئی رحمت اللہ خان مرحوم کو یہ اطلاع ملی تو وہ بیحد پریشان ہوگئے اور اسی حالت میں وہ سوگئے انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ ایک بزرگ کے روبرو حاضر ہیں اور ان کا دست فیضِ رجت اس عاجز کی اہلیہ کے سر پر ہے اور وہ ان کی طرف دیکھ کر فرما رہے ہیں ۔ تم کیوں پریشان ہو ؟ یہ خواب سے بیدار ہوئے تو یقین ہوا کہ انشاء اللہ یہ صحت مند ہو جائیں گی ۔ اورالحمد للہ ان کو کامل صحت ہوئی اور مزید بیس برس زندہ رہیں جب یہ صحت مند ہوئیں تو کہا ۔ اگر اس بیماری میں انتقال کرجاتی تو میں اللہ کی پیاری ہوجاتی مگر آپ بڑے پریشان ہوجاتے کہ بچے سب چھوٹے چھوٹے ان کی دیکھ بھال کیسے ہوتی اللہ تعالی نے مجھے نئی زندگی عطا فرمادی اور جب ۱۹۸۹ ء میں انتقال ہوا تو وہ الحمد للہ کئی پوتوں کی دادی اور کئی نواسوں کی نانی بن چکی تھیں ۔ والحمد للہ علی ذالک ۔

انتقال کے فوراً بعد حج کے موقع پر برخوردار عطاء اللہ خان سلمہ نے اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کیا اور فرزند اکبر ڈاکٹر انوار اللہ خان سلمہ نے خواب میں اپنی ماں کو مسجد نبوی علی صاحبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ، اور اس عاجز نے بھی اپنی اہلیہ اور بڑی بیٹی کو مدینہ منورہ میں دیکھا اور وہ اپنی ماں سے کہہ رہی ہیں ۔ امی ! چلو تیار ہوجاؤ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیں گے یہ واقعات اس بات کی نشانی ہیں کہ الحمد للہ اس عاجز کی اہلیہ مغفور ہیں والحمد للہ علی ذلک !

یہ عاجز ۱۹۸۴ ء میں وظیفہ پر سبکدوش ہوا اور قواعد وظیفہ کے لحاظ سے اہلیہ کی فوٹو اور نامزدگی کا پرچہ دفتر میں داخل کرنا ضروری تھا ۔ اس عاجز نے محترمہ سے کہا تو جواب دیا کہ میں تو آپ

سے پہلے اللہ تعالی کے حضور پہونچنے والی ہوں تو فوٹو کیوں دفتر دفتر پھرے ؟ یہ عاجز بھی سن کر خاموش ہوگیا اور اللہ تعالی کی یہ بندی تقریباً پانچ سال بعد دنیا سے رخصت ہوگئیں ۔ یہ بھی اس بات کی نشانی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے فیصلہ یعنی موت پر لبیک کہنے کے لئے تیار تھیں ! اللہ تعالی مرحومہ کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین . بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین و اصحابہ الاکرمین ۔

اپنے پیرو مرشد قدس سرہ کی تقلید میں کہ حضرت نے اپنی ہر کتاب کو شجرۂ عالیہ نقشبندیہ پر ختم کیا ہے ۔ البتہ اس عاجز نے مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ کی آلیٰ منظومہ سے ذیل کے ابیات لئے ہیں :

شجرہ عالیہ نقشبندیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی کہاں مشتِ خاکِ ذلیل　کہاں بارگاہِ رفیع و جلیل
تری رحمتوں نے اٹھایا اسے　الیہ الوسیلہ سنایا اسے
وسیلہ نے پھر اس کو پرواز دی　کرے عرض تجھ سے وہ آواز دی
ترے در پہ آیا وہ عبدِ ذلول　توسل سے اپنے تو کر لے قبول
توسل بہ اسمائے حسنیٰ تمام　توسل بہ اوصاف زیبا تمام
توسل بہ اسمِ جلیل و عظیم　دعاؤں کو سن لے بہ لطف عمیم
توسل بہ نورِ مقدس صفات　جناب محمد علیہ الصلات
توسل بہ سالارِ کل اولیاء　ابوبکر صدیق رمزِ وفا
توسل بہ سلمان رفیقِ رسول　ہوا آل اطہر میں جن کا شمول
توسل بہ قاسم امامِ ھدیٰ　زمانے میں اپنے وہی مقتدا
توسل بہ جعفر مبارک نسب　کہ صادق ہوا جن کا روشن لقب
توسل بہ شہباز اوجِ بعید　جنھیں کہتے ہیں حضرتِ بایزید
توسل بہ اسرار شیخِ زمن　اویسی قدم حضرتِ بوالحسن
توسل بہ قطب جہاں بوعلی　کہ جن کی نظر سے بنے صد ولی
توسل بہ یوسف مبارک لقا　خدا نے کیا ان کو غوث الوریٰ
توسل بہ سر حلقۂ خواجگاں　جنھیں عبدِ خالق ہے کہتا جہاں
توسل بہ عارف زہے حق منش　کہ پاکیزہ تھی جن کی ہر ہر ورش

توسل بہ محمود شائستہ نام　مئے وصل کے جو لٹاتے تھے جام
توسل بہ فرخندہ طینت ولی　کہ تھا نام جن کا عزیزاں علی
توسل بہ سرخیلِ بزم طرب　محمد کہ بابا تھا جن کا لقب
توسل بہ سیارِ برج کمال　خدا کے مقرب امیرِ کلال
توسل بہ عطارِ دیں کے علا　معطر ہوئی جن سے بزمِ صفا
توسل بہ یعقوب دانائے راز　ہوا جن سے چرخِ صفا سرفراز
توسل بہ احرار عالی مقام　کہ شاہانِ عالم تھے جن کے غلام
توسل بہ زاہد محمد ولی　جو تھے واقفِ رمزہائے خفی
توسل بہ درویشِ شب زندہ دار　محمد جو تھے مرشدِ روز گار
توسل بہ طاعاتِ روشن ضمیر　ہوئے بندگی خواجگی سے شہیر
توسل بہ سرچشمۂ نورِ حق　منوّر ہیں باقی سے چودہ طبق
توسل بہ احمد مجدّد خطاب　ہوئے الفِ ثانی کے وہ آفتاب
توسل بہ معصوم عالی ھمم　وہ قیومِ دوراں وہ ابر کرم
توسل بہ سیف مجلائے دیں　سلاطیں ہوئے جن کے زیرِ نگیں
توسل بہ محسن امام ھدیٰ　ہوئے ان سے برحق عِبادِ خدا
توسل بہ سید چہ پاکیزہ جاں　وہ نورِ محمد ہے نورِ جہاں
توسل بہ مرزائے نازک دماغ　وہ ہیں جانِ جاناں روشن چراغ
توسل بہ شاہ غلام علی　خلائق کے ہادی خدا کے ولی
توسل بہ شیخ عدیم المثال　شہ بو سعید آفتاب کمال
توسل بہ فیضانِ قطب دکن　سعد اللہ شاہ و شمسِ دکن
توسل بہ سید محمد بخاری　مسیحا نفس نظر کیمیاوی
توسل بہ شاہ ابوالحسناتِ من　وہ حسنِ مجسم وہ قطب زمن

الٰہی بزرگوں سے الفت رہے — ہر اک کو نبی کی محبت رہے
فناءِ الفنا ہو الٰہی نصیب — مقامِ رضا ہو الٰہی نصیب
لطائف ہوں جاری ترے نام سے — ہر ایک ذرہ تن کا لگے کام سے
رہے زندگی بھر یہی مشغلہ — اسی پر ہو یا رب مرا خاتمہ
گنہ سے ہوا اگرچہ میں خستہ حال — برابر یہ رہتا ہے دل میں خیال
نہ ڈر سعد مرشد ہے حسنِ جہاں — نبی تیرا شافع خدا مہرباں

اختتامیہ

اس عاجز نے اپنے پیرو مرشد، محدّث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی و قادری قدس سرّہ کا تذکرہ لکھا۔ اور ابھی یہ تذکرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ اچانک برادر عزیز القدر میاں محمد عبدالغنی سلمہ بی۔ ایس، سی، بی، ای (عثمانیہ) انجینئر مقیم نیو یارک جو اس کے والد بزرگوار کے مخلص دیرینہ حضرت الحاج عبدالرحمن البصراوی مرحوم کے فرزند ہیں فون پر خوش خبری دی کہ بھائی جس قدر بھی تذکرہ کا مسودہ تیار ہے، زیر اکس کروا کر میرے پاس روانہ کردیں ان شاء اللہ میں اس کی طباعت کا اہتمام کرتا ہوں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں! اور پیاسا کیا چاہے ایک گلاس پانی! بس اس عاجز نے دو قسطوں میں تیار مسودہ روانہ کردیا جو کمپیوٹر پر آگیا باقی ماندہ مسودہ جو ایک سو صفحہ پر مشتمل تھا اور جس پر تذکرہ ختم ہوتا ہے نیو یارک دست بدست پہونچا دیا گیا۔ اللہ تعالی میرے اس بھائی کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے کہ موصوف ایک عظیم شیخ طریقت، محدّث دکن، شریعت اور طریقت کے سر تاج کے تذکرہ کو شائقین کے ہاتھوں میں پہونچا رہے ہیں۔ اللہ تعالی موصوف کی اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے آمین"۔

یہ تمام تر تذکرہ اس عاجز کے قیامِ امریکہ میں لکھا گیا اور پھر یہیں سے اس کی طباعت کا انتظام ہورہا ہے۔ یہ میرے پیرو مرشد کی کرامت ہے کہ اس نئی دنیا میں اس تذکرہ کا مواد مہیا ہوا جس کا حیدر آباد اور ہندوستان میں میسر ہونا بظاہر ممکن نہ تھا۔ خصوصاً عالم عرب اور پاکستانی معاصرین کے تذکرے اور ان کے علمی کارنامے! آخر میں میں اپنے فرزندِ دلبند میاں محمد امان اللہ خان امجد سلمہ اور ان کی اہلیہ میری بہو بیگم عزیزم شفیق فاطمہ سلمہا اللہ تعالی کے لئے دعا ہے کہ ان کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے! ان دونوں نے مجھ ہر قسم کی راحت اور آسائش پہونچائی کہ دلجمعی اور سکون و اطمینان کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہونچا والحمد للہ علی ذلک حمد اکثیر اطیبا مبار کا فیہ۔ اللھم بارک علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراہیم وعلی آل سیدنا ابراہیم اللھم و بارک علینا معھم انک حمید مجید۔ اس مبارک تذکرہ کو

حضرت لسان الغیب حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر پر ختم کرتا ہوں ؛

از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ تشکر

دل ہمارے یادِ عہد رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

اس عاجز نے اختتامیہ میں عزیزم محمد عبدالغنی صاحب کے تعاون کا ذکر کیا ہے کہ اس تذکرہ کو کمپیوٹر میں تیار کرنے کا انہوں نے اہتمام کیا۔

جب پوری کتاب کمپیوٹر پر آگئی تو شاگردِ رشید عزیزم ڈاکٹر محمد غوث ندوی صاحب بانی دارالعلوم الاسلامیہ بامریکا نے اس کی طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی، اللہ تعالی ان دونوں حضرات کو اس علمی خدمت کے صلہ میں دارین میں عافیت سے رکھے۔

خدا کرے کہ یہ تذکرہ متاعِ فقر و سلوک اور صراطِ مستقیم کے طالبان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو۔ اور واقعات میں رشد و ہدایت کے جو بے شمار نمونے اور جذب و شوق الٰہی کے جو ان گنت عملی مثالیں موجود ہیں ان نقوشِ پا پر چل کر رہروانِ بادیہ طریقت منزل مقصود تک پہونچ جائیں آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین

عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کردیں
شکوہِ سنجر و فقرِ جنید و بسطامی

پنجشنبہ — راقم مؤلف

۱۱ شعبان ۱۴۱۸ھ — محمد عبدالستار خان

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

حنفی مشکوٰۃ شریف

زُجاجۃ المصابیح

مع اُردو ترجمہ

نور المصابیح

جلد اول

تالیف ؛ محدثِ دکن حضرت علامہ الحاج ابوالحسنات سیّد عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالی
ترجمہ ، مولانا علامہ محمد منیر الدین شیخ الادب جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن
نظرثانی ؛ ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں سابق لکچرار جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (حال امریکہ)

مکتبہ قادریہ
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور
داتا دربار مارکیٹ، لاہور

"إن من الشعر لحكمة و إن من البيان لسحرا"

الدّيوان العربي

المرسوم ب

بساتين الغفران

لمعالى فضيلة الإمام الأكبر المجدّد إمام أهل السّنّة والجماعة

محمّد أحمد رضا خان رحمه الله تعالى

١٢٧٢ھ — ١٨٥٦م ● ١٣٤٠ھ — ١٩٢١م

جمعه وقدم له وأردفه بملحق

الأستاذ حازم محمّد أحمد عبد الرّحيم المحفوظ

بكلية اللغات والترجمة۔ جامعة الازهر الشريف القاهرة۔ مصر
والاستاذ الزائر بجامعة بنجاب والجامعة النظامية الرضوية۔ لاهور۔ باكستان

مکتبہ قادریہ؛ داتا دربار مارکیٹ (نزد دستا ہوٹل) لاہور